امیر تیمور گورگان

حصّہ دوم

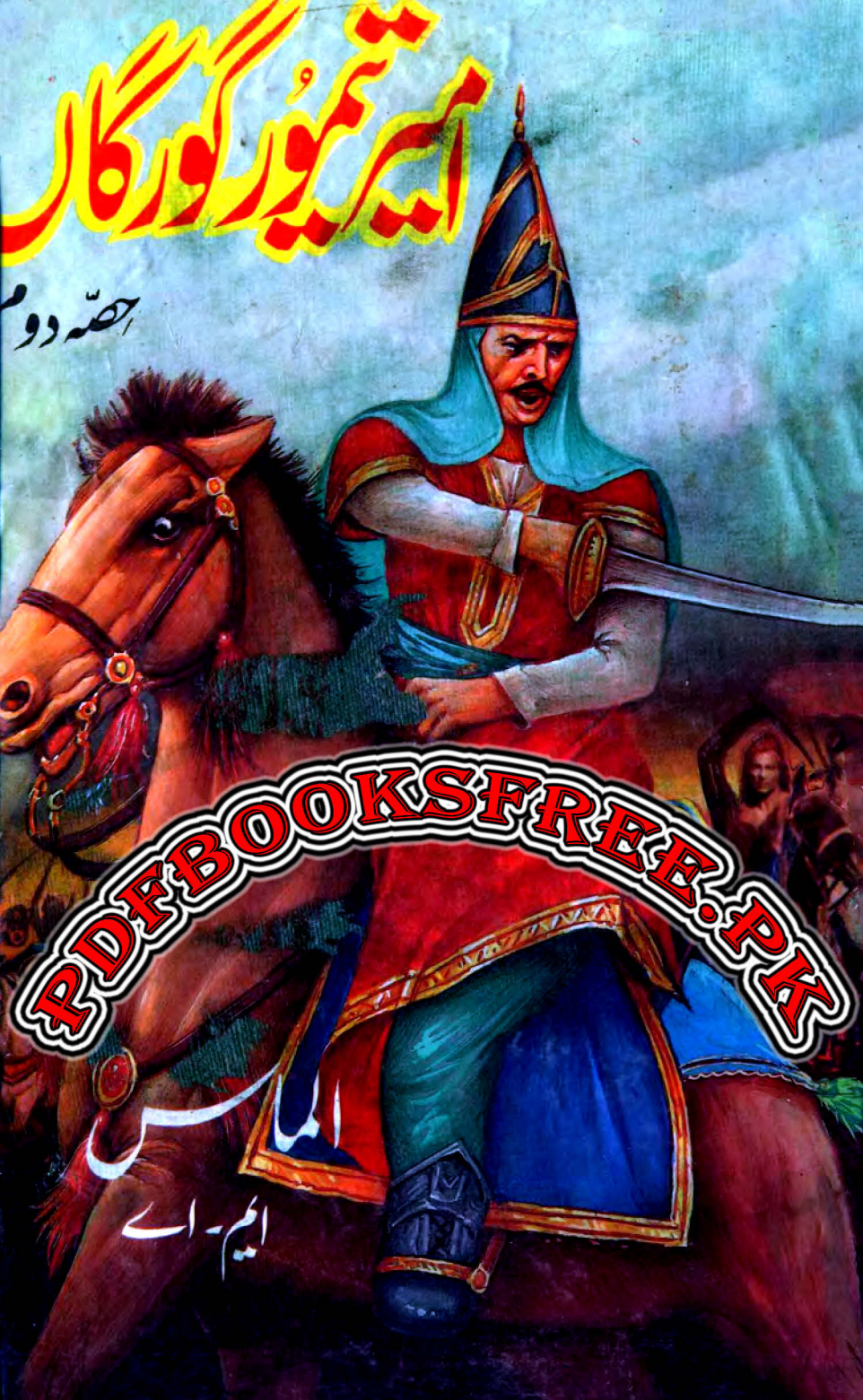

PDFBOOKSFREE.PK

الماس

ایم۔ اے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جادوگروں کی بستی

پتھریلے راستے پر آہٹ ہوئی۔ فراتو عنبر نے چونک کر کمان میں تیر جوڑ لیا۔ وہ تاتاری سردار تیمور کا قابلِ اعتماد پہرے دار تھا۔ اس کا نام فراتو تھا لیکن اسے خوشبویات کا بہت شوق تھا۔ ہر وقت کوئی خوشبودار پھول اس کے سینے پر مسکراتا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کے ساتھی اس کے نام کے ساتھ عنبر کا لفظ لگا دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ پورے لشکر میں فراتو عنبر کے نام سے مشہور ہو گیا۔

تیمور کو بھی اس کے اس شوق کا علم تھا لیکن اس نے عنبر کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ پہرے کے اوقات میں وہ کسی پھول سے اپنا سینہ نہ سجائے کیونکہ اس طرح اس کی پوشیدگی کی خبر دشمن کو بھی ہو سکتی تھی۔

اس وقت فراتو عنبر کا سینہ پھول سے محروم تھا۔۔۔۔ اور وہ کچھ افسردہ سا تھا۔

راستے پر دوبارہ آہٹ ہوئی۔

عنبر آہستہ آہستہ آہٹ کی جانب بڑھا۔ گھپ اندھیرا، چمکتی دمکتی کہکشاں میں بھی ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ اس کے کان آہٹ کی طرف لگے تھے مگر اس طرف خاموشی طاری تھی۔

عنبر کا پہرہ، مغلوں اور تاتاریوں کی سرحد کے شمال میں مشہور میدان قبچ مقش کی مغربی پہاڑیوں پر تھا۔ جس ابھری ہوئی چٹان کے پہلو میں وہ کھڑا تھا وہاں سے مغلوں کے خیموں کے آگے جلتے الاؤ سے اٹھتی ہوئی چنگاریاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ تاتاریوں کا لشکر جنوبی حصے میں تھا اور چٹان کی وجہ سے اس کی نظروں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوجھل تھا۔ صبح دونوں لشکروں کے ٹکرانے کا امکان تھا۔ رات کو بھی شب خون مارا جاسکتا تھا اس لیے عنبر زیادہ چوکنا تھا۔

راستے پر پھر آہٹ ہوئی۔ کوئی اوپر آرہا تھا۔

عنبر نے چلّا ڈھیلا کرکے تیر نکالا۔ کمان کندھے پر اور تیر ترکش میں ڈال کر تلوار کھینچ لی۔ اسی وقت ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ خوشبو کی لپٹیں آئیں اور عنبر کے مشامِ جاں کو معطر کرتی چلی گئیں۔ عنبر ہر پھول کی خوشبو پہچانتا تھا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ یہ خوشبو ان جنگلی پھولوں کی ہے جو اس علاقے میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

مگر اس خوشبو کو لانے والا کون ہے؟

عنبر تلوار سیدھی کیے آنے والے کی پشت پر پہنچ گیا۔

"خبردار۔ نہ کوئی قدم آگے بڑھے اور نہ کوئی آواز ہی نکلے" عنبر نے تلوار کی نوک اس کی پشت سے لگاتے ہوئے سرگوشی کی۔

چلنے والا رک گیا۔

"تلوار میرے حوالے کردو۔ اگر خنجر ہے تو وہ بھی" عنبر نے حکم دیا۔

"میں خالی ہاتھ ہوں" جواب میں ایک نرم و نازک آواز سنائی دی۔

عنبر نے تلوار ہٹالی۔

"کیا تم عورت ہو؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا آواز سے میں مرد معلوم ہوتی ہوں"

عنبر اس برجستہ جواب پر شرمندہ سا ہوگیا۔

"کیا تم مغل ہو؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔

"یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتی ہوں؟" نووارد کی آواز میں ستار کی جھنکار تھی۔

"میں صورت سے تمہیں کیا معلوم ہوتا ہوں؟"

عنبر نے بھی اسی انداز میں جواب دیا لیکن فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا..... جب وہ خود عورت کو نہ پہچان سکا تھا تو عورت کو اس کا چہرہ کیا نظر آتا..... پھر وہ بات بنانے کے لیے جلدی سے بولا:

"میرا مطلب ہے کیا تم مغلوں کی ہمدرد ہو۔"

"میرا باپ مغل ہے" عورت نے بے دھڑک جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سر کو جنبش دی اور سر کے بالوں میں سجے گجرے سے خوشبو کا ایک بھبکا اٹھا۔ عنبر جھوم کر رہ گیا۔

"میں تمہیں گرفتار کرنے پر مجبور ہوں اے خوشبودار عورت" عنبر نے تلوار کی نوک پھر اس کی پشت سے لگا دی۔

"میں خوشبودار ہوں" عورت ہنسی۔

"ہاں تمہارے جسم سے پھولوں کی خوشبو آرہی ہے" عنبر نے کہا:

"اور مجھے پھول بہت پسند ہیں"۔

"میں نے بالوں میں گجرا لگا رکھا ہے تاتاری پہرے دار" عورت نے کہا:

"تمہیں خوشبو پسند ہے تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں پھولوں سے لاد دوں گی"۔

"مجھے بہکانے کی کوشش مت کرو" عنبر ذرا سختی سے بولا:

"میں سمجھ گیا۔ تم مغلوں کی جاسوس ہو۔ اب تم میری حراست میں ہو۔ تمہیں میرے ساتھ میرے لشکر میں چلنا ہوگا"۔

"میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ تم نے میری مشکل آسان کردی....." عورت نے کہا:

"مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔ میں انہیں ایک اہم پیغام پہنچانا چاہتی ہوں"۔

"پیغام؟....." عنبر نے حیرت سے کہا:

"تم مغلوں کا پیغام لے کر آئی ہو"۔

"تم بہت بھولے ہو پہرے دار" عورت نے کہا:

"مغل عورتوں پر بھروسہ نہیں کرتے۔ میں اپنی ماں کا پیغام تاتاری سردار کو پہنچانا چاہتی ہوں..... اگر تمہارے سردار نے میری ماں کے مشورے پر عمل کیا تو شاید بچ جائے ورنہ اسے شکست ہوگی اور بڑی تباہی پھیلے گی"۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" عنبر کو غصہ آگیا:

"تو تاتاریوں کی شکست کی پیش گوئی کررہی ہے۔ کیا پیغام لائی ہے تو؟"

"میں تمہیں نہیں بتا سکتی" عورت نے جواب دیا۔

"اچھا۔ میں کچھ نہیں جانتا" عنبر پریشان ہوگیا:

"مگر تجھے چھوڑوں گا نہیں"۔ عنبر نے عورت کا ہاتھ پکڑ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا ہاتھ چھوڑ دو پیارے دار۔ میرے قبیلے میں دستور ہے کہ اگر کوئی مرد کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لے تو اسے اسی لڑکی سے شادی کرنا پڑتی ہے۔"

"تمہاری ابھی شادی نہیں ہوئی؟" عنبر نے رک کر پوچھا۔

"نہیں..... ہمارے ہاں شادی شدہ عورتیں گلے میں ہار ڈالتی ہیں اور کنواری لڑکیاں بالوں میں گجرے لپیٹتی ہیں..... ہم جادوگروں کا یہی دستور ہے۔"

"تم..... تم جادوگرنی ہو؟" عنبر نے گھبرا کر پوچھا۔

لڑکی کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"میرا باپ جادوگر ہے مگر میری ماں جادو پسند نہیں کرتی....."

لڑکی اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی:

"لیکن میں تمہیں یہ سب کیوں بتا رہی ہوں میں تو تمہارا نام بھی نہیں جانتی۔"

"عنبر....." عنبر نے جلدی سے کہا:

"اور تمہارا نام؟"

"تورکینہ....." لڑکی نے بتایا۔

"تمہاری باتیں بڑی دلچسپ ہیں تورکینہ..... کیا میں تمہارا ہاتھ پکڑ سکتا ہوں۔"

"اب تم میرا ہاتھ پکڑو گے تو مجھے اپنے گجرے اتار کر تمہارے گلے میں ڈالنا ہوں گے اور پھر....."

تورکینہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"پھر کیا ہوگا؟"

"پھر تم میرے شوہر ہو جاؤ گے۔" تورکینہ نے بے جھجک کہا۔

"لیکن..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

عنبر کی گرفت بالکل ڈھیلی ہو گئی:

"ہمارے یہاں پہلے نکاح ہوتا ہے پھر دلہن رخصت ہو کر گھر میں آتی ہے۔"

"تو میں کب تمہارے گلے پڑ رہی ہوں۔"

تورکینہ نے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا:

"میں تو اپنے قبیلے کا دستور بتا رہی تھی۔ میں صورت شکل کی بھی ایسی بری نہیں ہوں کہ لوگ مجھے پسند نہ کریں۔"

"پھر شادی کیوں نہیں کی؟ کسی مرد کا ہاتھ پکڑ لیا ہوتا۔" عنبر نے اسے چھیڑا۔

"میں کیوں کسی کا ہاتھ پکڑنے لگی۔"

وہ مصنوعی غصے سے بولی:

"ہاتھ تو تم ہی پکڑتے ہیں۔ سب مجھے حاصل کرنا چاہتے ہیں..... لیکن ماں نہیں مانتی۔"

"ہوں..... وہ تمہیں کسی بڑے مغل سردار کے حوالے کرنا چاہتی ہوگی۔" عنبر نے چھیڑ طنز کیا۔

"اسے مغلوں سے نفرت ہے عنبر! میری ماں ایک خدا کو مانتی ہے۔ میرا باپ اسے اٹھا لایا تھا اور زبردستی اس سے شادی کر لی تھی۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے پہاڑی کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ اُدھر تاتاری لشکر خیمہ زن تھا۔ جگہ جگہ پہرے دار سوار عنبر کو دیکھ سکتے تھے۔ عنبر اپنا نام بتاتا اور تورکینہ کو ساتھ لیے آگے بڑھتا رہا۔ تاتاری لشکر کے خیموں کی قطاریں شروع ہو گئی تھیں۔

ایک خیمے کے آگے بڑا الاؤ روشن تھا۔ اس کی روشنی میں عنبر نے تورکینہ کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ جنگلی دوشیزہ بے حد خوبصورت تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو عنبر؟"

تورکینہ مسکرائی:

"میں نے کہا تھا کہ میں اتنی بری نہیں ہوں۔"

"تم تو شبنم سے دھلی ہوئی پاکیزہ کلی ہو۔"

عنبر نے کہا اور تورکینہ کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ بولا:

"تورکینہ! لشکری تمہیں عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب میں تمہیں کسی سردار کے حوالے کیے دیتا ہوں۔ وہ تمہیں سردار کے پاس پہنچا دے گا۔"

"تم کیوں نہیں چلتے میرے ساتھ؟"

تورکینہ نے ٹھٹک کر پوچھا:

"کیا میں بری لگتی ہوں؟"

"یہ بات نہیں تورکینہ، اگر سردار نے پوچھا کہ میں نے اپنی جگہ کیوں چھوڑی تو میں کیا جواب دوں گا۔"

عنبر نے وضاحت کی۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے..... لیکن وعدہ کرو کہ ایک بار میرے پاس ضرور آؤ گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہارے پاس؟ مگر کس جگہ؟" عنبر کے دل میں شوقِ ملاقات نے انگڑائی لی۔

"جس جگہ تم نے مجھے پکڑا تھا اس کے نیچے ایک خشک نالہ ہے۔ نالے کے اس پار ایک اور پہاڑی ہے۔ اس کے دونوں جانب پتھریلا راستہ ہے۔ اس پہاڑی کے پیچھے ہماری جھونپڑیاں ہیں۔ کسی سے بھی پوچھ لینا، سب مجھے جانتے ہیں۔ کل یا پرسوں ضرور آنا۔"

"کل یا پرسوں۔۔۔۔"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ جنگ سر پر کھڑی تھی۔ وہ وعدہ کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

"عنبر۔۔۔۔"

تورکینہ مسکرائی:

"تم ضرور آؤ گے۔ تمہیں آنا ہی پڑے گا۔ جب تمہارے لشکر کو شکست ہو جائے اور تمہیں کہیں پناہ نہ ملے تو میرے پاس آ جانا۔"

"شکست۔۔۔۔"

عنبر تھرا اٹھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تورکینہ اس قدر اعتماد سے بار بار شکست کا ذکر کیوں کر رہی ہے۔ اس نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا:

"تورکینہ، کیا یہ ممکن نہیں کہ تاتاریوں کو شکست نہ ہو؟"

"اگر تمہارے سردار نے میری ماں کی بات مان لی تو شاید شکست سے بچ جائے۔"

تورکینہ نے اسی اعتماد سے کہا:

"لیکن بارش تو ضرور ہو گی۔۔۔۔ موسلا دھار بارش۔۔۔۔ اور یہی بارش تاتاریوں کو شکست دے گی۔"

"بارش کیوں ہو گی، یہ بارشوں کا موسم تو نہیں۔"

"بارش کو مغلوں کے ساحر اپنے جادو کے زور سے بلائیں گے۔"

تورکینہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اور آسمان سے اتنا پانی برسے گا کہ تاتاریوں کے گھوڑے پانی اور خون میں آدھے آدھے ڈوب جائیں گے۔"

تورکینہ اس طرح کہہ رہی تھی جیسے کتابِ تقدیر اس کے سامنے کھلی رکھی ہو اور وہ اس کے اوراق الٹ رہی ہو۔

عنبر پر خوف سا طاری ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا:

"تورکینہ۔ اگر بارش تاتاریوں کی شکست کا باعث ہے تو کیا اس بارش کو روکا نہیں جا سکتا۔ جو بارش

بلائی جا سکتی ہے اسے روکنے کا بھی تو کوئی طریقہ ضرور ہو گا؟"

"ہاں۔ ہے کیوں نہیں۔۔۔۔ ہر سحر اور جادو کا توڑ ہوتا ہے۔"

تورکینہ نے فوراً جواب دیا:

"ہماری بستی کا ہر مرد ساحر ہے۔ وہ سب مل کر جادو جگائیں گے۔ بارش کا طوفان برپا ہو گا۔ اس دوران میں اگر کوئی ان میں سے کسی ایک ساحر کو بھی قتل کر دے تو سحر ٹوٹ جائے گا۔۔۔۔ اور آسمان بالکل صاف ہو جائے گا۔"

عنبر پھٹی پھٹی آنکھوں سے تورکینہ کو دیکھ رہا تھا۔ تورکینہ کی باتیں اس کی فہم سے بالا تھیں۔ اس نے خود کو سنبھالا اور قریب سے گزرتے ہوئے ایک پہرے دار کو روک کر تورکینہ کو اس کے حوالے کر دیا۔

"اسے فوراً سپہ سالار کے پاس لے جاؤ۔ یہ مغلوں کے بارے میں کوئی پیغام لائی ہے۔"

اس نے پہرے دار کو سمجھا کر تورکینہ اس کے ساتھ کر دیا اور پھر خود اپنی پہرے والی جگہ پر واپس پہنچ گیا۔ یہ سب کچھ اسے ایک خواب معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر اسے موقع ملا تو وہ ایک بار ضرور تورکینہ سے ملنے جائے گا۔

○

یہ مغلوں اور تاتاریوں کی دوسری بڑی جنگ تھی۔

پہلی جنگ میں تاتاریوں کی تعداد صرف آٹھ ہزار تھی لیکن تیمور نے اپنی شجاعت اور حکمتِ عملی سے مغلوں کے تیس ہزار کے عظیم لشکر کو شکست دی تھی۔ مغلوں کا سردار ایک جک اور کچھ مغل سردار اور اس کا بیٹا گرفتار کر لیے گئے تھے۔

تیمور کے سالے امیر حسین نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن جب گرفتار ہونے والے مغلوں کے فیصلے کا وقت آیا تو وہ تیمور کو مشورہ دینے آ گیا۔

"سردار تیمور۔ ان مغل سرداروں کو فوراً قتل کر دینا چاہیے۔" امیر حسین نے بڑے رعب سے تیمور کو مشورہ دیا۔

"میں نے تم سے کب مشورہ طلب کیا ہے امیر حسین۔" تیمور نے بگڑ کر پوچھا۔ "یہ جنگ میں نے خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیتی ہے۔ گرفتار شدگان کا فیصلہ بھی میں خود کروں گا۔"

امیر حسین کو یہ جواب بڑا ناگوار گزرا مگر تیمور کی طاقت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اسے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

تیمور نے امیر حسین کے مشورے کی کوئی پروا نہ کی۔ اس نے فوجی افسروں کو طلب کیا۔ تیمور کے حکم سے مغل سرداروں کو دوسرے قیدیوں کی طرح باندھ کر نہیں رکھا گیا تھا۔ انہیں کھانے کو بھی اچھا دیا گیا تھا۔ مغل سپہ سالار بیک جک دوسرے سرداروں کے ساتھ تیمور کے بڑے خیمے میں داخل ہوا تو اس کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔

"بیک جک! سر اٹھا کر بات کرو۔"

تیمور نے اسے اپنے سامنے قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم جنگی قیدی ہو کوئی اخلاقی مجرم نہیں۔ ہم بہادروں کی قدر کرتے ہیں بیک جک۔"

بیک جک شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا لیکن اس کی نظریں اب بھی نیچی ہی تھیں۔ امیر حسین جانتا تھا کہ تیمور دوسروں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ وہ مغلوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"بیک جک! تم شکست کھا گئے لیکن تم نے بہادری سے مقابلہ کیا۔"

تیمور نے کہا:

"تم نے بلاد شمال کے خان اعظم اور شاہ ہمدان الیاس خواجہ کا حق نمک بھی ادا کر دیا۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ ہم اس کا فیصلہ تم پر چھوڑتے ہیں۔"

بیک جک نے قدرے بے اطمینانی اور حیرت سے سر اٹھا کر تیمور کو دیکھا اور بولا:

"فاتح سردار۔ ہم جنگی قیدی ہیں۔ ہم نے آپ کے خلاف تلوار اٹھائی اور دست بدست لڑائی میں شکست کھائی ہے۔ آپ کو حق پہنچتا ہے کہ ہمارے بارے میں جو چاہے فیصلہ کریں۔ ہم آپ سے کسی رعایت کی التجا نہیں کریں گے۔"

"سردار تیمور۔"

امیر حسین نے لقمہ دیا:

"میرا مشورہ ہے کہ....."

"مجھے تمہارا مشورہ نہیں چاہیے امیر حسین۔"

تیمور نے اس کی بات کاٹ دی:

"گفتگو فاتح اور مفتوح کے درمیان ہو رہی ہے۔ مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔"

امیر حسین اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"ہاں بیک جک!"

تیمور پھر مغل سردار سے مخاطب ہوا:

"فیصلے سے پہلے ہم تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"فاتح سردار....."

مغل سپہ سالار نے تیمور سے آنکھیں ملاتے ہوئے کہا:

"آپ ہمیں قتل کر کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کر لیں گے۔ ہمارے قبیلے کے بہت سے لوگ بدلہ لینے کے لیے آپ کے خلاف کھڑے ہوں گے اور اگر آپ ہمیں زندہ چھوڑ دیں گے تو ہمارے اہل قبیلہ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ آپ کو نئے حلیف مل جائیں گے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمارے لیے موت اور زندگی یکساں ہے۔"

تیمور بیک جک کے جواب سے بہت خوش ہوا:

"تم اور تمہارے ساتھی درحقیقت بہادر انسان ہیں۔"

پھر تیمور نے سردار لچی بہادر کو حکم دیا:

"مغل سرداروں کے لیے گھوڑے لائے جائیں..... اور ان کا تمام اسلحہ واپس کر دیا جائے۔"

مغل امیروں کے لیے سجے ہوئے گھوڑے لائے گئے۔ اسلحہ واپس کیا گیا جو انہوں نے اپنے جسموں پر سجا لیا۔ تیمور نے مزید مہربانی کرتے ہوئے انہیں بیش قیمت تحائف دے کر رخصت کیا۔ آئندہ چل کر اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ اور تیمور کو بہت سے مغل قبائل کا تعاون حاصل ہو گیا۔

○

مغلوں کو شکست دینے کے بعد تیمور اپنی بیوی الجائی خاتون اور بیٹے جہانگیر کو لے کر اپنے شہر شہر سبز کی طرف بڑھا۔ شہر سبز پر بیک جک کے دوسرے بیٹے کا قبضہ تھا۔ اسے اپنے باپ کی شکست کا علم نہ تھا۔ اس کے پاس کچھ مغل فوج تھی۔

تیمور کی آمد کی اطلاع پا کر اس نے مقابلے کی تیاری کی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیمور اپنے خوبصورت شہر کو تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ شہر سبز، بغیر خون بہائے نقصان اٹھائے اسے حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے تاتاری جنگ کا ایک پرانا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے شہر سبز کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے ساتھ صرف چند دستے تھے۔ وہ پورا لشکر مغلوں سے مقابلے کے لیے آیا تھا۔ مغل اگرچہ شکست کھا کر دریائے اسوا اور دریائے سیر کا پورا علاقہ خالی کر گئے تھے لیکن ان کی فوج متوقع تھی۔

محاصرہ کرتے وقت تیمور نے فصیل کے چاروں طرف گھوڑے دوڑا کر اس قدر گرد اڑائی کہ گرد کے بادل سے سورج تک چھپ گیا۔

مغلوں نے فصیل پر چڑھ کر دیکھا تو قلعے کے تین اطراف میں گرد ہی گرد دکھائی دی۔ مغلوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ تیمور بے شمار لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ تیمور ان کو یہی باور کرانا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے بھاگنے کے لیے ایک راستہ کھلا رکھا تھا۔ مغل رات کے وقت، اسی راستے سے بڑی خاموشی کے ساتھ قلعہ چھوڑ کر نکل گئے اور کسی خون خرابے کے شہر سبز پر قبضہ ہو گیا۔

مغل بادشاہ الیاس خواجہ خان، تاتاریوں کا علاقہ خالی تو کر گیا لیکن سرحد سے کچھ دور جا کر ٹھہر گیا اور وہاں اپنا لشکر اکٹھا کیا۔ ابھی وہ جوابی حملے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اس کے باپ کے مرنے کی اطلاع آ گئی۔ باپ، بلاد شمان کا خان اعظم، تغلق تمور اپنے مرکز حصار الملایق میں مرا تھا۔

مغلوں کا دستور تھا کہ وہ خان اعظم کے مرنے کے بعد دوسرا خان منتخب کرتے تھے۔ اس کے لیے ایک مجلس ترتیب دی جاتی تھی جس میں تمام سردار اور بزرگ شرکت کرتے تھے۔ انتخاب کے اس طریقے کو مغل کہتے تھے۔

الیاس خواجہ ولی عہد سلطنت تھا لیکن قزوناتائی سے تصدیق سے پہلے وہ خان اعظم کا لقب اختیار نہیں کر سکتا تھا اس لیے اسے مجبوراً حصار الملایق جانا پڑا۔ وہ بڑی تیزی سے حصار الملایق پہنچا اور قزوناتائی کی تصدیق کے بعد لشکر لے کر آن ملا۔ اور پھر پوری رفتار سے تاتاری علاقے کا رخ کیا..... لیکن تیمور اس سے بے خبر تھا۔ شہر سبز سے چل کر اپنے لشکر میں آ پہنچا۔

○

پہلی جنگ کے برخلاف اس وقت فوجی توازن تیمور کے حق میں تھا۔ اب اس کے لشکر کی تعداد مغلوں

کہیں زیادہ تھی۔ امیر حسین بھی اپنے غوری قبائل، کابل کے گھٹیلے جوانوں اور ایرانی شہ سواروں کے ساتھ اس سے آ ملا۔ تیمور بہت پُر امید تھا۔

پھر ایک دن مغل لشکر میں ہل چل ہوئی۔ انہوں نے صفیں ترتیب دیں۔ تیمور نے بھی صفوں کو درست کرایا۔ اس کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہ کھلے میدان میں لڑنا چاہتا تھا۔ اس کے دستے آب بادام تک پھیلے ہوئے تھے۔ تیمور نے میمنہ (دایاں بازو) امیر حسین کے سپرد کیا اور اس میں زیادہ لشکر رکھا۔ میسرہ (بایاں بازو) خود سنبھالا۔

مغلوں نے لشکر ترتیب دینے کے بعد بھی پیش قدمی شروع نہیں کی۔ یہ امر تیمور کے لیے باعث حیرت تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ مغل آگے کیوں نہیں بڑھتے، وہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟! اس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ مغل، گھوڑے گھما گھما کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

معاً مطلع ابر آلود ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا آسمان بادلوں میں چھپ گیا۔

ایک لمحے کے لیے تیمور کے چہرے پر خوف کی ایک لکیر سی آ کر گزر گئی۔ اس کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے اور اس کی نگاہوں کے سامنے تورکینہ کا چہرہ گھوم گیا جو گزشتہ رات اس کے پاس اپنی ماں کا پیغام لے کر آئی تھی:

"مغل ساحروں کے جادو سے موسلا دھار بارش ہو گی۔ گھوڑے زمین میں دھنس جائیں گے۔ اپنی لشکر گاہ میں پانی کی نکاسی کے لیے نالیاں کھدوا لینا۔ گھوڑوں پر چمڑے کی جھولیں ڈال دینا۔ کمانوں کو بھیگنے سے بچانا۔ میدان چھوڑ کر اونچی جگہ پر لشکر جمانا۔"

چھما چھم پانی برسنے لگا۔

تیمور گم صم کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے تورکینہ کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور اس کی ماں کا شکریہ ادا کر کے اسے واپس بھیج دیا تھا لیکن اس وقت تورکینہ کی باتیں سچ معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ انہی خیالوں میں گم تھا کہ مغلوں کا لشکر حرکت میں آ گیا۔ تیمور کا لشکر بھی حرکت میں آ گیا۔ تیمور اپنے برلاس سواروں کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے باقی دستوں نے کمانیں سنبھالیں اور تیر برساتے ہوئے آگے بڑھے مگر کمانیں بارش میں بھیگ کر بے کار ہو گئیں اور سواروں کو تلواروں کا سہارا لینا پڑا۔

تیمور کے دستوں نے بڑا طوفانی حملہ کیا تھا لیکن مغلوں نے رک کر انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ تاتاری دستوں میں افراتفری پھیل گئی۔ اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔

تیمور نے فوراً برلاس دستوں کے ساتھ حملہ کر دیا..... اور مغلوں کو دور تک دھکیلتا چلا گیا..... مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نرم زمین میں گھوڑوں کے پیر دھنسنے لگے..... تاتاری بڑی مشکل میں پھنس گئے تھے مگر تیمور نے کمال جرأت مندی سے کام لیا۔ اس نے اپنے سرداروں کے ساتھ مغل پرچم بردار شکر گم نویان پر حملہ کر دیا۔ وہ ایک بھاری بھرکم مغل تھا۔ اس نے حملہ روک کر تیمور پر تبر سے جوابی حملہ کر دیا۔ تیمور نے گھوڑا موڑ کر خود کو بچایا۔ اسی وقت اس کے جانکو برلاس نے نیزہ مار کر شکر گم نویان کو گرا دیا۔ مغلوں کا پرچم سرنگوں ہو گیا اور وہ گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور نے اپنا گھوڑا ایک پہاڑی پر چڑھا دیا اور میدانِ جنگ پر نظر ڈالی۔ امیر حسین شکست کھا کر پیچھے آیا تھا۔ اور مغل اسے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

تیمور نے واپس آ کر اپنے سرداروں کو جمع کیا اور مغلوں پر پشت سے حملہ کر کے ان کی صفوں میں گھس گیا۔ مغل بادشاہ ایلسن خواجہ اپنے محفوظ دستوں کو لیے الگ کھڑا مغلوں کو للکار رہا تھا۔

تیمور نے امیر حسین کو پیغام بھیجا کہ:

"یہ جوابی حملے کا بہترین موقع ہے۔ فوراً متحد ہو کر حملہ کر دو۔"

امیر حسین اس پیغام پر جھلا اٹھا اور بولا:

"کیا میں بتلا ہوں جو تیمور ایسا پیغام بھیج کر میرے آدمیوں کے سامنے مجھے ذلیل کر رہا ہے۔"

پیغام لے جانے والے نے واپس آ کر تیمور کو امیر حسین کا جواب سنا دیا۔ تیمور دانت پیس کر رہ گیا۔ تاتاری میں پھوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ امیر حسین نے کوئی پیش قدمی نہیں کی۔

تیمور نے ایک بار پھر کوشش کی اور امیر حسین کے پاس دو ایلچی سرداروں کو پیغام دے کر بھیجا جو اس کے قریبی عزیز تھے..... مگر امیر حسین کے کان پر جوں نہیں رینگی۔ اس نے بگڑ کر کہا:

"تیمور بار بار مجھے آگے بڑھنے کا حکم کیوں دے رہا ہے؟ میرے سوار منتشر ہو گئے ہیں۔ مجھے انہیں اکٹھا کرنا ہے۔"

پیغام لانے والے سردار کو غصہ آ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا:

"یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن غور کیجیے کہ اس وقت سردار تیمور اپنے محفوظ دستوں کے ساتھ مغلوں میں گھر گئے ہیں۔ اگر آپ نے بڑھ کر حملہ نہ کیا تو اس کا نتیجہ بڑا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

امیر حسین نے کوئی معقول جواب نہیں دیا اور نہ ہی آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس کی اس بے اعتنائی کو لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امیر حسین نے جان بوجھ کر حملہ نہیں کیا۔ شاید وہ چاہتا ہے کہ تیمور مارا جائے تاکہ اس کے لیے میدان صاف ہو جائے۔

تیمور جس طرح لڑتا بھڑتا مغلوں میں داخل ہوا تھا اسی طرح ان کا گھیرا توڑ کر صاف نکل آیا لیکن اب اس

میں اتنا دم خم نہ تھا کہ مغلوں کو شکست دے سکے۔ اور اسے پسپا ہونا پڑا۔ اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے لڑائی رک گئی تھی۔

تیمور کو امیر حسین پر سخت غصہ تھا۔ اس نے رات کے وقت اپنی فوج کو اکٹھا کر کے کھیتوں میں قیام کیا۔ صبح کی جنگ میں اس کے کئی ہزار سوار اور بہت سے سردار کام آ گئے تھے۔

تمام رات تیمور بے چین رہا۔ اس نے کسی سے بات نہ کی۔ امیر حسین نے بھی کئی آدمی بھیجے مگر تیمور نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔

رات بھر اسے ساتھیوں کا خیال ستاتا رہا اور تورکینہ کی باتیں یاد آتی رہیں۔ تیمور نے لشکر میں اعلان کروا دیا لیکن وہ کہیں نہ مل سکا۔ شاید وہ بھی لڑائی میں کام آ گیا تھا۔

وہ رات تیمور پر بہت بھاری گزری۔ سب سے زیادہ اسے امیر حسین کی بدمزاجی اور بے وفائی کا دکھ تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی امیر حسین کے ساتھ مشترک کمان میں جنگ نہیں کرے گا۔

رات بھر بجلی کڑکتی اور بادل گرجتے رہے لیکن صبح ہوتے ہی پھر بارش نے آ گھیرا۔ تیمور کو بہرصورت مقابلہ کرنا تھا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری اور بچا کھچا لشکر لے کر میدان میں اتر آیا۔ مگر بارش کی وجہ سے میدان جھیل کا منظر پیش کر رہا تھا۔ گھوڑوں کے پیر زمین میں دھنستے جا رہے تھے۔ بعض گھوڑے تو گھٹنوں گھٹنوں زمین میں دھنس گئے تھے۔ سواروں کو پیدل لڑنا پڑا۔

مغلوں کے مقابلے پر آج صرف تیمور کا لشکر تھا۔ امیر حسین کو نہ تو اس نے بلایا اور نہ ہی وہ خود اس جنگ میں شریک ہوا۔ شدید بارش کی وجہ سے اس کی کوئی حکمتِ عملی کام نہ آ رہی تھی۔ مغلوں کے گھوڑوں پر چمڑے کی جھولیں پڑی تھیں یا کمبل ڈھکے ہوئے تھے۔ انہیں بارش کی آدھی کلفت بھی برداشت نہ کرنا پڑی۔ ساری قیامت تیمور کے لشکر پر گزری۔ ہزاروں تاتاری کھیت رہے۔ مغلوں نے چاروں طرف سے یلغار کر دی۔ تیمور کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس نے منظم پسپائی اختیار کی اور اسے شکست فاش ہوئی۔

تیمور میدانِ جنگ سے ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ امیر حسین کا ایک سوار گھوڑا اچھالتا ہوا تیمور کے پاس آیا لیکن تیمور نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ خود ہی بولا:

"سردار تیمور۔ شاہ کابل نے پیغام بھیجا ہے کہ آپ سمرقند کے بجائے ہندوستان کی طرف نکل جائیں۔"

تیمور نے کوئی جواب نہ دیا۔ سوار واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد دوسرا پیغام آیا:

"شاہ کابل کا مشورہ ہے کہ آپ سمرقند کا رخ نہ کریں۔ ہندوستان میں آپ کو امن و سکون ملے گا۔ میں بھی ہندوستان جا رہا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیمور نے گھوڑا روک کر سوار کو گھورا اور کہا:

"امیر حسین سے کہنا کہ تم ہندوستان جاؤ یا جہنم میں۔ مجھے کیا..... میں جانتا ہوں کہ مجھے اب کیا کرنا ہے؟"

تیمور نے اتنی گرجدار آواز میں کہا کہ سوار خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

تیمور نے گھوڑا بڑھایا مگر ذرا دور چل کر ٹھٹک گیا۔ بارش رک گئی تھی اور آسمان بادلوں سے صاف ہو رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں سورج پوری تمازت سے چمکنے لگا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔

تیمور کو تورکینہ کے الفاظ یاد آ گئے:

"تاتاری سردار۔ اگر تم نے بارش سے بچاؤ کا انتظام نہ کیا تو بارش تمہیں میدان سے بھگا دے گی اور طوفان اس وقت تھمے گا جب تاتاریوں کو شکست ہو چکے گی۔"

○

تورکینہ جب اپنی ماں کا پیغام تیمور کو دے کر واپس آئی تو فراتو عنبر اسی پہاڑی پر پہرے داری کر رہا تھا۔ عنبر نے قدموں کی چاپ سے تورکینہ کو پہچان لیا اور لپک کر اس کے پاس پہنچ گیا:

"سردار کو پیغام پہنچا دیا تورکینہ؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہاں....." تورکینہ رک کر بولی۔

عنبر کو تورکینہ کی آواز میں تھکن اور دلچسپی محسوس ہوا۔ اندھیرے میں وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس نے پوچھا:

"تورکینہ، کیا سردار نے تمہیں ڈانٹا ہے؟"

تورکینہ خاموش رہی۔

"تورکینہ!"

عنبر نے بڑے پیار سے کہا:

"کوئی خاص بات ضرور ہوئی ہے۔ اگر تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو تو بتا دو۔"

"نہیں عنبر۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔"

تورکینہ دبی دبی آواز میں بولی:

"لیکن مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے سردار کو میری ماں کی بات کا اعتبار نہیں آیا۔ انہوں نے میری باتوں پہ کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حالانکہ ماں نے جو کچھ کہا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ عنبر! میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔ میں..... میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ....."

اس کی آواز بھرا گئی تو وہ آگے نہ بول سکی۔

"میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو تورکینہ!"

عنبر نے کہا:

"تم چاہتی ہو کہ میں موت سے ڈر کر جنگ سے دور رہوں..... تورکینہ! ملک کو آزاد کرانا سب سے بڑا جہاد ہے۔ ہم مسلمان ہیں..... مغل بے دین۔ میں شہید ہو جاؤں گا لیکن میدان نہیں چھوڑوں گا۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں عنبر!"

تورکینہ الجھتے ہوئے بولی:

"جان سب سے پیاری چیز ہے۔ جان کی حفاظت جانور تک کرتے ہیں..... پھر تم خود کو بچانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے..... بادشاہوں کی لڑائی میں سپاہیوں کو کیا ملتا ہے؟"

"تم سمجھو یا نہ سمجھو مگر میں میدان نہیں چھوڑ سکتا۔"

عنبر نے زور دے کر کہا:

"کچھ بھی ہو جائے میں مغلوں کا مقابلہ کروں گا۔"

"تمہاری مرضی عنبر!"

تورکینہ نے ہار مان لی:

"لیکن اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے تو میری جھونپڑی میں چلے آنا۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی۔"

"تمہارا خیال ہے کل جنگ ضرور ہوگی؟"

"کل بارش ضرور ہوگی۔"

تورکینہ بولی:

"تمام جادوگروں نے یقین دلایا ہے۔ ان کی کوئی بات جھوٹی نہیں ہوتی۔ اگر بارش ہوگی تو جنگ بھی ہوگی۔ جب تک بارش نہیں ہوگی مغل جنگ شروع نہیں کریں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے بتایا تھا کہ بارش رک بھی تو سکتی ہے۔" عنبر کو ایک دم یاد آیا۔

"ہاں..... اگر ایک جادوگر بھی مار ڈالا جائے تو بارش رک جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ بس اب تم جاؤ۔"

"کیا ٹھیک ہے۔"

تورکینہ نے پوچھا:

"کیا تم میرے پاس آؤ گے؟"

"میں ایک بار تم سے ملنے کی کوشش ضرور کروں گا۔" عنبر نے اسے یقین دلایا۔

تورکینہ نے خوش ہو کر عنبر کو پھولوں کا ایک گجرا دیدیا:

"اسے اپنے پاس رکھ لو۔ یہ تمہیں میری یاد دلاتا رہے گا۔"

"یہ پھول تو صبح تک مرجھا جائیں گے۔" عنبر نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"پھول مرجھانے کے بعد بھی کسی نہ کسی کام آجاتے ہیں..... اگر مرجھائی ہوئی ایک پتی بھی تمہارے پاس رہ جائے تو میری یاد دلانے کے لیے کافی ہوگی۔"

عنبر نے گجرے میں سے ایک پھول نکال لیا اور باقی گجرا اسے واپس کرتے ہوئے بولا:

"بس ایک پھول کافی ہے۔ گجرے میں خوشبو زیادہ ہے جو کسی بھی وقت میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

تورکینہ واپس چلی گئی۔

فراتو عنبر رات بھر خیالوں سے الجھتا رہا۔

صبح دم مغلوں کے لشکر میں جنگ کے آثار پیدا ہوئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حملہ کرنے والے ہوں۔ تاتاری بھی تیار ہو گئے۔ عنبر کی پہاڑی پر تیر اندازوں کا ایک تازہ دم دستہ بھیج دیا گیا..... لیکن دوپہر تک کسی طرف سے پہل نہیں ہوئی۔

عنبر کو تورکینہ کی باتیں خیال معلوم ہوئیں۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ ایک دم بادل گھر آئے..... اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی مغلوں نے بڑھ کر حملہ کر دیا۔

تاتاری تیر اندازوں نے اپنے ترکش خالی کرنے شروع کر دیے لیکن کمانیں بھیگ کر بے کار ہو گئیں۔ تیراندازوں کو تلواریں نکال کر آگے بڑھنا پڑا۔ عنبر حیرت سے آسمان سے برستے پانی کو دیکھ رہا تھا اور بار بار اس کی نظر اس پہاڑی کی طرف اٹھ جاتی جس کے دوسری طرف تورکینہ کے قبیلے والے رہتے تھے۔

مغل یلغار کرتے پہاڑی کے چاروں طرف پھیل گئے۔ عنبر کے بھاگنے کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

مجبور ہو کر ایک چٹان کے پیچھے پناہ لینی پڑی۔

جنگ زوروں پر تھی۔ گھوڑوں کے ہنہنانے، سپاہیوں کی چیخ و پکار اور نقارے بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور عنبر پہاڑی پر محصور ہو کر رہ گیا تھا۔

رات ہونے پر جنگ رک گئی۔

عنبر اپنی پناہ گاہ سے باہر آیا..... بارش تقریباً رک گئی تھی۔ اس نے اپنے لشکر کی طرف نگاہ دوڑائی۔ وہاں بالکل سناٹا تھا۔ مغل سوار ہر طرف بھاگتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے خیمے آگے بڑھ کر لگا لیے تھے اور جگہ جگہ الاؤ روشن تھے۔

عنبر کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ تاتاری شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ تورکینہ نے سچ کہا تھا..... بارش ہوگی تو جنگ ہوگی اور تاتاریوں کو شکست ہوگی۔

وہ سوچنے لگا۔ ساحر!..... جادو..... یہ سب کیا ہے؟ جادوگر بھی جنگ لڑتے ہیں؟ عنبر رات بھر انہی خیالوں میں کھویا رہا۔

اگلی صبح بھی بارش شروع ہو گئی۔

کچھ دور تاتاریوں کے نقارے بھی بجتے سنائی دیے۔ عنبر خوش ہو گیا۔ تاتاری واپس آ رہے تھے۔ عنبر میں جوش پیدا ہو گیا۔ اس نے سوچا وہ اپنے لشکر میں شامل ہو کر زبردست حملہ کرے گا اور..... داد شجاعت دے کر تیمور کی خوشنودی حاصل کرے گا..... لیکن عنبر کے ارمان دل ہی میں رہے جا رہے تھے۔ کمان تو پہلے ہی بیکار ہو چکی تھی اب اسے تلوار یا خنجر بھی چلانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ وہ چوہے کی طرح بل میں چھپ کر بیٹھنا بزدلی سمجھتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

جنگ شروع ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے لیکن تاتاری ابھی تک پہاڑی کے قریب نہیں پہنچے تھے۔ بارش زور و شور سے جاری تھی۔

"اگر یہ طوفانی بارش رک جائے تو؟....." عنبر نے سوچا۔

"لیکن کیسے رکے؟ ہاں۔ اگر ایک بھی جادوگر کو ہلاک کر دیا جائے تو یہ طوفان رک سکتا ہے۔" تورکینہ نے یہ بات بڑے وثوق سے کہی تھی..... پھر..... پھر..... میں ایک جادوگر کو ہلاک کر دوں گا اور یہ بارش رک جائے گی۔

عنبر ایک عزم کے ساتھ اپنی پناہ گاہ سے باہر آیا۔ اس نے جنگ کی طرف کان لگائے۔ تاتاریوں کے نقارے کی آوازیں اور زیادہ دور ہو گئی تھیں۔ "تاتاری شکست کھا کر شاید اور پیچھے ہٹ گئے ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے پہاڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دوسری طرف اترنے لگا۔ تیز بارش کی وجہ سے اسے اترنے میں سخت دشواری ہو رہی تھی۔

وہ سنبھل سنبھل کر اترتے ہوئے نیچے پہنچ گیا۔ مغل لشکر تاتاریوں سے الجھا ہوا تھا اور مغل لشکر گاہ کے محافظ خیموں میں دبکے بیٹھے تھے۔ اس لیے عنبر کو اترتے کسی نے نہ دیکھا۔

عنبر اس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس کے دوسری طرف جادوگروں کی بستی تھی۔ عنبر کے دل و دماغ سے اس وقت تو کینہ اور اس کی محبت کا خیال نکل گیا تھا اس کی جگہ جذبۂ حب الوطنی نے لے لی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایک جادوگر کو ضرور قتل کرے گا خواہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

عنبر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اس وقت دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ عنبر دریا میں اترا۔ دریا کی گہرائی کم تھی لیکن روانی بہت تیز تھی۔ عنبر کے پیر نہ جمتے تھے۔ اوپر سے بارش۔ پہاڑیوں کا تمام پانی اسی راستے سے بہ رہا تھا بہرحال وہ دھارے کو کاٹتا ہوا کسی نہ کسی طرح دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اب وہ دوسری پہاڑی کے دامن میں تھا۔ وہ چکر کاٹ کر دوسری طرف پہنچا تو ساحروں کی جھونپڑیاں اس کے سامنے تھیں۔ ہر جھونپڑی ایک ہی وضع قطع کی تھی اور ہر جھونپڑی سے دھواں نکل رہا تھا جیسے اندر آگ جل رہی ہو۔

عنبر کا دل زور سے دھڑکا۔ کہیں تورکینہ سے آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ اس نے دل مضبوط کیا اور چٹانوں کی آڑ میں بڑھنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے وہ ایک جھونپڑی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ تمام جھونپڑیوں کے دروازے سامنے کی طرف تھے۔

عنبر جھونپڑیوں کی پشت پر پہنچا اور ایک جھونپڑی میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن اسے جلتے ہوئے الاؤ کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ عقب سے جھونپڑی میں داخل ہونا مشکل تھا۔ سوائے سامنے کے دروازے کے جھونپڑی کے اندر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

اس نے خنجر نکال کر منہ میں دبایا۔ تلوار ہاتھ میں لی اور جھونپڑی کے دروازے پر لٹکے ہوئے چمڑے کے پردے کو ذرا سا ہٹا کر جھانکا۔

الاؤ سے دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے تھے اور الاؤ کے دوسری طرف ایک تنومند جادوگر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کی جٹائیں شانوں سے گزرتی ہوئی فرش پر آ رہی تھیں۔ کانوں میں بڑے بڑے بالے تھے۔ اس کے قیم برہنہ جسم پر رنگ برنگی دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے دائیں اور بائیں لکڑی اور پتھر کی کنڈالیاں رکھی تھیں جن میں سے وہ کوئی چیز نکال کر الاؤ میں جھونک رہا تھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

عنبر کے جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی اس کی بند آنکھیں کھل گئیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کے بھیانک چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے لیکن پھر فوراً ہی اس نے قریب پڑا برچھا اٹھا کر عنبر پر دے مارا۔ عنبر ایک طرف

ہٹ گیا۔ برچھا دروازے میں لٹک گیا۔ دونوں کے درمیان الاؤ کے علاوہ اور بہت سی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ عنبر آگے بڑھا تو ایک بڑا سا برتن اس کی ٹھوکر سے الٹ گیا۔ اس میں شاید کوئی روغن بھرا ہوا تھا۔ روغن بہ کر الاؤ میں گر گیا جس سے ایک زبردست شعلہ بلند ہوا اور گھاس کی چھت نے آگ پکڑ لی۔ پوری جھونپڑی میں دھواں بھر گیا۔

ساحر نے عنبر پر جست لگائی اور اپنے بھاری بدن کے ساتھ عنبر سے ٹکرایا۔ عنبر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور منہ میں دبا ہوا خنجر بھی گر گیا۔

جھونپڑی نے آگ پکڑ لی تھی اور ساحر اس سے لپٹا ہوا تھا۔ عنبر نے پوری طاقت سے ساحر کو دھکا دے کر خود سے الگ کیا اور لپک کر اپنا خنجر اٹھایا۔ پھر اس نے خنجر سے ساحر پر حملہ کر دیا۔ ساحر نے اس کی کلائی پکڑ لی مگر عنبر نے جھٹکا دے کر کلائی چھڑائی اور خنجر ساحر کے سینے میں پیوست کر دیا۔ ساحر لڑکھڑایا اور بھڑکتے ہوئے الاؤ میں جا گرا۔

عنبر نے اطمینان کی سانس لے کر خنجر کمر میں اڑسا۔ تلوار اٹھائی اور تیزی سے جھونپڑی سے نکل آیا۔ باہر اب تک بارش ہو رہی تھی۔ عنبر نے ایک نظر جلتی ہوئی جھونپڑی پر ڈالی۔ پھر بھاگتا ہوا دریا کے پاس گیا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

ابھی وہ اپنی پہاڑی کے پاس بھی نہ پہنچا تھا کہ بارش ایک دم رک گئی۔ بادل پھٹ گئے اور سورج نکل آیا۔ عنبر دوڑتا ہوا پہاڑی پر پہنچ گیا۔ اسے خطرہ تھا کہ سورج کی روشنی میں اسے کوئی دیکھ نہ لے۔ پھر اپنی پناہ گاہ میں پہنچ کر وہ اپنے گیلے کپڑے نچوڑنے لگا۔

بارش رک گئی ہے"..... وہ سوچنے لگا۔ اب تاتاریوں کو شکست نہیں ہوگی۔ وہ مغلوں کو شکست دیدیں گے۔ اس نے چٹان کی اوٹ سے جھانک کر مغل خیموں کی طرف دیکھا۔ مغل اطمینان سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ اس نے کان اس طرف لگا دیے جدھر جنگ ہو رہی تھی۔ وہ تاتاریوں کے نقاروں کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بارش رکتے ہی تاتاریوں نے جوابی حملہ کیا ہوگا اور وہ جلد ہی مغلوں کو پسپا کرتے ہوئے ایک بار پھر اس میدان میں آ جائیں گے کیونکہ اس نے ساحروں کا سحر توڑ دیا ہے۔

عنبر دیر تک نقاروں کی آواز پر کان لگاتے رہا مگر کوئی آواز نہ آئی۔

دوپہر ڈھل گئی۔

سہ پہر آ گئی۔

مگر عنبر کے کانوں میں کوئی آواز نہ آئی۔ اس کی پریشانی بڑھ گئی۔ تاتاریوں نے جوابی حملہ کیوں نہیں کیا؟ اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ پھر اسے میدانِ جنگ کی طرف سے کچھ سوار تیزی سے آتے دکھائی دیے۔ اس کے چہرے پر رونق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ گئی۔ یقیناً یہ مغل سوار ہیں، جو میدانِ جنگ سے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے مغلوں کا شکست خوردہ لشکر بھی آتا ہوگا۔

ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ مغل سوار خیموں کے پاس پہنچ گئے۔ لشکر گاہ کے مغلوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر تمام مغل خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ انہوں نے شراب کے قدح لنڈھانا شروع کر دیے۔ وہ شراب پیتے اور اندر باہر بھاگتے پھر رہے تھے۔

عنبر کا دل بیٹھ گیا۔

مغلوں کو فتح حاصل ہوئی تھی اور تاتاری شکست کھا گئے تھے۔ اسی وقت فاتح مغلوں کا لشکر واپس آنا شروع ہو گیا۔ وہ ڈھول پیٹتے، نقارے بجاتے آ رہے تھے۔ مغل بادشاہ الیاس خواجہ کا گھوڑا آگے آگے تھا۔ کئی مغل سردار اس کے گھوڑے کی لگام پکڑے پیدل چل رہے تھے۔ مغل لشکر، جوں کی شکل میں، میدانِ جنگ سے شاداں و فرحاں واپس آ رہا تھا۔

عنبر نے ایک پتھر سے ٹیک لگا لی۔ احساسِ شکست سے اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

○

تیمور نے سمرقند کی طرف پسپائی اختیار کی۔ مغل بہت محتاط تھے۔ انہوں نے تیمور کا تعاقب نہیں کیا۔ وہ اس کی شجاعت اور جنگی مہارت سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے تیمور کا تعاقب کیا تو وہ کہیں پہاڑوں اور درّوں میں گھیر کر ان پر حملہ نہ کر دے۔

الیاس خواجہ خان اپنی خیمہ گاہ میں واپس آ گیا۔ وہ تازہ دم ہو کر زیادہ عسکری طاقت کے ساتھ سمرقند کی طرف جانا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ فتح اسے صرف بارش کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر صاحرا اس کی مدد نہ کرتے تو وہ تیمور کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سمرقند پر حملہ کرتے وقت ان صاحروں سے پھر کام لے گا۔

تیمور کی شکست کی خبر اس سے پہلے سمرقند پہنچ گئی تھی۔ اہلِ سمرقند سخت پریشان تھے۔ مغلوں کا سمرقند کی طرف بڑھنا یقینی تھا۔ اس لیے سمرقندیوں نے تیمور کے پہنچنے سے پہلے ہی سمرقند کے قلعے کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ فصیلوں کو درست کیا گیا۔ سامانِ خورد و نوش کا وافر ذخیرہ کر لیا گیا۔

جب تیمور کا شکستہ دل اور تھکا ہارا لشکر سمرقند میں داخل ہوا تو اہلِ سمرقند نے آنکھیں بچھا دیں اور تیمور کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ وہ جانتے تھے کہ سوائے تیمور کے مغلوں کی یلغار کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ان کی تمام امیدیں صرف تیمور سے وابستہ تھیں۔

تیمور کو مغلوں کے ہاتھوں پہلی بار اتنی زبردست شکست اٹھانا پڑی تھی۔ اس کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری۔ مغلوں کا اس کا تعاقب نہ کرنا یہ ظاہر کرتا تھا کہ فتح کے باوجود وہ تیمور سے خائف تھے اور سمرقند کی طرف بڑھنے سے گھبرا رہے تھے۔

تیمور کچھ دن سمرقند میں ٹھہرا رہا۔ اس نے فصیلوں کا معائنہ کیا۔ فوج کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ آدھی سے زیادہ فوج برسات کی اس جنگ میں ماری جا چکی ہے۔ تیمور کے کئی با اعتماد اور بہادر سردار بھی اس جنگ میں کام آ گئے تھے۔ اسے فوج کی سخت ضرورت تھی۔ سمرقند میں اتنی فوج موجود نہ تھی کہ قلعے سے نکل کر مغلوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس نے پہلے مدافعتی جنگ کا فیصلہ کیا۔ اس کے جاسوس سوار روز کی خبریں اس تک پہنچا رہے تھے۔

مغلوں نے میدانِ تبتی متن سے اب تک قدم آگے نہ بڑھائے تھے۔ وہ اپنے مستقر حصار الملیق سے مزید لشکر کا انتظار کر رہے تھے۔ مغلوں کا جانی نقصان کم ہوا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ سمرقند میں مقابلہ سخت ہوگا اس لیے وہ پوری تیاری سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

ایک ماہ گزر جانے کے باوجود جب مغل سمرقند نہ پہنچے تو تیمور کی رگِ شجاعت نے جوش مارا۔ اسے قلعہ بند ہو کر بیٹھنے سے شرم آنے لگی۔ کچھ ہی دن پہلے وہ مغلوں کو اپنی سرحدوں سے پرے دھکیل چکا تھا اور اب خود اسے ان کے حملے کا انتظار تھا۔

تیمور نے تازہ دم فوج بھرتی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے مدافعتی نظام کو درست کیا۔ پھر سمرقند کے قاضی کو قلعے کی باگ ڈور سپرد کر کے اپنے شہر شہرسبز کی طرف چل پڑا۔

○

تیمور شہرسبز پہنچا تو اس کے مرشد مولانا زین الدین، شہر کے چند معززین کے ساتھ سرحد پر اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ تیمور نے گھوڑے سے اتر کر مولانا کو سلام کیا۔ مولانا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دینے کے بعد جو پہلا جملہ ان کے منہ سے ادا ہوا، وہ تھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انا للہ و انا الیہ راجعون"۔

تیمور نے حیرت سے مولانا کی طرف دیکھا۔

"تیمور ....." مولانا نے گردن نیچی کر کے کہا:

"خدا کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں۔ صبر کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے"۔

"کیا جہانگیر ....." تیمور اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔

"جہانگیر خیریت سے ہے لیکن بالبالی خاتون آغاب ہم میں موجود نہیں"۔ مولانا نے دوبارہ تیمور کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

تیمور کے منہ سے ایک ہلکی سی سسکی نکلی جسے کوئی دوسرا نہ سن سکا۔ الجائی خاتون ایک دم بیمار پڑی اور تیسرے دن بڑی خاموشی سے اس دنیا کو چھوڑ گئی۔ طبیب اس کی بیماری کی تشخیص نہ کر سکا۔ الجائی خاتون کو انتقال کیے پانچ دن ہو گئے تھے۔ مولانا کو معلوم ہو چکا تھا کہ تیمور شہر سبز کی طرف چل پڑا ہے۔ لہٰذا انہوں نے یہ ناخوش گوار فرض خود ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔

تیمور پہلے ہی خاموش طبیعت اور تنہائی پسند تھا۔ الجائی خاتون کی موت نے اسے حقیقتاً تنہا کر دیا۔ اس کی خاموشی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ وہ دن بھر نئی فوج کی بھرتی کے سلسلے میں خود کو مصروف رکھتا لیکن رات کی تنہائی اسے کاٹنے کو دوڑتی۔

تیمور شہر سبز میں فوج بھرتی کرنے میں مصروف تھا کہ مغل بڑھ کر سمرقند کے مضافات میں پہنچ گئے۔ امیر حسین اگر چاہتا تو مغلوں کو کچھ دن روک سکتا تھا لیکن اس نے مغلوں کے سامنے آنے کی جرأت نہ کی بلکہ سمرقند سے کچھ اور دور چلا گیا۔

اہل سمرقند مغلوں کی آمد سے بہت پریشان ہوئے۔ قاضی شہر نے بلخ کے مفتی سے امداد طلب کی۔ مفتی فوراً بلخ کے دستوں کے ساتھ سمرقند چل پڑا۔ راستے میں تاتاری بھی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

مفتی نے اپنے قلیل لشکر کے ساتھ مغلوں کا مقابلہ کیا اور انہیں سمرقند کے مضافات ہی میں روک لیا۔ مغل خائف ہونے کے باوجود خائف تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ تمام تاتاری ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے مقابل ایک نیا لشکر ہے جس میں امیر تیمور یا امیر حسین موجود نہیں ہے بلکہ وہ ایک نئے تازہ دم لشکر کے ساتھ سمرقند کے قلعے میں مقیم ہیں۔ اس خبر نے مغلوں کو پریشان کر دیا۔

ادھر مفتی بلخ نے مغلوں کے رسد کے ذخائر پر شب خون مار کر انہیں تباہ کر دیا۔

تیمور کو شہر سبز میں مغلوں کے بارے میں جو پہلی خبر دی گئی وہ بڑی حیرت انگیز تھی۔ تیمور فوج بھرتی کر کے

سمرقند کی طرف کوچ کا ارادہ کر رہا تھا کہ سمرقند کے عالموں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا۔ تیمور انہیں دیکھ کر سمجھا کہ وہ اس سے کمک حاصل کرنے آئے ہیں۔ اس نے گفتگو میں خود پہل کی۔

"اے سمرقند کے علمائے کرام!" تیمور گمبھیر آواز میں بولا۔

"میں نے یہاں آ کر ایک دن بھی آرام نہیں کیا۔ رات دن تازہ فوج اکٹھا کرنے میں مصروف ہوں۔ خدا کے فضل سے اب میرے پاس اتنی فوج ہو گئی ہے کہ میں قلعہ بند ہونے کے بجائے کھلے میدان میں مغلوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں"۔

"اے تاتاریوں کے سچے رہنما!" ایک عالم نے اسے بڑی عزت سے مخاطب کیا:

"خدا نے تاتاریوں اور آپ پر اپنا فضل کیا۔ اب مغلوں سے کھلے میدان میں بھی مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی"۔

"کیوں .....؟ کیا مغلوں نے سمرقند کے محاصرے کا خیال ترک کر دیا؟" تیمور نے حیرت سے پوچھا۔

"مغل سمرقند آئے اور منہ کی کھا کر چلے گئے"۔ دوسرے عالم نے بتایا۔

"کیا مغل شکست کھا گئے؟" تیمور کو یقین نہیں آیا۔

"ہاں معزز سردار۔ مغل لشکر سمرقند کے مضافات تک پہنچ گیا تھا لیکن بلخ کا مفتی ہماری مدد کو آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک بڑا لشکر لایا تھا۔ اس نے مغلوں کو روک لیا اور شب خون مار کر ان کا ناک میں دم کر دیا۔ پھر اللہ کا ایک فضل اور ہوا۔ آسمانی بلاؤں نے مغلوں کو گھیر لیا۔ ان کے گھوڑوں میں کوئی ایسی بیماری پھیلی کہ ایک ایک دن میں کئی کئی سو گھوڑے مرنے لگے۔ چاروں طرف بدبو پھیل گئی اور راستے بند ہو گئے۔ مغل گھبرا کر پسپا ہو گئے"۔

دوسرے دن تیمور کے چند سردار سمرقند سے آ گئے۔ انہوں نے مغلوں کے بارے میں مزید انکشافات کیے۔ ایک سردار نے بتایا:

"اے امیر! اللہ کی بھیجی ہوئی وہ بیماری ایسی تھی کہ مغلوں کا ایک گھوڑا بھی زندہ نہ بچا۔ سب پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ الیاس خواجہ خان تک کو گھوڑا نصیب نہیں ہوا۔ ہم نے ان کا تعاقب کیا اور جس قدر مغل مار سکتے تھے مار ڈالے۔ باقی اپنی جانیں بچا کر نکل گئے"۔

تیمور کے لیے یہ مژدۂ جانفزا تھا۔ اس نے فوج کو سمرقند کی طرف کوچ کا حکم دیدیا۔

امیر حسین نے عملاً مغلوں کی خلاف دو جنگوں میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن جب اسے مغلوں کی شکست اور مراجعت کی اطلاع ملی تو فوراً اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند پہنچ گیا۔ سمرقند والوں کو تیمور اور امیر حسین کے اختلافات کی کوئی خبر نہ تھی۔ انہوں نے امیر حسین کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لوگ خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ انہوں نے محلوں اور بازاروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو خوب سجا رکھا تھا۔ انہوں نے امیر حسین کا شاہانہ استقبال کیا۔ امیر حسین کا دادا امیر قزغن سمرقند کا حاکم تھا۔ اس لیے وہ سمرقند کی حکومت پر اپنا حق سمجھتا تھا۔ عوام کو بھی اس کی حاکمیت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

تیمور اب تک سمرقند نہ پہنچا تھا۔ اور دونوں کے اختلافات کھل کر عوام کے سامنے نہیں آئے تھے۔ اس لیے امیر حسین کو سمرقند کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ امیر حسین نے فوراً چنگیز خان کے خاندان کے ایک شخص کو جس کا نام اوغلو پردہ ورچی تھا، اپنی طرف سے بادشاہ نامزد کر دیا۔ ..... ایک رنگا رنگ محفل میں اس نام نہاد بادشاہ کی شاہانہ رسمِ ادا کی گئیں اور امیر حسین نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی وقت مغلوں اور تاتاریوں کے بزرگوں میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ بادشاہت مغل کریں گے اور تاتاری مغلوں کے نام پر اپنے اپنے علاقوں کے حاکم ہوں گے اور سپہ سالار کہلائیں گے۔ امیر حسین کا دادا امیر قزغن بھی اسی معاہدے کے تحت مغلوں کے نام پر سمرقند کا حاکم تھا جس پر اب اس کا پوتا قابض تھا۔

تیمور جب سمرقند پہنچا تو وہاں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سمرقند کے لوگوں نے تیمور کی بھی دل کھول کر پذیرائی کی اور اس کا شایانِ شان استقبال کیا لیکن تیمور کو وہ مقام نہ مل سکا جو امیر حسین اس کی عدم موجودگی میں حاصل کر چکا تھا۔ اس کا درجہ امیر حسین سے کم تھا۔ گو کہ اس کا لشکر زیادہ تھا لیکن امیر حسین نے اسے زمین کی تقسیم، مالیہ کی وصولی اور دیوانی مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار تفویض کر دیا۔ یہ فرائض تیمور کے مرتبے سے بہت کم تھے اور یہیں سے دونوں کے اختلافات میں شدت پیدا ہوئی۔

امیر حسین کو خطرہ تھا کہ اگر تیمور کی طاقت کو کمزور نہ کیا گیا تو وہ ایک دن سمرقند پر قابض ہو جائے گا۔ تیمور کے پاس لشکر بھی زیادہ تھا اور وہ جنگی حکمتِ عملی میں بھی امیر حسین سے زیادہ ماہر تھا۔ وہ امیر حسین کی ماتحتی میں کام کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔ امیر حسین نے صرف تیمور ہی کو دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ اپنی بہن الجائی خاتون جو کہ تیمور کی بیوی تھی، کے ساتھ بھی اس کا رویہ انتہائی تحقیر آمیز تھا۔ اس نے کئی بار تیمور کے سامنے الجائی خاتون کی توہین کی تھی جسے تیمور نے بیوی کی وجہ سے برداشت کر لیا تھا۔ لیکن اب اس رشتے کے خاتمے کے بعد تیمور کو سب پرانی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ غرض کہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف بن گئے۔

امیر حسین کا سپہ سالار امیر موسیٰ، اس کا سب سے بڑا مشیر تھا۔ موسیٰ، ہر وقت تیمور کے خلاف امیر حسین کے کان بھرتا رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب علاقوں کی تقسیم کا سوال ہوا تو جھگڑے بڑھ گئے ..... امیر حسین تیمور کو کچھ بھی نہیں دینا چاہتا تھا لیکن تیمور کو اپنی کارگزاریوں کا صلہ درکار تھا۔ امیر حسین نے بلخ اور خاتان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ملک تاتار کے بہترین صوبے تھے۔ تیمور نے اس کی مخالفت کی لیکن اس کے امیروں نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ تیمور نے بلخ اور خاتان کا مطالبہ ختم کر دیا۔

اسی دن، امیر موسیٰ کے بہکانے پر امیر حسین نے قرشی کا قلعہ، تیمور سے طلب کیا۔ قلعہ قرشی اپورے تاتار میں سب سے زیادہ مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعے کی ملکیت کے سلسلے میں بہت جھگڑا ہوا۔ اگر بزرگ امیر اور سردار بیچ میں نہ پڑتے تو تیمور اور امیر حسین میں جنگ ہو جاتی۔

قلعہ قرشی کو کچھ ہی مہینے قبل تیمور نے زیادہ پختہ اور مستحکم کرایا تھا اور اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ قلعہ ہاتھ سے نکلنے کا اسے بے حد ملال ہوا مگر وہ پھر بھی طرح دے گیا اور اس جھگڑے کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھا۔

دراصل تیمور صلح چاہتا تھا۔ وہ تمام تاتاری سرداروں اور امیروں کے تعاون کا خواہاں تھا۔ اگر اس وقت وہ خانہ جنگی شروع کر دیتا تو تاتار کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ تاتاریوں کے تمام قبائل اپنے اپنے علاقوں کے خود مختار بن بیٹھتے جبکہ تیمور کی خواہش تھی کہ وہ تمام امیروں کو ایک جھنڈے تلے اکٹھا کر کے ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھے تاکہ مغل پھر اس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

امیر حسین ماوراء النہر کے تخت پر بیٹھ کر تنہا حکومت کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ مختلف حیلوں بہانوں سے ایک دن میں کئی کئی بار جھگڑے کھڑے کر دیتا تھا۔ تیمور نے اس کی صورت یہ نکالی کہ ایک دن وہ امیر حسین کو خواجہ شمس الدین تبریز کے مزار پر لے گیا۔ جہاں اس نے پہلے اپنی دوستی کی قسم کھائی۔ پھر امیر حسین سے سچا دوست رہنے کا قول و قرار لیا۔

امیر حسین نے قسم کھائی اور قول و قرار بھی کر لیا لیکن اسے تیمور کا یہ عمل بالکل پسند نہ آیا اور بجائے قول و قسم پر عمل کرنے کے اس نے اور زیادہ مخالفت شروع کر دی۔

○

عنبر شام تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ شدتِ غم سے اس کا جسم نڈھال ہو رہا تھا۔ دن بھر اس نے کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔ اس نے خرجی سے خشک غذا نکال کر کھائی۔ دو گھونٹ پانی پیا۔ جسم میں ذرا طاقت آئی تو اس نے پناہ گاہ سے نکل کر ادھر اُدھر دیکھا۔

اس نے اتنی محنت کی۔ ساحر کو مارا۔ بارش روکی مگر تدبیر کند بندۂ اور تقدیر کند خندہ کے مصداق، اس کی تقدیر کے سامنے ایک نہ چلی۔ شکست تاتاریوں کی قسمت میں لکھی تھی۔ پیشانی کا لکھا سامنے آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کو اب اپنی فکر ہوئی۔ پہاڑی چاروں طرف سے خلوں میں گھری ہوئی تھی۔ اوڈ کی روشنی میں مغل پہرہ ادھر اُدھر گھومتے نظر آ رہے تھے۔ اسے راستوں کا صحیح اندازہ بھی نہ تھا اس لیے اس نے رات کے وقت وہاں سے نکلنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ راستوں کا تعین کیے بغیر مغلوں کے ہاتھوں سے بچ نکلنا ممکن نہ تھا اس لیے وہ صبح کے انتظار میں پھر پناہ گاہ میں جا کر پڑ رہا۔

صبح اٹھ کر دیکھا تو ہر طرف مغل ہی مغل نظر آئے۔ دور دور تک ان کے خیمے پھیلے ہوئے تھے۔ صرف پشت کی طرف مغلوں کے خیمے نہ تھے لیکن وہ راستہ مغلوں کی بستی کی طرف جاتا تھا اور اس طرف جانا خود موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

تورکینہ نے اسے حفاظت کا یقین دلایا تھا لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب اس نے ساحر کو قتل نہ کیا ہوتا۔ تورکینہ کے قبیلے کے ایک ساحر کو قتل کرنے کے بعد اس کی پناہ میں جانا کوئی عقل مندی نہیں تھی۔ اسے ساحر کو قتل کرتے کسی نے نہیں دیکھا تھا یہ بھی تو ممکن تھا کہ اسے جھونپڑی سے نکلتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا ہو اور تورکینہ کے پاس پہنچتے ہی اسے پہچان لیا جائے۔ اگر پہچانا نہ جائے تو بھی وہ تاتاری تھا، مغلوں کا دشمن۔ تمام ساحر مغلوں کے حلیف تھے اور مغل عقیدہ رکھتے تھے۔ کوئی صورت اس کے بچنے کی نظر نہ آتی تھی۔ دن میں پکڑے جانے کا خدشہ، رات کو راستوں سے ناواقفیت۔ عنبر سخت پریشانی میں گھر گیا تھا۔ خشک غذا اور پانی بھی اس کے پاس قریب الختم تھا۔ اگر ایک دو دن میں وہ یہاں سے نہ نکل سکا تو بھوک اور پیاس بھی اس کے خاموش ایک نیا محاذ کھول لے گی۔۔۔۔ اور وہ سسک سسک کر مر جائے گا۔

تین دن بعد کھانے کی خورجی اور پانی کی مشکلی بھی ختم ہو گئی۔۔۔۔ اور پھر وہ دن بھی آ گیا کہ اس کے لیے اٹھ کر بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔ بھوک اور پیاس نے اسے بالکل لاغر کر دیا تھا۔ آنکھیں بھی مشکل ہی سے کھلتی تھیں۔ دن رات کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ اسے اپنی اس بے بسی کی موت پر بار بار رونا آتا تھا۔ وہ سوچتا کہ شاید اس نے ساحر کو قتل کر کے گناہ کیا ہے جس کی سزا خدا اسے دے رہا ہے لیکن پھر اس کا دل اسے اطمینان دلاتا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کو مارنا، قتل نہیں بلکہ فرض کی ادائیگی ہے۔ ساحر مغلوں کے حلیف تھے اُن کے لیے جادو کرتے تھے۔ اگرچہ وہ جنگ میں شریک نہیں تھے لیکن ان کا عمل بھی ایک طرح کی جنگ تھی۔۔۔۔ اس نے جو کچھ کیا ملک و قوم کے لیے کیا۔

پتہ نہیں اسے موت کا انتظار کرتے ہوئے کتنے دن ہو گئے۔۔۔۔ رات کا وقت تھا۔ غنودگی کے عالم میں اسے کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ آواز، اس کی پناہ گاہ کے قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر وہ آواز رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا ایک جھکڑ ہوا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تو اس کے جسم میں جیسے جان آ گئی۔ ہوا کے اس جھونکے

میں جنگلی پھولوں کی مہک تھی جن کا گجرا تورکینہ اپنے بالوں میں لگاتی تھی۔

عنبر بے جان پڑا موت کی گھڑیاں گن رہا تھا لیکن اس خوشبو نے اس کے لیے اکسیر کا کام کیا۔ اس نے پوری طاقت لگا کر خود کو چٹان کے عقب سے گھسیٹنا شروع کیا۔ چٹان کے عقب سے نکل کر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے کی چٹان پر کوئی بیٹھا دکھائی دیا۔ عنبر کو اندھیرے میں اس کی شکل تو نظر نہیں آئی لیکن اس طرف سے آنے والی خوشبو اسے یقین دلا رہی تھی کہ وہ تورکینہ ہے۔

عنبر کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔

اس نے یہ سوچ کر تورکینہ کو آواز دینے کا فیصلہ کیا کہ اگر وہ تورکینہ کی بجائے کوئی مغل ہوا بھی تو اسے کوئی افسوس نہ ہوگا۔ وہ اس خود ساختہ قید سے تنگ آ چکا تھا اور چاہتا تھا کہ سسک سسک کر مرنے کے بجائے اسے اگر کوئی مغل قتل کر دے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

"تورکینہ۔۔۔۔" اس نے آہستہ سے پکارا۔

چٹان پر بیٹھا ہوا ہیولا اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔۔۔۔

"عنبر۔۔۔۔ کیا تم عنبر ہو۔" یہ تورکینہ کی آواز تھی۔

عنبر نے پہچان کر فوراً جواب دیا:

"ہاں تورکینہ۔ میں عنبر ہوں۔ ادھر میرے پاس آؤ۔"

تورکینہ کے قدموں کی آواز کی سمت اٹھنے لگے۔ وہ اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی اس چٹان تک پہنچ گئی۔ عنبر نے اٹھنے کی کوشش کی تو تورکینہ کا پیر اس سے ٹکرایا۔

وہ بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا تمہیں عنبر۔ کیا تم زخمی ہو؟"

"نہیں تورکینہ۔" عنبر نحیف آواز میں بولا۔

"میں تین دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔"

"میرے پاس کیوں نہیں آ گئے؟"

تورکینہ نے سہارا دے کر اسے بٹھا دیا۔

"میرے ساتھ چلو گے؟"

"ہر طرف مغل پھیلے ہوئے ہیں اور پھر مجھ سے چلا بھی نہیں جائے گا۔"

"مجھے پکڑ کر چلو۔ میں تمہیں سہارا دوں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تورکینہ نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔

"مغلوں کی پروا نہ کرو۔ میں تمہیں ایسے راستے سے لے چلوں گی کہ کسی کی نظر نہ پڑے گی۔ انہوں نے تب بھی میں کوئی بات نہ سنائوں گی۔ تم بالکل نہ گھبراؤ۔"

عنبر تورکینہ کے سہارے پہاڑی سے اترنے لگا۔ اس کے لیے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح چلتا رہا۔ ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ اگر کسی نے پہچان لیا تو کیا ہوگا؟

تورکینہ اسے کیسے بچائے گی؟

اور پھر جب تورکینہ کو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک ساحر کو قتل کر دیا ہے تو وہ کیا سوچے گی؟

شرم کے احساس نے اس کے قدم روک دیے۔

"تورکینہ! پہلے یہ بتاؤ کہ اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو تم کیا کرو گی؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"چلتے رہو عنبر۔" تورکینہ نے تسلی دی۔

"میں جس راستے سے جا رہی ہوں اس پہ کسی کے ملنے کا امکان نہیں۔ ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"راستے میں نہیں بلکہ تمہاری جھونپڑی میں اگر کسی نے پہچان لیا تو کیا ہوگا؟"

"تم چلو تو سہی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جھونپڑی میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔"

"تمہارے ماں باپ؟"

"کوئی نہیں ہے۔" تورکینہ جھنجھلا کر بولی۔ "جھونپڑی میں پہنچ کر بتاؤں گی۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ تورکینہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ ساحروں کی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ تورکینہ اسے لیے ہوئے ایک جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ تورکینہ چراغ جلانے کے لیے چقماق ڈھونڈنے لگی۔

عنبر بولا:

"کیا کر رہی ہو تورکینہ؟"

"چراغ جلا رہی ہوں۔"

"چراغ نہ جلاؤ۔ دوسروں کو ہماری موجودگی کا علم ہو جائے گا۔" عنبر نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے عنبر۔" تورکینہ نے کہا۔

"تمام جھونپڑیاں خالی ہیں۔ میرے قبیلے والے آگے چلے گئے ہیں۔"

"تم بالکل تنہا ہو یہاں؟" عنبر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں..... بالکل اکیلی۔"

"اور تمہارے ماں باپ؟" عنبر نے اپنا سوال دہرایا۔

"پہلے کچھ کھا پی لو۔ پھر اطمینان سے بتاؤں گی۔"

"میں اندھیرے ہی میں کھالوں گا۔" اس نے لجاجت سے کہا:

"روشنی مت کرو۔ روشنی دیکھ کر کوئی مغل ادھر آ سکتا ہے۔"

"اچھا بھئی تم تو خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔"

تورکینہ نے اندھیرے ہی میں تلاش کر کے کھانا نکالا۔ اور مکڑی کی ایک کنڈلی میں رکھ کر کنڈلی عنبر کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

"اس وقت تو کھانے کو یہی کچھ ہے۔ صبح تمہارے لیے کچھ پکاؤں گی۔"

تورکینہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"لیکن تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟" عنبر نے پوچھا۔ اسے اس بات پر تعجب تھا کہ اگر تمام ساحر یہاں سے چلے گئے ہیں تو تورکینہ کیوں یہاں موجود ہے۔

"پہلے پیٹ بھر لو۔ پھر بتاؤں گی۔" تورکینہ نے ٹالا۔

عنبر کنڈلی میں ہاتھ ڈال کر کھانے لگا۔ پتہ نہیں کھانے میں کیا تھا۔ وہ تو بس جلدی جلدی نوالے بنا کر منہ میں ٹھونس رہا تھا اور ہر نوالے کے بعد پانی کا گھونٹ بھر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے کنڈلی خالی کر دی لیکن اب اس کے ہاتھ پیر سنسنانے لگے تھے۔ خالی پیٹ میں پہنچا تو اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

"تم کہاں سوؤ گی تورکینہ؟ مجھے نیند آ رہی ہے۔" عنبر نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"یہ میری جھونپڑی ہے میں یہیں سوؤں گی۔" تورکینہ نے معصومیت سے جواب دیا۔

"تورکینہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں مسلمان ہوں۔"

"مسلمان ہو تو کیا ہوا..... تم جھونپڑی کے ایک کونے میں اس طرف منہ کر کے لیٹ جاؤ۔ میں دوسرے کونے میں اس طرف منہ کر کے لیٹ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" عنبر نے ہامی بھری اور ہاتھ سے ٹٹول کر کھسکتا ہوا ایک کونے میں چلا گیا..... پھر چند ہی لمحوں میں وہاں اس کے خراٹے گونجنے لگے۔

عنبر، صبح دیر تک سوتا رہا۔ کئی روز بعد اطمینان کی نیند سویا تھا۔ شاید اب بھی اس کی آنکھ نہ کھلتی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھونپڑی کی پتھر اور لکڑی کی دیواروں سے دھوپ چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اس کے جسم پر اضطراب طاری ہو گیا۔

اس کے سامنے ایک کچی قبر بنی ہوئی تھی اور عنبر کے پیر قبر تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے جلدی سے پیر سمیٹ لیے۔ نظر گھما کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رات بھر وہ جس تودے سے سر ٹکا کر اطمینان سے سوتا رہا تھا وہ بھی ایک قبر ہے۔

"کیا یہ قبرستان ہے؟"

عنبر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ یہ جھونپڑی بھی بالکل اسی جھونپڑی کی مانند تھی جس میں داخل ہو کر اس نے ساحر کو قتل کیا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس جھونپڑی کی گھاس پھونس کی چھت پر برف تھی اور اس جھونپڑی کی چھت نئی معلوم ہوتی تھی۔ اس میں قبریں بھی نہ تھیں۔

عنبر دونوں قبروں کے درمیان کھڑا سوچ ہی رہا تھا۔ . . . کہ تورکینہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی اچانک عنبر کی نظر دونوں قبروں کے درمیان ایک جگہ رک گئی۔ اسے ایک گڑھا نظر آیا جس کے گرد پتھر پڑے ہوئے تھے جیسے وہاں کوئی الاؤ موجود رہا ہو۔

"میں جانتی تھی تم قبریں دیکھ کر حیران ہو گے۔" تورکینہ نے کہا۔

وہ اس کے کھانے کے لیے باہر سے کچھ لائی تھی۔

"میں بہت سویرے اٹھ گئی تھی۔ تمہارے کھانے کا انتظام جو کرنا تھا۔" تورکینہ نے لکڑی کی تھالی اس پر رکھ دی۔ عنبر گم صم کھڑا تھا:

"بیٹھ جاؤ عنبر۔" تورکینہ نے اسے پریشان دیکھ کر کہا:

"کیا قبروں کو دیکھ کر ڈر گئے ہو؟"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا لیکن تورکینہ کے کہنے پر بیٹھ گیا۔ اس کی گھبراہٹ ہوئی نظریں اب بھی جھونپڑی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دو کچی قبریں۔ ٹوٹا ہوا الاؤ اور جھونپڑی کا پردہ . . . .

"بڑے بزدل ہو۔ قبروں سے ڈرتے ہو؟" تورکینہ نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔

"یہ قبریں کن لوگوں کی ہیں؟" عنبر نے چونک کر پوچھا۔

"یہ قبر میری ماں کی ہے۔" تورکینہ نے ایک قبر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہاری ماں زندہ ہے۔ . . . تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ تاتاری ہے اور مسلمان ہے۔"

"میں نے ٹھیک بتایا تھا۔ اس وقت میری ماں زندہ تھی۔"

تورکینہ افسردہ ہو گئی۔

"تمہاری ماں کو کیا ہوا تھا؟" عنبر نے رسمی سی ہمدردی کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرے قبیلے والوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔" تورکینہ کے آنسو چھلک پڑے۔

"قبیلے والوں نے۔" عنبر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"مگر کیوں؟"

"میری ماں تاتاری تھی اس لیے برداشت نہ کر سکی۔ اس نے میرے باپ کو مار ڈالا۔" تورکینہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔

عنبر کا ذہن اب تک قبروں میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی ماں کے قتل کی وجہ تو سمجھ میں آتی تھی لیکن اس کی ماں نے اپنے شوہر کو کیوں قتل کیا۔ یہ معمہ اب تک حل نہ ہوا تھا۔

"تورکینہ! تم بہت دکھی ہو۔" عنبر نے سلسلۂ کلام پھر شروع کیا۔

"لیکن میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تمہاری ماں نے اپنے شوہر کو کیوں قتل کیا؟ جبکہ تمہاری پیدائش سے اب تک وہ اسے ہر حالت میں برداشت کرتی آئی تھی۔"

"بس میں کیا بتاؤں . . . . میری ماں اور باپ میں اکثر لڑائی ہو جاتی تھی لیکن بیچ میں پڑ کر میں کرا دیتی تھی۔ مجھے ان دونوں سے بہت محبت تھی اور وہ بھی مجھے بہت چاہتے تھے . . . . پھر جب مغلوں اور تاتاریوں کی فوجیں لڑائی کے لیے میدان میں اکٹھا ہوئیں تو میری ماں میرے باپ سے خوب لڑی۔ میری ماں کہتی تھی کہ تم مغلوں کے لیے تاتاریوں کے خلاف جادو نہ کرو لیکن میرا باپ مغلوں کا ساتھ دے رہا تھا وہ کسی طرح نہ مانا۔ ماں کا جب کوئی بس نہ چلا تو اس نے مجھے تمہارے سردار کے پاس بھیجا لیکن تمہارے سردار نے میری باتوں پر کان نہ دھرے اور انہیں پہلے ہی دن کی جنگ میں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس رات پھر میری ماں میرے باپ سے خوب لڑی۔ میرے باپ نے مجھے اور میری ماں کو جھونپڑی سے نکال دیا۔ ہم ماں بیٹی دوسری جھونپڑی میں چلی گئیں۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت میری ماں چپکے سے اپنی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔ وہاں میرا باپ جادو کر رہا تھا۔ ماں نے وہاں جا کر میرے باپ کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ اس کے مرتے ہی بارش رک گئی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارے باپ کو تمہاری ماں نے ہی قتل کیا ہے۔" عنبر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"ہاں عنبر۔ سوائے میری ماں کے میرے باپ کا اور کوئی دشمن نہ تھا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ جس وقت میرا باپ مارا گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت تک تاتاری شکست کھا کر میدان چھوڑ چکے تھے ورنہ ساحروں کی شامت آجاتی۔ مغل بادشاہ ان سب کو قتل کرا دیتا۔

"پھر کیا ہوا تورکینہ؟" عنبر نے مردہ سے لہجے میں پوچھا۔ وہ اس وقت خود کو ایک بھاری بوجھ تلے دبا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

"پھر جیسے ہی بارش رکی، تمام ساحر اپنی جھونپڑیوں سے نکل آئے۔ انہیں یقین تھا کہ ضرور کوئی ساحر قتل ہے۔ جب بوڑھے ساحر نے سب کی گنتی کی تو پتہ چلا کہ میرا باپ موجود نہیں ہے۔ سب لوگ میرے باپ کی جھونپڑی پر پہنچ گئے۔ میں اور میری ماں بھی ساتھ تھی۔ ایک ساحر اندر گیا اور میرے باپ کی لاش کھینچ کر باہر لے آیا۔ لاش دیکھ کر بوڑھا ساحر جو سب کا سردار ہے، آگے بڑھا اور میری ماں کا ہاتھ پکڑ کر اعلان کیا کہ تورکینہ کے باپ کو تورکینہ کی ماں نے قتل کیا ہے۔ . . . . میری ماں دہائی دیتی رہی۔ چلاتی رہی کہ وہ بے گناہ ہے لیکن انہوں نے میرے سامنے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ سب کو معلوم تھا کہ میری ماں تاتاری ہے اور تاتاریوں کے خلاف جادو کرنے کی مخالفت کرتی تھی۔"

تورکینہ سسکیاں لینے لگی۔ عنبر نے اسے سہارا دیا:

"تمہاری ماں واقعی بے گناہ تھی تورکینہ! اس پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ تمہارے باپ کا قاتل کوئی اور ہے۔ میں اصل قاتل کو تمہارے حوالے کروں گا۔"

"نہیں عنبر!" تورکینہ بولی۔ "میرے باپ کو میری ماں نے ہی مارا ہے۔ مجھے بھی اس بات کا یقین ہے۔"

عنبر نے جھونپڑی کے دروازے پر پڑے ہوئے پردے کو دیکھ کر پوچھا:

"جس دن تمہارا باپ قتل ہوا، کیا یہی پردہ دروازے پر پڑا ہوا تھا؟"

"ہاں۔ یہی پردہ تھا۔ یہی جھونپڑی تھی۔ اس کی چھت جل گئی تھی۔ میں نے دوسری ڈالی ہے۔ میں نے بوڑھے ساحر سے اجازت لے کر اپنے ماں باپ کی قبریں اسی جھونپڑی میں بنا لی ہیں۔ اب میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔ مغل تمام ساحروں کو ساتھ لے کر تاتاریوں کے پیچھے سمرقند گئے ہیں۔"

عنبر کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ چیخ کر تورکینہ کو بتائے کہ تیرے باپ کو تیری ماں نے نہیں بلکہ میں نے مارا ہے لیکن میں بھی قاتل نہیں ہوں۔ میں نے ساحر کو اس لیے مارا تھا کہ تیرے کہنے کے مطابق تاتاری رک جائے اور تاتاری فتح حاصل کر لیں مگر میں تقدیر کا لکھا نہ مٹا سکا۔ بارش رکنے سے پہلے ہی تاتاری شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ . . . .

لیکن وہ یہ کہہ نہ سکا۔ اس کی زبان کو تالا لگ گیا۔ پتہ نہیں کیوں؟

فراتو عنبر کو تورکینہ کے ساتھ رہتے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ دونوں دن بھر ایک ساتھ رہتے۔ رات گزارنے کے لیے عنبر دوسری جھونپڑی میں چلا جاتا۔ تمام جھونپڑیاں خالی پڑی تھیں۔

ساحروں کو مغل اپنے ساتھ سمرقند لے گئے تھے تاکہ سمرقند کو بھی وہ جادو کے زور سے فتح کر لیں۔ عنبر نے تورکینہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ جب تک ان کی شادی نہیں ہو جاتی وہ علیحدہ علیحدہ جھونپڑیوں میں سوئیں گے۔ تورکینہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ تو عنبر کے اس وعدے سے خوش تھی کہ حالات درست ہوتے ہی دونوں سمرقند پہنچیں گے اور وہاں شادی کر کے آرام سے زندگی گزاریں گے۔

تورکینہ نے عنبر کو مغلوں کا لباس پہنا دیا تھا تاکہ اگر کوئی پوچھ گچھ ہو تو وہ عنبر کو اپنا رشتہ دار ثابت کر سکے۔

مغلوں نے سمرقند کی طرف کوچ کرتے وقت تمام ساحروں کو مع اہل و عیال لشکر کے ساتھ چلنے کا حکم دیا تو تورکینہ نے مغل سردار سے التجا کی کہ اسے اس کی جھونپڑی ہی میں چھوڑ دیا جائے۔ وہ وہاں باپ کی قبروں کے پاس رہ کر اپنا غم ہلکا کرنا چاہتی ہے۔ مغل سردار نے اسے جھونپڑی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اسے یہ رعایت بھی دی گئی کہ وہ اپنا راشن مغل خیمہ گاہ سے حاصل کر سکتی ہے۔

ساحروں کے جانے کے بعد، اس خالی بستی میں دو تین دن تک تو تورکینہ گھبراہٹ اور خوفزدہ سی رہی لیکن پھر وہ اس کی عادی ہو گئی۔ پھر جب وہ عنبر کو ساتھ لے کر آئی تو اس کے دن عید اور رات، شب برات ہو گئی۔ عنبر کے لیے تورکینہ کی چاہت بڑھتی رہی۔ عنبر بھی روز بروز اس کے قریب آتا گیا۔ یہاں تک کہ ان میں شادی کے عہد و پیمان ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے درمیان فاصلے کی جو حد مقرر کی تھی، اسے دونوں میں سے کسی نے بھی پھاندنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

انہیں اچھے دنوں کا انتظار تھا۔ مگر اچھے دن انہیں صرف سمرقند ہی میں حاصل ہو سکتے تھے اور سمرقند کے راستے میں قدم قدم پر مغل موجود تھے۔ خیمہ گاہ کے مغل، اس کا بڑا خیال کرتے تھے۔ مغلوں میں جادوگروں کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جادوگر، دنیا والوں اور آسمانی دیوتاؤں کے درمیانی رابطے کا کام کرتے ہیں۔

مغل سواروں اور پہرے داروں کو جادوگروں کی جھونپڑیوں کی طرف آنے کی ممانعت تھی لیکن ایک دن ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مغل اتفاقیہ ہی تورکینہ کی جھونپڑی کی طرف آنکلا۔ اس وقت تورکینہ اور عنبر، جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

مغل تورکینہ کے ساتھ ایک جوان کو دیکھ کر چونکا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ساحر کی بیٹی تنہا اس بستی میں رہتی ہے۔

ادھر مغل کو اپنے سامنے دیکھ کر عنبر پریشان ہوگیا۔ اس نے گھبرا کر تورکینہ کو دیکھا۔ تورکینہ نے آنکھوں ہی اشاروں میں اسے تسلی دی اور خود مسکراتی ہوئی مغل کی طرف بڑھی۔

"میں مغل سردار کو خوش آمدید کہتی ہوں۔" اس نے مغل کو سردار کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ مغل، خیمہ گاہ کا ایک ادنیٰ ملازم ہے۔

مغل مشکوک نظروں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ عنبر لباس اور صورت سے مغل ہی لگتا تھا۔ اس کے تاتاری ہونے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا لیکن تورکینہ جیسی خوش شکل اور تتاری لڑکی کے پاس ایک مرد کی موجودگی اسے مشکوک بنا رہی تھی۔

"یہ کون ہے؟" مغل نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟" تورکینہ نے اس کے سخت لہجے کی پروا نہ کرتے ہوئے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔

"میں نہیں جانتا۔ تم بتاؤ یہ کون ہے؟" مغل نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ عنبر کی طرف بڑھنے لگا۔

عنبر کے پاس صرف ایک خنجر تھا۔ پھر بھی وہ چوکنا ہوگیا۔ تورکینہ لپک کر عنبر اور مغل کے درمیان آگئی۔

"ٹھہرو مغل سردار۔" وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔

"یہ میرا شوہر ہے۔ تم اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔"

"شوہر۔۔۔۔" مغل کے قدم ایک دم رک گئے۔

"یہ تمہارا شوہر ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔ اس کے علاوہ میرے قریب اور کون آسکتا ہے؟" تورکینہ نے سختی سے جواب دیا۔

"مگر میں نے تو سنا تھا کہ تم یہاں اکیلی رہتی ہو۔" مغل نے نرم لہجے میں کہا۔

"مجھے اکیلا سمجھ کر تم یہاں آئے ہو۔" تورکینہ چیخ پڑی:

"میں بڑے سردار سے تمہاری شکایت کروں گی!"

"نہیں نہیں۔۔۔۔" مغل گھبرا گیا: "میں تو بھولے سے ادھر آگیا تھا۔ آسمانی دیوتاؤں کی قسم! میں کسی برے ارادے سے یہاں نہیں آیا تھا۔"

"اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔" تورکینہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"کہاں؟۔۔۔۔" مغل کا رنگ اڑ گیا۔

"میں تمہاری بات کا اس وقت یقین کروں گی جب تم میری جھونپڑی میں چل کر قسم کھاؤ گے۔"

مغل انکار نہ کر سکا۔ اور اس کی جھونپڑی کی طرف چلنے لگا۔

تورکینہ نے آگے بڑھ کر جھونپڑی کا پردہ الٹ دیا۔ مغل کی نظر اندر قبروں پر پڑی تو وہ خوف سے کانپنے لگا۔ توہم پرست مغلوں کو قبروں سے بہت ڈر آتا تھا۔ میدانِ جنگ میں خون کی ہولی کھیلتے۔ انسانی سروں کے مینار کھڑے کر دیتے لیکن قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی جان نکلتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ قبروں میں بد روحیں رہتی ہیں جو باہر نکل کر چمٹ جاتی ہیں۔

"یہ میرے باپ اور ماں کی قبریں ہیں۔" تورکینہ بتانے لگی:

"اگر تم سچے ہو تو قبروں کے درمیان بیٹھ کر قسم کھاؤ۔ جھوٹ بولو گے تو بد روحیں تمہیں چمٹ جائیں گی۔"

تورکینہ بڑی بے تکلفی سے اپنے والدین کی روحوں کو بد روحیں کہہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ مغل صرف بد روحوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ مغل کے پیر کانپ رہے ہیں۔ تورکینہ کا مقصد محض مغل کو بری طرح سے خوف زدہ کرنا تھا۔

"جاؤ۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔" تورکینہ کے چہرے پر فاتحانہ شان پیدا ہوگئی۔ "اب ادھر آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

مغل نے تشکر آمیز نظروں سے تورکینہ کو دیکھا۔ پھر پلٹ کر بے تحاشا بھاگا۔ کچھ دور جا کر اس نے پلٹ کر دیکھا پھر دوڑتا ہوا نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"تورکینہ! اب یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔" عنبر نے خدشہ ظاہر کیا: "مغلوں کو میری موجودگی کا علم ہوگیا ہے۔ کہیں مصیبت نہ آجائے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں لیکن میں ایک اور بات سے بھی پریشان ہوں عنبر!"

"اور کیا بات ہے تورکینہ؟" عنبر نے چونک کر پوچھا۔ "یہ سب میرے آنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

تورکینہ، عنبر کا ہاتھ پکڑ کر جھونپڑی میں آبیٹھی اور محبت سے بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عنبر! اب تمہاری مصیبت میری مصیبت ہے۔ جو مصیبت بھی آئے گی ہم دونوں اسے مل کر برداشت کریں گے۔ فی الحال تو کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ہمارے قبیلے کا کوئی سردار واپس آجائے۔ اس وقت بھانڈا پھوٹ سکتا ہے۔"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج ہی میں یہاں سے کسی طرف نکل جاؤں گا۔" عنبر نے کہا۔

"تو میرا بھی فیصلہ سن لو۔" تورکینہ ایک عزم سے بولی۔

"مرنا ہے تو ہم ایک ساتھ مریں گے۔ تم مغلوں کے اتنے سخت پہرے سے نکل کر نہیں جا سکتے۔ وہ تمہیں پکڑ لیں گے ..... پھر میں بھی کیوں نہ تمہارے ساتھ چلوں؟"

"تورکینہ!"

عنبر اسے محبت سے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد بولا:

"میں تمہاری بے پناہ محبت کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔ میں اتنا اچھا نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھ رہی ہو۔ میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جو اگر تمہارے علم میں آجائے تو تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔ ہو سکتا ہے تم مجھے قتل کر دینے کے درپے ہو جاؤ۔ میں نے ..... میں نے تمہاری زندگی میں تنہائی بھر دی ہے۔"

"تمہارے ملنے سے پہلے یہ دنیا میرے لیے تاریک تھی ....." تورکینہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم نے تو مجھے روشنی دی ہے ..... میری زندگی دکھوں سے بھری تھی۔ میرے ماں باپ کے دن رات کے جھگڑوں نے مجھے دنیا سے بیزار کر دیا تھا۔ اب تم ملے ہو تو میری زندگی میں بہار آگئی ہے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔"

عنبر بے چین ہو گیا۔ اس نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا:

"میں جاؤں گا تو تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج کسی وقت تورکینہ کو اصل واقعات سے آگاہ کر دے گا۔ دراصل وہ تورکینہ کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا تھا ..... اگر تورکینہ حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس سے محبت کرتی رہی تو پھر اسے بھی تورکینہ کو اپنانے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

سورج غروب ہوا تو تورکینہ کھانا پکانے کے لیے دوسری جھونپڑی میں چلی گئی اور عنبر تورکینہ کو سب کچھ بتا دینے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد تورکینہ کھانا لے کر آگئی۔

اس نے چراغ روشن کیا اور دونوں قبروں کے درمیان کھانا رکھ کر عنبر کے سامنے بیٹھ گئی ..... لیکن

عنبر کی نظریں کھانے کے بجائے تورکینہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

"تم مجھے گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" تورکینہ نے شرماتے ہوئے کہا:

"کیا میں آج زیادہ اچھی لگ رہی ہوں؟"

"ہاں تورکینہ! تم مجھے آج سب دنوں سے زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔" عنبر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں جی بھر کر دیکھنا اور تمہاری تصویر کو دل میں اتار لینا چاہتا ہوں۔"

"عنبر....."

تورکینہ پریشان ہو گئی:

"یہ تمہیں بیٹھے بیٹھے کیا ہو جاتا ہے؟ کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں تورکینہ!" عنبر نے اداسی سے کہا:

"میں تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتا مگر ممکن ہے تم خود مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے نفرت کرنے لگو۔"

"ایسا نہ کہو عنبر....." تورکینہ تڑپ کر بولی:

"میں جیتے جی....."

اچانک باہر بہت سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ عنبر نے گھبرا کر جھونپڑی کے دروازے کی طرف دیکھا

"کون لوگ ہیں یہ؟"

تورکینہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"ٹھہرو تورکینہ! میں دیکھتا ہوں۔"

عنبر بھی اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازے پر دس بارہ مغل تلواریں کھینچے اور مشعلیں لیے کھڑے تھے۔ ان کے بھیانک چہرے نفرت اور قہر کی تفسیر بنے ہوئے تھے۔

"تم دونوں ہمارے ساتھ چلو۔" ایک مغل نے گرجدار آواز میں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں؟ ہم نے کیا جرم کیا ہے؟" تورکینہ نے بھی اتنی ہی سختی سے پوچھا۔

"چپ رہو۔" مغل نے کہا۔ اور کئی تلواریں تورکینہ اور عنبر کی طرف اٹھ گئیں۔

"جو کہنا ہے سردار سے کہنا۔"

اسی وقت تورکینہ کی نظر اس مغل پر پڑی جو دوپہر کو ان کے پاس آیا تھا۔ تورکینہ چیخ کر بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو، تُو نے شکایت کی ہے سردار سے۔ چل میں بھی سردار سے تیری سب باتیں کہہ دوں گی۔" تورکینہ کا ہاتھ تھام کر بڑی لاپروائی سے چلنے لگی۔

تورکینہ اور عنبر کو خیمہ گاہ کے سردار کے سامنے پیش کیا گیا۔ سردار نے تورکینہ کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا:

"تُو جادوگر کی بیٹی ہے؟"

"میں جادوگر کی بیٹی تھی۔ اب نہیں ہوں۔" تورکینہ نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"کیا بک رہی ہے۔" سردار کو غصہ آ گیا۔ "کیا تو جادوگر کی اولاد نہیں ہے؟"

"میرا باپ جادوگر تھا لیکن مغلوں کے لیے جادو کرتے ہوئے وہ قتل کر دیا گیا۔"

"تیرے ساتھ یہ کون ہے؟" سردار نے عنبر کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا شوہر ہے۔" تورکینہ نے بلا جھجک کہا۔

"لیکن نہ تو یہ جادوگر ہے اور نہ جادو جانتا ہے۔ میرے ماں باپ کے قتل ہونے کی خبر سن کر پاس آ گیا ہے۔ میرا باپ مغل تھا۔"

"سب جادوگر مغل تھے۔"

سردار اٹھ کر ٹہلنے لگا:

"لیکن انہوں نے خانِ اعظم کو دھوکہ دیا۔ خانِ اعظم نے سب کو قتل کرا دیا۔ ایک بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ تجھے بھی قتل کیا جائے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہو سردار؟" تورکینہ حیرت سے بولی:

"جادوگروں نے تو یاغی برما کر تاتاریوں کو شکست دی۔ میرا باپ تمہارے لیے جادو کرتا ہوا مارا گیا پھر تم انہیں دھوکے باز کیوں کہتے ہو؟"

"تجھے خبر نہیں عورت! خانِ اعظم نے جب سمرقند پر حملہ کیا تو تمام جادوگر ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے فتح کے لیے جادو تیار کیا لیکن پھر وہ تاتاریوں سے مل گئے اور جادو الٹا کر دیا۔ ہمارے لشکر کے تمام گھوڑے اب ہمارا لشکر، سمرقند سے پیدل واپس آ رہا ہے۔"

تورکینہ کے لیے یہ خبر بڑی تشویش ناک تھی لیکن عنبر کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ مغل سمرقند پر قبضہ نہ کر سکے تھے۔

"ہم نے لشکر گاہ کے تمام گھوڑے ان کے لیے بھیج دیے ہیں۔۔۔۔ لیکن تجھے ابھی قتل نہیں کیا

تُو اور تیرا شوہر قید میں رہیں گے۔ خانِ اعظم ایاس خواجہ واپس آ کر تیرے لیے جو فیصلہ کریں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔"

"لیکن سردار۔ یہ تو سراسر ظلم ہے۔"

تورکینہ نے احتجاج کیا:

"اگر جادوگروں نے دھوکہ دیا تو انہیں سزا مل گئی۔ میرا اور میرے شوہر کا کیا قصور ہے۔ ہم دونوں تو سمرقند میں نہیں تھے۔"

سردار نے جواب دینے کے بجائے انہیں لانے والوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے بڑھ کر دونوں کو پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے ایک خیمے میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ان کے خنجر چھین لیے گئے اور خیمے پر پہرہ لگا دیا گیا۔ اس نئی مصیبت سے عنبر اور تورکینہ پریشان ہو گئے۔

رات ذرا گہری ہوئی تو عنبر نے آہستہ سے پوچھا:

"کیا سوچ رہی ہو تورکینہ؟"

"سوچ رہی ہوں کہ اب ان کم بختوں کے ہاتھوں سے بچنا مشکل ہے۔"

"ہاں، انہوں نے تمام ماہروں، عورتوں اور بچوں کو مار ڈالا ہے تو پھر ہمیں کیوں بخشیں گے۔" عنبر نے کہا:

"تم موت سے ڈرتی تو نہیں ہو؟"

"موت تو ایک دن آنی ہے عنبر! لیکن تمہارے ساتھ مرنے میں مجھے خوشی ہو گی۔"

"تورکینہ! تم تاتاری عورتوں کی طرح بہادر اور حوصلہ مند ہو۔" عنبر نے اس کی تعریف کی:

"کاش میں تمہیں اپنی ماں اور بیوہ بہن کے پاس لے جاتا۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتیں۔ خیر، جو قسمت میں ہے پورا ہو گا۔ لیکن میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں جو مجھے کھائے جا رہا ہے۔"

"عنبر۔۔۔۔" تورکینہ اضطراب سے بولی۔ "زندگی کے جو لمحے ہیں انہیں ہنس بول کر گزارو۔ کسی بوجھ کا ذکر مت کرو۔"

"نہیں تورکینہ! دل کا بوجھ ہلکا کرنے سے ہی مجھے سکون ملے گا۔ مجھے خوشی حاصل ہو گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری بات سننے کے بعد تم اپنا خیال بدل دو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو عنبر۔ جلد کہو۔" تورکینہ نے پریشانی سے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہی مرنا چاہتی ہوں۔ میرا ارادہ نہیں بدل سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سنو تورکینہ! اگر میں یہ کہوں کہ تمہارے باپ کو تمہاری ماں نے نہیں مارا تھا تو کیا تم یقین کرلو گی؟"

"اب یہ باتیں بیکار ہیں عنبر!" تورکینہ بے دلی سے بولی۔

"تورکینہ! میں کہتا ہوں کہ تمہاری ماں قاتل نہیں تھی۔ تمہاری ماں تو تمہارے باپ کی جھونپڑی میں گئی تھی نہیں گئی تھی۔"

"تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے اس وقت تم وہاں موجود تھے۔" تورکینہ چڑ کر بولی۔

"ہاں..... یہ حقیقت ہے کہ تمہارے باپ کو میں..... میں.....!" عنبر کے حلق میں آواز اٹک گئی۔

"لگ..... کیا کہہ رہے ہو عنبر؟" تورکینہ گھبرا کر بولی۔

"تورکینہ..... عنبر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا..... "تم نے بتایا تھا نا، کہ اگر ایک ساحر جادو ڈالا جائے تو بارش بند ہو جائے گی..... اس دن تاتاریوں کو شکست ہو رہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹتے جا رہے میں پہاڑی پر موجود تھا۔ مجھے تمہاری بات کا یقین تھا اس لیے میں اس طوفانی بارش میں تمہاری بستی میں پہنچا اور جو پہلی جھونپڑی سامنے آئی اس میں گھس گیا اور ساحر کو قتل کر دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے ہاتھوں جانے والا ساحر تمہارا باپ تھا۔ تم نے مجھ پر احسان کیے..... مجھے کھلایا پلایا اور موت کے منہ سے بچایا۔ میرا احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں تورکینہ! میں تمہارا مجرم ہوں۔ میں اپنے ضمیر سے نہیں، صرف تم سے شرمندہ ہوں تورکینہ!"

تورکینہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

عنبر تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا..... پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا

"تورکینہ! بولو، تم اپنے مجرم کے لیے کیا سزا تجویز کرتی ہو؟"

تورکینہ کا لرزتا ہوا ہاتھ عنبر کے کندھے سے ٹکرایا۔ پھر اس کا سر عنبر کے شانے سے ٹک گیا اور وہ سسکتی ہوئی بولی:

"میں تمہیں معاف کرتی ہوں عنبر!"

"تورکینہ! تم نے مجھے معاف کر کے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔" عنبر کے لہجے میں خوشی کا تاثر تھا۔

اسی وقت خیمے کے باہر گھوڑے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں نے اٹھ کر پردے کی اوٹ سے جھانکا۔ مغل خیمہ گاہ میں مشعلیں روشن تھیں اور بگگ ڈرسی مچی ہوئی تھی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے خیمہ گاہ خالی ہونے شروع ہو گئی۔

مغل اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے کسی نے ان پر حملہ کر دیا ہو۔ جس وقت انہیں خیمے میں قید کیا گیا تھا اس

خیمہ گاہ میں گھوڑا کوئی موجود نہیں تھا۔ اس سے عنبر نے اندازہ لگایا کہ یہ گھڑسوار اس لشکر کے ہیں جو سمرقند سے ناکام واپس آیا ہے لیکن یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مغل بدحواسی کے عالم میں خیمہ گاہ چھوڑ کر اس طرح بھاگ کیوں رہے ہیں؟

خیمے پر پہرہ دینے والے پہرے دار بھی پہرہ چھوڑ کر بھاگنے والوں میں جا ملے تھے..... پھر دیکھتے ہی دیکھتے لشکر گاہ خالی ہو گئی۔

تورکینہ اور عنبر خیمے سے نکل آئے۔ اب وہ آزاد تھے۔

"اب ہم آزاد ہیں عنبر!" تورکینہ خوشی سے بولی: "آؤ اب بھاگ چلیں۔"

عنبر بھی یہی سوچ رہا تھا۔ وہ تورکینہ کو لیے ہوئے خیمے سے کچھ فاصلے پر جا کر رک گیا:

"اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے تورکینہ!" عنبر مسرت آمیز لہجے میں بولا:

"غیبی مدد اسی کو کہتے ہیں۔"

"ہاں عنبر! اب شاید ہم سمرقند پہنچ سکیں۔"

"ضرور تورکینہ!"

عنبر نے اس کے خیال کی تائید کی:

"میری ماں اور بہن تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔"

عنبر اور تورکینہ رات بھر سمرقند کی طرف چلتے رہے۔

صبح دم، انہیں پہاڑیوں کے دامن میں ایک لشکر کا پڑاؤ نظر آیا۔ عنبر کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ یہ تاتاری لشکر تھا جو مغلوں کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا تھا۔

تاتاری لشکر میں بہت سے سوار عنبر کو پہچانتے تھے اس لیے عنبر کو اپنی شناخت کرانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

جب تاتاری لشکر کو معلوم ہوا کہ مغل تبتی حملے سے بھی بھاگ نکلے ہیں تو وہ سمرقند کی طرف واپس ہو لیے۔

عنبر کی ماں اور بہن سمرقند ہی میں تھیں۔ تورکینہ کو دیکھ کر وہ دونوں نہال ہو گئیں..... پھر تورکینہ دامن بن کر ہمیشہ کے لیے عنبر کی ہو گئی۔

جب سردار تیمور، شہر سبز سے سمرقند پہنچا تو عنبر حسب سابق پھر اس کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرغزاروں کا فریب

اس کے ریشمی بال رخساروں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ بائیں شانے پر چڑھی ہوئی ہلکی ڈھال، دائیں طرف لٹکتی تلوار، دوسری طرف الٹا ہوا ترکش، پشت پر ترکش اور کمان!

وہ بڑی بے نیازی سے گھوڑے پر بیٹھی قافلہ سالار کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس سے قبل وہ قافلے چھاؤنی کے سامنے سے گزر چکے تھے۔ وہ تیسرے قافلے کے ساتھ تھی۔ اس کا قافلہ بھی آہستہ آہستہ چھاؤنی کے خیموں کے سامنے سے گزر گیا۔

مسلح سوار، سڑک کے دونوں طرف کھڑے قافلے کو گزرتا دیکھ رہے تھے لیکن ایک خیمے کے سامنے سنسنی مچی تھی۔ شاید اس کے حسین بے محابہ کو دیکھ کر خیمے والے حیران تھے اور ایک دوسرے سے گفتگو کرنے لگے۔ قافلہ بغیر کسی روک ٹوک کے چھاؤنی سے نصف فرسنگ آگے بڑھ گیا۔

گرمیاں شروع ہو چکی تھیں اور دھوپ میں تمازت پیدا ہو گئی تھی۔ آفتاب نصف النہار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قافلے والوں کے چہروں پر پسینہ موتی بن کر چمک اٹھا تھا۔ اسی وقت پیچھے سے گھوڑے دوڑنے کی آواز آئی۔ قافلہ سالار نے گھوڑا روکا اور ڈرتے ڈرتے پلٹ کر دیکھا۔ پچاس ساٹھ سوار گھوڑے اڑاتے قافلے کی طرف آ رہے تھے۔

اوسان خطا ہو کر قافلہ سالار گھبرا گیا۔ آنے والے سوار وہی تھے جنہوں نے قافلے کو بغیر پوچھ گچھ کے گزرنے دیا تھا..... پھر اب وہ کیوں آ رہے تھے؟

اس کی پریشانی بجا تھی۔ قافلے میں ستر مرد، دس عورتیں اور بیس محافظ سوار تھے۔ بار برداری کے اونٹ اور گاڑیاں الگ تھیں۔

سوار قریب پہنچے۔ قافلے کو گھیر لیا گیا۔ سواروں کا سردار گھوڑا بڑھا کر قافلہ سالار کے قریب آ گیا۔ قافلہ سالار بھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"قافلہ آگے نہیں جائے گا۔" سردار نے حکم دیا۔

قافلے والے سہم گئے۔ قافلہ سالار نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس کی آواز نہیں نکل سکی۔

حسن کو جلال آ جائے تو اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ قافلہ سالار کے ساتھ والی لڑکی کی تیوری چڑھ گئی۔ رد کھینچ گئے۔ دور ہی سے بولی:

"کیوں نہیں جائے گا؟"

پھر وہ گھوڑا گھما کر سردار کے سامنے آ گئی۔

"بس، نہیں جائے گا۔ چھوٹے امیر کا حکم ہے۔" سردار جواب دے کر لڑکی کو گھورنے لگا۔

"ہم کسی چھوٹے امیر کے پابند نہیں ہیں۔" لڑکی نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

قافلہ سالار نے دیکھا کہ بات بگڑ رہی ہے تو اس نے دخل دیا:

"بیٹی تم چپ رہو۔ انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ابھی وضاحت کیے دیتا ہوں۔"

"یہ تمہاری بیٹی ہے۔" سردار نے بجائے وضاحت سننے کے دوسرا سوال کر دیا۔

"ہاں۔ میری بیٹی ہی سمجھیے۔" قافلہ سالار نے بڑے مہذب طریقے سے کہا: "قافلے میں شامل خواتین قافلہ سالار کی ماں، بہن اور بیٹیاں ہوا کرتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ تمہاری بیٹی نہیں۔ اس کے وارث کہاں ہیں؟" سردار کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"تم کون ہوتے ہو میرے وارثوں کو پوچھنے والے؟"

لڑکی جھنجھلا اٹھی:

"ہم نے علاقے کے حاکم سے راہداری کی اجازت حاصل کر لی ہے۔ یہ قافلہ ان کی پناہ میں ہے۔ اگر تم نے ہمیں روکنے کی کوشش کی تو یہ حاکم علاقہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس کی تمہیں سخت سزا ملے گی۔"

پتہ نہیں، سردار نے لڑکی کی بات سنی یا نہیں۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ لڑکی کے حسن نے شاید اس پر محویت طاری کر دی تھی۔

لڑکی خاموش ہوئی تو قافلہ سالار نے اپنی صفائی پیش کی:

"دیکھیے سردار۔ دریائے آمو کے اس طرف تک سردار تیمور کی سرحد تھی۔ انہوں نے بحفاظت تمام قافلوں کو دریا تک پہنچا دیا۔ دریا کے اس پار کا علاقہ حاکم قرشی امیر موسیٰ کا ہے۔ ہم نے اپنا سوار بھیج کر ان سے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجازت حاصل کر لی تھی۔"

"میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ قافلہ سالار کی بات سنو۔" لڑکی نے سردار کو ڈانٹ پلائی۔

سردار بوکھلا گیا اور ہاں، ہوں کرنے لگا۔

"ہم نے امیر موسیٰ سے بحفاظت گزرنے کی باقاعدہ اجازت حاصل کی ہے۔" لڑکی نے قافلہ سالار کی بات دہرائی۔ "تم ہمیں روکنے کے مجاز نہیں ہو۔"

"دیکھیے سردار۔" قافلہ سالار نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"ہم سے پہلے بھی دو قافلے اس علاقے سے گزر چکے ہیں۔ انہیں نہیں روکا گیا۔ ہم سے کیا خطا ہوئی کہ ہم کو روکا جا رہا ہے۔ ہم نے اجازت حاصل کی ہے۔ اگر اس طرح قافلے روکے جانے لگے تو تجارتی قافلے جہاں کہیں تھے وہیں رک جائیں گے۔ تجارت بند ہو جائے گی اور سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ....."

"یہ سب ٹھیک ہے لیکن قافلہ آگے نہیں جائے گا۔" سردار نے تمام وضاحتیں رد کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا۔

"ہم تمہارے حکم کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔" لڑکی چیخ کر بولی۔

"قافلے، حاکم کی پناہ میں چلتے ہیں۔ ہمیں صرف امیر موسیٰ ہی حکم دے سکتے ہیں۔ تمہارا حکم ہم نہیں مانیں گے۔"

لڑکی نے تلوار کھینچ لی اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئی۔

قافلہ سالار نے اپنے محافظوں کی طرف دیکھا۔ بیسوں محافظ اگرچہ اس کے قریب آ گئے تھے لیکن کسی کا ہاتھ تلوار تک نہیں پہنچا تھا۔

قافلہ سالار نے بات بنانے کی کوشش کی:

"سردار! کم از کم ہمیں قصور تو بتایا جائے۔"

"اور یہ بھی بتایا جائے کہ امیر موسیٰ کے اجازت نامے کے باوجود قافلے کو روکنے کا حکم کون شخص دے رہا ہے۔" لڑکی نے کرید کر پوچھا۔

"یہ لڑکی بہت تیز طبیعت ہے۔" سردار نے قافلہ سالار کو مخاطب کیا۔ "اس کو روکو ورنہ....."

"ورنہ تم اپنے پچاس سواروں کو حکم دو گے کہ قافلے کے بیس محافظوں کو قتل کر کے ہمیں گرفتار کر لیں۔" لڑکی نے تیز لہجے میں سردار کی بات کاٹ دی۔ "تجارتی قافلوں پر صرف ڈاکو حملہ کیا کرتے ہیں لیکن اب اس علاقے

یہ نئی بات ہو گی کہ سرکاری فوج اپنے امیر کے حکم کے خلاف قافلے پر حملہ کرے۔"

"نہیں۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔" سردار چیخ اٹھا:

"ہم امیر کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے لیکن جس حاکم نے تمہیں اجازت دی ہے اب اسی کا حکم ہے کہ قافلے کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔"

"امیر موسیٰ..... کیا یہ ان کا حکم ہے۔" قافلہ سالار نے حیرانی سے سردار کو دیکھا۔

"امیر موسیٰ کا ہی حکم سمجھو۔" سردار نے کہا۔ "دریائے آمو سے قلعہ قرشی تک کا تمام علاقہ امیر موسیٰ نے اپنے بیٹے امیر محمد بیگ کو دے رکھا ہے۔ یہ حکم امیر محمد بیگ کا ہے۔"

"آخر اس غلط حکم کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔" لڑکی نے پھر دخل دیا۔

"وجہ بھی ہے۔" سردار بے دلی سے بولا:

"پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو۔ ہمارے سپہ سالار محمد بیگ کو مخبروں نے اطلاع دی ہے کہ اس قافلے کے ساتھ کئی جاسوس مرد اور عورتیں سفر کر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں پوری چھان بین کی جائے گی۔ اس کے بعد ہی قافلے کو آگے بڑھنے کی اجازت مل سکے گی۔"

"سردار..... !" قافلہ سالار چیخ کر بولا:

"یہ بات آپ نے پہلے ہی بتا دی ہوتی تو اتنی بک بک جھک جھک کیوں ہوتی۔ ہمارے قافلے پر جو الزام لگایا گیا ہے ہم اس کی صفائی پیش کریں گے اور اگر واقعی ہم میں سے کوئی جاسوس گھس آیا ہے تو ہم اسے خود پکڑ کے آپ کے حوالے کر دیں گے۔"

بات معقول تھی۔ قافلہ سالار اپنے سر یہ الزام لینے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا کہ اس کے قافلے میں کوئی جاسوس موجود ہے۔

تاجروں کو تاتاریوں کی خانہ جنگی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کا کام تو تجارتی سامان کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچانا اور اس کو فروخت یا تبادلہ کرنا تھا۔

چھ سال پہلے جب یہ خانہ جنگی شروع ہوئی تھی تو تجارتی قافلے بڑے بڑے شہروں میں رک کر رہ گئے تھے۔ اس وجہ سے بازار سرد پڑ گئے تھے اور اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ تاتاریوں کی یہ خانہ جنگی شہر سبز کے مردار تیمور اور اس کے سالے امیر حسین کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی تھی۔ پورا ملک تاتار دو گروہوں میں بٹ گیا تھا۔ کچھ قبائل تیمور کی طرف تھے اور کچھ امیر حسین کی حمایت کر رہے تھے۔

جب گرانی بہت بڑھ گئی اور تاجروں کو منڈیوں میں سامان لانے پر زور دیا گیا تو انہوں نے اپنے تحفظ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ضمانت مانگی۔ دونوں متحارب گروپ تجارت کے ٹھپ ہو جانے سے پریشان تھے۔ آخر یہ طے ہوا کہ ہر گروہ اپنے علاقے میں تاجروں کو تحفظ فراہم کرے گا۔ اس ضمانت کے بعد تجارتی قافلے پھر رواں دواں ہو گئے۔

تیمور اور امیر حسین دونوں ہی اپنے اپنے علاقوں میں قافلوں کی حفاظت کے ذمے دار تھے۔ یوں ایک طرف تو جنگ جاری تھی، دوسری طرف تجارت بے روک ٹوک ہو رہی تھی۔

یہ پہلا قافلہ تھا جس میں جاسوسوں کی شمولیت کا شبہ کیا گیا تھا اور اسے امیر حسین کے علاقے میں روک لیا گیا تھا۔ امیر حسین کا معتمد خاص امیر موسیٰ تھا۔ امیر حسین کو اس کی کمزوریاں معلوم تھیں اس کے باوجود وہ اسے برداشت کر رہا تھا۔ قلعہ قرشی پر اس نے امیر موسیٰ کو قلعہ دار مقرر کر دیا تھا۔ قافلے کو روکنے کا یہ واقعہ دریائے آمو کے شمال میں قرشی کی سرحد پر پیش آیا۔

قافلہ سالار اپنے قافلے کو فوجی چھاؤنی پر واپس لے آیا۔ سڑک کے ایک طرف کچھ فاصلے پر قرشی کے فوجیوں کے خیمے نصب تھے۔ قافلہ سالار نے اپنے قافلے کے خیمے، سڑک کے دوسری جانب، درختوں کے سائے میں نصب کرنے کا حکم دیا۔ قرشی کے سواروں کی تعداد اور بڑھ گئی تھی۔۔۔۔ خیموں سے بہت سے لوگ آ کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

قافلہ سالار، لوگوں کو کھانا پکانے اور ہر طرح کی تسلی دے کر، قرشی سردار کے پاس آیا۔ قرشی سردار اپنے سواروں کے ساتھ ایک جگہ کھڑا خیمے نصب ہوتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں قافلے والوں کے درمیان گھوم رہی تھیں جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ ممکن ہے وہ اس منہ زور لڑکی کو تلاش کر رہا ہو جس نے اسے سخت جواب دیے تھے۔

"ملاں تو سردار۔۔۔۔!"

قافلہ سالار نے اسے چونکا دیا:

"فرمائیے۔ جاسوسوں کو تلاش کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟"

"ہاں۔۔۔۔" سردار اپنی خفت مٹاتے ہوئے بولا:

"چھوٹے امیر سے پوچھ کر ابھی بتاتا ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو سر سے ہاتھ دھونے گا اور تمہیں بھی اس کی سزا دی جائے گی۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

قافلہ سالار نے اسے حیرت سے دیکھا:

"جو بھاگے گا وہ خود ہی مارا جائے گا۔ میرے پاس تو صرف بیس مسلح آدمی ہیں۔ اگر کوئی بھاگ نکلا

آپ کی چھاؤنی کے ڈیڑھ دو سو سواروں کا ہو گا۔ مجھے کیوں سزا ملے گی۔ میں نے تو اپنا قافلہ آپ کے حوالے کر دیا ہے۔"

"اچھا اچھا۔۔۔۔ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" سردار لاجواب ہو کر بولا۔

"محترم سردار۔۔۔۔"

قافلہ سالار نے کچھ کہنا چاہا تو سردار نے اسے ڈانٹ دیا:

"چپ چاپ جا کر بیٹھو۔"

پھر وہ اپنا گھوڑا موڑ کر خیموں کی طرف چلا گیا۔

قافلہ سالار اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔۔۔۔ پھر واپس آ کر وہ بھی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب یہ سردار اس قدر اکھڑ اور احمق ہے تو اس کا مالک کس طرح کا ہو گا۔ اگر بدقسمتی سے وہ بھی ایسا ہی نامعقول ہوا تو پھر قافلے کو یہاں سے صحیح سلامت نکال لے جانا مشکل ہو جائے گا۔

○

دوپہر کے بعد قافلے والوں نے رات کا کھانا بھی پکا کر کھا لیا لیکن جاسوسوں کی تلاش کا سلسلہ شروع نہ ہوا۔ رات ہوتے ہی قافلے کے گرد پہرہ سخت کر دیا گیا۔ قافلہ سالار سخت پریشان تھا۔ پورے قافلے میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔

قافلے کے ساتھ والی گھڑ سوار لڑکی، اس وقت قافلہ سالار کے خیمے میں بیٹھی اس سے گفتگو کر رہی تھی۔ لڑکی چونکہ تنہا تھی اس لیے قافلہ سالار اسے اپنے خیمے ہی میں رکھتا تھا۔ لڑکی کا باپ ایک بڑا تاجر اور قافلہ سالار کا گہرا دوست تھا۔ خانہ جنگی کے پیش نظر لڑکی کے باپ نے اسے بہت روکا کہ اس پُرخطر زمانے میں وہ تنہا سفر نہ کرے لیکن لڑکی نے باپ کی بات نہ مانی۔ مانتی بھی کیسے! اس کا شوہر ایک سال سے لاپتہ تھا۔ وہ شمال میں سامانِ تجارت کے ساتھ گیا تھا لیکن واپس نہ آیا۔

لڑکی کو کسی ذریعے سے معلوم ہوا تھا کہ اس کا شوہر قلعہ قرشی میں موجود ہے۔ بس ایک موہوم امید کے سہارے وہ قرشی سے گزرنے والے اس قافلے کے ساتھ ہو لی تھی۔

"بیٹی نوبیہ۔۔۔۔" قافلہ سالار نے لڑکی کو مخاطب کیا۔ "قرشی کے ان فوجیوں کے ارادے کچھ اچھے نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم ہوتے۔ پتہ نہیں یہ کیا چاہتے ہیں۔ قافلے کے تمام لوگوں کو میں جانتا ہوں ان میں کوئی بھی جاسوس نہیں ہے۔"

"چچا جان! آپ نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔" نوبیہ بولی۔ "دشمن قبیلے کا ہر آدمی جاسوس سمجھا جاتا ہے۔ قرشی والوں کی سردار تیمور سے جنگ ہو رہی ہے۔ تیمور کا تعلق برلاس قبیلے سے ہے اس لیے آپ کے قافلے میں جو لوگ برلاس قبیلے کے ہیں وہ سب قرشی والوں کی نظر میں جاسوس ہیں۔"

"میری بیٹی نے بڑی سمجھ داری کی بات کی ہے۔" قافلہ سالار خوش ہو کر بولا۔ "یہی بات اس وقت بھی ہمارے پیش نظر تھی جب ہم قافلہ ترتیب دے رہے تھے۔ میں نے اور تمہارے باپ نے قبیلہ برلاس کے تمام تاجروں کو قافلے میں شریک ہونے سے روک دیا تھا۔ ہم نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی برلاس تاجر ہمارے ساتھ گیا تو اس کی جان و مال کے ہم ذمے دار نہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ہمارے قافلے میں کوئی بھی برلاس قبیلے کا تاجر موجود نہیں ہے۔"

"آپ کا میرے بارے میں کیا خیال ہے۔" نوبیہ مسکرائی۔

"تم تو میری بیٹی ہو۔" قافلہ سالار اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تمہارے بارے میں کوئی سوال ہوگا تو میں کہہ دوں گا کہ نوبیہ میری بھتیجی ہے اور میرے ساتھ تاشقند جا رہی ہے۔"

"چچا جان! میرا خیال ہے کہ ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔" نوبیہ نے بڑی متانت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کو اس بات سے آگاہ کر دوں جو میں نے اب تک آپ سے چھپا رکھی ہے۔"

قافلہ سالار نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسی بات ہے جو تم نے مجھ سے چھپائی ہے۔ اگر تمہارا اشارہ اپنے شوہر کی طرف ہے تو میں اس کی تفصیل سے آگاہ ہوں۔ تمہارے باپ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے چچا جان!" نوبیہ اطمینان سے بولی۔

"آپ کو ابا جان نے بتایا ہوگا کہ ایک سال پہلے میری شادی ہوئی تھی اور پھر دو ماہ بعد میرا شوہر قافلے کے ساتھ شمال میں چلا گیا۔ اس کے علاوہ تو آپ کو اور کچھ نہ معلوم ہوگا۔"

"مجھے تمہارے اس سفر کا مقصد بھی معلوم ہے۔" قافلہ سالار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم تاشقند میں اپنے شوہر کو ڈھونڈنے جا رہی ہو۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں چچا جان۔ میں تاشقند نہیں جا رہی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے تمہارے باپ نے میرے ساتھ غلط بیانی کی ہے۔" قافلہ سالار نے تاسف سے کہا۔

"غلط بیانی نہ کہیے چچا جان۔ انہیں جھوٹ بولنے پر میں نے مجبور کیا تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ مجھے علم ہوا ہے کہ میرے شوہر فہید قرشی کے قلعے میں موجود ہیں۔ وہ بھی برلاس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے برلاس ہونے سے انکار کر دیا اور بڑی مشکل سے جان بچائی۔۔۔۔ اب وہ قلعہ قرشی میں موجود ہیں لیکن ان کی نگرانی ہوتی ہے۔ میں فیصلہ کر کے آئی تھی کہ جیسا قافلہ قرشی کے قریب سے گزرے گا تو میں آپ کو اصل حالات سے آگاہ کر کے قافلے سے علیحدہ ہو جاؤں گی تاکہ کسی طرح قلعے میں داخل ہو کر اپنے شوہر کی رہائی کی کوئی صورت پیدا کر دوں۔ میں نے ابا جان کو منع کر دیا تھا کہ وہ آپ کو اس وقت حقیقت نہ بتائیں ورنہ آپ مجھے شاید ساتھ لانے پر آمادہ نہ ہوتے۔"

"میری اچھی بیٹی!" قافلہ سالار محبت سے بولا۔ "خدا تیری عمر دراز کرے اور تجھے اپنے شوہر سے ملائے خوش قسمت ہے وہ شوہر جسے تجھ جیسی چاہنے والی بیوی ملی۔"

ان کی گفتگو جاری تھی کہ ایک آدمی نے آ کر اطلاع دی، قافلہ سالار کو امیر قرشی نے اپنے خیمے میں طلب کیا ہے۔

قافلہ سالار جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ جلد از جلد اس جھگڑے کو نمٹا کر آگے بڑھ جانا چاہتا تھا۔

"چچا جان۔" نوبیہ آہستہ سے بولی۔ "آپ پورے قافلے کی ذمہ داری ہے۔ نرم رویہ اختیار کیجیے گا۔"

"بیٹی! ابھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ میں تو یہاں تک تیار ہوں کہ امیر قرشی مجھے یرغمال کے طور پر اپنی قید میں رکھ لے اور قافلے کو آگے جانے کی اجازت دے دے۔"

"چچا جان! آپ واقعی ایک مخلص قافلہ سالار ہیں۔" نوبیہ نے کہا۔ "اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ میں آپ کے لیے دعا کرتی رہوں گی۔"

امیر قرشی جو دراصل قرشی کے حاکم امیر موسیٰ کا نوجوان بیٹا محمد بیگ تھا، اس کا خیمہ ایک بلند جگہ پر نصب تھا۔ قافلہ سالار، محمد بیگ کے ہرکارے کے ساتھ اس کے خیمے پر پہنچا۔ باہر مسلح پہرے دار موجود تھے جو کامدار وردیاں پہنے ہوئے تھے جو رات کے اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

یہ وردیاں عام طور پر شاہی محلات کے پہرے دار استعمال کرتے تھے۔ حاکم قرشی محض ایک امیر تھا اور اس کا بیٹا محمد بیگ تو ابھی کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے باپ کی نسبت سے لوگ اسے "چھوٹا امیر" کہتے تھے۔ اس کے یہ ٹھاٹ باٹ دیکھ کر قافلہ سالار بہت حیران ہوا۔

قافلہ سالار کو اندر طلب کیا گیا تو وہ اندر کی شان دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ بہترین قالینوں کا فرش تھا۔ خیمے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیواروں پر غالیچے آویزاں تھے۔ تاتاریوں کے رسم و رواج اور طور طریقے مغلوں سے کچھ مختلف تھے۔۔۔۔
محمد بیگ نے اپنے خیمے کو مغل امیروں کی طرح آراستہ کروایا تھا۔

قافلہ سالار نے جھک کر ادب سے سلام کیا۔

"تم اس قافلے کے سالار ہو؟" محمد بیگ نے نہایت خشک اور کرخت لہجے میں دریافت کیا۔

"جی ہاں۔ امیر محترم!" قافلہ سالار نے ضبط سے کام لیتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے قافلے کو کیوں روکا گیا ہے؟"

"جی امیر محترم!" قافلہ سالار نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن جو کچھ ہوا ہے وہ حاکم قرشی ہرات کے یقین دہانی کے خلاف ہوا ہے۔ ہم لوگ تاجر ہیں۔ خانہ جنگی سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔۔ دونوں فریق قافلے کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اس کے باوجود۔۔۔۔"

"قافلہ ہمارے حکم سے روکا گیا ہے۔" محمد بیگ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارے قافلے میں جاسوس موجود ہیں۔ خلاف ورزی پہلے تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ ہم نے اقدام اٹھایا ہے۔"

"امیر محترم! ہمارا قافلہ دوپہر سے یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اگر اس میں جاسوس موجود ہیں تو ان کی نشان دہی اگر ہم صفائی پیش نہ کر پاتے تو تصور ہمارا تھا۔"

"دریا کے اس پار تیمور نے تمہارے قافلے کو ایک ماہ تک روکے رکھا اس وقت تم نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ ہم نے ایک دن روکا ہے تو چیخ رہے ہو۔" محمد بیگ نے بڑے تند لہجے میں کہا۔

"احتجاج تو ہم نے اس وقت بھی کیا تھا۔" قافلہ سالار نے جواب دیا۔ "لیکن سردار تیمور نے ہر قافلے کو کھانے پینے کا انتظام خود کیا تھا۔۔۔۔ جبکہ یہاں ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔"

"یہ سب فضول باتیں ہیں۔" محمد بیگ گرجا۔ "قافلے کو صرف ایک شرط پر رہائی مل سکتی ہے۔"

"ہم ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہیں امیر! آپ حکم دیجیے۔"

"تیمور کے جاسوسوں کو ہمارے حوالے کیا جائے۔" محمد بیگ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "اگر ایسا نہیں کیا تو پورے قافلے کو قتل کر کے سامان لوٹ لیا جائے گا۔"

"امیر محترم! ہم نے کب انکار کیا ہے۔ جن لوگوں پر آپ کو شبہ ہے ان کے نام بتائے جائیں۔ اگر وہ صفائی پیش نہ کر سکے تو بے شک انہیں گرفتار کر لیا جائے۔"

"وہ لڑکی کون ہے جو قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے؟"

"وہ لڑکی نہیں امیر! میری شادی شدہ بھتیجی نوبیہ ہے۔" قافلہ سالار نے بے جھجک کہا۔ "اس کا شوہر تاشقند میں ہے۔ وہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہے۔"

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ برلاس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔"۔۔۔۔ محمد بیگ بولا۔ "صرف برلاس قبیلے کی عورتیں جسم پر اسلحہ سجا کر اتنی بے باکی سے مردوں کے ساتھ سفر کر سکتی ہیں۔"

"امیر محترم! گستاخی معاف! میری عمر آپ سے زیادہ ہے۔"

"اس بات کا عمر سے کیا تعلق؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" محمد بیگ نے بڑے ناگوار انداز میں اسے دیکھا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں امیر! عورت خواہ برلاس قبیلے کی ہو یا جاٹ قبیلے کی،۔۔۔۔ تاتاری عورتیں ہر دور میں مردوں کے شانہ بشانہ سفر ہی میں نہیں بلکہ جنگ میں بھی شریک ہوتی رہی ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے شاہ کابل امیر حسین کی ملکہ دلشاد آغا بیگم کو میدان جنگ میں تیر پھینکتے اور تلوار چلاتے دیکھا ہے۔"

"یہ لڑکی ضرور برلاس ہے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" محمد بیگ غصے سے بولا۔ "جب تیمور نے تمہیں سفر کی اجازت دی تھی تو اس وقت اس لڑکی کو جاسوسی کے لیے تمہارے قافلے میں شامل کر دیا گیا تھا۔۔۔۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ جاسوس ہے۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں امیر!" قافلہ سالار فکرمند لہجے میں بولا۔ "نوبیہ پر شبہ کرنے کا مطلب ہے کہ آپ کو مجھ پر بھی شبہ ہے اور مجھ پر شبہ کرنے سے پورا قافلہ مشکوک ہو جائے گا۔ کیا اس کی بہتر صورت یہ نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھے حاکم علاقہ امیر موسیٰ کے پاس بھیج دیں۔ میں ان کے سامنے خاندانی حوالے دے کر انہیں مطمئن کر دوں گا۔"

"قرشی قلعے کا بیرونی علاقہ ہمارے سپرد ہے۔" محمد بیگ گردن تان کر بولا۔ "فیصلہ ہمیں کرنا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ لڑکی جاسوس ہے۔"

قافلہ سالار کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محمد بیگ کو وہ کس طرح مطمئن کرے۔

"لڑکی کو حاضر کیا جائے۔" محمد بیگ نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا۔

"دیکھیے امیر محترم۔" قافلہ سالار گھبرایا۔ "بغیر جرم ثابت کیے، کسی خاتون کو رسوا کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔"

محمد بیگ نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور نوبیہ کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیج دیا۔ قافلہ سالار بہت پریشان تھا۔ اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں قافلے والے بگڑ نہ جائیں اور مزاحمت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس سے خواہ مخواہ خون خرابہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کی اور بھی صورت ہو سکتی ہے امیر"۔ قافلہ سالار بولا۔

"نوبیہ کو یہاں بلانے سے بدمزگی پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر آپ کو اس پر شبہ ہے تو آپ مجھے یرغمال طور پر یہاں روک لیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ میں برا س ہوں تو مجھے قتل کر دیا جائے"۔

"مجرم کی سزا مدعی مجرم کو ملے گی"۔ محمد بیگ شرارت سے بولا۔

"تمہیں یرغمال بنا کر ہمیں اچار نہیں ڈالنا ہے۔ لڑکی کو آنے دو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے"۔

قافلہ سالار کو نوبیہ کی عقل و دانش پر اعتبار تھا۔ پھر بھی خدشہ تھا کہ وہ گھبرا نہ جائے اور اس کے منہ سے کہیں ایسی ویسی بات نہ نکل جائے جس سے وہ گرفت میں آ جائے۔ اس کے پکڑے جانے سے قافلہ سالار پیٹ میں آ جاتا۔ بڑی الجھن پیدا ہو گئی تھی۔ اب وہ نوبیہ کو ساتھ لا کر پچھتا رہا تھا۔

نوبیہ واقعی بڑی عقلمند تھی۔

جس وقت قافلہ سالار خیمے سے چلا تھا اسی وقت اس کی چھٹی حس چالاک ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن کہہ رہا تھا "جاسوس" کا تو محض بہانہ ہے۔ قافلے کو روکنے کی وجہ کچھ اور ہی ہے۔

وہ اٹھی اور اپنے جسم پر اسلحہ سجانے لگی۔ جیسے وہ میدانِ جنگ میں جا رہی ہو۔ پوری طرح مسلح ہونے کے بعد اس نے اپنا گھوڑا منگوایا اور اسے خیمے کے دروازے پر بندھوا دیا۔

وہ ان کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ محمد بیگ کا آدمی آ گیا۔ اس نے اندر پیغام بھجوایا کہ امیر محمد بیگ نے اسے اپنے خیمے میں طلب کیا ہے۔

نوبیہ جواب دینے کے بجائے خود خیمے سے باہر آ گئی۔ محمد بیگ کا آدمی اسے مسلح دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"اپنے امیر سے جا کر کہہ دو کہ نوبیہ ایک تاتاری عورت ہے۔۔۔۔" اس نے بڑے پُروقار انداز میں کہا۔ "تاتاری عورت رات کے وقت سوائے اپنے شوہر کے خیمے کے کسی غیر مرد کے خیمے میں نہیں جایا کرتی۔ یہ بھی کہہ دینا کہ اگر نوبیہ کو زبردستی بلوایا گیا تو امیر کے پاس صرف اس کی لاش ہی پہنچے گی"۔

محمد بیگ کا آدمی، نوبیہ کے وقار اور اندازِ گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے جھک کر نوبیہ کو سلام کیا اور واپس چلا گیا۔

"ٹھہرو۔۔۔۔" نوبیہ نے کچھ سوچتے ہوئے قاصد کو روکا:

"امیر سے کہہ دینا کہ نوبیہ کو ان کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کی عزت و ناموس کے تحفظ کا وعدہ کریں"۔

قاصد محمد بیگ کے خیمے میں داخل ہوا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"چپ کیوں کھڑا ہے، بولتا کیوں نہیں؟" محمد بیگ نے اسے گھورا۔ "کیا اس نے یہاں آنے سے انکار دیا؟"

"ہاں امیر۔ وہ آنے پر آمادہ نہیں"۔ قاصد نے جواب دیا۔

"ذلیل کتے۔ تو اکیلا کیوں آیا"۔

محمد بیگ غصے سے کانپتا ہوا کھڑا ہو گیا:

"اسے چوٹی سے پکڑ کے کھینچتا ہوا کیوں نہیں لایا؟ اس کے انکار پر تو نے اس کی زبان کیوں نہ کھینچ لی"۔

"امیرِ سردار۔۔۔۔" قاصد نے سر اٹھائے بغیر کہا:

"لڑکی نے کہا ہے کہ میں تاتاری عورت ہوں اور تاتاری عورت رات کے وقت کسی غیر مرد کے خیمے میں نہیں جایا کرتی۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر مجھے لے جانے کی کوشش کی گئی تو تمہارے ہاتھ میری لاش ہی آئے گی۔ وہ تو اپنے سینے میں خنجر گھونپنے پر بھی آمادہ ہو گئی تھی"۔ قاصد نے آخری جملہ اپنی بپت کے لیے خود ہی شامل کر لیا۔

نوبیہ کے اس دلیرانہ جواب نے محمد بیگ کو بہت متاثر کیا۔ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ قافلہ سالار دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ نوبیہ نے خود کو بچانے کا بڑا اچھا اور معقول طریقہ اختیار کیا تھا۔

قاصد نے محمد بیگ کو خیالوں میں گم دیکھا تو دوبارہ بولا:

"اس نے کہا ہے کہ اگر اس کی عزت و ناموس کے تحفظ کا وعدہ کیا جائے تو اسے آنے میں کوئی عذر نہ ہو گا"۔

"ہم وعدہ کرتے ہیں"۔

محمد بیگ ایک دم بول پڑا:

"تم جاؤ اور اسے کہو کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔ ہم اسے کسی بات پر مجبور نہیں کریں گے"۔

قاصد جانے لگا تو محمد بیگ بولا:

"دیکھو، اس لڑکی کو عزت و احترام سے لانا"۔

قافلہ سالار کو نوبیہ کی یہ بات بالکل پسند نہ آئی۔ اسے کسی شرط پر بھی محمد بیگ کے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ جو شخص حاکمِ قرشی کے تحفظ دینے کے باوجود قافلے کو روکنے پر تلا ہوا تھا، وہ نوبیہ کو بھی کسی نہ کسی طرح اپنے خیمے میں بلوا سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوبیہ پوری طرح مسلح تھی۔

محمد بیگ کے پہرے دار نے اسے روک کر اسلحہ اتارنے کا حکم دیا۔ نوبیہ نے انکار کر دیا۔ تکرار بڑھ گئی۔

ایک محافظ نے اندر جا کر محمد بیگ کو اطلاع دی کہ لڑکی مسلح ہے اور اسی طرح اندر آنا چاہتی ہے۔ محمد بیگ نے نوبیہ کو مع اسلحہ اندر آنے کی اجازت دے دی۔

نوبیہ بڑی شان سے خیمے میں داخل ہوئی۔ محمد بیگ نے اسے قریب سے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

"چھوٹے امیر کے حضور..... نوبیہ سلام پیش کرتی ہے"۔ نوبیہ نے بڑے ادب سے کہا۔

"تیرا نام..... کیا ہے..... لڑکی؟" محمد بیگ نے اٹک اٹک کر پوچھا۔

"میں لڑکی نہیں، شادی شدہ ہوں امیر! مجھے خاتون کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں"۔ نوبیہ نے محمد بیگ کی ملامت سے ٹوکا۔

محمد بیگ شرمندہ سا ہو گیا:

"اچھا خاتون..... تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام نوبیہ ہے اور میرے شوہر کا نام فہید قلی چاؤ ہے"۔ نوبیہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہم تمہارے شوہر کے بارے میں نہیں پوچھ رہے"

محمد بیگ چڑ گیا:

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم برلاس قبیلے سے تعلق رکھتی ہو..... اور تیمور نے تمہیں جاسوسی کی غرض سے اس قافلے کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس سلسلے میں تم کیا صفائی پیش کر سکتی ہو؟"

نوبیہ، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے..... اس کے دل کا حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے محمد بیگ کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک سے اندازہ ہو گیا تھا کہ قافلے کو روکنے کی وجہ خود اس کی ذات ہے اور محمد بیگ جاسوسی کا الزام لگا کر اسے روکنا چاہتا ہے۔

نوبیہ جس وقت اپنے باپ کی مرضی کے خلاف، گھر سے اس قافلے کے ساتھ چلی تھی، اسے اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ شوہر تک پہنچنے کے لیے اسے صدہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا..... اور لوہے کے چنے چبانے ہوں گے۔

"چھوٹے امیر!" تو نوبیہ نے سنبھل کر کہا: "اگر گستاخی معاف کی جائے تو میں عرض کر دوں گی کہ الزام لگانے والے پہلے الزام ثابت کرنا ہوتا ہے صفائی کا مسئلہ تو بعد میں آتا ہے۔ اگر میں برلاس ہوں تو اس کے ثبوت میں آپ کے پاس

مزید کوئی شہادت ہو گی"۔

"کیا ہماری زبان کسی شہادت سے کم ہے"۔ محمد بیگ بگڑ کر بولا۔ "تم بہت چالاک معلوم ہوتی ہو"

"چھوٹے امیر!"..... نوبیہ بے خوفی سے بولی:

"اگر آپ کی زبان ہی سب کچھ ہے تو پھر میرے صفائی پیش کرنے سے کیا ہو گا۔ حکم دیجیے۔ میں سزا کے لیے تیار ہوں"۔

"یوں نہیں....." محمد بیگ نے غصے سے کہا۔ "پہلے تمہیں اپنے جرم کا اقبال کرنا ہو گا"

"اگر یہ بات ہے تو میں اپنے اوپر لگائے گئے جرم سے صاف انکار کرتی ہوں۔ جب تک مجھ پر جرم ثابت نہ ہو جائے گا، میں خود کو آپ کے فوجی دستے کے حوالے نہیں کروں گی"۔

"اے عورت!" محمد بیگ کے قریب کھڑے اس کے نائب سردار دلوران نے کہا۔ "تو اپنے آپ کو حوالے کرنے کی کیا بات کر رہی ہے۔ تو تو اس وقت بھی ہمارے قبضے میں ہے"۔

دلوران کی زبان سے الفاظ ادا ہوتے ہی تھے کہ نوبیہ کا ہاتھ بجلی کی طرح اپنے خنجر پر گیا اور اس نے خنجر محمد بیگ کے نائب پر کھینچ مارا۔ خنجر، دلوران کے آہنی خود سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔ یہ سب کچھ اتنی سرعت سے ہوا کہ ہر شخص ہکا بکا رہ گیا۔

دلوران نے فوراً تلوار کھینچ لی اور نوبیہ کی طرف بڑھا۔ نوبیہ بھی اس وقت تک تلوار نکال چکی تھی۔

"خبردار..... دلوران!" محمد بیگ چیخا۔

دلوران کے قدم رک گئے۔ اس نے تلوار نیام میں ڈال لی۔ نوبیہ نے بھی مسکراتے ہوئے اپنی تلوار غلاف میں رکھ لی۔

"نوبیہ! تم نے ہمارے نائب پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ ہم تمہیں پہلے اس جرم کی سزا دیں گے"۔ محمد بیگ نے بظاہر غصے سے کہا لیکن اس کے رویے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نوبیہ کی پھرتی اور دلیری سے بے حد متاثر ہوا ہے۔

"یہ قاتلانہ حملہ نہیں تھا چھوٹے امیر!" نوبیہ لاپروائی سے بولی:

"اگر میرا قتل کا ارادہ ہوتا تو یہ خنجر سیدھا اس کے سینے میں پیوست ہو چکا ہوتا۔ میں تو اس پر یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ ہر تاتاری مرد اور عورت اس وقت تک آزاد ہے جب تک اس کے جسم پر اسلحہ موجود ہے۔ آپ کے نائب کے خود سے ٹکرانے والا یہ خنجر کسی کے بھی سینے میں داخل ہو سکتا تھا۔ آپ کی طرف سے زیادتی کی صورت میں یہ خنجر میرے سینے میں بھی پیوست ہو سکتا ہے۔ یا آپ اب بھی اسے جرم کہیں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا خیر۔۔۔۔" محمد بیگ پہلو بدل کر بولا۔

"ہم تمہیں اس جرم سے بری کرتے ہیں اور تمہارا یہ مطالبہ بھی قبول کرتے ہیں کہ تمہیں مجرم ثابت کرنے کے لیے ثبوت فراہم کیا جائے۔"

"میں چھوٹے امیر کے اس منصفانہ انداز کے لیے شکر گزار ہوں۔"

نوبیہ نے اس طرح مسکرا کر کہا کہ محمد بیگ جھوم اٹھا۔

"تمہارے قافلے کو قرشی میں اس وقت تک ٹھہرنا ہوگا جب تک تمہارے بارے میں تحقیقات مکمل نہ ہو جاتی۔ اگر الزام غلط ثابت ہوا تو ہم قافلے کا خسارا پورا کر دیں گے۔"

"گھر دیکھیے امیر!" قافلہ سالار گھبرا کر بولا۔ "قافلے کے رکنے سے ہمارا بھاری نقصان ہوگا اور۔۔۔۔"

"تم چپ رہو۔" محمد بیگ ترشی سے بولا۔ "نقصان ہوگا تو ہوتا رہے۔ مکمل تحقیقات سے پہلے قافلہ نہیں بڑھ سکے گا۔"

"چھوٹے امیر۔۔۔۔" نوبیہ نے دخل دیا۔ "الزام مجھ پر لگایا گیا ہے اور سزا قافلے والوں کو دی جا رہی ہے یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

نوبیہ نے کچھ اس طرح اٹھلا کر کہا کہ محمد بیگ کے عیاش ذہن میں گدگدی سی پیدا ہونے لگی۔

"نوبیہ! ہمیں قافلے والوں سے کوئی دشمنی نہیں۔" محمد بیگ عالم سرمستی میں بولا۔ "ہمیں تو صرف اور صرف تم سے مطلب ہے۔"

"جی۔۔۔۔ کیا فرمایا چھوٹے امیر نے؟" نوبیہ نے پھر اس کی گرفت کی۔

"ہمارا مطلب ہے۔" محمد بیگ سنبھل کر بولا۔ "قافلے والے اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں لیکن تمہیں تحقیقات کے اختتام تک یہیں ٹھہرنا ہوگا۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں تو آپ کیا قدم اٹھائیں گے امیر۔۔۔۔؟" نوبیہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"اگر آپ مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے تو میں خود ہی قید زندگی سے آزادی حاصل کر لوں گی۔ آپ صرف میری لاش ہی حاصل کر سکیں گے۔"

"ہم تمہاری موت کے خواہاں نہیں ہیں نوبیہ۔" محمد بیگ جلدی سے بولا۔ "ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ جب تک تم قرشی میں رہو گی، تمہاری حفاظت کی جائے گی۔ تمہارے خیمے پر بھی خواتین کا پہرہ لگایا جائے گا۔"

"اگر میں ان شرائط پر قرشی میں قیام پر رضامند ہو جاؤں تو کیا آپ قافلے کو آگے جانے کی اجازت دے

دیں گے۔"

"نہیں نوبیہ!"

قافلہ سالار نے فوراً مخالفت کی:

"تمہاری حفاظت کا ذمہ میں نے اٹھایا ہے۔ میں واپس جا کر تمہارے باپ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟"

"چچا جان۔۔۔۔" نوبیہ مستقل مزاجی سے بولی۔۔۔۔ "آپ میری فکر نہ کریں۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔ ممکن ہے میں اپنے اوپر لگائے گئے الزام کو غلط ثابت کر کے آپ سے پہلے گھر پہنچ جاؤں۔ اس طرح آپ کو میرے باپ کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔"

"تم دخل مت دو۔"

محمد بیگ نے قافلہ سالار کو روک دیا:

"اگر نوبیہ یہاں ٹھہرنے پر آمادہ ہے تو قافلہ جب چاہے یہاں سے آگے جا سکتا ہے۔"

"قافلے کو جانے کی اجازت دی جائے۔" نوبیہ نے کہا۔ "تحقیقات کے لیے جب تک امیر چاہیں گے میں یہاں مقیم رہوں گی۔"

"قافلے کو جانے کی اجازت ہے۔" محمد بیگ نے خوشی سے کہا۔

"آپ قافلے کو لے کر ابھی آگے بڑھ جائیے چچا جان۔" نوبیہ نے قافلہ سالار سے درخواست کی۔ "مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔ میں اپنی ایک جان کے لیے پورے قافلے کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔"

قافلہ سالار کو مجبوراً نوبیہ کی بات ماننا پڑی:

محمد بیگ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب نوبیہ کچھ دن اس کے قریب رہے گی تو آہستہ آہستہ مانوس ہو جائے گی اور وہ اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

نوبیہ اپنی جگہ مطمئن تھی۔ اس کی اصل منزل قرشی ہی تھی۔۔۔۔ اگر اس کا شوہر فہید، قرشی میں موجود ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اس تک رسائی حاصل کر لے گی اور اگر وہ یہاں موجود نہیں ہے تو پھر اس کے لیے محمد بیگ کی قید سے فرار ہونا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔

⊙

قرشی کا قلعہ، اس علاقے کا عظیم ترین قلعہ تھا۔ اس قلعے کی پہلی تعمیر، نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حکیم مقنع نے کی تھی جو اپنی نبوت کے ثبوت میں ایک کنویں سے دھات کا چاند نکالتا تھا۔ اس چاند کی روشنی بارہ میل تک جاتی تھی۔ یہ چاند ایک کنویں سے نکلتا اور رات بھر اصل چاند کی طرح کچھ بلندی پر سفر کرتا ہوا، صبح کے وقت دوسرے کنویں میں داخل ہو جاتا تھا۔ اس جھوٹے نبی کا جھوٹا معجزہ، ماہ نخشب کے نام سے مشہور ہے۔ آخر مسلمانوں نے اس جھوٹے نبی کا جنازہ نکال دیا اور مقنع اپنے چھ ہزار پیروکاروں کے ساتھ آگ میں کود گیا تھا کہ بیشتر حصے آگ کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔

تیمور نے جب قرشی کے علاقے پر قبضہ کیا تو اس جگہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے پرانے قلعے کی مرمت کرائی اور اس میں کئی ترامیم اور اضافے کیے۔

تیمور اس قلعے کو بہترین پناہ گاہ سمجھتا تھا۔ خصوصاً موسم سرما میں تو یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر ہو جاتا تھا لیکن تیمور کی بدقسمتی کہ اس قلعے کو اس کی بیوی الجائی خاتون کے بھائی امیر حسین نے اس سے مانگ لیا۔ . . . . پھر الجائی خاتون کا انتقال ہو گیا۔ تیمور اور امیر حسین کی اقتدار کی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اب تیمور کو اپنی غلط بخشش پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بہادری اور جنگی صلاحیت کے زور پر امیر حسین کو پے در پے شکست دے کر اس سے بہت سے علاقے چھین لیے تھے۔ . . . . پھر بھی امیر حسین کے پاس بہت سے اہم علاقے موجود تھے جن کے زور پر وہ تیمور کو آئے دن لڑائیوں میں الجھا کر پریشان کرتا رہتا تھا۔ قرشی کا قلعہ ان سب میں اہم تھا۔

امیر حسین نے قرشی کے علاقے اور قلعے پر اپنے نائب امیر موسیٰ کو حاکم مقرر کیا تھا جس کے پاس بارہ ہزار افراد ہر دم تیار رہتی تھی۔ تیمور اس قلعے کو بہر طور حاصل کرنے پر تلا ہوا تھا لیکن کوئی ترکیب نظر نہیں آتی تھی۔

تاتاریوں کی مسلسل خانہ جنگی نے امیر حسین اور تیمور کی فوجی طاقت پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی۔ مغل شکست کا حصار اطالیق بھاگ گئے تھے۔ اب ان میں تاتاری علاقوں پر یلغار کرنے کی ہمت نہ تھی۔ پھر بھی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر وہ لوٹ مار کرنے تاتاری علاقوں میں گھس آتے تھے۔

اس تمام صورت حال کے پیشِ نظر تیمور چاہتا تھا کہ پورے ملکِ تاتار پر ایک شخص کی حاکمیت ہو تاکہ ایک مضبوط ریاست قائم ہو سکے۔

تیمور نے اپنے تمام بڑے سرداروں کو جمع کیا۔ امیر جاکو، امیر داؤد، مویدار لات اور ایلچی بہادر جیسے سردار اب تک اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

"ساتھیو اور دوستو!"

تیمور نے انہیں مخاطب کیا:

"قرشی کا علاقہ اور قلعہ حاصل کیے بغیر نہ تو امیر حسین کی قوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ خانہ جنگی ہی رک

سکتی ہے۔"

تیمور کے سردار اور امیر گھبرا گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور سر جھکا لیے۔ وہ سمجھ گئے کہ تیمور قرشی پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ قرشی کو فتح کرنے کا تصور ہی عبث ہے۔ تیمور کا لشکر بہادروں اور جانبازوں پر مشتمل اور ناقابلِ شکست تھا مگر اس کی تعداد قرشی میں موجود لشکر کے مقابلے میں چوتھائی سے بھی کم تھی۔ لہٰذا انہوں نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

تیمور کو سرداروں کی اس خاموشی پر غصہ آ گیا۔ اس نے امیر داؤد سے مخاطب ہو کر کہا:

"داؤد! تم تو خطر پسند اور نڈر مشہور ہو۔ تمہاری خاموشی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔"

"محترم امیر!" داؤد نے سر اٹھا کر جواب دیا:

"ان دنوں شدید گرمی پڑ رہی ہے۔ میرے خیال میں یہ موسم، قرشی پر حملے کے لیے موزوں نہیں ہے۔ پھر ہمارے بیوی بچے بھی ساتھ ہیں۔ ان کی حفاظت ضروری ہے۔ بہتر ہے کہ اس مہم کو کچھ دنوں کے لیے اور ملتوی رکھا جائے۔"

"امیر داؤد!" تیمور بڑے رعب سے بولا: "تمہارے اہل و عیال کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ پھر تم کیوں فکر کرتے ہو؟"

"مگر سردار۔ یہ تو غور فرمایئے، ہمارے اہل و عیال لشکر کے ساتھ کھلے میدان میں ہیں۔ اگر شہر پناہ کے اندر ہوتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ . . . ." امیر داؤد نے شائستگی سے کہا۔

"اسی شہر پناہ کے حصول کے لیے تو میں قلعہ فتح کرنا چاہتا ہوں۔" تیمور مسکرایا:

"قرشی کے گرد بڑی مضبوط فصیل ہے۔ ذرا غور کرو۔ اگر قرشی ہمارے قبضے میں آ جائے تو ہمیں کتنا فائدہ ہوگا۔ تمہارے اہل و عیال کے لیے ایک ناقابلِ شکست اور انتہائی محفوظ جگہ حاصل ہو جائے گی۔"

سرداروں اور امیروں کی سمجھ میں یہ بات تو آ گئی لیکن قرشی کی فتح ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ امیر داؤد تو خاموش رہا لیکن امیر جاکو نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"سردار۔ میرے خیال میں ہمیں پہلے کافی طاقت جمع کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد قرشی کے بارے میں سوچیں۔ امیر حسین بچہ نہیں ہے۔ اس کی پوری زندگی انہی معرکوں میں گزری ہے۔ وہ کوئی محل نشین عورت تو نہیں ہے جس پر ہم قابو پا لیں گے۔"

امیر جاکو کے الفاظ کی ترشی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ وہ قرشی پر حملے کے خلاف ہے۔ تیمور بھی اس سمجھ چکا تھا۔ بولا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا، تو پھر تم عورتوں کے پاس جا کر پہلے سبق پڑھو پھر واپس آنا۔ میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو لوں گا جو پل کی لڑائی میں شامل تھے۔"

یہ اشارا مویدالدولات اور ایلچی بہادر کی طرف تھا جو مغلوں سے پہلی جنگ کے موقع پر سنگین پل کی حفاظ پر مامور تھے۔۔۔۔ سنگین پل کے دوسری جانب مغل سپہ سالار بیک جک پڑاؤ ڈالے پڑا تھا اور اس کا حکم وقت بھی متوقع تھا۔ ایسے موقعے پر تیمور نے اس کی حفاظت کے لیے مویدالدولات، ایلچی بہادر اور امیر موسیٰ کو مقر کیا تھا۔۔۔۔ وہی امیر موسیٰ جو اس وقت قرشی پر قابض تھا۔

سنگین پل کا نام آیا تو تیمور کے کچھ دوسرے سردار بھی ہم زبان ہو کر بولے:

"سردار۔ اس جنگ میں تو ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ہم نے بھی دریا پار کر کے مغلوں کو مار بھگایا تھا۔"

"مگر اب تم وہیں جاؤ۔ جہاں تمہارے اہل و عیال ہیں۔" تیمور بگڑ کر بولا:

"جاؤ اور جو تمہارا جی چاہے کرو۔ میں نے قرشی پر قبضے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ میری منز قرشی ہے۔"

"وزا ٹھہریے سردار۔" امیروں میں سے ایک بولا: "ہمیں چند منٹ سوچنے کا موقع دیجیے۔"

سب سردار اٹھ کر دوسرے خیمے میں چلے گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ تیمور کا فیصلہ اٹل ہوا کرتا ہے۔ وہ اس دیں یا نہ دیں، اس نے جو طے کر لیا ہے اس سے وہ باز نہیں آئے گا۔

امیر اور سردار اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ آخر فیصلہ یہی ہوا کہ تیمور کا ساتھ ضرور دیا جائے گا۔ خواہ ا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

جب وہ باہم مشورہ کر کے واپس آئے تو امیر جاکو کے ایک ہاتھ میں کلام اللہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوا امیر جاکو نے واضح الفاظ میں کہا:

"اے سردار! ہم نے قرآن حکیم پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے کہ ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے اور اگر نافرما تو ہم پر خدا کا عذاب نازل ہو اور اس تلوار سے آپ ہمارے سر قلم کر دیں۔"

تیمور مسکرایا اور اس نے اٹھ کر سب سرداروں کو باری باری گلے لگایا۔۔۔۔ پھر وہ سب سر جوڑ کر گئے۔ تمام امیر کسی ایسی تدبیر پر غور کر رہے تھے جس کے ذریعے امیر زادہ کو قلعے سے باہر نکالا جائے۔ تیمور بڑی خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا اور مسکراتا رہا۔

"آپ بھی تو کچھ بولیے سردار۔" امیر داؤد نے اس سے کہا۔

"بالفرض تم نے امیر موسیٰ کو کسی تدبیر سے قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور بھی کر دیا تو اس کے پاس دس ہزا

لشکر ہوگا۔ تم اس کا کیا بگاڑ لو گے۔" تیمور نے مسکرا کر کہا:

"تمہاری بہادری اپنی جگہ لیکن جنگ کا انجام کسے معلوم ہوتا ہے۔ خدانخواستہ ہمیں شکست ہو گئی تو ہماری یہ طاقت بھی ختم ہو جائے گی۔۔۔۔ پھر امیر موسیٰ اور امیر حسین دریائے آمو پار کر کے پورے ملک پر قابض ہو جائیں گے اور ہمیں کہیں پناہ بھی نہ مل سکے گی۔"

تیمور کے جواب سے سب لاجواب ہو گئے۔

جس وقت قلعہ قرشی پر حملے کی تیاری ہو رہی تھی اس وقت امیر حسین اور امیر موسیٰ کے پاس دریائے آمو کے شمال کا علاقہ تھا اور تیمور دریا کے جنوب میں خیمہ زن تھا۔ امیر حسین باوجود ایک بڑا لشکر رکھنے کے دریا عبور کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اس نے امیر موسیٰ کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ قلعہ قرشی پر مدافعتی جنگ لڑے۔ دریا عبور کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

تیمور بھی اپنی جگہ محتاط تھا اور دریا عبور کر کے کھلے میدان میں جنگ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تیمور پُرخیال انداز میں بولا:

"اگر میں امیر موسیٰ کو یہ پیغام بھیجوں کہ اس سخت گرمی کے زمانے میں قلعہ بند ہو کر حبس کا شکار ہونا کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ قلعے سے نکل کر دریا کے کنارے آؤ اور درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر بزم عشرت برپا کرو تو کیا امیر موسیٰ قلعہ چھوڑ کر باہر آ جائے گا؟"

جب امیروں اور سرداروں نے یہ سنا تو سب اس کا جواب سوچنے لگے۔ تیمور نے قلعہ قرشی کو موسم سرما کی ضروریات کو سامنے رکھ کر بنوایا تھا۔ گرمی کے موسم کے لیے یہ قلعہ بالکل موزوں نہ تھا۔ امیر موسیٰ باہر نکلنے کے لیے واقعی بے چین تھا لیکن ایک طرف امیر حسین کا حکم تھا کہ وہ قلعے سے باہر نہ آئے۔ دوسرے تیمور سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی خود اسے ہمت نہیں پڑتی تھی۔

انہی باتوں کو سوچتے ہوئے امیر داؤد نے کہا:

"اگر گرمی نواس قیامت کی پڑ رہی ہے کہ امیر موسیٰ آنے کا قصد کرے گا لیکن آئے گا نہیں۔"

تیمور نے یہ بات مذاق میں کہی تھی لیکن مذاق کی اس بات سے اس کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے دل میں ایک خیال آیا تھا۔۔۔۔ اور اس کی تصدیق امیر داؤد نے کر دی تھی۔

جس وقت تیمور نے قرشی پر حملے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بس دو چار روز ہی میں حملے کے لیے آگے بڑھے گا لیکن پھر اس نے کچھ ایسی خاموشی اختیار کی کہ اس کے سردار اور امیر حملے کی بات ہی بھول گئے۔ انہیں اطمینان ہو گیا کہ تیمور نے خود ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد، تیمور اپنے لشکر کو شاہراہِ خراسان پر اس جگہ لے آیا جہاں سے ہرات کو راستہ
اس نے چاؤ اسحاق کے پاس اپنے خیمے نصب کرائے اور قاصد کو تحفے تحائف دے کر والیِ ہرات کے پا
کیا۔ اب سرداروں کو یقین ہو گیا کہ تیمور قرشی پر حملہ کرنے کی بجائے ہرات کی طرف پسپائی اختیار کرنا چاہتا

قاصد کو ہرات بھیجنے کے بعد تیمور نے شمال کی طرف جانے والے قافلوں کو روک شروع کر دیا۔ ا
اعلان کرا دیا کہ فی الحال شمال کا راستہ محفوظ نہیں ہے اس لیے قافلے اس وقت تک یہیں پڑاؤ ڈالیں
تک محفوظ سفر کی ضمانت حاصل نہیں کر لی جاتی۔ قافلوں والے خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے وہیں پڑاؤ ڈ
کر دیے۔

اس طرح ایک ماہ گزر گیا۔

دریا پار قرشی کے دستے محمد بیگ کی سرکردگی میں موجود تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ قافلوں
بند کر دیا ہے تو انہیں فکر لاحق ہوئی۔ محمد بیگ نے اپنے جاسوسوں کو شمال میں بھیجا۔ جاسوسوں نے آ کر اطلا
تیمور نے دریا کے دوسری طرف قافلوں کو روک لیا ہے اور خود چاہِ اسحاق کے قریب خیمہ زن ہے۔

اسی دوران تیمور کا والیِ ہرات کے پاس بھیجا ہوا ہرکارہ واپس آ گیا۔ والیِ ہرات نے بھی تیمور
بھیجے تھے اور اسے ہرات آنے کی دعوت دی تھی۔ تیمور نے فوراً ہرات جانے کی تیاری شروع کر دی۔

تیمور نے جن قافلوں کو روک رکھا تھا ان کے سالار بہت پریشان تھے۔ وہ اکٹھا ہو کر تیمور کے
آئے۔ تیمور نے انہیں بڑی عزت سے بٹھایا اور ان کی تواضع کی۔ وہ ان کے آنے کا مقصد جانتا تھا لیکن
انتظار میں تھا کہ ان کی طرف سے بات شروع ہو۔

"شہرِ سبز کے سردارِ محترم!"

ایک قافلہ سالار نے بات شروع کی:

"ہم نے سنا ہے آپ ہرات جانے کی تیاری کر رہے ہیں؟"

"ٹھیک ہی سنا ہے۔" تیمور لاپروائی سے بولا:

"والیِ ہرات نے ہمیں اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی ہے۔ ہم کچھ عرصے کے لیے اس کے
جا رہے ہیں۔"

"پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے امیرِ محترم!"

دوسرے قافلہ سالار نے پوچھا:

"ایک ماہ سے یہاں پڑے پڑے ہم تنگ آ گئے ہیں۔"

"آپ لوگوں کی جو مدد ہو سکتی تھی وہ ہم نے کی۔"

تیمور نے جواب دیا:

"کیا ہم نے آپ کے راشن کی کمی کو پورا نہیں کیا؟ کھانے پانی کی ہم نے آپ لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں
ہونے دی۔"

"ہم اس مہربانی کے لیے آپ کے شکر گزار ہیں۔"

کسی اور سالار نے کہا:

"لیکن آپ کے ہرات جانے کے بعد تو ہم بالکل غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ آپ ہماری حفاظت کا بھی تو کوئی
بندوبست کیجیے۔"

"دیکھیے۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں ہرات جانے کا ارادہ ملتوی کر دوں۔ آپ لوگوں کے محفوظ سفر کے لیے میں نے
قرشی والوں سے ضمانت طلب کی تھی۔ انہوں نے حفاظت کا وعدہ کر لیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ لوگوں کے
ساتھ اپنے کچھ فوجی دستے بھیجوں گا جو آپ کو قرشی کی سرحد تک پہنچا دیں گے۔۔۔۔۔ لیکن اب میں خود ہرات جا
رہا ہوں اس لیے آپ کی حفاظت کا مزید کوئی بندوبست نہیں کر سکتا۔ آپ لوگ چاہیں تو سفر کر سکتے ہیں۔ میرا
خیال ہے کہ قرشی والے وعدہ کرنے کے بعد کوئی بدعہدی نہیں کریں گے۔"

"تو پھر آپ کی طرف سے ہمیں آگے جانے کی اجازت ہے؟"

"بالکل۔۔۔۔"

تیمور نے فوراً کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ میں اب یہاں اپنا ایک سپاہی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

دوسرے روز صبح ہی صبح تیمور نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔۔۔۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے
تیمور کا لشکر ہرات کی سڑک پر رواں دواں ہو گیا۔

قافلے والوں نے بھی اپنے خیمے ڈیرے اکھاڑے اور ایک ایک کر کے شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے
دریا پار کیا اور قرشی کے علاقے میں داخل ہو گئے۔

پورے قرشی میں یہ بات پھیل گئی کہ تیمور والیِ ہرات کے بلاوے پر ہرات چلا گیا ہے۔ یہ خبر اس لیے
مصدقہ تھی کہ اس کے واپسی آنے والے قافلوں کے لوگ تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے تیموری لشکر کو ہرات
کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

تمام قافلے محمد بیگ کی چوکسی سے کسی پریشانی کے بغیر گزر گئے سوائے اس قافلے کے جس میں نوید جوہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔۔۔۔ پھر جب نوبیہ نے خود کو رضاکارانہ طور پر محمد بیگ کے لشکر کے حوالے کر دیا تو اس کے قافلے کو بھی آگے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

○

نوبیہ کو ایک عالی شان آراستہ خیمے میں رکھا گیا تھا۔ اسے اچھے سے اچھا کھانا دیا جاتا۔ اس کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا۔ خدمت کے لیے ایک کنیز دی گئی تھی جو چوبیس گھنٹے اس کی خدمت میں حاضر رہتی اور ہر حکم بے چون وچرا بجالاتی۔ لیکن وہ نوبیہ سے بہت کم گفتگو کرتی تھی۔ نوبیہ خود بھی اس سے ضرورت کی بات نہ کرتی تھی۔ اس کے قافلے کو روانہ ہوئے تین دن ہو چکے تھے لیکن ابھی تک اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔

نوبیہ نے دیکھا کہ کنیز اس سے کچھ کھنچی کھنچی رہتی ہے تو۔۔۔۔ ایک دن وہ خود بولی:

"سربالی! کیا تم مجھ سے ڈری ہوئی ہو؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ ضرورت کے وقت بھی تم اکثر گفتگو سے گریز کرتی ہو۔"

"محترم خاتون۔۔۔۔!" سربالی نے بڑے مہذب طریقے سے کہا:

"کنیز کا فرض ہے کہ وہ اپنے مالک کے مزاج کے مطابق خدمت انجام دے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ زیادہ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتیں تو میں بھی محتاط ہو گئی ورنہ آپ سے بہت سی باتیں پوچھنے کو دل چاہتا ہے۔"

"سربالی۔۔۔۔!"

نوبیہ نے ذرا ڈھیل دی:

"مجھے تمہاری عادتیں بہت پسند ہیں۔۔۔۔ چونکہ میری حیثیت یہاں ایک قیدی کی ہے اس لیے میں گفتگو میں احتیاط کرتی ہوں۔ مبادا میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو میری قید کی مدت میں اضافہ کر دے۔ میں جلد از جلد اس عذاب سے چھٹکارا پانا چاہتی ہوں۔"

"محترم خاتون۔۔۔۔!"

سربالی نے کچھ کہنا چاہا۔۔۔۔ تو نوبیہ نے اسے ٹوک دیا:

"ٹھہرو سربالی۔۔۔۔ میرا نام نوبیہ ہے۔ تم مجھے اسی نام سے مخاطب کرو۔"

"نوبیہ خاتون۔۔۔۔"

سربالی نے اسے نئے انداز سے مخاطب کیا:

"آپ کا یہ خیال درست نہیں کہ مجھے آپ کی جاسوسی پر مقرر کیا گیا ہے۔ میرا کام صرف آپ کی خدمت اور آپ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔۔۔۔ جہاں تک آپ کی قید کا تعلق ہے تو یہ قید نہیں ہے اور نہ کوئی اس کی مدت مقرر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک آپ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہونے کا امکان ہے۔ آپ کو تو بس، آپ کے قافلے سے جدا کرنا مقصود تھا۔ یہ کام ذرا مشکل تھا لیکن آپ کی رضاکارانہ سپردگی نے اسے آسان بنا دیا۔ اب تو نوجوان محمد بیگ اس بات کے منتظر ہیں کہ آپ اس تنہائی سے گھبرا کر کب ان کی رفاقت قبول کرتی ہیں۔"

"لیکن یہ نہیں ہو سکتا سربالی!"

نوبیہ کو طیش آ گیا:

"تمہارے سردار نے میرے متعلق غلط اندازہ لگایا ہے۔ میں قید میں گھٹ گھٹ کر جاؤں گی لیکن۔۔۔۔"

"نوبیہ خاتون۔۔۔۔!"

سربالی نے بزرگانہ انداز اختیار کیا:

"غصہ انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ آج آپ نے محبت سے مخاطب کیا تو میں وہ باتیں کہہ گئی جو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھیں۔ میں محمد بیگ کی بااعتماد کنیز ہوں۔ اس بات کا آپ کو بھی علم ہے۔ ظاہر ہے آپ میری کسی بات کا اعتبار نہیں کریں گی اور نہ ہی میرے کسی مشورے پر کان دھریں گی۔"

"نہیں سربالی! مجھے تمہاری باتوں سے اپنائیت اور خلوص کی خوشبو آتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے دشمن کی بااعتماد کنیز ہو لیکن تم جو بات کہو گی میں اس پر ٹھنڈے دل سے غور کروں گی اور اگر میرے دل کو لگی تو اس پر عمل بھی کروں گی۔"

"اگر یہ بات ہے نوبیہ خاتون اور آپ کو یقین ہے کہ میں آپ کی ہمدرد ہوں تو آپ کو اس کا ثبوت دینا ہوگا تاکہ میں آپ سے صاف بات کر سکوں اور کوئی بہتر راہ پیدا کرنے کی کوشش کروں۔"

"کس قسم کا ثبوت چاہیے تمہیں؟"

نوبیہ الجھتے ہوئے بولی:

"بس میرا دل کہتا ہے کہ تم میری ہمدرد ہو اور مجھے تمہاری ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

"نوبیہ خاتون۔۔۔۔!"

سربالی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ اس کا ثبوت یوں دے سکتی ہیں.... آپ میرے سامنے اعتراف کریں کہ آپ تاتاریوں کے برلاس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔"

"مرہالی....!"

نوبیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم! مجھ سے اعتراف کرا کے مجھے سزا دلوانا چاہتی ہو! میں تمہارے سردار محمد بیگ کو بتا چکی ہوں کہ برلاس قبیلے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ افسوس! میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔"

"میں جانتی تھی آپ یہی کہیں گی۔"

مرہالی نے اطمینان سے کہا:

"لیکن یقین کیجیے جب تک آپ برلاس ہونے کا اقرار نہیں کریں گی میں اور میرے ساتھی آپ کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔"

"ایک طرف تو تم میری جست کا دم بھرتی ہو مرہالی۔ اور دوسری طرف مجھے برلاس ثابت کر کے قتل کرانا چاہتی ہو۔ کیا یہ غلط ہے کہ محمد بیگ اور اس کے باپ امیر موسیٰ نے اپنے لشکر کے تمام برلاس سپاہیوں کو قتل کرا دیا ہے یا انہیں قید میں ڈال رکھا ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے نوبیہ خاتون! سردار محمد بیگ اور امیر موسیٰ کے خیال میں اس وقت قرشی اور اس کے نواح میں برلاس قبیلے کا ایک شخص بھی موجود نہیں..... لیکن یہ غلط ہے۔"

"غلط ہے..... کیا مطلب ہے تمہارا؟" نوبیہ نے چونک کر سوال کیا۔

"مجھے اور میرے شوہر کو یقین ہے نوبیہ خاتون کہ آپ برلاس ہیں اور آپ کا یہ نام بھی اصلی نہیں۔"

نوبیہ کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ مرہالی نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ نوبیہ اس کا نام تھا جو اس نے قافلے والوں میں مشہور کرا دیا تھا۔

"تم چاہتی ہو مرہالی! کہ میں برلاس ہونے کا اقبال کر لوں تب تم میری مدد کرو گی۔"

نوبیہ قدرے توقف سے بولی:

"لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر تم برلاس قبیلے کی ایک عورت کی مدد کیوں کرنا چاہتی ہو!"

"اس لیے کہ.....!"

مرہالی ادھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے بولی:

"میں خود برلاس ہوں۔"

نوبیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں پھر نوبیہ نے آہستہ سے کہا:

"میری بزرگ بہن! جب تم دشمنوں میں رہ کر خود کو برلاس کہنے میں فخر محسوس کرتی ہو تو میں تم سے کس طرح جھوٹ بول سکتی ہوں۔ میں بھی برلاس ہوں۔"

نوبیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور مرہالی کو گلے لگا لیا۔

مرہالی کی ہم جلیسی نے نوبیہ کی قید تنہائی کی کوفت ختم کر دی۔ اب وہ دونوں دن بھر مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتی رہتیں۔ نوبیہ نے مرہالی کو اپنا ہمراز بنا لیا تھا۔

مرہالی نے نوبیہ کے شوہر خمید کی تلاش میں بڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ مرہالی کا شوہر قرشی کے قلعے میں ملازم تھا۔ مرہالی نے خمید کو وہاں بھی تلاش کرایا لیکن وہاں بھی خمید نام کا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔

نوبیہ کو اپنے شوہر کا کوئی اتا پتہ نہ مل سکا تو وہ بہت اداس ہو گئی۔ اس نے خود کو گرفتار ہی اس وجہ سے کرایا تھا کہ قرشی میں عمر کر خمید کو تلاش کرے گی لیکن اب وہ خمید کو کہاں ڈھونڈے؟

چنانچہ اب نوبیہ کو واپسی کی فکر ہوئی۔ مرہالی کا شوہر ہر ہفتے اس سے ملنے قرشی کے قلعے سے آیا کرتا تھا۔ اس دفعہ آیا تو اس نے بہت بڑی وحشت ناک خبر سنائی۔

"مرہالی....؟"

اس نے آہستہ سے کہا:

"برلاس لڑکی کی گرفتاری کی خبر امیر موسیٰ کو ہو چکی ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لڑکی بہت خوبصورت ہے..... اور محمد بیگ نے اسے اپنے لشکر میں چھپا رکھا ہے۔"

مرہالی نے گھبرا کر خیمے کی طرف دیکھا۔ نوبیہ پردے سے لگی کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ مرہالی کچھ سوچ کر بولی:

"تمہارا کیا خیال ہے نوبیہ خاتون اس جگہ زیادہ محفوظ ہیں یا قرشی کے قلعے میں محفوظ رہیں گی؟"

دونوں جگہ بھڑیے ہیں۔"

مرہالی کے شوہر نے کہا:

"اگر محمد بیگ کو امیر موسیٰ کا ڈر نہ ہوتا تو معلوم نہیں اب تک اس معصوم پر کیا گزر چکی ہوتی۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ نوبیہ فی الحال اسی جگہ زیادہ محفوظ ہے کیونکہ جب تک محمد بیگ پر امیر موسیٰ کا خوف طاری رہے گا وہ نوبیہ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف ہاتھ نہیں بڑھائے گا۔ . . . لیکن اگر یہ گرفتار کر کے قلعے میں پہنچا دی گئی تو پھر سوائے خدا کے اس کا اور کوئی محافظ نہ ہوگا۔"

"تو یہ خاتون کی حفاظت کی ذمہ داری اب ہم پر ہے۔ انہیں ان ظالموں کے ہاتھوں سے کسی نہ کسی صورت بچانا ہے۔ کیا تو یہ خاتون کو دریا پار نہیں پہنچایا جا سکتا؟"

"یہ بالکل ناممکن ہے سربالی!"

اس کے شوہر نے کہا:

"اب تک برلاس قبیلے کے تقریباً پچاس افراد دریا پار کرنے کی کوشش میں جان گنوا بیٹھے ہیں۔ امیر موسیٰ کے ظالم رسالدار دھف کو تو جانتی ہی ہو۔ امیر موسیٰ نے اسے حکم دے رکھا ہے کہ وہ برلاس قبیلے والوں کے جتنے سر پیش کرے گا اسے اتنے ہزار انعام دیا جائے گا۔ ہر روز دھف ایک دو سر پیش کر کے انعام حاصل کرتا ہے۔ قرشی کے چپے چپے پر پہرہ لگا ہوا ہے۔ اس وقت فرار کے بارے میں سوچنا بھی غلطی ہے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے، تو یہ خاتون کی حفاظت تو بہرحال کرنی ہے۔"

"میں نے کہا تو ہے کہ تو یہ خاتون یہاں زیادہ محفوظ ہیں۔"

"تمہیں چاہیے کہ محمد بیگ تک یہ خبر پہنچا دو کہ امیر موسیٰ برلاس لڑکی کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر دیکھو . . . . اس سلسلے میں وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔"

سربالی اور تو یہ دونوں ہی پریشان ہو گئی تھیں۔

تو یہ کو اب تک تو محمد بیگ کی فکر تھی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ امیر موسیٰ اس سے بھی بڑا بلا ہے تو وہ گھبرا گئی۔

محمد بیگ نے اسے اب تک اس لیے نہیں چھیڑا تھا کہ وہ اپنے باپ امیر موسیٰ کی طرف سے اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تو یہ کی گرفتاری کی خبر کو امیر موسیٰ سے پوشیدہ رکھا تھا . . . . لیکن امیر موسیٰ کے جاسوس محمد بیگ کے لشکر میں موجود تھے۔ انہوں نے تو یہ کی گرفتاری کی خبر کو نمک مرچ لگا کر امیر موسیٰ تک پہنچا دیا۔ ساتھ ہی تو یہ کے حسن و جمال کی تعریف بھی کی گئی جس نے امیر موسیٰ جیسے عیاش طبع شخص کو بے چین کر دیا لیکن مسئلہ باپ بیٹے کا تھا اس لیے امیر موسیٰ بھی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ کوئی ایسی چال چلنا چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ محمد بیگ بہرحال اس کا بیٹا تھا اور قرشی کے مضافات اس کے قبضے میں تھے۔

محمد بیگ اور امیر موسیٰ کی اس کش مکش اور احتیاط نے تو یہ کو کئی ہفتوں تک ان دونوں موذیوں سے محفوظ رکھا۔ پھر جب امیر موسیٰ کو قلعہ قرشی میں یہ اطلاع ملی کہ سردار تیمور اپنے لشکر کے ساتھ ہرات کی طرف چلا گیا

اب جنوب کی طرف سے اسے کسی قسم کا خطرہ نہیں تو اس کی بری فطرت عود کر آئی۔ امیر موسیٰ گرمی کی وجہ سے سخت پریشان تھا لیکن اب تک دریائے آمو کے جنوب میں سردار تیمور کی وجہ سے سخت تکلیفیں برداشت کر رہا تھا۔ تیمور کی واپسی نے اس کی امنگوں کو پھر تھپکیاں دی اور وہ رنگین محفلیں سجانے کے بارے میں فکر کرنے لگا۔ اور دریائے آمو کے کنارے سایہ دار درخت اور سرسبز و شاداب مرغزار اس کی آنکھوں میں لہرانے لگے۔ گزشتہ کئی ماہ سے وہ قلعے میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے فوراً فیصلہ کیا کہ قلعے سے نکل کر دریا کے کنارے چلا جائے اور وہاں سبزہ زار پر بزمِ انشاط برپا کرے۔ شراب ناب کے علاوہ امیر موسیٰ کو رقص و موسیقی کا بھی شوق تھا۔ اس طرح وہ رزم و بزم، دونوں کا بادشاہ تھا۔ اس کی بہادری بے مثل تھی تو عیاشی کا بھی جواب نہ تھا۔ اس نے فوراً لشکر کو بیرونِ قلعہ منتقل ہونے کا حکم دے دیا۔

امیر موسیٰ کے محافظ دستے کا رسالدار بڑا خودسر اور بد دماغ نوجوان تھا۔ اس کے ظلم و ستم کے قصے پورے قرشی میں مشہور تھے۔ برلاس قبیلے کا تو وہ جانی دشمن تھا۔ امیر موسیٰ اسے بہت پسند کرتا تھا اور اپنے تمام اہم کام اسی کے سپرد کرتا تھا۔ قلعے سے دریا کے کنارے منتقلی بھی اسی کے حوالے کی گئی۔

یہ سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ برلاس لڑکی کا مسئلہ درمیان میں آ گیا۔ امیر موسیٰ، لڑکی کے جمال کا حال سن کر بے چین ہو گیا۔ اس نے رسالدار دھف کو حکم دیا کہ برلاس لڑکی کو محمد بیگ کے پنجے سے چھڑا کر دریا کے کنارے پہنچایا جائے تاکہ وہ اپنی محفلوں کو اس نئے چراغ سے اور زیادہ تابندہ کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رسالدار کو تاکید کر دی کہ برلاس لڑکی کو اس طرح حاصل کیا جائے کہ محمد بیگ سے جھگڑا نہ ہو۔

ادھر سربالی نے امیر موسیٰ کے ارادے سے واقف ہوتے ہی فوراً محمد بیگ کو باخبر کر دیا۔ محمد بیگ کو پہلے تو باپ پر بہت غصہ آیا اور اس نے بغاوت کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کچھ سوچ کر مصلحت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے بڑی خاموشی سے تو یہ کو سربالی کے خیمے میں منتقل کر دیا اور خود تو یہ کے خیمے میں آ گیا۔

محمد بیگ نے سربالی کو تاکید کر دی کہ وہ تو یہ کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھے۔ سربالی تو خود تو یہ کی حفاظت کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے خیمے میں تو یہ کی رہائش کا اس طرح انتظام کیا کہ اگر باہر سے کوئی آدمی اچانک اس کے خیمے میں آ بھی جائے تو اسے تو یہ نظر نہ آ سکے۔

ان تمام احتیاطی تدبیروں کے باوجود محمد بیگ کو دھڑکا لگا رہتا تھا۔ وہ اپنے باپ سے زیادہ رسالدار دھف سے خوفزدہ تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تو یہ کی بازیابی کا کام دھف ہی کے سپرد کیا جائے گا اور وہ تو یہ کو ڈھونڈنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کرے گا۔

آخر جس بات کا ڈر تھا وہ محمد بیگ کے سامنے آ ہی گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی صبح کا اجالا نہ نکلا تھا کہ ہر طرف صبحکا دھندلکا پھیلا ہوا تھا کہ محمد بیگ کو گھوڑے دوڑانے کی آواز آئی۔ چونکہ اس کے دل میں خوف بیٹھا ہوا تھا اس لیے بستر سے اتر کر خیمے کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھا تو خوف کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ . . . . رسالدار وہب کے سوار اس کے خیمے کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رہے تھے۔ . . . . اور وہب انہیں آہستہ آہستہ ہدایات دے رہا تھا۔

محمد بیگ کو تعجب اس بات پر تھا کہ اس کے حاسوس یہ خبر دینے قلعہ ترشی تک پھیلے ہوئے تھے۔ پھر بھی اس نے وہ کونسا راستہ اختیار کیا تھا کہ اسے قلعے سے یہاں تک آتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکا۔

خیمے کو پوری طرح گھیرنے کے بعد رسالدار وہب نے اپنا گھوڑا خیمے کے دروازے کی طرف بڑھایا۔ پھر واپس جا کر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ اپنے آپ کو سوتا ہوا ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ خیمے کا پہرے دار رسالدار وہب کو دیکھ کانپ رہا تھا۔

"خیمے کے اندر کون ہے؟" وہب نے گرج کر پہرے دار سے پوچھا۔

پہرے دار پہلے تو گھبرا کر تعظیم کے لیے جھکا۔ پھر مردہ آواز میں بولا:

"اندر چھوٹے امیر محمد بیگ آرام کر رہے ہیں۔"

"چھوٹے امیر . . . . ؟"

رسالدار وہب کا منہ حیرت سے کھل گیا:

"چھوٹے امیر . . . اور اس خیمے میں؟"

محمد بیگ بستر پر پڑا ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اسے خدشہ ہوا کہ پہرے دار کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو اس کے خلاف جاتی ہو۔ اس لیے فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا:

"یہ صبح صبح کون ہمیں پریشان کرنے آیا ہے؟"

پہرے دار نے جواب دینے کے بجائے رسالدار وہب کی طرف دیکھا۔ رسالدار نے اسے اشارہ کیا کہ اندر جا کر خبر کرے۔ پہرے دار گھبرایا ہوا خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر چلا گیا۔

رسالدار وہب کچھ پریشان سا ہو گیا۔ وہ بار بار خیمے، اس کے جانے دقوع اور جانے ہوئی نشانیوں پھر سوچ میں پڑ جاتا۔ شاید وہ غلط خیمے پر آ گیا ہے؟ یا پھر شاید ہی کرنے والے نے اسے غلط بتایا ہے۔ اتنے میں پہرے دار باہر آ گیا۔

"چھوٹے امیر اندر آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

"اندر اور کون ہے پہرے دار؟" وہب نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"اور کوئی نہیں ہے رسالدار صاحب!"

رسالدار نے پہرے دار کو تیز نظروں سے گھورا:

"اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو چھوٹے امیر بھی تمہیں میرے عتاب سے نہ بچا سکیں گے۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں رسالدار صاحب۔" پہرے دار نے دروازے سے ایک طرف ہوتے ہوئے جواب دیا۔

رسالدار وہب نے خیمے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اس کے سوار پوری طرح خیمے کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور کسی کے چپ کر نکل جانے کا کوئی امکان نہ تھا۔

وہب گھوڑے سے اترا۔ پہرے دار نے اس کے اشارے پر خیمے کا پردہ الٹ دیا۔ اندر سامنے ہی محمد بیگ بستر پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

رسالدار وہب نے اندر داخل ہو کر محمد بیگ کو سلام کیا۔

محمد بیگ نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے مسکرا کر پوچھا:

"وہب! خیریت تو ہے۔ کیسے آنا ہوا؟ تمہیں میں تو سب خیر ہے؟"

محمد بیگ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے وہب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب ہی بستر پر بٹھا لیا۔

وہب کی نظریں تیزی سے خیمے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اسے بظاہر کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں کسی کو فوراً چھپایا جا سکے۔

خیمے کے اندر مخمل کا فرش تھا اور اونی مسند پر ایک طرف محمد بیگ کا بستر لگا ہوا تھا۔ مرہٹے نے ایک لکڑی کا صندوق رکھا تھا۔ بستر کے ایک طرف تپائی پر جام و صراحی رکھی تھی۔ اپنے باپ کی طرح محمد بیگ بھی عیاش تھا۔

"وہب! تم نے کچھ بتایا نہیں . . . . ابا جان کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بڑے سردار امیر حسین کی طرف سے تو کوئی اطلاع نہیں آئی؟!"

وہب عجیب کشمکش میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ خیمے کی تلاشی لینا بھی بیکار تھا۔ سب سے زیادہ محمد بیگ کا اطمینان اور سکون تھا جس نے وہب جیسے چالاک شخص کو حیران کر دیا تھا۔

"امیر محمد بیگ!"

وہب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا:

"آپ کو اس خیمے میں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تعجب....!"

محمد بیگ نے حیرانی کا اظہار کیا:

"دن کے وقت میں سرحد پر گشت کرتا ہوں لیکن رات ہمیشہ اپنے خیمے ہی میں گزارتا ہوں۔ اس میں کیا بات ہے!"

رسالدار دہف نے محمد بیگ کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ایک بار پھر..... خیمے کا جائزہ لے کر اس جگہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے جہاں برلاس لڑکی کو چھپایا جا سکتا تھا۔ جب وہ ناکام ہو گیا تو سخت لہجے میں بولا:

"امیر محمد بیگ! کیا میں اس خیمے کی تلاشی لے سکتا ہوں؟"

"تلاشی؟..... اور میرے خیمے کی..... تم ہوش میں تو ہو؟"

محمد بیگ کو غصہ آ گیا:

"رسالدار دہف! یہ میری توہین ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ قرشی قلعے کے باہر کا تمام انتظام علداری میں ہے۔ میں اس میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"یہ دخل اندازی نہیں۔ حاکم قرشی امیر موسیٰ کا حکم ہے۔"

دہف نے بڑے رعب سے کہا:

"میں تعمیلِ حکم کے لیے مجبور ہوں۔"

"کیا ابا جان نے تلاشی کا حکم دیا ہے؟ لیکن کیوں؟..... انہوں نے یہ حکم کیوں دیا ہے؟" محمد نے جرح کا انداز اختیار کیا۔

"میں اپنے امیر کے کسی حکم کی تشریح کرنے یا اس کی وجہ بیان کرنے سے معذور ہوں۔"

رسالدار دہف نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا:

"خیمے کو چاروں طرف سے میرے سواروں نے گھیر رکھا ہے۔ مجھے آپ کے وقار کا پاس ہے۔ مجھے تلاشی کی اجازت دی جائے ورنہ....."

"ٹھہرو دہف!"

محمد بیگ نے اسے بیچ ہی میں ٹوک دیا:

"میں اپنے سر سرکشی کا الزام نہیں لینا چاہتا۔ تم اپنے آدمیوں کو اندر بلا لو۔ وہ تلاشی لے سکتے ہیں میری طرف سے اجازت ہے۔"

"میں شکریہ ادا کرتا ہوں چھوٹے امیر!"

رسالدار دہف نے سر کو ذرا سا خم دیا:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کسی وقت آپ کی وفاداری پر شبہ کیا گیا تو میں، آپ کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوں گا۔ چونکہ مجھے آپ کی عزت و وقار کا بھی خیال ہے اس لیے میں اپنے کسی آدمی کو اندر نہیں بلاؤں گا بلکہ اپنے طور پر مطمئن ہونے کی کوشش کروں گا۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم امیر کے حکم کی تعمیل کے موقعے پر بھی دوسرے کے وقار کو پیشِ نظر رکھتے ہو۔"

رسالدار دہف، محمد بیگ کے ساتھ ساتھ خیمے میں ٹہلتا اور قدم قدم رک کر قالین اور خیمے کے پردوں کو دیکھتا رہا۔

خیمے کے پردے اکھڑے تھے اور خیمے میں کوئی صندوق یا بھاری چیز نہ تھی۔ دہف کو یقین ہو گیا کہ کسی برلاس عورت کی گرفتاری محض ایک افسانہ تھی یا پھر مخبروں نے غلط خیمے کی نشاندہی کی ہے۔ دہف پوری طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد محمد بیگ کے بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔

"چھوٹے امیر!"

اس نے مجبور ہو کر باتوں کا سہارا لیا:

"سنا ہے کہ دریائے آمو کی طرف سے آنے والے قافلوں میں سردار تیمور کے کچھ جاسوس تھے جنہیں آپ نے تحقیقات کے لیے گرفتار کیا تھا؟"

"تم نے صحیح سنا ہے دہف!"

محمد بیگ فوراً بولا:

"جس طرح ہمارے جاسوس جنوب میں جا کر تیمور کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، اسی طرح دشمن بھی اپنے جاسوسوں کو قرشی بھیجتا رہتا ہے۔ ان پر ہمارے آدمی کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ اگر ہمیں کسی پر شبہ ہوتا ہے تو ہم اسے تحقیقات کے لیے روک لیتے ہیں اور اطمینان ہو جانے پر رہا کر دیتے ہیں۔ اس طرح کئی آدمی گرفتار ہوئے لیکن بعد میں چھوڑ دیے گئے۔"

"اس دوران میں کیا کوئی عورت بھی گرفتار ہوئی تھی جس پر برلاس ہونے کا شبہ کیا گیا تھا؟" دہف نے محمد بیگ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ہمارے آدمیوں نے ایک عورت کی حرکات و سکنات پر شبہ کیا تھا۔" محمد بیگ لاپروائی سے بولا۔ "وہ سالارِ قافلہ کو اپنا عزیز بتاتی تھی اور اسی کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ عورت اس وقت کہاں ہے؟"

رسالدار وہیف نے بڑے رعب سے پوچھا:

"اس کے بارے میں امیر موصل کو بھی اطلاع دی گئی ہے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ برلاس قبیلے سے متعلق ہے اور بہت خطرناک ہے۔ امیر موصل اس سے خود پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے وہیف!"

محمد بیگ نے نہایت اطمینان سے کہا:

اس عورت کو دو دن بعد اس کے قافلے میں جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ وہ اپنے گھر خط لکھ رہی تھی کہ امیر موصل کو یقین دلانے کے باوجود وہیف خود مطمئن نہ تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے سے آواز آتی تھی کہ اس عورت کو دو دن بعد اس کے قافلے میں جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ وہ اپنے گھر خط لکھ رہی تھی کہ امیر موصل کو یقین دلانے کے باوجود وہیف خود مطمئن نہ تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے سے آواز آتی تھی کہ اس عورت کو دو دن بعد اس کے قافلے میں جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ وہ اپنے گھر خط لکھ رہی تھی کہ امیر موصل کو یقین دلانے کے باوجود وہیف خود مطمئن نہ تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے سے آواز آتی تھی کی تلاش میں تاشقند جانا چاہتی تھی۔ ایک قافلہ اس طرف جا رہا تھا۔ ہم نے اسے اس قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا تھا کہ محمد بیگ نے اسے فریب دیا ہے..... وہ برلاس لڑکی اب تک اس کی قید میں ہے۔

وہیف نے اس سلسلے میں ان لوگوں بلکہ رسالدار حاصل کی بہن کے ذریعے یہ خبر امیر موصل تک پہنچا دی تھی۔ وہ روانہ کر دیا۔"

محمد بیگ کے اس جواب سے رسالدار وہیف کا چہرہ نہ جانے کیوں پھیکا پڑ گیا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ امیر موصل کے دو خاص غلام تھے جو محمد بیگ کے لشکر کے ساتھ رہ کر امیر موصل کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا:

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ اس وقت قرشی کے گرد و نواح میں موجود نہیں ہے؟"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے وہیف! اسے گئے ہوئے دو ہفتے سے بھی زیادہ ہو چکا ہے۔"

ہاں اگر مجھے ابا جان کا یہ خیال ہے کہ میں نے اسے کہیں چھپا رکھا ہے تو میں اس کی سختی سے تردید کرتا ہوں۔

رسالدار وہیف..... اپنی وفاداری شک و شبے سے بالاتر ہے۔ میں چاہتا ہوں تم مجھے ان لوگوں کی طرف سے باخبر رکھو جو اس قسم کی اطلاعات پہنچا کر میرے اور ابا جان کے درمیان اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیے چھوٹے امیر!"

وہیف نے کہا:

"آپ میرے امیر کے بیٹے ہیں۔ میں آپ کے مفاد کو کبھی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ بشرطیکہ آپ میرا اعتماد کریں۔ جب تک میری شخصیت آپ کی نظروں میں مشکوک ہے میں آپ کے لیے کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکوں گا۔"

"ہمیں تم پر پورا اعتماد ہے وہیف!"

محمد بیگ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا:

"آؤ ہم مصافحہ کر کے اس اعتماد کی تجدید کریں۔"

وہیف نے بھی بے تکلفی سے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

رسالدار وہیف نے امیر موصل کو یقین دلا دیا کہ برلاس لڑکی کی محمد بیگ کی قید میں ہونے کی خبر غلط ہے۔ وہیف نے امیر موصل کو وہی کچھ بتایا جو محمد بیگ نے اس سے کہا تھا۔

امیر موصل کو وہیف پر پورا اعتماد تھا۔ اس لیے اسے اس کی بات پر یقین کرنا پڑا..... مگر عجیب بات

رسالدار وہیف نے امیر موصل کو یقین دلا دیا کہ برلاس لڑکی کی محمد بیگ کی قید میں ہونے کی خبر غلط ہے۔ وہیف نے امیر موصل کو وہی کچھ بتایا جو محمد بیگ نے اس سے کہا تھا۔

امیر موصل کو وہیف پر پورا اعتماد تھا۔ اس لیے اسے اس کی بات پر یقین کرنا پڑا..... مگر عجیب بات

امیر موصل کے یہ جاسوس باری باری ایک ایک دن قلعے میں آتے اور محمد بیگ کی خبریں پہنچا کر چلے جاتے تھے۔ ان کے قول کا حکم تھا۔ چنانچہ ایک دن جب ایک غلام قلعے میں آیا تو وہیف نے اسے صدر دروازے کے پاس ہی روک لیا۔ اور اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غلام رسالدار وہیف کے مرتبے اور اس کے اثر و رسوخ سے واقف تھا۔ اس لیے بے جھجک اس کے ساتھ ہو لیا۔

اپنے قیام پر پہنچ کر وہیف نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور بڑے رعب سے پوچھا:

"تمہیں معلوم ہے میں تمہیں اپنے ساتھ کیوں لایا ہوں؟"

"نہیں رسالدار! مجھے کچھ معلوم نہیں۔" غلام نے گھبرا کر کہا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا تو کیا تم یقین کر لو گے؟" یہ کہتے ہوئے وہیف نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ لیا۔

غلام کا رنگ خوف سے سفید پڑ گیا۔

"آپ قتل کر سکتے ہیں رسالدار۔ مجھے یقین ہے۔"

"لیکن میں تمہیں قتل نہیں کروں گا کیونکہ تم میرے امیر کے وفادار جاسوس ہو۔"

غلام کی جان میں جان آئی۔ اس نے شکر گزار نظروں سے رسالدار کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہیں تمہارے کام سے نہیں روکوں گا۔"

رسالدار وہب نے کہا:

"تم بدستور محمد بیگ کے لشکر میں رہو گے اور وہاں کی خبریں امیر موسیٰ کو پہنچاتے رہو گے لیکن تمہیں اس کے علاوہ ایک اور کام بھی کرنا ہوگا۔ بتاؤ۔ کیا تم وہ کام کرو گے؟"

"کیوں نہیں رسالدار۔ آپ کے حکم سے تو میں انکار کر ہی نہیں سکتا۔"

"میں تمہارے سپرد بہت معمولی کام کر رہا ہوں۔"

وہب نے کہا:

"تمہیں شاید علم نہیں کہ قرشی پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ان حالات میں قرشی کے گرد و نواح کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔"

"مگر مجھے کیا کرنا ہوگا رسالدار صاحب؟" غلام نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے ایک برلاس لڑکی کی وجہ سے امیر موسیٰ اور محمد بیگ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ لڑکی کی بازیابی میرے سپرد کی گئی لیکن جب میں اس نشان زدہ خیمے پر پہنچا تو وہاں لڑکی کے بجائے موجود تھا۔ . . . ظاہر ہے کہ اطلاع غلط تھی ورنہ وہاں محمد بیگ کے بجائے لڑکی کو ہونا چاہیے تھا۔ مجھے بتایا کہ تفتیش کے بعد لڑکی کو اس کے قافلے کی طرف بھیج دیا گیا تھا لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ اس قسم کی جھوٹی خبر امیر موسیٰ کو پہنچائی جائیں جن سے باپ بیٹے میں اختلاف پیدا ہونے کا امکان ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ خبر یا تمہارے ساتھی نے پہنچائی ہے۔ اب اس چیز سے بحث نہیں لیکن آئندہ ایسی بات نہیں ہونی چاہیے۔"

"رسالدار صاحب!"

غلام نے سنبھلتے ہوئے کہا:

"آپ مجھے قتل کر دیجیے مگر یہ الزام نہ لگائیے کہ میں نے جھوٹی خبر پہنچا کر باپ بیٹے میں لڑائی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ برلاس لڑکی اس خیمے میں پندرہ دن تک رہی تھی جس پر آپ نے چھاپہ مارا۔"

"مگر محمد بیگ کا بیان ہے کہ لڑکی کو میرے چھاپہ مارنے سے دو ہفتے پہلے ہی رہا کر دیا گیا تھا۔ اس سے محمد بیگ نے مجھ سے غلط بیانی کی۔"

"صد فی صد غلط بیانی رسالدار صاحب!"

غلام جوش سے بولا:

"آپ کے چھاپے سے صرف تین دن پہلے تک لڑکی اس خیمے میں موجود تھی۔ ہو سکتا ہے محمد بیگ کو

چھاپہ مارنے کا علم ہو گیا ہو اور اس نے لڑکی کو کہیں چھپا دیا ہو۔"

یہی شبہ رسالدار وہب کے دل میں موجود تھا:

"اس کا مطلب ہے کہ وہ لڑکی اب بھی محمد بیگ کے لشکر میں موجود ہے۔"

"جی ہاں۔ . . . ."

غلام نے بڑے وثوق سے کہا:

"ہم اس لڑکی کو تلاش کر رہے ہیں اور جیسے ہی ہمیں اس کا علم ہوا ہم اس کی خبر امیر موسیٰ تک پہنچا دیں گے تاکہ ہمارا سچ ثابت ہو سکے۔"

"نہیں۔ اب تم ایسا نہیں کرو گے۔"

وہب نے سخت لہجے میں کہا:

"اگر تم لڑکی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کی اطلاع امیر موسیٰ کی بجائے ہمیں پہنچانا ہوگی۔ تم نہیں جانتے، اگر اب برلاس لڑکی کی محمد بیگ کے کیمپ میں موجودگی کی تصدیق ہو گئی تو باپ بیٹے میں جنگ شروع ہو جائے گی اور اس کا فائدہ ہمارے دشمنوں کو پہنچے گا۔ شاید میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی۔"

"جی ہاں رسالدار صاحب۔" غلام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور یہ خیال رہے کہ میں اس برلاس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم جس وقت اسکی نشاندہی کرو گے میں اسی وقت اسے گرفتار کر کے کسی ایسی جگہ لے جا کر قتل کروں گا کہ اس کی لاش کا بھی پتہ نہ چلے۔ یہ جھگڑا صرف اسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے رسالدار صاحب! کیا اب میں . . . ."

"ہاں۔ اب تم جا سکتے ہو مگر خبردار! امیر موسیٰ سے اس لڑکی کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کرنا ورنہ . . . ."

وہب نے ایک بار پھر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا۔

غلام نے جلدی سے اٹھ کر اسے سلام کیا اور پھر سر جھکا کر رخصت ہو گیا۔

○

امیر موسیٰ نے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ قرشی کے قلعے سے نکل کر دریائے آمو کے کنارے مزارِ دل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ڈیرے ڈال دیے ..... اور سابق روایات دہرانا شروع کر دیں۔

موسیٰ نے اپنے بیٹے محمد بیگ کو قلعے میں واپس جانے کا حکم دیا۔ قلعے کی حفاظت کے لیے کچھ دستے بھی دیے گئے۔ پھر تمام لشکر امیر موسیٰ کی دلیرانہ لشکر گاہ پر پہنچ گیا..... چونکہ ایک عرصے سے اس کا لشکر کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا، اس لیے امیر موسیٰ نے جشنِ عام منانے کا حکم دے دیا اور لشکری اپنے گرد و پیش کی دنیا سے بے خبر ہو کر ناؤ نوش میں مصروف ہو گیا۔

امیر موسیٰ کو شاید اب بھی شبہ تھا کہ وہ برلاس لڑکی محمد بیگ ہی کے قبضے میں ہے لہٰذا اس نے حکم دیا کہ وہ قلعے ہی میں مقیم رہے اور پوشیدہ طریقے سے لڑکی کا پتہ لگاتا رہے۔ جب امیر موسیٰ خطرہ ٹل گیا کے گیا اور محمد بیگ نے قلعے میں واپسی کا ارادہ کیا۔ اس وقت رسالدار وہف نے اپنے تمام آدمیوں کو قلعے راستے میں جگہ جگہ مقرر کر دیا کہ وہ محمد بیگ کے ساتھ آنے والوں پر نظر رکھیں۔ اگر کوئی غیر لڑکی نظر آئے تو فوراً مطلع کریں لیکن وہف کی تمام کوششوں کے باوجود برلاس لڑکی کا پتہ نہ چل سکا..... تاہم وہف سرگرمیاں جاری رکھیں۔

کچھ تو امیر موسیٰ کا حکم اور کچھ رسالدار وہف اپنے طور پر برلاس لڑکی کی تلاش میں دلچسپی لے رہا کے آدمی قلعے کے اندر اور باہر سرگرم عمل تھے..... اور ہر وقت محمد بیگ اور اس کے آدمیوں پر نظر اس محل میں امیر موسیٰ کے اہلِ خانہ بھی رہتے تھے جنہیں وہ یہیں چھوڑ گیا تھا تاکہ اس کی بیوی کو تنہائی نہ پڑے۔

ایک شام وہف کے آدمیوں نے قلعے کے ایک آدمی کو پکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا۔ اس پر یہ الزا وہ محل کی ایک ملازمہ سے کسی برلاس لڑکی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

وہف کے لیے یہ بڑی اہم خبر تھی۔ اس نے تمام آدمیوں کو باہر بھیج دیا اور خود اس شخص سے گفتگو شروع کر دی۔

"تم محل میں کس عورت سے بات کر رہے تھے؟" وہف نے گرجدار آواز میں سوال کیا۔

"وہ میری بیوی ہے رسالدار صاحب!"

اس شخص نے اطمینان سے جواب دیا:

"اس کا نام سربالی ہے اور وہ ایک عرصے سے چھوٹے امیر محمد بیگ کی خدمت پر مامور ہے۔"

رسالدار وہف کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے کچھ اور سخت لہجے میں پوچھا:

"تمہاری بیوی اس وقت کہاں تھی..... جب محمد بیگ اپنے لشکر کے ساتھ قلعے سے باہر تھا؟"

"وہ ان کے ساتھ ہی تھی رسالدار صاحب!"

سربالی کے شوہر نے سادگی سے کہا:

"چھوٹے امیر، میری بیوی کی خدمات سے بہت خوش ہیں۔ جب تک وہ باہر رہے، وہ بھی باہر تھی۔ اب وہ ان کے ساتھ ہی محل میں آ گئی ہے۔ میں پہلے ہی سے قلعے میں ہوں۔ میں بیوی سے ملنے کی خاطر یہاں آیا تھا کہ آپ کے آدمی مجھے یہاں پکڑ لائے۔"

رسالدار اور زیادہ مشکوک ہو گیا۔ اس نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا:

"تمہیں اپنی جان عزیز ہے؟"

"جی ہاں رسالدار صاحب!" سربالی کا شوہر سہم کر بولا۔

"تمہیں بتانا ہوگا کہ برلاس لڑکی کو محمد بیگ نے کہاں چھپا رکھا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہف نے تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

اس سوال پر سربالی کے شوہر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس نے غصے سے چیخ کر کہا:

"نہیں بتاؤں گا۔ بے شک مجھے مار دو۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

وہف نے حیرت سے اسے دیکھا۔

ادھیڑ عمر کا یہ لاغر سا شخص جو چند لمحے قبل بری طرح سہما ہوا تھا اچانک اس میں اتنی جرأت آ گئی تھی کہ وہ بے یقینی تاثر کے ساتھ اسے آنکھیں مار رہا تھا۔

"آخر کیوں.....؟"

برلاس لڑکی اور اس میں کیا رشتہ ہے؟

وہف نے آہستہ سے تلوار اس کے سینے سے ہٹا کر نیام میں ڈال لی۔

"دشمن قبیلے کی لڑکی کو بچانے کے لیے تم کیوں جان دے رہے ہو؟" وہف نے نرمی سے پوچھا۔

"رسالدار وہف!"

سربالی کا شوہر کڑک کر بولا:

"تم نے اب تک بہت سے برلاس قبیلے کے لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں لیکن تم اس معصوم اور بے گناہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم مجھے مار سکتے ہو۔ میری بیوی کو قتل کر سکتے ہو لیکن وہ برلاس لڑکی تمہارے یا امیر موسیٰ کے ہاتھ نہیں آ سکتی..... وہ برلاس قبیلے کی لڑکی ہے۔ میں اسے امیر موسیٰ کی ہوس کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نادان شخص!"

دہف نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا:

"تم اس لڑکی کو امیر موسیٰ سے بچانا چاہتے ہو لیکن اس کے بیٹے محمد بیگ کے حوالے کر رکھا ہے۔ اب اس بات کا دعویٰ کر رہے ہو؟"

"رسالدار۔۔۔۔"

سربالی کا شوہر بے خوفی سے بولا:

"وہ لڑکی جس طرح تمہاری پہنچ سے دور ہے اسی طرح محمد بیگ کے ہاتھ بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہماری موت کے بعد اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جس جگہ اسے پوشیدہ کیا گیا ہے وہاں میں اور میری بیوی سربالی ہی پہنچ سکتی ہے۔"

"تمہارا تعلق بھی شاید برلاس قبیلے سے ہے۔" دہف کی آواز میں اب پہلے جیسی گھن گرج نہیں تھی۔

"شاید نہیں رسالدار! مجھے اپنے برلاس ہونے پر فخر ہے۔ یاد رکھو رسالدار! وہ دن بہت قریب ہے جب پورے ملک تاتار پر برلاس سردار تیمور کا قبضہ ہوگا۔"

رسالدار دہف بولا:

"میں تمہاری بے باکی اور صاف گوئی کی وجہ سے تم کو معاف کرتا ہوں۔ میں کل صبح تم سے کچھ اہم گفتگو کروں گا مگر خبردار۔ اس ملاقات کا ذکر کسی سے ذکر نہ کرنا۔"

"تم۔۔۔۔ تم مجھے معاف کر رہے ہو رسالدار۔" سربالی کے شوہر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔ تم ایک بہادر انسان ہو۔"

دہف نے پژمردگی سے کہا:

"جس قبیلے میں تم جیسے ایثار کرنے والے لوگ ہوں۔ اس قبیلے کو واقعی حق پہنچتا ہے کہ وہ پورے تاتار پر حکومت کرے۔ تم جا سکتے ہو۔ صبح ہم پھر ملیں گے۔"

"شب بخیر۔۔۔۔" سربالی کے شوہر نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

○

تیمور کے ذہین دماغ نے جو حکمت عملی تیار کی تھی وہ بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے آدمیوں

یہی تاثر دیا تھا کہ وہ ہرات جا رہا ہے۔ اس نے قرشی جانے والے قافلوں کے ذریعے بھی اس بات کی کافی تشہیر کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرشی پہنچنے والے قافلوں نے سب کو بتا دیا کہ سردار تیمور دانی ہرات کی دعوت پر ہرات کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔۔۔۔ حالانکہ تیمور صرف ایک منزل ہرات کی طرف جا کر ٹھہر گیا تھا اور اپنے منصوبے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا تھا۔

جونہی اسے اطلاع ملی کہ امیر موسیٰ قلعہ چھوڑ کر دریائے آمو کے کنارے محفلیں جما رہا ہے تو اس نے اپنے لشکر سے صرف دو سو چالیس سوار ساتھ لیے اور بڑی تیزی سے منزل طے کر کے دریا پر پہنچ گیا جہاں دوسری طرف موسیٰ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔

تیمور نے نہایت خاموشی سے رات کے وقت اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ صرف چالیس سوار اس کا ساتھ دے سکے۔ باقی لوگوں کے لیے کشتیوں کا انتظام کیا گیا۔ تمام بڑے بڑے سردار تیمور کے ساتھ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ کشتیوں میں سوار لوگ بھی اس پار پہنچ جائیں تو آگے بڑھا جائے لیکن تیمور نے جلدی کی ادب کو وہیں چھوڑ کر صرف دو خاص غلاموں کے ساتھ قلعے کی طرف بڑھا۔

نصف شب کے قریب تیمور قلعے کی فصیل کے پاس پہنچ گیا۔۔۔۔ قلعے کے برجوں میں مدھم روشنی ہو رہی تھی اور فصیل پر بالکل خاموشی طاری تھی۔

فصیل کے گرد خندق تھی۔ تیمور خندق کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں قلعے کے اندر پانی کی نہر خندق پر سے گزرتی تھی۔

تیمور ایک غلام کو ساتھ لے کر نہر میں اترا اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اب وہ فصیل کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ایک جگہ فصیل کا بالائی حصہ ٹوٹا ہوا نظر آیا۔ اس جگہ سے فصیل پر چڑھنا آسان تھا۔ تیمور اس جگہ کو ذہن نشین کر کے اپنے غلام کے ساتھ پھر خندق کے اس پار پہنچ گیا۔

اس وقت تک اس کے بیشتر آدمی وہاں پہنچ چکے تھے۔ اوپر چڑھنے کے لیے رسیاں اور کمندیں پہلے ہی تیار کر لی گئی تھیں۔ تیمور نے ٹکڑیاں بنا کر اپنے آدمیوں کو خندق پار کرنے کا حکم دیا اور خود آگے آگے چلا۔ جب پہلی ٹکڑی خندق پار کر کے اس جگہ پہنچی جہاں فصیل ٹوٹی ہوئی تھی۔۔۔۔ تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تیمور فصیل کے اوپر بیٹھا ہوا ہے۔ اس طرح ایک سو کے قریب آدمی کمندیں لگا کر فصیل پر پہنچ گئے۔

تیمور نے کچھ آدمی قلعے کے دروازے کی طرف بھیجے تاکہ وہ سنتریوں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیں۔ باقی آدمیوں کو اس نے فصیل پر پھیلا دیا۔

سنتری اور پہرے دار سو رہے تھے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی کسی حملے کا امکان نہ تھا۔ تیمور کے آدمیوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ایک کر دبوچنا شروع کر دیا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی معمولی مزاحمت کے بعد پوری فصیل پر تیمور کا قبضہ ہو گیا۔ اب صبح ہو چکی تھی۔

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ تیمور نے فتح کا بگل بجوا دیا۔ سنتری پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔ تیمور کے ہر طرف نعرے لگاتے اور تلواریں لہراتے پھر رہے تھے۔

قرشی والوں کو تیمور کے لشکر کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ انہوں نے امان مانگی۔ تیمور نے امان دے دی۔ وہ ہتھیار پھینک کر اس کے مطیع ہو گئے۔ . . . . دن چڑھے تک پورے قلعے پر تیمور کا قبضہ ہو گیا۔

صرف امیر موسیٰ کا محل محمد بیگ کے قبضے میں تھا اور محمد بیگ کسی صورت محل تیمور کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس محل کو تیمور نے اپنے لیے بنوایا تھا۔ . . . . وہ اسے تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے لڑائی بند کرنے کا حکم دے دیا تاکہ محل کو تباہ کیے بغیر حاصل کرنے کی کوئی تدبیر کی جائے۔

تیمور نے جس وقت بگل بجوایا اور قرشی والوں کو علم ہوا کہ تیمور کا لشکر قلعے میں داخل ہو گیا ہے تو برلاس کے وہ لوگ جو امیر موسیٰ کی طرف سے اپنی شخصیت چھپائے ہوئے تھے، سردار تیمور کے پاس پہنچ گئے اور آدمیوں کے ساتھ مل کر قرشی والوں پر حملہ کر دیا۔ ان میں سربالی کا شوہر پیش پیش تھا۔

تیمور نے اپنے سرداروں کو ایک جگہ طلب کیا تاکہ محل کو بغیر لڑائی بھڑائی کے حاصل کرنے کے لیے مشورہ کرے۔ تیمور کے سردار لڑائی بند کر کے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ سربالی کا شوہر کوئی سردار تو نہ تھا لیکن چونکہ اس کی وفاداری کی وجہ سے اسے بھی مشورے کے لیے بلایا گیا تھا۔

سربالی رات کو محل میں تھی لیکن لڑائی کا شور سن کر وہ باہر آ گئی۔ پھر اسی وقت محل کا پھاٹک بند ہو گیا اور وہ اندر نہ جا سکی۔

ادھر سے مایوس ہو کر وہ اپنے شوہر کو تلاش کرنے لگی مگر لڑائی کے ہنگامے میں وہ اسے نظر نہیں آیا۔ سربالی نے ایک جگہ پناہ لے لی اور لڑائی ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

سربالی کا شوہر جب اس جگہ پہنچا جہاں تیمور اپنے سرداروں کے ساتھ بیٹھا تھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا امیر موسیٰ کا رسالدار دہف، سردار تیمور کے قریب کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر سربالی کے شوہر کو طیش آ گیا۔ اس نے پکار کر تیمور کو خبردار کیا:

"سردارِ محترم! اس غدار سے بچیے۔ یہ امیر موسیٰ کا خاص آدمی ہے۔"

سردار تیمور نے سر اٹھا کر سربالی کے شوہر کو دیکھا اور اسے قریب آنے کا اشارہ کیا:

"تم کس کے بارے میں کہہ رہے ہو؟" تیمور نے نرمی سے پوچھا۔

"رسالدار دہف کے بارے میں سردارِ محترم!"

سربالی کے شوہر نے دہف کی طرف اشارہ کیا:

"اس نے کل میری جان بخشی کی تھی لیکن یہ بہت سے برلاس قبیلے والوں کا قاتل ہے۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ برلاس قبیلے والوں کا قاتل ہے؟" تیمور نے مسکرا کر دہف کی طرف دیکھتے ہوئے سربالی کے شوہر سے پوچھا:

"تم نے اسے کبھی کسی برلاس کو قتل کرتے دیکھا ہے؟"

"سردار! میں نے دیکھا تو نہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ برلاس قبیلے کا دشمن ہے۔"

"میرے جوشیلے دوست!"

تیمور نے سربالی کے شوہر کو مخاطب کیا:

"جس طرح تم نے برلاس ہو کر اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکڑنے کی کوشش کی ہے اسی طرح یہ شخص بھی برلاس ہے . . . . اور یہ بظاہر اپنے قبیلے کے لوگوں کو گرفتار کرتا تھا لیکن پھر اپنے آدمیوں کے ذریعے انہیں سرحد پار بھجوا دیتا تھا تاکہ وہ امیر موسیٰ کے ظلم و ستم سے محفوظ رہ سکیں۔ اس نے بھی تمہاری طرح خود کو چھپانے کے لیے رسالدار دہف کا روپ دھار لیا تھا۔"

سربالی کے شوہر کے لیے یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ رسالدار نے کل اس کی جان بخشی کیوں کی تھی اور آج وہ اس سے کون سی اہم بات کرنا چاہتا تھا۔

اسی وقت تیمور کے نائب سردار جاکو برلاس نے آ کر تیمور کو مطلع کیا کہ محمد بیگ نے اس کی جان بخشی کی پیش کش ٹھکرا دی ہے اور محل حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

تیمور کو سخت غصہ آیا۔ اس نے محمد بیگ کو بڑی فراخدلی سے پیش کش کی تھی کہ اگر وہ اطاعت قبول کر لے تو محل میں موجود باقی تمام لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور وہ جہاں جانا چاہیں گے انہیں عزت کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔

تیمور نے حکم دیا کہ آتش گیر مادے سے محل میں آگ لگا کر اسے خاکستر کر دیا جائے۔ تیمور کے حکم سے آتش گیر مادے کی دو سو ٹوکریاں، محل کے روشن دانوں کے ذریعے اندر پھینکی گئیں۔ اس سے محل کے ایک حصے میں آگ بھڑک اٹھی۔

تیمور اور اس کے سردار دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ آگ لگنے سے محل والوں میں کھلبلی مچ گئی اور کسی نے سفید کپڑا نیزے پر چڑھا کر محل کی چھت پر بلند کر دیا لیکن محل کا دروازہ بند تھا اس لیے کچھ نہ کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاسکتا تھا۔

اسی دوران کسی طرف سے ایک عورت بھاگتی ہوئی آئی اور تیمور کے پیروں میں گر کر گڑگڑانے لگی:

"سردار! خدا کے لیے محل میں آگ نہ لگوایئے۔ گناہ گاروں کے ساتھ بے گناہ بھی مارے جائیں گے۔"

تیمور نے اسے تسلی دی اور حواس درست کر کے بات کرنے کا حکم دیا۔ عورت نے قدموں سے سر اٹھایا تو ایک طرف سے سربالی کے شوہر کی آواز آئی۔ یہ بڑھ کر بیوی کے پاس پہنچ گیا۔

"نوبیہ کہاں ہے سربالی؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"نوبیہ تہ خانے میں ہے۔"

سربالی نے روتے ہوئے بتایا:

"سردار تیمور کو کسی طرح روکو۔ اگر محل جل گیا تو نوبیہ بھی ختم ہو جائے گی۔"

تیمور یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس نے پوچھا:

"نوبیہ کون ہے؟ تم لوگ اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"محترم سردار!"

سربالی کے شوہر نے کہا:

"یہ میری بیوی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی کوششوں سے ایک برلاس لڑکی کو محمد بیگ اور امیر موسیٰ سے بچا کر محل کے تہ خانے میں چھپا رکھا ہے۔ محل جل گیا تو وہ لڑکی بھی مر جائے گی۔"

تیمور نے حکم دیا کہ محل میں مزید کوئی آتش گیر مادہ نہ پھینکا جائے۔

محل کے ایک حصے میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ محمد بیگ جواب تک بڑی بہادری سے تیمور کے مقابلے پر ہوا تھا، گھبرا گیا۔ محل کی تمام خواتین اسے گھیرے ہوئے تھیں اور اسے اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ آخر محمد بیگ نے محل کا دروازہ کھول دینے کا حکم دیا اور تلوار گلے میں لٹکا کر اپنے بچے کھچے آدمیوں کے ساتھ محل سے نکل کر تیمور کے پاس پیش ہو گیا۔

تیمور نے ایک بار پھر خدا کی کا شکر ادا کیا۔ محل کی تمام خواتین اور دیگر لوگوں کو امیر موسیٰ کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ صرف محمد بیگ کو کچھ دنوں کے لیے قلعے میں رکنے کا حکم دیا۔

تیمور نے سربالی اور اس کے شوہر کو حکم دیا کہ محل میں جا کر برلاس لڑکی کو تہ خانے سے نکال کر اس کے سامنے پیش کریں۔ ان کی مدد کے لیے اس نے رسالدار وہف کو ان کے ساتھ کر دیا۔

سربالی اور اس کا شوہر، وہف کو ساتھ لیے تیزی سے محل میں داخل ہوئے۔ محل میں لگی ہوئی آگ

تیمور کے حکم سے بجھانا شروع کر دیا گیا تھا۔ سربالی نے اندر پہنچ کر تہ خانے کا دروازہ کھولا اور نوبیہ کو آواز دی۔ نوبیہ تہ خانے کا زینہ چڑھ کر بھاگتی ہوئی اوپر آ گئی۔

جب اس کی نظر رسالدار وہف پر پڑی تو اس کا منہ حیرت سے کھل گیا:

"فہید.... تم....." نوبیہ کی زبان سے بمشکل نکلا۔

"اور تم..... ارابینہ ہو....." جواب میں وہف نے کہا۔

چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر دوڑ کر ایک دوسرے سے مل گئے۔ سربالی اور اس کے شوہر کے لیے یہ منظر بڑا دلچسپ اور حیرت انگیز تھا۔ حیرت انگیز اس لیے کہ دو اجنبی ہستیاں ان کے سامنے یک جان دو قالب بنی کھڑی تھیں اور دلچسپ اس لیے کہ نوبیہ نے وہف سے الگ ہو کر، حیا سے نظریں جھکاتے ہوئے کہا تھا:

"سربالی! یہ میرے شوہر فہید ہیں جن کی تلاش میں میں یہاں آئی تھی..... میرا اصل نام ارابینہ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوتا کی چوری

یہ شاہ شوش کی خیمہ گاہ تھی۔ سو سے زیادہ خیمے، پہاڑی ڈھلوان پر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ کا خیمہ ذرا بلندی پر نصب تھا۔ رات کا آخری پہر تھا لیکن چودھویں کے چاند کی آمد کی وجہ سے ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ مشعلیں بجھا دی گئی تھیں۔

داراب چھریرے کو کپڑے سے پوشیدہ کیے ہوئے گھنے درختوں کی آڑ لیے آہستہ آہستہ شاہ کے خیمے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خیمہ گاہ میں رات دیر تک دور شراب چلتا رہا تھا اس لیے ہر سپاہی اور مرد خیمے کے اندر یا باہر بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔

داراب سپاہیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر شاہ کے خیمے کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس نے زمین پر کر چھرے سے کپڑا اٹھایا۔ کمر سے خنجر نکالا اور خیمے کا پردہ چاک کر کے اندر جانے کا راستہ بنایا۔ داراب اپنے خیال میں بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیا تھا لیکن شاہ کے خیمے میں ایک ہستی اس سے زیادہ باہوش موجود تھی۔ یہ تھی شاہ شوش کی جواں عمر اور خوبصورت بہن ششبیل!

شاہ بڑے شکی دماغ کا تھا۔ اس لیے وہ اپنی بہن کو اکلوتے خیمے میں سلانے کے بجائے اپنے ہی خیمے میں رکھتا تھا۔ شاہ کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنی بہن کی اچھی طرح حفاظت کر سکے گا لیکن وہ ہر رات اس کثرت سے پیتا تھا کہ اسے بے ہوشی کی حالت میں خیمے تک پہنچایا جاتا اور اس کی بہن ششبیل کو اپنی حفاظت کے ساتھ اپنے بھائی کی بھی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔

وہ تمام رات جاگ کر سویرا کر دیتی تھی!

ششبیل اس وقت بھی جاگ رہی تھی۔ اس نے خیمے کی پشت پر کھٹکا محسوس کیا تو فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ خیمے میں صرف ایک شمع روشن تھی۔ اس کی مدھم روشنی میں ششبیل کو کچھ نظر نہ آیا۔ اس وقت اسے پھر باہر کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً پاس رکھی ہوئی تلوار اٹھائی اور لڑکھڑاتی ہوئی خیمے کے ایک کونے کے قریب پہنچ گئی۔ اس جگہ کپڑے سے تبدیل کرنے کے لیے ایک پردہ پڑا تھا۔ ششبیل اس پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اس نے تلوار نیام سے نکال لی۔ اب وہ خطرے سے نپٹنے کے لیے بالکل تیار تھی۔

ششبیل کا خدشہ درست ثابت ہوا۔

خیمے کی پشت میں ایک چاک پیدا ہوا اور اس میں سے ایک گردن نے اندر آ کر خیمے کا جائزہ لیا۔ گردن گھومتی ہوئی جب اس پردے کی طرف ہوئی جس کے پیچھے ششبیل چھپی ہوئی تھی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ چہرہ نہیں بلکہ چودھویں کا چاند ہے جو پردے کے بادل کو ہٹا کر اندر جھانک رہا ہے۔

ششبیل کے لیے یہ صورت قطعی غیر مانوس تھی لیکن چہرے کا مردانہ حسن و وجاہت کچھ اس قدر پُرتاثیر تھا کہ ششبیل اسے دیکھنے میں محو ہو گئی۔

ششبیل پر محویت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ داراب خیمے کے چاک سے اندر داخل ہو کر زمین پر بیٹھے بیٹھے شاہ شوش کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

یکایک ششبیل کو خطرے کا احساس ہوا۔ وہ پردے سے نکلی اور دبے پاؤں آنے والے کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی تلوار بلند تھی اور وہ انتظار کر رہی تھی کہ آگے آنے والے نے اس کے بھائی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ ایک ہی وار میں اس کا سر قلم کر دے گی لیکن وہ سخت تعجب میں تھی کہ آنے والے کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا۔ نہ نیزہ نہ تلوار۔ اس نے اپنا خنجر بھی نکال کر کمر کے اندر کی جیب میں رکھ لیا تھا۔ وہ شاہ شوش کے سرہانے بیٹھا دائیں بائیں نظریں دوڑا کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ آخر داراب کی نظر شاہ شوش کے دائیں بائیں رکھے دو صراحی کے پیالوں پر پڑی۔ یہ پیالے زمین پر اوندھے رکھے ہوئے تھے۔

داراب نے ہاتھ بڑھا کر ایک پیالے کو سیدھا کیا تو اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ سونے کے اس پیالے کے نیچے شاہ شوش کا پتھر کا خدا "ربّ شوش" پڑا تھا۔ پتھر کی ٹیڑھی میڑھی مورت کو ترکمانوں کا یہ قبیلہ اپنا ارباب مانتا تھا۔ اس ربّ کے علاوہ دوسرے پیالے کے نیچے ایک اور مورتی تھی جو ربیہ کہلاتی تھی۔

ترک، ترکمان، منغل اور تاتاری، یہ سب کے سب ایک ہی نسل کی مختلف قومیں تھیں۔ ان کا اصل وطن منگولیا کے اوپری صحرا اور جھیلیں تھیں جہاں سے مختلف زمانوں میں یہ لوگ جنوب اور جنوب مغرب میں آ کر آباد ہوتے رہے تھے۔ عام طور سے یہ لوگ بت پرست تھے۔ بعض قبائل چاند، سورج، دریا، بجلی اور بادل وغیرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بھی سجدہ کرتے تھے۔

تیمور کے زمانے میں ان میں سے اکثر قبائل نورِ اسلام سے منور ہو چکے تھے لیکن سمرقند کے شمال میں سینکڑوں ایسے قبیلے موجود تھے جن کا مذہب بت پرستی تھا۔

داراب نے سونے کے پیالوں کو الگ رکھ دیا اور شوش کے رب اور ربیہ کی مورتیوں کو اٹھا کر احتیاط سے اپنے لمبے کوٹ نما کرتے کے اندر کی جیبوں میں رکھ لیا۔

شششپل کو یہ اندازہ ہو گیا کہ آنے والا چوری کی نیت سے نہیں آیا ورنہ وہ پہلے سونے کے پیالوں پر ہاتھ صاف کرتا۔ اس کے بجائے اس نے پتھر کی مورتیاں اٹھائی تھیں لیکن اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ان کو چرانے سے اس خوبرو نوجوان کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

داراب اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد بیٹھے ہی بیٹھے پیچھے کی طرف کھسکنے لگا لیکن فوراً ہی اسے اپنے پہلو میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس نے گھبرا کر مڑ کر دیکھا۔ شششپل فرشتۂ اجل بن کر اس کے سر پر کھڑی تھی اور اس کی تلوار کی نوک اس کے پہلو تک پہنچی ہوئی تھی۔

داراب کا خون خشک ہو گیا اور منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تمہاری سزا موت ہے۔ تم نے چوری کی ہے۔" شششپل نے انتہائی کوشش کی کہ اپنی آواز میں پیدا کرے مگر ناکام رہی۔

"نہیں۔ میں چور نہیں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے داراب نے خوفزدہ نظروں سے شاہ شوش کی طرف دیکھا جو فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔

"شاہ کی فکر نہ کرو۔"

شششپل نے لہجے کو کرخت بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"یہ کل دوپہر تک اسی طرح پڑے رہیں گے۔ میں تمہیں چوری کی سزا دوں گی۔ تمہیں قتل کر دوں گی۔ نہیں جانتے کہ میں شاہ شوش کی بہن شششپل ہوں اور رات کو ان کی حفاظت کرتی ہوں۔"

اس گفتگو کے دوران داراب کی نظریں شششپل کے سراپا کا جائزہ لیتی رہیں۔ شششپل خاموش ہوئی تو داراب نے اس کے سامنے بڑے ادب سے سر خم کر دیا۔ بولا:

"اے حورِ ارمنی! میں چور نہیں ہوں۔"

"لیکن تم خیمے کا پردہ چاک کر کے اندر آئے ہو۔ کسی خیمے میں داخل ہونے کا یہ طریقہ تو صرف وہ لوگ

کرتے ہیں جن کی نیت صاف نہ ہو اور جس کی نیت صاف نہ ہو اسے فوراً قتل کر دینا چاہیے۔"

"بے شک!"

داراب اطمینان سے بولا:

"میں واجب القتل ہوں لیکن اگر تم مجھے صفائی کا موقع دے کر ایک بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہیں کرنا چاہتیں تو خیمے سے باہر چلو۔ یہاں شاہ کے ہوش میں آنے کا خطرہ ہے۔ اگر میں نے اسی جگہ خود کو بے قصور ثابت کر دیا اور اس دوران میں شاہ کی آنکھ کھل گئی تو وہ مجھے فوراً قتل کر دیں گے اس صورت میں بھی قتل کی ذمے دار تم ہی ہو گی۔"

شششپل تذبذب میں مبتلا ہو گئی۔ پھر خیمے کے دروازے پر گئی۔ باہر جھانک کر دیکھا۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ شاہ کے چاروں محافظ نشے میں چور بے سدھ پڑے تھے۔

"تم نے خیمے کا پردہ کس چیز سے چاک کیا تھا؟" شششپل نے واپس آ کر سوال کیا۔

"خنجر سے!" داراب نے کرتے کے اندر ہاتھ ڈالا۔

"وہ میرے حوالے کر دو۔"

داراب نے خنجر شششپل کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ میرے ہاتھ۔"

شششپل نے خنجر لے کر دروازے کی طرف اشارہ کیا اور داراب کو ساتھ لے کر خیمے سے باہر آ گئی۔ اس نے باہر آنے کے لیے خیمے کے دروازے کے بجائے پردے کے اسی چاک کا راستہ اختیار کیا جو داراب نے خنجر سے بنایا تھا۔

باہر نکلتے وقت وہ بڑی احتیاط کے ساتھ پہلے خود نکلی۔ پھر داراب کو باہر آنے کا حکم دیا۔ باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ شششپل اسے لیے درخت کے نیچے پہنچی۔ درخت کے پتوں اور شاخوں سے چاندنی چھن چھن کر آ رہی تھی اور وہ ایک دوسرے کے چہرے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

شششپل نے اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ داراب ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"اب بتاؤ تم نے ربِ شوش اور ربیہ کی مورتیاں کیوں چرائی ہیں؟" شششپل نے اب کے بڑا تحکمانہ انداز اختیار کیا۔

"اے حورِ صورت شششپل! میں نے تمہارے رب اور ربیہ کی مورتیاں ضرور اٹھائی ہیں لیکن میری نیت صاف ہے اور میرے اس عمل میں نیکی اور خیر کا ایک پہلو پوشیدہ ہے۔" داراب نے بڑے مہذب انداز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی صفائی پیش کی۔

"مگر تم ہمارے رب اور ربیہ کو کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

"خوبصورت لڑکی! میں دونوں قبیلوں کی جنگ روکنا چاہتا ہوں۔"

داراب نے کہنا شروع کیا:

"میرا خیال ہے کہ اگر تم نے مجھے ان خداؤں کو لے جانے کی اجازت دیدی، تو میں انہیں دریا میں ڈال کر ان کے واسطے سے جنگ رکوا سکوں گا۔"

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکی۔"

ششبیل الجھتے ہوئے بولی:

"ایک تو اس وقت کوئی جنگ نہیں ہو رہی۔ دوسرے یہ کہ جنگ کا خداؤں سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو رب ہیں۔ ان کی برکتوں سے ہم نے اب تک تمام لڑائیوں میں فتح حاصل کی ہے۔"

"میرا مطلب صاف ہے ششبیل!"

داراب بولا:

"شاہ شوش یہ لشکر لے کر قبیلہ چوغان کو تباہ کرنے جا رہا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں میں جنگ ہو۔"

"شاید تمہارا تعلق چوغان قبیلے سے ہے اور تم اپنے قبیلے کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو۔" ششبیل میں طنز پیدا ہو گیا۔

"میں چوغان نہیں ہوں۔"

داراب نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

"اگر تم شاہ شوش کی واقعی بہن ہو تو تمہیں علم ہو گا کہ کچھ دن پہلے شاہ شوش نے سرائل قبیلے کو شکست دے کر ان کے خیمے لوٹ لیے تھے۔ اس لڑائی میں جو سرائلی پکڑے گئے تھے انہوں نے چوغان والوں کے پاس پناہ لی ہے۔ اب شاہ شوش چوغان پر محض اس وجہ سے حملہ کرنے جا رہا ہے کہ چوغان والوں نے ہمیں پناہ دی ہے۔ یہ جنگ ہماری وجہ سے ہو رہی ہے۔"

"تو تم سرائلی ہو!" ششبیل کے لہجے میں اب گہرا طنز پیدا ہو گیا تھا۔

"ہاں۔ مجھے اپنے سرائلی ہونے پر فخر ہے۔" داراب نے سر بلند کر کے کہا۔

"مجھے آج معلوم ہوا کہ سرائلی نہ صرف بزدل ہوتے ہیں بلکہ چور بھی ہوتے ہیں۔" ششبیل

نفرت سے کہا:

"مجھے تم کو قتل کر کے ضرور افسوس ہو گا لیکن اب میں تمہیں کسی صورت زندہ نہیں چھوڑ سکتی۔ تم نے رب اور ربیہ کو چوری کر کے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔"

ششبیل نے بڑی تیزی سے دوبارہ تلوار نکالی۔

"ذرا ٹھہرو ششبیل!"

داراب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا:

"بے شک تم مجھے قتل کر دو لیکن پہلے مجھے یہ ثابت کرنے دو کہ سرائلی نہ تو بزدل ہوتے ہیں اور نہ ہی چور ہوتے ہیں۔"

"تم بڑے دیدہ دلیر معلوم ہوتے ہو۔"

ششبیل نے تلوار کو لہراتے ہوئے کہا:

"میرے منہ پر جھوٹ بول رہے ہو۔ سنو! تم نے ہم سے شکست کھائی اس لیے بزدل ہو۔ تم نے خیمے میں داخل ہو کر ہمارے رب کو اٹھایا اس لیے چور ہو۔ تم اپنی صفائی میں کیا کہہ سکتے ہو؟"

"ششبیل! میں تمہیں ایک عام لڑکی نہیں سمجھتا اس لیے بتاتا ہوں کہ اگر میں بزدل ہوتا تو تمہارے بھائی شاہ شوش کو سوتے میں قتل کر کے اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا۔"

داراب نے بڑے جوش سے کہا:

"لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر میں ایسا کرتا تو میرا قبیلہ ہمیشہ کے لیے بدنام ہو جاتا۔ میں چور بھی نہیں ہوں ششبیل! چوری کی نیت ہوتی تو سونے کے پیالے اٹھاتا۔ اب بھی اگر تم مجھے مجرم سمجھتی ہو تو آگے بڑھو اور مجھے قتل کر دو۔"

ششبیل سوچ میں پڑ گئی:

"مگر ہمارے خداؤں کو چرانے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟"

"سنو ششبیل!"

داراب پُرسکون لہجے میں بولا:

"جنگ کو جب شاہ شوش کو ہوش آئے گا اور اسے معلوم ہو گا کہ اس کے خدا چوری ہو گئے ہیں تو اسے یقیناً شبہ ہو گا کہ یہ کام چوغان والوں نے کیا ہے۔ وہ فوراً چوغان والوں سے دریافت کرے گا۔ میں اس وقت چوغان والوں کی طرف سے شرط پیش کروں گا کہ اگر شاہ شوش جنگ سے باز آ جائے تو رب اور ربیہ اسے واپس کیے جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا ششبیل! کیا شاہ شوش اپنے خداؤں کو واپس لینے کے لیے جنگ طلبی نہیں کرے گا؟"

"ہاں۔ شاہ بھائی اپنے خداؤں کی واپسی کے لیے جنگ سے باز آجائیں گے لیکن اے سرائیلی! یہ تو بتاؤ کہ اگر میں تمہیں گرفتار کرادوں تو کیا ہوگا؟"

"نادان لڑکی!"

داراب کو جیسے طیش آگیا:

"میں تمہارے نرم و نازک ہاتھوں سے قتل تو ہو سکتا ہوں لیکن تمہارے آدمی مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔" یہ فیصلہ کر کے چلا تھا کہ اگر میں خداؤں کو حاصل کرنے میں ناکام ہوا اور تمہارے آدمیوں نے مجھے گھیر لیا تو میں دیوار پر مار کر خود بھی اپنا خاتمہ کر لوں گا۔ شاہ شوش جیسے ظالم کی غلامی سے موت کہیں زیادہ بہتر ہے۔"

"دیکھو سرائیلی! تم میرے بھائی کی توہین کر رہے ہو۔"

ششبیل برا مناتے ہوئے بولی:

"میرا بھائی جیسا بھی ہے۔ ہے تو میرا بھائی۔ میں اس کی برائی نہیں سن سکتی۔"

"ششبیل!"

داراب نے صاف آواز میں کہا:

"تم خوبصورت ہو۔ میں نے تمہاری تعریف کی۔ شاہ شوش ظالم ہے۔ اسے ہر ایک ظالم ہی کہے گا۔ تم خود ہی انصاف سے کہو کہ اس نے ہمارے سرائیلی قبیلے کو تباہ کر کے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ تمام سرائیلی خانماں برباد ہوئے اور دوسرے قبائل سے پناہ کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے سرائیلی۔"

ششبیل نرمی سے بولی:

"لیکن تمہارے قبیلے کے سردار کی بھی تو غلطی ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ میرے بھائی نے جس رباب بجانے والے کو بلایا تھا اسے ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیتا۔ ایک آدمی کو بچانے کے لیے تمہارے قبیلے کے سردار نے پورا قبیلہ تباہ کروا دیا۔"

"ششبیل! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

داراب نے فوراً جواب دیا:

"میں نے سنا ہے کہ جس کی صورت اچھی ہوتی ہے اس کا دل بھی خوبصورت ہوتا ہے۔ کیا قبیلہ سردار کا

فرض نہیں کہ وہ اپنے آدمیوں کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی اور قبیلے والا تمہارے بھائی سے کہے کہ ششبیل کو اس کے حوالے کر دے تو کیا وہ مان جائے گا؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں مانے گا۔" ششبیل نے اس کی بات کی تائید کی۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میرے قبیلے کے سردار نے اگر داراب کو تمہارے بھائی کے آدمیوں کے حوالے نہیں کیا تو کونسی غلطی کی ہے؟"

ششبیل سوچ میں پڑ گئی۔

داراب پھر بولا:

"داراب قبیلہ سرائل کا سب سے اچھا رباب بجانے والا ہے۔۔۔۔ ترکستان کے تمام قبائل میں اس جیسا رباب بجانے والا اور کوئی نہیں ہے۔"

"کیا اس کا نام داراب ہے؟"

ششبیل نے دلچسپی سے پوچھا:

"تم نے اسے دیکھا ہوگا؟ اس کے رباب بجانے کی تعریف میں نے بھی سنی ہے۔ صورت شکل کیسی ہے اس کی؟ لوگ کہتے ہیں کہ اچھے گانے والے صورت کے اچھے نہیں ہوا کرتے۔"

"خوبصورت شہزادی!"

داراب بولا:

"تم نے شاید قبیلہ سرائل کے لوگوں کو نہیں دیکھا۔ اس قبیلے کے لوگ بڑے وجیہ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔"

"کیا وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے؟"

"ہاں ششبیل!"

داراب مسکرایا:

"اگر تم مجھے خوبصورت سمجھتی ہو تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قبیلہ سرائل کا رباب بجانے والا داراب واقعی خوبصورت انسان ہے اور اب میں یہ بات بھی دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم نے مجھے ان خداؤں کو لے جانے دیا تو دونوں قبیلوں میں جنگ ہرگز نہ ہوگی۔"

اور اگر شاہ بھائی نے پہلے ہی کی طرح خداؤں کے ساتھ داراب کو بھی مانگا تو کیا ہوگا؟" ششبیل نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو میرا خیال ہے کہ داراب خود ہی اس قبیلے میں چلا آئے گا۔" داراب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شششبیل یہ سن کر شرما گئی۔ بولی:

"مجھے داراب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ دونوں قبیلوں میں ملاپ ہو اور جنگ کے بادل ہمیشہ کے لیے چھٹ جائیں۔"

داراب محسوس کر رہا تھا کہ سویرا قریب ہے اور گفت گو میں کافی وقت صرف ہو چکا ہے لیکن شششبیل میٹھی میٹھی باتیں اسے الجھائے ہوئے تھیں۔ اس وقت دور کسی خیمے سے کوئی آدمی نکلا۔ دونوں نے پریشان ہو کر ادھر دیکھا۔

"اچھا سراٹمی۔ اب تم جاؤ لیکن جانے سے پہلے ایک وعدہ کرو۔"

"یہ جان حاضر ہے۔"

داراب نے سر جھکا کر کہا:

"میں ہر طرح کا وعدہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"اچھا تو وعدہ کرو کہ تم مجھ سے پھر ملو گے خواہ دونوں قبیلوں میں جنگ ہو یا صلح ہو جائے۔" شششبیل نے آہستہ سے کہا۔

"وعدہ نہیں کرتا بلکہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں شششبیل۔"

داراب پورے وثوق سے بولا:

"میں تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔"

سویرا قریب تھا اور وہ سپاہی جنہوں نے کم شراب پی تھی بیدار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کئی خیموں سے لوگ نکلنے لگے تھے۔

"اچھا سراٹمی۔ جاؤ تمہیں ربِ شوش کے حوالے کیا لیکن دیکھو اپنا وعدہ نہ بھولنا۔" شششبیل بولی اور ہاتھ سے رخصتی اشارہ کرتے ہوئے صبح کے دھندلکے میں غائب ہو گیا۔

⊙

خوانِ اطلاکی کے اس دور میں دو طاقتیں ایک دوسرے کو زیر کرنے میں مصروف تھیں۔ ایک

شہر سبز کے سردار تیمور کی تھی جو اپنی ہمت اور دور اندیشی کے زور پر علاقے فتح کر رہا تھا اور دوسری طرف اپنے سالے امیر حسین کو برابر پیچھے دھکیل رہا تھا۔

تیمور نے اپنی چالاکی سے قرشی کے قلعے پر قبضہ تو کر لیا تھا لیکن ایک مختصر لشکر کے ساتھ قلعے پر قبضہ برقرار رکھنے میں اسے بڑی دقت پیش آ رہی تھی۔ اس کے ہمدرد قبائلی سرداروں کا لشکر قلعہ سے باہر تھا اور امیر موسیٰ جو اپنی غلطی سے قلعے کا قبضہ کھو چکا تھا اب اس فکر میں تھا کہ تیمور کو باہر سے کوئی مدد نہ مل سکے۔ اس نے قرشی کے قلعے کو گھیر لیا تھا اور اس کی بازیابی کے لیے مسلسل حملے کر رہا تھا۔

تیمور نے قلعے کا دفاع اس قدر مضبوط بنا دیا تھا کہ امیر موسیٰ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور آخر اسے قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر اپنے سردارِ اعلیٰ امیر حسین کے پاس جانا پڑا۔

امیر حسین، قلعہ قرشی کے ہاتھ سے نکل جانے پر بڑا دلبرداشتہ تھا اور اب اس کوشش میں تھا کہ قرب و جوار کے خانہ بدوش ترکمان سرداروں کا تعاون حاصل کر کے تیمور پر ایک بھرپور حملہ کرے۔

مرائل، چوغان اور شوش ایسے ہی خانہ بدوش قبائل تھے جنہوں نے خانہ بدوش زندگی کو خیرباد کہہ کے اب بڑے بڑے علاقوں پر قبضہ کر کے خود کو امیر، سردار یا بادشاہ کہلوانا شروع کر دیا تھا۔ یہ قبائلی آپس میں لڑتے رہتے اور کمزور کو زیر کر کے اس کے علاقے پر قبضہ کر لیتے۔ یہ تمام قبائل اصناماً پرست تھے اور ان سب کا الگ الگ خدا تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے خدا کا نام قبیلے کے نام پر رکھ چھوڑا تھا۔ ان خود تراشیدہ خداؤں کی یہ لوگ پرستش کرتے اور ان کے سامنے قربانی پیش کرتے۔ سب سے اہم قربانی انسانی خون کی ہوا کرتی تھی۔

یہ وحشی قبائل امیر حسین اور تیمور کی جنگوں سے ناواقف نہ تھے لیکن اپنی خودسری کی وجہ سے ان پر توجہ نہ دیتے۔ وہ روایتی جنگ و جدل میں مصروف تھے۔

مرائل قبیلے نے جب شاہِ شوش کے ہاتھوں شکست کھائی تو اس کے بچے کھچے لوگوں نے، جن کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہ تھی، قبیلہ چوغان میں پناہ حاصل کر لی۔ قبیلہ چوغان بھی کچھ زیادہ طاقتور نہ تھا لیکن جب اس نے سرائیلیوں کو پناہ دی اور شاہ شوش، اس جرم میں ان پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو یہ ان کے قبیلے کی انا کا مسئلہ بن گیا اور وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔

داراب ایک ذی شعور جوان تھا۔ اسے جنگ سے زیادہ رباب بجانے سے دلچسپی تھی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ شاہ شوش اس کے محسنوں پر حملہ کرنے آ رہا ہے تو اس کی حمیت نے جوش مارا اور وہ اپنے محسنوں کو بچانے کے لیے میدان میں آ گیا۔

شاہ شوش نے چوغان پر فوج کشی کا یہ بہانہ تراشا کہ چوغان والوں کے پاس داراب نام کا ایک رباب بجانے والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، اسے شاہ شوش کے پاس بھیج دیا جائے کیونکہ داراب کا تعلق مرائل قبیلے سے ہے جو شاہ شوش سے شکست کھا چکا ہے اور اس کے بچے ہوئے لوگ فاتح شاہ شوش کے غلام ہیں۔

اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ مفتوح کی ہر چیز کا مالک فاتح ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ شکست کھانے والے کی یا بادشاہ کی بیوی بھی جنگی قانون کے تحت فاتح کی بیوی ہو جاتی تھی۔

شاہ شوش کو اب داراب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو داراب کا بہانہ بنا کر چوغان قبیلے کو ختم کر کے اس کے علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ چوغان والے داراب کو ہرگز واپس نہ کریں گے کیونکہ اسے وہ پناہ دے چکے ہیں اور پناہ میں آئے ہوؤں کی حفاظت کرنے میں وہ اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔

داراب نے جب دیکھا کہ محض اس کی وجہ سے دو قبیلوں میں جنگ ہوگی تو اس نے شاہ چوغان سے درخواست کی کہ اسے شاہ شوش کے حوالے کر دیا جائے۔

داراب یہ قربانی دے کر جنگ کو روکنا چاہتا تھا لیکن چوغان کے بادشاہ نے اس کی یہ درخواست رد کر دی کیونکہ اس کے خیال کے مطابق داراب کو حوالے کرنے سے چوغان قبیلے کی کمزوری ظاہر ہوتی تھی جس کے بعد چوغان کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ داراب نے اپنے محسن بادشاہ کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد شاہ شوش اور اس کو چرانے کا منصوبہ بنایا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہا۔ اس کے لیے تو یہ چوری ایک پختہ دو کاج بن گئی شوش کے خداؤں کی چوری کے دوران اس کی ملاقات ششبیل سے ہوئی جس کے حسن نے داراب کو اس قدر گرویدہ کر لیا کہ وہ خود ہی شاہ شوش کے پاس جانے کو تیار ہو گیا۔

○

دوسرے دن شاہ شوش حسب دستور دوپہر کے وقت بیدار ہوا۔ اس کی بہن ششبیل پہلے ہی جاگ چکی تھی اور بستر پر پڑی ان خطرات پر غور کر رہی تھی جو خداؤں کی چوری کا راز کھلنے پر پیش آنے والے تھے۔ بڑی آسانی سے داراب کو قتل کر سکتی تھی یا گرفتار کرا سکتی تھی لیکن وہ تو پہلی ہی نظر میں اسے دل دے بیٹھی تھی۔ اب اس سے دوبارہ ملاقات کی آرزو دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔

رات کی تیز اور تلخ شراب کا نشہ دور ہو چکا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کے ششبیل کو دیکھا جس کی آنکھیں خیالات کے ہجوم اور شب بیداری کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ بھائی کو بیدار ہوتے دیکھ کر اس نے

آنکھیں موند لیں۔

ششبیل!"

شاہ شوش نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا:

"میں جانتا ہوں کہ تو صبح ہی سے جاگ رہی ہے اور میرے آرام میں خلل نہ پڑنے کے خیال سے آنکھیں بند کیے پڑی ہے۔ میں تجھ پر بڑا ظلم کرتا ہوں ششبیل۔ تجھے پتہ نہیں کہ مجھے تجھ سے کس قدر محبت ہے۔ تو مجھے دنیا میں سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ میں نے اسی لیے فیصلہ کیا ہے کہ اس سال۔۔۔۔"

شاہ شوش کو اک دم کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ پھر خود بات بناتے ہوئے بولا:

"اس سال قربانی کے موقع پر تجھے دلہن بناؤں گا۔ تیری شادی کر دوں گا۔"

شاہ شوش نے ششبیل کو خوش کرنے کے لیے یہ سفید جھوٹ بولا تھا۔ پروہتوں اور مذہبی پیشواؤں کے کہنے پر وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا تھا کہ اس سال قربانی کے موقع پر وہ اپنی عزیز بہن کے خون کی بھینٹ دے گا تاکہ اس کے خود ساختہ خدا اس سے خوش ہو کر اس کی دولت اور سلطنت میں اضافہ کر دیں۔ اس کی بہن ششبیل کو اپنی ایک وفادار کنیز کے ذریعے ہو گئی تھی لیکن اس نے اس کا اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی جب شاہ شوش نے بات بات پر اس کی شادی کا ذکر کیا تو وہ غریب میں آ گئی اور دل ہی دل میں خبر دینے والی کنیز کو برا بھلا کہنے لگی۔

شاہ شوش سرہانے کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔ سونے کے دونوں بڑے پیالے جن کے نیچے وہ رب اور ربیہ شوش کو رکھا کرتا تھا۔ معمول کے مطابق اوندھے رکھے تھے۔ شاہ شوش صبح بیدار ہونے کے بعد پہلے ان دونوں مورتیوں کو سجدہ کرتا تھا۔ اس کے بعد دنیاوی کاموں میں مصروف ہوتا تھا۔

شاہ شوش نے پہلے اس پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے نیچے ربیہ شوش کی مورتی رکھی تھی۔ ششبیل بھی بستر پر بیٹھی کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ شاہ شوش نے پیالے کا کنارہ پکڑ کر اسے اٹھایا مگر وہ اس قدر حیرت زدہ اور خوفزدہ ہوا کہ پیالہ اس کے ہاتھوں میں لرز کر زمین پر گر گیا۔

شاہ شوش نے بچی کھچی نظروں سے ششبیل کی طرف دیکھا لیکن وہ دل کو سنبھالے آنکھیں بند کیے دو زانو بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے آگے کی طرف اس طرح اٹھے ہوئے تھے جیسے وہ عبادت میں ہی مصروف ہو حالانکہ وہ آنکھوں کے پردوں کی جھری سے شاہ شوش کی بوکھلاہٹ کو دیکھ رہی تھی۔

شاہ شوش نے ششبیل کو عبادت میں مصروف دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر دوسرے پیالے کو اٹھایا مگر اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ بھی کچھ نہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے رب اور ربیہ شوش مٹی بن کر مٹی میں مل گئے ہیں یا زمین نگل لیا ہے۔

"ششبیل!"

شاہ شوش اس قدر خوف ناک آواز میں دھاڑا کہ ششبیل سب کچھ جانتے ہوئے بھی آواز کی دہشت سے اچھل پڑی۔ اس کی غزالی آنکھیں پھیل گئیں۔

"شاہ بھائی! کیا ہوا؟" اس نے پیالوں کی طرف توجہ دیے بغیر بھائی سے پوچھا اور اس کی آواز کانوں میں جھنجھنانے لگی۔

"دیکھتی نہیں ہمارے رب شوش اور ربیہ کہیں گم ہو گئے؟"

شاہ شوش بوکھلا کر خیمے کی ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ معاً اس کی نظر خیمے کے بیچ "چوری چوری۔ خداؤں کی چوری"۔

شاہ شوش چاک میں سر ڈال کر باہر جھانکتے ہوئے چلایا:

"ضرور ضرور یہ چوغان والوں کی حرکت ہے۔ انھوں نے رب شوش اور ربیہ شوش کو چرا لیا ہے۔ میں ایسے کے ٹکڑے کر دوں گا اگر۔۔۔۔"

شاہ شوش نے مشکوک نظروں سے ششبیل کو دیکھا:

"کیا تو بھی شراب پی کے رات بھر سوتی رہی"۔

"نہیں شاہ بھائی"۔

ششبیل لرز گئی:

"میں رات میں کئی بار جاگی تھی۔ پتہ نہیں کب چور آیا؛ لیکن شاہ بھائی! یہ کیسا چور تھا کہ سونے کے چھوڑ گیا اور پتھر۔۔۔۔"

"بکواس نہ کر"۔

شاہ شوش نے اسے زور سے ڈانٹا:

"تو کیا جانے۔ یہ ہمارے خلاف سازش ہے۔ ہم چوغان والوں سے اس کا بدلہ لیں گے"۔

"شاہ بھائی۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے رب اور ربیہ خود ہی کہیں چلے گئے ہوں"۔ ششبیل نے بڑی معصومیت سے کہا اور جواب کے لیے بھائی کو دیکھنے لگی۔

شاہ شوش گھبرا گیا:

"ہاں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن کیوں؟ وہ کیوں چلے گئے؛ کیا ہم نے کوئی بات ان کی مرضی و منشا کے خلاف کی ہے؟"

"مجھے کیا پتہ شاہ بھائی!"

ششبیل نے سادگی سے جواب دیا:

"یہ تو جب وہ واپس آئیں گے تو معلوم ہوگا۔ آپ نے بھی تو ان کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا۔ آپ شراب پی کے ایسے پڑتے ہیں کہ کسی بات کی خبر ہی نہیں رہتی"۔

شاہ شوش غصے میں بھنّایا ہوا باہر نکلا۔ باہر پہرے دار موجود تھا۔ اس کے کانوں میں چوری کی خبر پڑی تھی اور وہ خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔

شاہ شوش نے اس کی گردن پکڑی اور کھینچتا ہوا اندر لے آیا:

"تو سو رہا تھا؛ خیمے میں چوری کیسے ہو گئی؟"

پہریدار کی گردن پہلے ہی دبی ہوئی تھی وہ جواب کیسے دیتا۔ پھر اس کے پاس جواب بھی تو نہ تھا۔ اسے یہ اپنی ہی غلطی معلوم ہوتی کیونکہ وہ خود بھی رات بھر نشے میں دھت رہا تھا۔

ششبیل کو اس پر رحم آ گیا۔ بولی:

"شاہ بھائی! اس غریب کی کیا خطا؛ رب اور ربیہ تو پردہ چاک کر کے گئے ہیں۔ یہ دروازے پہ پہرہ دے رہا تھا، اسے کیسے خبر ہوتی؟"

شاہ شوش نے پہریدار کی گردن چھوڑ دی:

"مگر ششبیل، سوال یہ ہے کہ وہ پردہ چاک کر کے کیوں گئے؟"

شاہ شوش نے ایک نیا سوال اٹھایا:

"انہیں جانا تھا تو دروازے سے بھی جا سکتے تھے؟"

"شاہ بھائی! یہ تو ان کی مرضی ہے"۔

ششبیل نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا:

"دروازے کی طرف سے جاتے تو پہریدار انہیں ضرور دیکھتا۔ ممکن ہے رب شوش پہریدار پر اپنی روانگی ظاہر کرنا چاہتے ہوں۔ ان کی مرضی میں کون دخل دے سکتا ہے؟"

بت پرست قبائل میں خداؤں کی یہ پہلی چوری تھی۔ اس پر طرح طرح کی باتیں اور حاشیہ آرائیاں ہو رہی تھیں کچھ لوگ اسے ایک چوری کی واردات قرار دے رہے تھے لیکن زیادہ کا خیال تھا کہ رب شوش کو کوئی چور ہی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سکتا تھا۔ اگر چہ انہیں ہاتھ لگاتا تو اس کے ہاتھ جل جاتے۔ پرد ہتوں اور صنعتوں نے لوگوں کو یہی باور کرانے کی کوشش کی اور اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ عرب اور ربیعہ کا اس طرح غائب ہو جانا قبیلے کے لیے ایک بڑا نقصان ہے۔ اگر وہ جلدی واپس نہ آئے تو قبیلے پر کوئی بڑی مصیبت آسکتی ہے۔

اسی شام کو ایک اور ایسا واقعہ پیش آیا جس نے شاہ شوش کو حواس باختہ کر دیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ربیعہ شوش واقعی اس سے ناراض ہو کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔

شاہ شوش ابھی اسی الجھن میں گرفتار تھا کہ ایک سوار نے اسے آکر خبر دی کہ موذیر ڈھ سو سوار تیزی سے اس طرف آرہے ہیں۔

شاہ شوش کو پہلے گمان ہوا کہ چوغان والے حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اس نے فوراً اپنے آدمیوں کو تیار کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد شاہ شوش کا ایک اور سوار ہانپتا کانپتا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ یہاں سے نصف فرسخ فاصلے پر تاتاریوں کا ایک بڑا لشکر خیمہ زن ہے۔ اس لشکر کے کچھ سوار مہمانِ رسد کی تلاش میں اِدھر آرہے ہیں۔ لشکر کا نام سن کر شاہ شوش کے اور بھی حواس جاتے رہے۔ وہ چوغان پر حملہ کرنا تو ایک طرف رہا، اپنے رب اور اپنی گمشدگی کو بھی بھول گیا۔ اسے اپنے قبیلے اور اپنی ذات کی فکر پڑ گئی۔ دم کے دم میں تمام خیموں میں یہ خبر پھیل گئی کہ تاتاری سوار حملہ کرنے آرہے ہیں۔ شاہ شوش کے وہ سوار جو چوغان والوں کے مقابلے کے لیے تیار تھے تاتاریوں کا نام سن کر ان کے ہوش جاتے رہے۔

شاہ شوش نے اپنے بڑے بڑے سرداروں کو خیمے میں بلایا اور ان سے صلاح مشورے میں مصروف ہو گیا۔ تاتاریوں کی خانہ جنگی کی خبریں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ شاہ شوش بھی اس سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سردار تیمور اور امیر حسین کے جھگڑے سے دور دور رہے گا لیکن اب تاتاری لشکر کی نئی منزل پر موجودگی اور اس کے سواروں کی اس طرف آمد اس کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ اس نے چوغان والوں پر حملہ کرنے کا غلط فیصلہ کیا ہے کیونکہ وہ اپنے علاقے سے دور اس ویرانے میں پڑا تھا اور اسے اپنے علاقے سے کسی فوری کمک کی توقع بھی نہ تھی۔

ان حالات میں اس نے اپنے سرداروں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ تاتاری دستہ اگر کوئی مطالبہ کرے تو جھگڑا کرنے کے بجائے کچھ لے دے کے انہیں رخصت کر دیا جائے تاکہ وہ تاتاریوں کی آویزش سے دور رہیں اور چوغان پر حملہ کرنے کے بجائے چپ چاپ اپنے علاقے میں واپس چلے جائیں۔

شاہ شوش اور اس کے سردار ابھی کسی فیصلے پر نہ پہنچے تھے کہ ڈیڑھ سو تاتاری سوار اس کی خیمہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ تاتاریوں نے شاہ شوش کے دو جاسوسوں کو ایک گھوڑے پر باندھ رکھا تھا اور ان کی رہنمائی میں وہ یہاں پہنچے تھے۔

شاہ شوش کے سوار مسلح ہو چکے تھے اور تاتاریوں کی اس قلیل تعداد پر آسانی سے قابو پا سکتے تھے لیکن شاہ کو ڈر تھا کہ اگر اس نے مقابلے کی کوشش کی تو کہیں پورا تاتاری لشکر یہاں نہ آپہنچے۔ اس لیے اس نے مصالحت کا فیصلہ کیا اور تاتاری سوار بغیر کسی روک ٹوک کے اس کے خیمے تک پہنچ گئے۔

شاہ شوش انتہائی بد دماغ اور متکبر تھا لیکن تاتاریوں کا کچھ ایسا رعب تھا کہ اس نے اپنے خیمے سے نکل کر تاتاری سردار کا استقبال کیا۔

"شاہ شوش اپنے تاتاری دوستوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔" شاہ نے آگے بڑھ کر تاتاری سردار سے نہایت خندہ پیشانی سے کہا۔

تاتاری سردار، شاہ شوش کا نام سن کر گھبرا گیا۔ وہ کوئی بڑا سردار نہ تھا۔ فوراً گھوڑے سے اترا اور شاہ کے سامنے قدرے خم ہو کر کہا:

"تاتاریوں کا ایک ادنیٰ سردار، شاہ شوش کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے اور شاہ افغانستان، سردارِ اعظم امیر حسین کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔"

سردار نے اپنا ہاتھ آگے کی طرف کر دیا۔ شاہ شوش نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر اپنے خیمے کی طرف چلا۔

خیمے کے دروازے پر پہنچ کر شاہ نے پلٹ کر اپنے ایک سردار کو حکم دیا:

"مہمانوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے اور تمام تاتاری سواروں کے قیام کا بندوبست کیا جائے۔ آج شب تمام تاتاری سوار ہمارے مہمان رہیں گے۔"

"نہیں شاہ!"

تاتاری سردار نے دخل دیا:

"ہم آپ کے شکر گزار ہیں لیکن ہم شب کو قیام نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے شاہ امیر حسین کی طرف سے آپ کے پاس دوستی اور تعاون کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنا کام پورا کر کے لشکر میں واپس جانا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سردار!"

شاہ شوش نے تکلف بھرا لہجہ اختیار کیا:

"آپ کے شاہ کیا سوچیں گے کہ شاہ شوش نے ان کے سواروں کی ایک شب بھی مہمان داری نہ کی۔ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تو صحیح ہے شاہِ محترم!"

تاتاری سردار بولا:

"لیکن ہماری واپسی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارے لشکر میں اس وقت گھوڑوں کی کمی ہے اور کچھ کھانے پینے کے سامان کی بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ شاہ امیر حسین سے دوستی اور تعاون کے لیے تیار ہیں تو ہمیں ضروری سامان مہیا کر دیجیے تاکہ ہم واپس جا کر اپنے شاہ کو آپ کی دوستی اور تعاون کا عملی ثبوت پیش کر سکیں۔" یہ کہتے ہوئے تاتاری سردار نے کنکھیوں سے شاہ شوش کو دیکھا۔

شاہ شوش کو تاتاری سردار کی یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا:

"میں تاتاری بادشاہ سے دوستی پر فخر کرتا ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کے ساتھ ممکن حد تک تعاون بھی کروں۔"

"تو پھر آپ یوں کہیے شاہِ محترم!"

تاتاری سردار لاپروائی سے بولا:

"ہمارے لیے دو سو گھوڑوں اور چار سو بھیڑوں کا انتظام کر دیجیے۔ فی الحال آپ سے اسی قدر تعاون درکار ہے۔ ہاں جنگ کے دنوں میں آپ کو فوجی تعاون بھی کرنا ہوگا۔ غالباً دو سو سواروں کا ایک دستہ آپ آسانی سے مہیا کر سکیں گے۔ شاہ امیر حسین آپ کے اس تعاون سے ضرور خوش ہوں گے۔"

تاتاری سردار نے محسوس کر لیا تھا کہ شاہ شوش رعب میں آ گیا ہے اور اس سے جو کچھ طلب کیا جائے گا وہ بلا پس و پیش دے دے گا اس لیے اس کا انداز تحکمانہ ہو گیا۔ اس نے یہ مطالبہ اس طرح پیش کیا جیسے اس نے شاہ شوش کو مسحور کر لیا ہے اور اب اپنی شرائط پر صلح چاہتا ہے۔

تاتاری سردار نے اس گفتگو کے دوران اپنی نظریں شاہ شوش پر جمائے رکھیں تاکہ وہ اس کے تاثرات اور ردِ عمل سے واقف ہوتا رہے۔

"اچھا اندر تو چلیے۔"

شاہ شوش نے مضمحل آواز میں کہا:

"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ہم بیٹھ کے باتیں کریں گے۔ اس دوران کھانا تیار ہو جائے گا اور جہاں تک ہم سے تعاون ہو سکے گا ہم ضرور کریں گے۔"

شاہ شوش اسے خیمے میں لے گیا۔ اس وقت وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے خاص خاص

درباریوں کو بھی بلا لیا تاکہ جو فیصلہ ہو اس میں سرداروں کا مشورہ بھی شامل رہے۔

شاہ کے سردار جمع ہو گئے تو اس نے سلسلۂ کلام شروع کیا:

"دیکھو تاتاری سردار! ہم شاہ امیر حسین سے تعاون کرنا چاہتے ہیں لیکن جو مطالبہ ہم سے کیا گیا ہے، وہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ ہم لوگ خود اس وقت حالتِ جنگ میں ہیں۔ یوخان قبیلہ ہمارا دشمن ہے۔ ہم سے لڑنے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہمیں خود بہت مشکلات درپیش ہیں۔ آپ شاہ امیر حسین سے ہماری مشکلات بیان کر دیں۔ اگر آپ خواہش کریں تو ہم اپنا سردار آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ وہ شاہ کے دربار میں ہماری نمائندگی اور ترجمانی کرے گا۔"

تاتاری سردار، شاہ شوش کے اس غیر متوقع جواب سے کچھ پریشان ہوا۔ شاہ شوش کا رویہ خیمے کے باہر جارحانہ تھا لیکن اندر آ کے اس نے جیسے چولا بدل لیا تھا۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد تاتاری سردار بولا:

"اس کا مطلب ہے کہ شاہ شوش، ہمارے امیر سے تعاون کے لیے آمادہ نہیں۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہے۔"

شاہ شوش نے فوراً تردید کی:

"ہم کب کہتے ہیں کہ ہم تعاون نہیں کریں گے لیکن اس وقت ہماری بھی مجبوریاں ہیں اور ہمیں خود شاہ امیر حسین تعاون کی ضرورت ہے۔"

تاتاری سردار کے لیے یہ جواب پہلے سے بھی زیادہ غیر متوقع تھا۔ وہ جھلا کے بولا:

"شاہ شوش! آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ تعاون کرنے سے انکار نہیں کرتے لیکن ایک چھوٹے سے مطالبے سے انکار کر رہے ہیں۔"

"ہم نے مطالبے سے بھی انکار نہیں کیا۔"

شاہ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا:

"آپ نے جو مطالبہ کیا ہے ہم اس سے زیادہ جانور پیش کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ بھی ہم سے تعاون کریں۔"

"ہم تعاون کریں؟"

تاتاری سردار نے حیرانی سے پوچھا:

"شاہ شوش تاتاریوں سے کیا تعاون چاہتے ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم شاہ امیر حسین کے لشکر کو کوئی زحمت نہیں دینا چاہتے۔"

شاہ شوش نے تدبر کا بڑا کامیاب مظاہرہ کیا:

"آپ کے ساتھ ڈیڑھ دو سو سوار ہیں۔ اس مختصر جماعت سے آپ ہمارا ساتھ دیں اور ہمارے ساتھ چوغان سے جنگ میں شریک ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہمیں چوغان سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوگا وہ سب آپ کے حوالے کر دیں گے۔ اگر کچھ کمی بیشی ہوئی تو اپنے پاس سے پورا کریں گے۔"

تاتاری سردار بھونچکا رہ گیا۔

وہ شاہ شوش کو محض ایک ہٹھڑ اور جاہل سردار سمجھ رہا تھا لیکن اس نے ایسی صورت سامنے رکھ دی سردار کے لیے اس کا جواب دینا مشکل ہوگیا۔ اسے بہرصورت اپنا وقار بھی برقرار رکھنا تھا۔ بولا:

"شاہ نے جو بات کہی ہے وہ قابلِ غور ہے لیکن اس کا جواب میں تنہا نہیں دے سکتا۔ مجھے اپنے سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے اس سلسلے میں امیر کے پاس خود جا کر گفتگو کرنی پڑے۔"

"تاتاری سردار کا کہنا بالکل درست ہے۔"

شاہ نے اس کی تائید کر دی:

"میں نے بھی اس اہم گفتگو کے لیے اپنے سرداروں کو اکٹھا کیا ہے۔ آپ بھی اپنے ساتھیوں سے کر سکتے ہیں۔ مسئلہ فوجی تعاون کا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو شاہ امیر حسین کا عندیہ بھی معلوم کر لے اس صورت میں میرا قبیلہ ہمیشہ کے لیے آپ کا حلیف ہو جائے گا اور میں اپنے تمام سرداروں کے ساتھ دوش بدوش آپ کے دشمن کا مقابلہ کروں گا۔"

بات یہاں پر آ کر رک گئی۔

شاہ شوش چاہتا تھا کہ تاتاری سردار اس کے ساتھ ہی کھانا کھائے لیکن تاتاری سردار اپنی جگہ پر بے جلد سے جلد اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شاہ شوش سے مشورے کا بہانہ کیا اور چھڑا کر سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔

تاتاری سردار نے جب شاہ شوش کے مشروط تعاون کی تفصیل بتائی تو وہ بھی پریشان ہو گئے کا خیال تھا کہ وہ شاہ شوش کو مرعوب کر کے گھوڑے اور بھیڑیں حاصل کرے گا لیکن شاہ نے تعاون کی رکھی تھی اس میں فائدے سے زیادہ نقصان کا امکان تھا۔ اسے قبیلہ چوغان کی طاقت کا بھی اندازہ نہ تھا لڑائی ہوتی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر شاہ نے تاتاریوں کی مدد سے چوغان دے بھی دی تو کیا پتہ اس جنگ میں کس قدر تاتاریوں کی جانیں ضائع ہو جائیں جبکہ اس وقت سردار ان کے سر پر منڈلا رہا تھا۔

ایسی صورت میں محض ایک امید موہوم پر پرائی آگ میں کود پڑنا کوئی عقلمندی نہ تھی۔ تاتاری سردار نے شاہ شوش کی خیمہ گاہ میں پہنچتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ شاہ کے پاس جتنے سوار ہیں ان پر آسانی سے قابو پانا مشکل ہے۔

آخر یہ طے ہوا کہ کسی باعزت طریقے سے ان وحشیوں سے جان چھڑائی جائے اور خواہ مخواہ ایک اور دشمن نہ پیدا کیا جائے۔

تاتاری سردار کے شاہ شوش کے خیمے سے اٹھ جانے کے بعد شاہ کے سرداروں نے شاہ کی بہت تعریف کی۔ وہ اپنے شاہ کو بہادر تو سمجھتے ہی تھے لیکن اس نے تاتاریوں کے ساتھ جو جنگی چال چلی تھی اس نے سرداروں کے دل میں شاہ کی عزت دوبالا کر دی۔

شاہ شوش بہت مسرور تھا۔ اس کی بہن شمشیبل جو دوسرے خیمے سے کان لگائے تمام گفتگو سن چکی تھی بڑی بے چینی سے بھائی کا انتظار کر رہی تھی تاکہ اسے اس کامیاب جنگی چال پر مبارک باد دے لیکن شاہ شوش اپنے ساتھیوں پر رعب ڈال رہا تھا اور بڑی دور کی ہانک رہا تھا۔

"دشمن کے ہاتھ سے سانپ کو مارنا اسے کہتے ہیں۔"

شاہ شوش نے بڑے غرور سے کہا:

"اگر تاتاری سواروں کی مدد سے ہم نے چوغان کو شکست دے دی تو ہمارے پاس سے کچھ نہ جائے گا سوائے اس کے کہ ہمیں مالِ غنیمت حاصل نہ ہو۔ میں نے یہ بھی سوچ لیا ہے کہ میں تاتاریوں کو آگے رکھوں گا۔ مالِ غنیمت کے لالچ میں جان توڑ کر لڑیں گے۔ انہی کی جانوں کا زیادہ نقصان ہوگا۔"

"شاہ پر دیوتاؤں کا سایہ ہے۔"

یہ بات قبیلے کے بڑے مذہبی پیشوا نے کہی جسے شاہ نے نصیحت کے ساتھ اس مجلس میں شرکت کی دعوت دی تھی:

"یہ بات صرف دیوتا ہی شاہ کے دل میں ڈال سکتے تھے۔"

پروہت نے بالکل درست فرمایا۔"

شاہ کے ایک نائب نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی:

"شاہ پر صرف دیوتاؤں کا سایہ ہی نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے جیسے دیوتا آسمان سے ہماری مدد کے لیے اتر آئے ہوں۔ تاتاری سردار تو شاہ کے سامنے کچھ بول ہی نہیں سکا۔ اس کی تو زبان بند ہو گئی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارے دیوتا!"

شاہ شوش نے ایک ٹھنڈی سانس بھری:

"کاش اس وقت رب اور ربیہ شوش میرے خیمے میں موجود ہوتے۔ پھر تم لوگ دیکھتے کہ یہ تمہارے سامنے کیسے ہاتھ جوڑتے۔ افسوس! وہ ہم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔"

"شاہ اطمینان رکھیں"۔

پروہت نے فوراً ٹکڑا لگایا:

"جب دیوتا مہربان ہو کر آسمان سے اتر آئے ہیں تو رب اور ربیہ کی ناراضگی بھی دور ہو جائے گی۔ پوجا کرتے ہیں۔ وہ زیادہ دن ہم سے ناراض نہیں رہ سکتے۔"

شاہ شوش بے حد خوش ہو کر اپنے خیمے میں گیا تو ششبیل دوڑ کر بھائی کے گلے میں لگ گیا۔ فرطِ مسرت سے بولی:

"شاہ بھائی مبارک ہو۔ ہمارے خداؤں کی ناراضگی دور ہو گئی وہ واپس آ جائیں گے۔"

"کاش ایسا ہی ہو"۔ شاہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کاش نہیں۔ وہ ضرور واپس آئیں گے شاہ بھائی....."

ششبیل نے پورے وثوق سے کہا کیونکہ مرائلی نوجوان اسے یقین دلا گیا تھا کہ وہ رب اور ربیہ کو واپس لائے گا۔

"میرا دل بھی یہی کہتا ہے ششبیل!"

شاہ شوش خوش ہونے کے باوجود خداؤں کے ناراض ہو کر چلے جانے سے پریشان تھا:

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ رب اور ربیہ کے واپس آتے ہی میں ان کے سامنے ایک زبردست قربانی کروں گا۔ ایسی قربانی جو آج تک کسی نے پیش نہ کی ہو۔"

ششبیل نے بھائی کی بات کو اس کی پریشانی پر محمول کیا۔ فوراً بولی:

"ضرور شاہ بھائی! خداؤں کی واپسی ہمارے لیے بڑی برکت کا باعث ہوگی۔ آپ دل کھول کر قربانی میں تو کہتی ہوں آپ قربانی کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دیجیے۔ کیا جانے رب اور ربیہ شوش کل ہی واپس آ جائیں۔"

"یہ تو کیسے کہہ سکتی ہے ششبیل؟"

شاہ نے اسے تعجب سے دیکھا:

"خدا جب ناراض ہوتے ہیں تو اپنے پجاریوں کو جلدی معاف نہیں کرتے۔"

"میرے اس یقین کی ایک وجہ ہے شاہ بھائی۔"

ششبیل نے مسکرا کر کہا:

"آپ سنیں گے تو آپ کو بھی ان کی واپسی کا یقین ہو جائے گا۔"

"کیا۔ کیا وجہ ہے تیرے یقین کی؟"

شاہ بے چین ہو گیا:

"جلدی بتا مجھے!"

"شاہ بھائی! جب آپ برار کے خیمے میں باتیں کر رہے تھے تو میں بہت پریشان تھی۔"

ششبیل نے سنجیدہ سا منہ بنا کر کہنا شروع کیا:

"اسی پریشانی میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے دیکھا کہ رب شوش اور ربیہ شوش میرے خیمے میں آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں..... ششبیل خوش ہو جا۔ ہم نے تیرے بھائی کی خطا معاف کر دی۔ اسے خوشخبری سنا دے کہ ہم بہت جلد واپس آ رہے ہیں لیکن اسے بھی ایک قربانی دینا ہوگی تو اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم نے تیرے لیے ایک نیا گھر منتخب کیا ہے۔ اس گھر میں تو زیادہ خوش رہے گی۔"

شاہ شوش اس کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ ششبیل چپ ہوئی تو بولا:

"اور کیا کہا رب شوش نے؟"

"اور تو کچھ نہیں کہا۔" ششبیل بولی جیسے کچھ یاد کر رہی ہو:

"کچھ دیر دونوں مسکراتے رہے پھر جانے کہاں غائب ہو گئے۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوگا لیکن....."

شاہ شوش نے رک کر ششبیل کو دیکھا:

"لیکن کیا شاہ بھائی؟" ششبیل نے گھبرا کر پوچھا۔

"لیکن یہ کہ تجھے میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

شاہ نے متانت سے کہا:

"خداؤں کی مرضی اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب تو بے چون و چرا میرا کہنا مان لے۔"

"شاہ بھائی!"

ششبیل نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں:

"بھلا میں آپ کی بات سے انکار کر سکتی ہوں۔ آپ کے کہنے سے تو میں جان بھی دے سکتی ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا مطلب ہے کہ تو مجھ سے جدا ہونے پر راضی ہو جائے گی۔"

شاہ شوش اس سلسلے میں شششیل کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پروہتوں نے اس کے دماغ میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اسے اپنی پیاری بہن کی قربانی دے کر خداؤں کو خوش کرنا چاہیے۔ شششیل کے خواب میں قربانی کا ذکر تھا۔ . . . . مزید یہ کہ اسے شششیل کو ہمیشہ کے لیے اپنے سے جدا کرنا ہوگا۔ ان تمام باتوں کو ملا کر اس نتیجے پر پہنچا کہ رب شوش نے بھی شششیل کی قربانی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شششیل نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ کچھ توقف کے بعد بولی:

"شاہ بھائی! تم سے جدائی کے تصور ہی سے میں لرز جاتی ہوں لیکن رب شوش مجھے کسی نے گھر بھیجنا چاہتے ہیں اور آپ بھی اس کے لیے آمادہ ہیں تو میں دل پہ پتھر رکھ لوں گی۔ رب شوش اور آپ کے حکم کو مجھے سر جھکا کر ماننا ہی پڑے گا۔"

"شاباش شششیل شاباش!"

شاہ شوش مسرت سے بھرپور لہجے میں بولا:

"تو نے میرا دل خوش کر دیا۔ اب میں قربانی دے کر خداؤں کی خوشنودی حاصل کروں گا۔" شاہ شوش یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

بہن بھائی کے درمیان قربانی کے مسئلہ پر بڑا وسیع اور تفصیلی گفتگو ہوئی تھی لیکن کتنی عجیب بات تھی کہ دونوں ہی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ شاہ شوش نے شششیل کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ خداؤں کی خوشنودی اور اپنے بھائی کی ترقی کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے پر آمادہ ہو گئی ہے اور اسے قربانی کے وقت شششیل کو سختی نہیں کرنی پڑے گی۔

ادھر شششیل اس لیے خوش تھی کہ اس نے جو فرضی خواب بھائی کے سامنے بیان کیا تھا اس میں بھی جدائی کا ذکر تھا۔ شششیل چاہتی تھی کہ رب شوش کے حوالے سے وہ شاہ شوش کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ اپنے سے جدا کر کے نئے گھر میں جانے کی اجازت دے دے۔ گھر سے اس کی مراد سرائی جوان کا گھر تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ سرائی جوان کے آنے پر وہ کسی ذریعے سے سرائی سے اپنی شادی کا مسئلہ چھیڑے گی۔ مجبور کرے گی کہ وہ رب شوش کے کہنے کے مطابق قربانی دے اور اسے اپنے سے جدا کر کے سرائی جوان کے سپرد کر دے۔

بہرحال:

اس غلط فہمی نے دونوں کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔

تاتاری سردار کھانا کھانے کے بعد دیر تک صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ آخر یہ طے کر کے سو گئے کہ صبح کو کسی نہ کسی طرح ان وحشیوں سے جان چھڑا کر واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ اپنے منصوبے کے مطابق تاتاری سردار نے شاہ شوش سے ملاقات کی۔

شاہ دوپہر تک سویا کرتا تھا لیکن رات کو اس کی بہن شششیل نے اسے یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ اگر اس نے زیادہ شراب پی تو ممکن ہے رب اور بیہ پھر ناراض ہو جائیں اور یہاں آنے کے بجائے کسی اور طرف نکل جائیں۔ شاہ شوش نہ تو اپنے خداؤں کو ناراض کرنا چاہتا تھا اور نہ شششیل کو۔ اس لیے اس نے کم شراب پی اور صبح کو جلدی بیدار ہو گیا۔ جب اسے تاتاری سردار کے آنے کی اطلاع دی گئی تو وہ ملاقات کے لیے تیار تھا۔

اس نے اپنے سرداروں کو بھی بلا لیا تاکہ مسئلے کا فیصلہ ان کے سامنے ہو۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر تاتاری سردار نے کہا:

"شاہ شوش! یہ بتائیے کہ اگر آپ کا کوئی سردار بغیر آپ کی اجازت کے کسی جنگ میں شریک ہو تو آپ اسے سزا دیں گے یا معاف کر دیں گے؟"

"تاتاری سردار! میرے سردار ایسی جرأت کر ہی نہیں سکتے۔"

شاہ نے بلا توقف جواب دیا:

"اور اگر کسی نے ایسی حماقت کر ڈالی تو خواہ وہ فتح حاصل کر کے ہی کیوں نہ آئے میں اسے حکم عدولی کے جرم میں گرفتار کر کے اسے قتل کرا دوں گا۔"

"بے شک ایک بادشاہ اور حاکم کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

تاتاری سردار نے اس کی تائید کی:

"اگر ماتحت سردار اپنی مرضی سے کام کرنے لگیں گے تو اس سے شاہی وقار کو نقصان پہنچتا ہے اور قانون کی راہیں کھل جاتی ہیں۔"

"لیکن تاتاری سردار! تم نے یہ سوال مجھ سے کیوں کیا؟"

شاہ شوش نے الجھتے ہوئے پوچھا:

"کیا تمہارے خیال میں میرے کسی سردار نے اس قسم کی قانون شکنی کی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی نہیں شاہ شوش!"

تاتاری سردار نے ملامت سے کہا:

"دراصل یہی قانون اور یہی حکم ہمارے شاہِ امیر حسین والیِ افغانستان کا ہے۔ ہم دل سے آپ کی چاہتے ہیں لیکن اپنے بادشاہ کی اجازت کے بغیر ہم کسی سے خود جنگ نہیں کر سکتے۔ ہم نے فیصلہ تاتاری خیمہ گاہ میں واپس جا کر اپنے شاہ امیر حسین سے آپ کے حالات بیان کریں گے۔ ہمیں امید ہے ۔ ضرور تعاون کریں گے۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو ہم کم از کم تین سو سواروں کے ساتھ واپ تاکہ آپ کو اپنے دشمن کو شکست دینے میں پریشانی نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے۔"

شاہ شوش بہت خوش ہوا اور اس نے ایک فاتحانہ نظر اپنے سرداروں پر ڈالی:

"آپ واپس جائیں اور اجازت حاصل کر کے جلد لوٹ آئیں۔ جب تک آپ نہیں آئیں گے ہم آگے نہ بڑھیں گے۔"

تاتاری سردار نے کہا:

"دراصل میں شاہ شوش سے درخواست کرنا چاہتا ہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ کہیں یہ اصول خلاف نہ ہو۔"

"نہیں تاتاری سردار۔ آپ اپنی خواہش بیان کریں۔ ہمیں ناگوار نہیں ہوگا۔"

شاہ شوش خود ان کے یہاں زیادہ دیر ٹھہرنے سے پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ انہیں کچھ رخصت کر دیا جائے۔

"شاہ شوش! آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ سامانِ رسد کے لیے نکلے ہیں۔"

تاتاری سردار نے رک کر شاہ کے چہرے کو غور سے دیکھا:

"اگر ہم خالی ہاتھ خیمہ گاہ میں واپس گئے تو شاید امیر حسین ہم پر ناراض ہوں اس لیے ہم آپ سے کرتے ہیں کہ ہمارے مطالبے سے قطع نظر از راہِ دوستی ہمیں کچھ گھوڑے اور بھیڑیں عنایت کر دیں اپنے امیر کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔"

"ہم اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات دل کھول کر کرتے ہیں۔"

شاہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا:

"آپ چلنے کی تیاری کریں۔ ہم پچاس گھوڑے اور ایک سو بھیڑیں آپ کے ساتھ کر دیں گے۔"

بہت بہت شکریہ شاہ شوش کا۔" تاتاری سردار خوش ہو کر بولا اور پھر فوراً ہی اٹھ کے اپنے ساتھیوں میں واپس آ گیا۔

"کیوں! ہم نے کیسا سودا کیا سردار؟" شاہ شوش نے بڑی تمکنت سے سرداروں سے پوچھا۔

"یہ سب آسمانی دیوتاؤں کی مہربانی ہے۔"

ایک پروہت نے کہا:

"ورنہ یہ تاتاری جان کا جنجال ہیں۔ جس سے چمٹ جائیں اس کا خون تک چوس لیتے ہیں۔"

تاتاریوں نے فوراً اپنے گھوڑوں پر کاٹھیاں چڑھائیں اور سوار ہو کر شاہ شوش کو سلام کرنے کے لیے آئے۔ شاہ شوش نے حسبِ وعدہ گھوڑوں اور بھیڑوں کا انتظام کرا دیا تھا۔ یہ جانور تاتاریوں کے حوالے کر دیے گئے۔ اور وہ خوشی خوشی واپس ہو گئے۔

شاہ شوش اور اس کے سردار اپنی جگہ خوش تھے کہ پچاس گھوڑوں اور سو بھیڑوں پر سودا ہو گیا ورنہ تاتاری نہ جانے کیا مطالبہ ٹھہراتے۔

شاہ شوش نے اسی جگہ خیمے لگائے رکھے۔ اسے امید تھی کہ اس کا رب اور ربیہ واپس آئیں گے لیکن جب وہ واپس نہ آئے تو وہ بڑا دل شکستہ ہوا۔ سب سے زیادہ افسوس اور صدمہ ششبیل کو تھا۔ سرائی جوان اپنے وعدے کے مطابق اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ ششبیل جب سوچتی تو اس کا دل بیٹھنے لگتا۔ اس نے بھائی کے سامنے جو دعوا کیا تھا۔ وہ جھٹا پڑ رہا تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے اور دیوتاؤں کی واپسی کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔

شاہ شوش نے اب تک جتنی لڑائیاں جیتی تھیں، رب اور ربیہ کے بت اس کے ساتھ رہے تھے۔ اس کے خیال میں ان تمام لڑائیوں میں اسے بتوں کی برکت کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ آخر خداؤں کی واپسی سے ناامید ہو کر شاہ شوش نے چوغان پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا اور لشکر کو حکم دیا کہ خیمے ڈیرے اکھاڑ کر اپنے علاقے شوش جانے کی تیاری کریں۔

قاعدے کے مطابق نصف سے زیادہ خیمے اکھاڑ کر منزل کی طرف روانہ کر دیے گئے تاکہ جب لشکر وہاں پہنچے تو اسے خیمے تیار ملیں۔ نصف خیموں کے ساتھ شاہ شوش نے اپنے لشکر کے ساتھ وہ رات اسی جگہ گزارنے کا فیصلہ کیا۔ دوپہر سے شام اور پھر رات ہو گئی۔ خیموں کے باہر الاؤ اور اندر مشعلیں روشن ہو گئیں۔

شاہ شوش کا اس رات بہت معمول اداس اور دل برداشتہ تھا۔ اس نے شام ہی سے شراب پینا شروع کر دی حالانکہ اس نے ششبیل سے وعدہ کیا تھا کہ اب زیادہ شراب نہیں پیے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی رات کا پہلا ہی پہر تھا کہ خیمے کے باہر گھوڑے کے دوڑنے کی آواز آئی۔ شاہ شوش نشے میں تھا۔ اسے تاتاریوں کے واپس آنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا اس لیے چوکنا ہو گیا اور بڑھ کر تلوار اٹھا لی۔ ششتبیل نے اور سنبھال لی قبائلی لڑکیاں اور خواتین اہم موقعوں پر مردانہ وار جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔

شاہ شوش باہر نکلنے والا تھا کہ اس کے کان میں پہرے دار کی آواز آئی جو اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ شاہ شوش کے اشارے پر ششتبیل ایک پردے کے پیچھے چھپ گئی۔ شاہ نے پہرے دار کو اجازت دی تو اس کے ساتھ ہی شاہ کا نائب بھی اندر آ گیا۔

"شاہ شوش کو مبارک ہو۔"

پہریدار کے بجائے شاہ کے نائب نے گفتگو کا آغاز کیا:

"ایک جوان کسی دور علاقے سے آیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ رب اور ربیہ شوش کے بارے میں مبارک خبر لے کر آیا ہے۔"

"فوراً بلاؤ اسے۔ تم نے اسے باہر کیوں چھوڑا ہے؟"

شاہ شوش نے شراب کے برتن ایک طرف کر دیے اور آنے والے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی ششتبیل کے دل میں پنکھے سے لگے تھے۔ وہ امید و بیم کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ ایک دل کہتا کہ سرائی جوان نے وعدہ وفا کیا اور آنے والا شوش کے خداؤں کو واپس لایا ہے پھر وہ اس خیال کی خود ہی تردید کر دیتی کیونکہ نائب نے صرف یہ اطلاع دی تھی کہ آنے والے کے پاس خداؤں کی کوئی اہم خبر ہے۔ غرض مخبر یا قاصد کے آنے تک کے یہ چند لمحے ایک بوجھ بن کے ششتبیل کے دل پر اور مسلتے رہے۔

آخر خیمے کا پردہ اٹھا۔

آگے پہریدار تھا۔ اس کے پیچھے شاہ کا نائب اور ان دونوں کے عقب میں وہ تھا جسے دیکھ کر ششتبیل کا دل سینے میں اس زور سے اچھلا کہ اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ عقب میں آنے والا شوش کے خداؤں کا سرائی جوان تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے خیمے میں داخل ہوا تھا اور نظریں نیچی کیے شاہ شوش کی طرف آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔

سرائی جوان اس وقت اپنے قبائلی کپڑوں میں تھا اور ایک بیش قیمت ہیرا اس کی پگڑی میں لگا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں ریشم کا ایک تھیلا تھا اور پشت پر ایک لمبا سا تھیلا تھا جس میں سامان بھرا تھا۔

"تم کون ہو اور کیا خبر لائے ہو؟" شاہ شوش نے سرائی جوان کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اے شاہ عالی مقام! میں قبیلہ چوغان کے سردارِ اعلیٰ کی طرف سے امن، دوستی اور باہمی تعاون کا پیغام لایا ہوں۔ میں قبیلہ چوغان کا....."

"تم ہمارے خداؤں کے بارے میں کیا خبر لائے ہو؟"

شاہ شوش نے اسے درمیان ہی میں ٹوک دیا:

"سب سے پہلے ہمیں یہ بتایا جائے کہ تم یا تمہارا قبیلہ رب اور ربیہ شوش کے بارے میں کیا خبر رکھتے ہیں؟"

"شاہِ محترم!"

سرائی نے نظریں ملائے بغیر کہا:

"آسمانی رب اور ربیہ شوش کے بارے میں ہمارے سردارِ اعلیٰ نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ کے رب اور ربیہ ناراض ہو کر چوغان قبیلے میں تشریف لے آئے ہیں۔"

"چوغان قبیلے میں؟"

شاہ شوش نے حیران ہو کر پوچھا:

"تم لوگوں نے ہمارے خداؤں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

"اے شاہ شوش!"

سرائی نے اطمینان سے جواب دیا:

"ڈیوتا یا خدا آپ کے ہوں یا ہمارے۔ وہ ہم سب کے لیے قابلِ احترام اور لائقِ پرستش ہیں۔ ہمارے قبیلے نے ان کو قربانیاں پیش کیں۔ ان کے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کیا اور آپ کی طرف سے معذرت کر کے ان سے معافی مانگی۔"

"پھر..... پھر کیا ہوا؟" شاہ شوش نے بے چینی سے پوچھا۔

"رب اور ربیہ شوش نے آپ کو معاف کر دیا ہے شاہ شوش!" سرائی نے جواب دیا اور نظریں اٹھا کر شاہ شوش کو دیکھا۔

"ہم چوغان کے سردارِ اعلیٰ کے شکر گزار ہیں۔"

شاہ نے بڑی نرمی سے کہا:

"ہم چوغان سردار کے امن اور دوستی کے پیغام کو قبول کرتے ہیں اور ایسی ہی خواہشات کا ان کے لیے اظہار کرتے ہیں لیکن اب ہمارے خدا کہاں ہیں اور کیا انہوں نے واپسی کے لیے کسی قسم کی قربانی کا مطالبہ کیا ہے؟ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کی خوشنودی کے لیے اپنی عزیز ترین چیز بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"اے شاہِ شوش!"

سرائلی نے اب ذرا رعب سے کہا:

"رب اور ربیہ شوش کو معلوم ہو گیا ہے کہ آپ اور آپ کے قبیلے والے اپنی غلطیوں پر نادم ہیں اور جنگ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کو تیار ہو گئے ہیں۔ اسی لیے وہ بغیر کسی شرط اور قربانی کے واپس آ گئے۔"

"کہاں ہیں ہمارے خدا؟" شاہ نے خیمے میں نظریں دوڑاتے ہوئے دریافت کیا۔

"اے شاہِ شوش!"

سرائلی نے شاہ شوش کے جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

"آپ کی ایک دیرینہ خواہش یہ تھی کہ چوغان قبیلے میں پناہ لینے والا رباب بجانے کا ماہر دارا دربار میں آ جائے اور اسی لیے آپ نے قبیلہ چوغان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آپ کی اس خواہش کے آپ کے خداؤں نے چوغان سردار کو حکم دیا ہے کہ وہ داراب کو آپ کے دربار میں بھیج دے تاکہ دونوں امن اور دوستی کے رشتے مضبوط اور استوار ہو جائیں۔"

"پھر کیا تمہارے سردار نے ہمارے خداؤں کے حکم کی تعمیل کی؟" شاہ نے پوچھا۔

"خداؤں کی نافرمانی کون کر سکتا ہے اے شاہ؟"

سرائلی نے فوراً جواب دیا:

"چوغان کے سردار نے رب اور ربیہ شوش کے حکم کی تعمیل میں نہ صرف آپ کے خداؤں کو عزت کے ساتھ آپ کی طرف واپس کر دیا بلکہ رباب کے ماہر داراب کو بھی ان کے ساتھ کر دیا۔"

"لیکن..... لیکن وہ تو اب تک یہاں نہیں پہنچے؟"

شاہ شوش کو گھبراہٹ پیدا ہوئی:

"وہ چوغان سے کب روانہ ہوئے تھے؟"

"اے شاہ شوش۔ آپ فکر نہ کریں۔"

یہ کہتے ہوئے سرائلی نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے ریشم میں بندھا ہوا ایک بنڈل نکالا اور دوسرے لوگوں کی نظریں ریشمی بنڈل پر جم کر رہ گئیں۔

سرائلی نے بڑی احتیاط سے بنڈل کھولا۔ ریشم میں رب اور ربیہ کی مورتیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ سرائلی نے ان مورتیوں کو آنکھوں سے لگا کر بوسہ دیا پھر وہ شاہ کی طرف بڑھا دیں۔

"لیجیے شاہ شوش۔ سنبھالیے اپنے خداؤں کو۔"

سرائلی نے مورتیاں شاہ شوش کے ہاتھ میں دے دیں۔ شاہ نے بھی مورتیوں کو بوسہ دیا۔ پھر انہیں فرش پر رکھ کر ان کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ شاہ شوش کے نائب اور پہرے دار نے اسے سجدے میں دیکھا تو وہ بھی فوراً سجدے میں چلے گئے۔

سرائلی جوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت سرائلی کی نظر شاہ کی پشت کی جانب لٹکے ہوئے پردے پر پڑی جس میں آہستہ آہستہ لہریں سی پیدا ہو رہی تھیں۔ اس نے پردے کو غور سے دیکھا۔ خیمے میں ہوا نہ تھی اور شمع کی لو بھی سیدھی تھی۔ سرائلی کی نظریں پردے پر لگی تھیں۔ پردہ ذرا سا ایک طرف سرک گیا۔ سرائلی کا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ اسے ششپیل کا چاند سا مکھڑا مسکراتا ہوا نظر آ گیا تھا مگر پھر اسے فوراً ہی نظریں نیچی کرنی پڑیں۔ شاہ شوش سجدے سے سر اٹھا رہا تھا۔

"اے جوان! تو نے ہمارے خداؤں کا جو احترام کیا ہے اس کے لیے ہم تیرے شکر گزار ہیں۔"

شاہ شوش نے دوزانو بیٹھتے ہوئے کہا:

"چوغان سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں رہا۔ ہم اپنے علاقے کی طرف واپس جا رہے تھے لیکن اب ہمیں کوئی جلدی نہیں۔ ہمارے رب اور ربیہ واپس آ گئے ہیں۔ ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اگر تاتاریوں نے اس طرف کا رخ کیا تو رب شوش کی قسم! ہم انہیں عبرت ناک قسم کی شکست دیں گے۔ ہمارے خدا ذرا کا سفر کر کے آئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ کچھ دن آرام کر لیں۔ پھر واپسی کا فیصلہ کریں گے۔"

"شاہِ عالی مقام!"

شاہ کے نائب نے لقمہ دیا:

"ہمارے محسن سرائلی جوان نے خداؤں کی واپسی کے علاوہ کچھ اور بھی کہا تھا۔"

"اور کیا کہا تھا؟" شاہ شوش سوچتے ہوئے بولا۔

"میں بتاتا ہوں شاہ محترم!"

داراب مسکرایا:

"میں نے عرض کیا تھا کہ چوغان سردار نے آپ کی پہلی شرط بھی قبول کر لی ہے اور قبیلے میں پناہ لینے والے سرائلی قبیلے کے داراب کو بھی خدائے شوش کے ساتھ ہی آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ وہی داراب ہے جس کے رباب بجانے کی آج کل تمام قبائل میں دھوم مچی ہوئی ہے اور آپ نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔"

"داراب!" شاہ شوش خوشی سے چلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔ ہم نے یہ نام سنا تھا۔ اس کے رباب بجانے کا ذکر تو آج کل ہر خاص و عام کی زبان پر ہے۔ داراب! اب تک کہاں نہیں پہنچا؟ ایسے ماہر فنکار سے ہمارے قبیلے کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اسے آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ جوان! تم فوراً جاؤ اور اسے لے کر آؤ۔ اگر وہ ہمارے پاس آنے سے خوار ہو تو اسے یقین دلاؤ کہ ہم اسے چوغان قبیلے سے زیادہ عزت دیں گے۔ اس کی ہر خواہش پوری کریں گے۔"

سرائکی جوان نے پشت پر لٹکا ہوا لمبا سا تھیلا اتارا اور شاہ کے سامنے رکھ دیا:

"شاہِ عالی مقام! داراب کی یہ خواہش تھی کہ اسے آپ کے بڑے دربار میں جگہ ملے۔"

اس نے تھیلا کھولا اور اس میں سے ایک رباب نکالا۔ سارنگی کی مانند بنے ہوئے اس ساز کا "نرکنہ" میں بڑا رواج تھا۔

"یہ۔۔۔۔۔ یہ تو رباب ہے۔ کیا یہ اسی ماہر فن کار رباب ہے؟" شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

شاہ شوش نے صحیح اندازہ لگایا۔"

یہ کہتے ہوئے سرائکی جوان نے پشت کے پردے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور سر جھکا کر سے بولا:

"یہ رباب داراب کا ہے اور داراب اس وقت شاہ شوش کے سامنے کھڑا ہے۔"

"تم۔۔۔۔۔ تم داراب ہو۔۔۔۔۔ وہی مشہور فنکار؟" شاہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

شاہ شوش کا نائب اور خیمہ کا پہریدار بھی حیرت بھری نظروں سے داراب کو دیکھنے لگا۔ انہوں نے اور اس کے فن کی بہت تعریف سنی تھی لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اتنا عظیم فنکار خود ہی اس کے آجائے گا۔

داراب نے شاہ کو جواب دینے سے پہلے ایک اچٹتی نظر پردے پر ڈالی۔ اسے محسوس ہوا کہ اور ہنستی ہوئی آنکھیں اس کی طرف بڑی بے تابی سے دیکھ رہی ہیں۔ داراب بولا:

"داراب آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اب یہ شاہ کی مرضی ہے کہ چاہے اسے ہمیشہ کے میں قبول کریں یا ایک بیکار آدمی سمجھ کر ٹھکرا دیں۔"

"تم بیکار آدمی نہیں ہو داراب؟"

شاہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا:

"تمہیں ہم وہ عزت و توقیر دیں گے جس کا تم تصور بھی نہ کر سکو گے۔"

پھر شاہ نے اپنے نائب کو مخاطب کیا:

"ایک عظیم الشان جشن کا انتظام کرو۔ ہمارے رب واپس آئے ہیں اور داراب اپنے فن سے ہمیں خوش کرے گا اور ہم اسے انعام و اکرام سے مالا مال کریں گے۔"

شاہ نے نائب کو کچھ اور ضروری ہدایات دے کر داراب کو اس کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وہ آج بہت خوش تھا۔ لوگوں کے جاتے ہی اس نے پہلے تو رب اور پھر شوش کو سونے کے پیالوں میں ڈھانپ دیا۔ پھر شراب کا پیالہ منگا کر بے نوشی شروع کر دی۔

شششبیل پردے کے پیچھے سے نکل کر اس کے پاس آ گئی تھی۔ وہ بھی اس قدر خوش تھی کہ اس نے بھائی کو شراب پینے سے نہیں روکا اور شاہ شوش نے بہن کی طرف سے ڈھیل پا کر پیالے بھر بھر کر پینا شروع کر دیے اور اس وقت تک پیتا رہا جب تک پیالہ اس کے ہاتھ سے گر نہیں گیا۔

اب شاہ شوش نشے میں دھت بستر پر اوندھا پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ شششبیل اس کے قریب ہی بیٹھی تھی لیکن شاہ کی طرف توجہ دینے کے بجائے وہ اپنے خیالوں میں گم تھی۔

○

شششبیل کو جب یقین ہو گیا کہ شاہ شوش نے اس قدر شراب پی لی ہے کہ کل دوپہر سے پہلے اسے ہوش آنا ممکن نہیں تو وہ خیمے کے دروازے کے پاس گئی اور پہرے دار کو حکم دیا کہ اس کی خاص کنیز کو فوراً بلا کر لائے۔

اس نے پہریدار سے بہانہ کیا کہ اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اور وہ کنیز سے اپنے لیے دوا منگوانا چاہتی ہے۔

خیمے کا پہریدار شششبیل کی کنیز کو آتے جاتے دیکھتا رہتا تھا اور کسی قدر اس کی طرف مائل بھی تھا اس لیے وہ خوشی خوشی کنیز کو بلانے چلا گیا۔

شششبیل کی کنیز کو اس وقت بلاوے پر تعجب ہوا جب یہ دونوں خیمے پر پہنچے تو شششبیل خیمے کے دروازے کے باہر کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ کنیز، شہزادی کو دیکھ کر خوش ہو گئی اور اس کے وسوسے ختم ہو گئے کیونکہ راستے بھر پہرے دار اس سے الٹی سیدھی باتیں کر کے اس کے کان کھاتا رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں کڑ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شتشبیل، کنیز کو ساتھ لے کر خیمے کے ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی اور دیر تک دونوں کھسر پھسر کرتی رہیں۔ پھر کنیز خیمے سے باہر نکلی۔

"کیا تم واپس جا رہی ہو؟" پہریدار نے محبت سے پوچھا۔

"شہزادی کی طبیعت اچھی نہیں۔ میں دوا لے کر ابھی واپس آتی ہوں۔" کنیز نے کچھ اتنی نرمی سے کہا کہ پہریدار کا دل باغ باغ ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ابھی ایک بار اور تمہارا دیدار ہو گا۔"

کنیز قدم بڑھا چکی تھی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ بولی:

"ایک بار نہیں۔ کئی بار۔"

وہ مسکرا دی تو پہریدار کا ریشہ خطمی ہو کر رہ گیا۔

"یعنی آج رات تم خیمے ہی میں رہو گی؟"

"اور کیا تم چاہتے ہو کہ میں شہزادی کو اس حال میں اکیلا چھوڑ کر چلی جاؤں؟" کنیز نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔

"نہیں نہیں!"

پہریدار نے دانت نکال دیے:

"میں چاہتا ہوں کہ تم روز اس خیمے میں رہا کرو تاکہ....."

کنیز ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پہریدار نہ معلوم کس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد کنیز واپس آئی۔ مشکی بل کھاتی اندر چلی گئی۔

ذرا دیر بعد کنیز پھر واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں پیالہ اور دوسرے میں لکڑی کا ایک بڑا گول سا برتن تھا۔ اس طرح کے لکڑی کے برتن شراب رکھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

"اسے سنبھالو۔"

کنیز نے شراب اور پیالہ پہریدار کے حوالے کر دیا:

"چپ چاپ اسے پیتے رہو۔"

"بڑی مہربانی تمہاری!" پہریدار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھ کیا رہے ہو؟" کنیز تنک کر بولی:

"خبردار۔ کوئی آواز نہ ہو۔ شہزادی بیمار ہیں۔"

"اطمینان رکھو۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔" پہریدار سہم گیا۔ اسے ڈر ہوا کہ کنیز کہیں اس سے ناراض نہ ہو جائے۔

"ایک بات کا اور خیال رکھنا۔"

کنیز خیمے میں جاتے جاتے پلٹ کے بولی:

"مجھے ابھی کئی بار باہر جانا پڑے گا۔ شہزادی بیمار ہیں نا۔ تم اب آتے جاتے مجھے مت ٹوکنا۔ چپ چاپ بیٹھے رہنا۔"

کنیز اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اندر چلی گئی۔

پہریدار شراب پا کر خوش ہو گیا تھا۔ کنیز کے جاتے ہی اس نے پیالہ بھرا اور غٹ غٹ پی گیا۔ یہ شراب شاہ شوش کے لیے آئی تھی جو اس کے پینے سے بچ رہی تھی۔ شاہ اعلا درجے کی شراب پیتا تھا جو بہت زیادہ تیز ہوتی تھی۔ پہریدار نے ایک ہی پیالے سے مست ہو گیا۔ دوسرا پیالہ بھرا تھا کہ کنیز پھر خیمے سے نکلی اور تیز قدم اٹھاتی ایک طرف چلی گئی۔ پہریدار شراب پینے میں مصروف ہو گیا۔ کنیز تیز مگر احتیاط سے قدم اٹھاتی، خیمے کی قطاروں کے پاس سے گزر رہی تھی۔

شاہ شوش نے پہلے روانگی کا اعلان کیا تھا اس لیے لوگ صبح کو روانہ ہونے کے لیے تیاریاں کرنے لگے تھے مگر پھر شاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور دوسرے دن جشن کا اعلان کرا دیا۔ جشن کے نام سے لوگ خوش ہو گئے کیونکہ ایسے موقعوں پر انہیں شراب پینے کے علاوہ دوسری بھی تمام بے ہودگیوں کی اجازت ہوتی تھی۔ وہ مطمئن ہو کر اپنے خیموں میں آرام کر رہے تھے۔ جو جاگ رہے تھے وہ الاؤ کے گرد بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شتشبیل کی کنیز کو سب ہی پہچانتے تھے اس لیے کسی نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

کنیز خیمے کی قطاریں گنتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ ایک خیمے کے پاس وہ ٹھہری۔ باہر اندھیرا تھا۔ اندر ایک شمع جل رہی تھی۔ کنیز نے دروازے کے پاس پہنچ کر پیر ادھر ادھر گھمایا جیسے کچھ ٹٹول رہی ہو۔ اس کا پیر ایک چھوٹے پتھر سے ٹکرایا۔ کنیز نے بیٹھ کر پتھر پر ہاتھ رکھا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا تو اس نے آہستہ سے پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

ایک شخص بستر پر چت لیٹا تھا۔ کنیز نے غور کیا۔ شمع کی مدھم روشنی میں اس نے داراب کو پہچان لیا۔ وہ داراب ہی تھا۔ اس کا بھائی داراب۔

"داراب!" اس نے اندر داخل ہو کر آہستہ سے آواز دی۔

داراب چونک کر بیٹھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم..... شششبیل تم!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔ میں ہی ہوں۔" شششبیل مسکراتی ہوئی بولی۔

"لیکن اس وقت۔ کسی نے دیکھا تو نہیں تمہیں؟" داراب نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

"دیکھا کیوں نہیں؟"

شششبیل کے لبوں پہ دلفریب تبسم تھا:

"بہتوں نے مجھے اس طرف آتے دیکھا ہے۔"

"پھر۔ پھر ٹوکا تو نہیں کسی نے؟" داراب کے خوف میں اب تعجب بھی شامل ہو گیا۔

"کوئی ٹوکتا کیسے؟"

شششبیل کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا:

"یہ کپڑے میری کنیز کے ہیں اور وہ میرا لباس پہنے شاہ شوش کے خیمے میں موجود ہے۔"

داراب نے حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"شاہ شوش جاگ پڑے تو کیا ہو گا۔ کنیز یقیناً قتل کر دی جائے گی۔ پھر تم اور میں....." کہتے کہتے رک گیا۔

"ہم دونوں بھی قتل کر دیے جائیں گے۔"

شششبیل نے مسکرا کر اس کی بات پوری کر دی:

"دیکھو داراب! میں بے وقوف نہیں ہوں جو اتنا بڑا خطرہ مول لے کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ کی ایک خاص وجہ ہے۔"

"وجہ کچھ بھی ہو شششبیل!"

داراب نے بھی مستقل مزاجی سے کہا:

"لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ میری سچی محبت کی کشش ہے جو تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔"

"کیا تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے؟"

شششبیل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں:

"اور کیا مجھے حاصل بھی کرنا چاہتے ہو؟"

"شششبیل۔ اگر محبت نہ ہوتی تو میں یہاں آنے کا خطرہ کیوں مول لیتا؟" داراب بڑے جذبا

"میں جانتا ہوں کہ میں تمہیں حاصل نہیں کر سکتا لیکن تمہارے قبیلے میں نہ کر کم از کم میں رہ

نوکر سکوں گا۔ تمہیں دیکھنے سے پہلے میں نے منصوبہ بنایا تھا کہ رب اور ربیہ شوش کے بدلے میں دونوں قبیلوں میں صلح صفائی کرا دوں گا لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اب میری زندگی تمہارے بغیر ادھوری ہے اسی لیے میں تمہارے خداؤں کو لے کر خود آ گیا تاکہ تمہارے قریب رہ کر اپنے دل کو تسکین دیتا رہوں۔"

"داراب۔ یقین کرو کہ میرا بھی یہی حال ہے۔"

شششبیل کہتے کہتے شرما گئی پھر سنبھل کر بولی:

"میں بھی جانتی ہوں کہ شاہ شوش سے تم مجھے حاصل نہیں کر سکتے لیکن اگر تم ہمت کرو اور میرے کہنے کے مطابق کام کرو تو میں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو سکتی ہوں۔"

"کیا ایسا ممکن ہے شششبیل؟"

داراب بے چین ہو کر بولا:

"تمہیں حاصل کرنے کے لیے تو میں جان کی بازی لگا دوں گا شششبیل! بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ جہاں تک ہمت کا تعلق ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں جس طرح میری انگلیاں رباب کے تاروں پر گردش کرتی ہیں۔ اس طرح میرے ہاتھ قبضۂ شمشیر کو حرکت دے سکتے ہیں۔ میں ایک اچھا تیر انداز بھی ہوں شششبیل!"

"تمہیں نہ تلوار کی ضرورت پڑے گی اور نہ ترکش سنبھالنا پڑے گا۔"

شششبیل اطمینان سے بولی:

"غور سے سنو۔ کل جشن ہو گا۔ تم رباب بجاؤ گے۔ شراب کے دور چلیں گے۔ شاہ شوش کا یہ طریقہ ہے کہ جشن کے موقع پر وہ جس سے خوش ہوتا ہے اسے منہ مانگا انعام دیتا ہے۔ تم سے تو وہ پہلے ہی خوش ہے۔ تمہارے رباب سے اور زیادہ خوش ہو گا۔ وہ تم سے پوچھے گا کہ تم انعام میں کیا چاہتے ہو؟ تم کوئی جواب نہ دینا اور رباب کے راگ راگنیوں سے اسے مست کرتے رہنا۔ وہ تم سے بار بار سوال کرے گا۔ جب تم محسوس کرو کہ شاہ بالکل مدہوش ہو گیا ہے اس وقت تم اسے انعام میں مجھے مانگ لینا۔ میرا خیال ہے وہ انکار نہ کرے گا۔ اگر وہ منظوری دے دے تو اس کے سرداروں کو گواہ بنا لینا۔ پھر میں سدا کے لیے تمہاری ہو جاؤں گی۔"

"لیکن شششبیل....."

"انکار نہ کرو داراب!"

شششبیل نے اس کی بات کاٹ دی:

"شاید تمہیں یہ خیال ہو کہ شاہ شوش کے سردار یہ گوارا نہ کریں کہ ان کے قبیلے کی لڑکی دوسرے قبیلے میں جا ہی جائے۔ تم اس طرف سے مطمئن رہو۔ یہ اعتراض مذہبی پیشوا اٹھاتے ہیں لیکن جس وقت شراب کا دور چلے گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو تم اپنے دست اٹھ کے چلے جائیں گے۔ کوئی اعتراض کرنے والا نہ ہوگا۔"

"لیکن ششبیل!"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں داراب۔۔۔۔"

ششبیل نے اس کی بات پھر کاٹی:

"میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔ میں جا رہی ہوں۔ رب اور ربیہ شوش تم پر مہربان ہوں۔ کل اپنا دل مضبوط رکھنا۔"

ششبیل تیزی سے باہر نکل گئی۔

داراب حیران نظروں سے خیمے کے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا رہ گیا!

جشن کی تیاریاں علی الصبح ہی شروع ہو گئیں۔

میدان میں ایک بڑا سا پنڈال بنایا گیا۔ جانوروں اور پرندوں کا گوشت بریاں کیا گیا۔ اس جشن میں تمام شرکت کی اجازت تھی۔ سب کے لیے کھانا تیار کیا گیا۔ فرش کے کنارے کنارے کھڑی کے مٹکے اور پیالے جا گئے۔ دوپہر کو دعوت عام تھی۔

کھانے کے بعد رب اور ربیہ شوش کی مورتیاں پنڈال میں لائی گئیں۔ مورتیاں قالین کے فرش پر رکھی تمام حاضرین نے انہیں سجدہ کیا۔ پھر مذہبی پیشوا مورتیوں کو لے کر ایک خاص خیمے میں چلے گئے جسے عارضی طور پر بنایا گیا تھا۔

پروہتوں کے جانے کے بعد شراب کا دور شروع ہوا۔ شاہ شوش نے مستی کے عالم میں داراب کو طلب کیا اسے رباب چھیڑنے کا حکم دیا۔

داراب کو معلوم تھا کہ جشن کی اصل محفل تو رات کو جمے گی۔ اس نے بڑی خوبی سے شاہ کو یہ باور کرایا کہ دھنیں تو رات کو اپنا رنگ دکھاتی ہیں اس لیے "محفلِ شب" کا انتظار کیا جائے۔ ششبیل اسے یہ بات سمجھا چکی تھی لیکن داراب نے خود ہی رباب کا مسئلہ ملتوی کر دیا۔

شاہ شوش اور اس کے لشکریوں نے دوپہر کا کھانا تو رات تک ہضم کر لیا لیکن ابھی ان کا نشہ پوری طرح

کر محفلِ شب آراستہ ہو گئی۔ پہلے دعوت، پھر رب اور ربیہ شوش کی پوجا اور سب سے آخر میں مے نوشی کا ہنگامہ برپا ہوا۔ داراب حسبِ وعدہ اپنا رباب سنبھالے پنڈال میں پہنچ گیا۔

جس وقت وہ پنڈال میں داخل ہو رہا تھا تو شہزادی ششبیل کی کنیز نے اس کے پاس پہنچ کر آہستہ سے سرگوشی کی:

داراب کی نظر فوراً ایک طرف اٹھ گئی۔ اس طرف ایک خیمہ استادہ تھا۔ یہ خیمہ دوپہر کے وقت وہاں نہیں تھا۔ داراب کی نظر خیمے سے ٹکرائی۔ ششبیل پردے سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے خود یہ خیمہ وہاں لگوایا تھا تاکہ وہ محفلِ نشاط کا منظر بھی دیکھتی رہے اور داراب کو بھی اس کی موجودگی سے تقویت رہے۔

داراب، رباب کا بادشاہ تھا۔ اسے اس ساز پر پورا عبور حاصل تھا۔ پھر آج تو وہ ایک خاص جذبے کے تحت رباب بجانے آیا تھا۔ اس نے رباب چھیڑا تو پوری محفل اس کی دھنوں میں ڈوب گئی۔

کچھ ایسا سماں بندھا کہ لوگوں کو تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ رقاصاؤں کے طائفے بار بار آتے۔ ناچتے اور تھک کے چلے جاتے لیکن رباب کی دھنیں بند ہونے کا نام نہ لیتیں۔

داراب خیمے پر نظریں جمائے رباب بجا رہا تھا۔ شہزادی ششبیل بھی رباب کی دھن پر مست ہو کر از خود تھرکنے لگی تھی۔

رات ڈھلنے لگی لیکن نہ داراب کا ہاتھ رکتا تھا اور نہ سننے والوں میں اکتاہٹ یا بیزاری کے آثار پیدا ہوتے تھے۔ شاہ شوش سر دھن رہا تھا اور تعریف کے ڈونگرے برسا رہا تھا۔ نشے سے اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے آواز بھاری ہو گئی تھی لیکن وہ رباب بند کرنے کا حکم نہیں دے رہا تھا اور داراب اس طرح رباب بجا رہا تھا کہ جیسے اس کے بعد وہ کبھی رباب نہ بجائے گا۔

"داراب!"

آخر شاہ شوش کی نشے میں ڈوبی ہوئی بھاری آواز ابھری۔ رباب کے تار ایک دم رک گئے۔ داراب نے شاہ کی طرف دیکھا۔

"تم نے ہمیں خوش کیا ہے۔ مانگو ہم سے کیا مانگتے ہو؟" شاہ شوش لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔

"شاہِ عالی مقام!"

داراب نے نظریں اونچی کر کے شاہ کو دیکھا پھر اہلِ محفل کو مخاطب کیا:

"حاضرینِ مجلس! شاہ شوش میرے فن سے خوش ہو کر مجھے انعام دینا چاہتے ہیں۔ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں اپنا انعام طلب کروں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں داراب!"

شاہ کا تاب جھومتے ہوئے بولا:

"مانگو۔ تم شاہ سے کیا مانگتے ہو۔ جو مانگو گے ملے گا۔ رب شوش کی قسم! اگر تم اس وقت میرا سر بھی مانگ گے تو شاہ انکار نہ کریں گے"۔

"اے شاہِ عالی مقام!"

داراب نے رباب ایک طرف رکھتے ہوئے ہاتھ باندھ کر کہا:

"آپ بادشاہ ہیں اور میں آپ کے دربار میں سوالی ہوں لیکن سوال کرنے سے پہلے میں یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں شاہ سے جس چیز کا سوال کروں گا وہ مجھے عنایت کی جائے گی"۔

"تو احمق ہے داراب"۔

شاہ نے شراب کا پیالہ دُور پھینکتے ہوئے کہا:

"ہمارے وعدے پر اعتبار نہیں کرتا۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ تیرا سوال خالی نہیں جائے گا"۔

"میں تمام معزز سرداروں کو گواہ بناتا ہوں"۔ داراب نے اہلِ مجلس کی طرف منہ کر کے کہا۔

"ہم تیرے گواہ ہیں داراب"۔ کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

داراب نے خیمے کی طرف دیکھا۔ پھر دل مضبوط کیا اور سر جھکا کے بولا:

"شاہ عالی مقام! چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن آپ نے وعدہ پورا کرنے کا یقین دلایا ہے اور نہ خود دوسری کنیزوں کو لے کر واپس آئی اور شہزادی کو دلہن بنانے لگی۔ دم کے دم میں دونوں دلہن دلہا کے اہلِ مجلس اس کے گواہ ہیں اس لیے میں اپنے انعام میں شہزادی ششپیل کے ساتھ اپنی شادی کی اجازت روپ میں آ گئے۔

ہوں۔ امید ہے کہ شاہ میرا سوال پورا کریں گے"۔

"شہزادی..... ششپیل..... شادی"۔ شاہ شوش کے حلق سے یہ تین الفاظ ہچکیوں کے درمیان تبدیل کر دیا گیا۔

رک کر نکلے۔

داراب سہم گیا۔ اور اسے خطرہ ہوا کہ بس اب آگے اس کے قتل کا حکم ہوگا۔ شاہ شوش سنبل کے

اس نے شراب کا پیالہ منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پی کر بولا:

"داراب۔ جا ہم نے شہزادی کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دیا"۔

سہما ہوا داراب خوش ہو گیا۔

اس کا جی چاہا کہ دوڑ کے شہزادی کے پاس پہنچ جائے۔ اس نے خیمے کی طرف دیکھا۔ ششپیل حیا کے جذبے چہرے پر سجائے پردے سے لگی کھڑی تھی۔

کیا میں یقین کر لوں کہ شاہ نے مجھے شہزادی ششپیل کے ساتھ شادی کی ان گواہوں کے سامنے اجازت دے دی ہے"۔ داراب نے خوشی کے جذبات دباتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ چاہتا تھا کہ بات بالکل صاف اور واضح ہو تاکہ شاہ شوش نشہ اترنے کے بعد انکار نہ کر سکے۔

"ہاں۔ اجازت دی۔ اجازت دی"۔ شاہ شوش شراب کے نشے میں بار بار یہ جملہ دہرانے لگا۔

اب کوئی شک و شبہ نہ رہ گیا تھا۔ داراب۔ بڑی بے خوفی سے شہزادی کے خیمے پر پہنچا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

ان قبائل میں رواج تھا کہ اگر لڑکی کا وارث شادی کی اجازت دے دے تو شادی ہو جاتی تھی۔ کسی مزید تصدیق یا رسم کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

"ٹھہرو داراب!"

شہزادی ششپیل نے کہا:

"پہلے مجھے دلہن تو بننے دو۔ چلو تم بھی دُلہا بنو"۔

شہزادی کی کنیزِ خاص اس کے ساتھ ہی اس خیمے میں موجود تھی۔ اس نے بڑھ کر داراب کا ہاتھ پکڑ لیا:

"چلیے شہزادے! میں آپ کو دلہا بناتی ہوں"۔

کنیز داراب کو دوسرے خیمے میں لے گئی اور چند کنیزوں کو حکم دیا کہ داراب کو فوراً دولہا بنا کر تیار کر دیا جائے

کنیز داراب کے پاس گئی اور اسے لے کر شہزادی کے خیمے میں آ گئی۔ شہزادی کے اس خیمے کو جملہ عروسی

جب کنیز دلہن، دلہا کو تنہا چھوڑ کر واپس ہوئی تو پنڈال میں اب بھی شراب کا دور چل رہا تھا اور آسمان پر

داراب اور ششپیل کی شبِ عروسی کا بھی اختتام ہوا لیکن مسرت کے بجائے ان کے چہروں پر خون کے سائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لرز رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شاہ شوش نے رات نشے کی حالت میں انہیں شادی کی اجازت دی تھی۔ اب اسے ہوش آئے گا تو معلوم نہیں ان کا کیا حشر کرے۔

ششبیل کی کنیز خاص جب ان کے پاس آئی تو ان کی حالت دیکھ کے وہ بھی پریشان ہو گئی۔ اس نے انہیں تسلی دی کہ شاہ نے کسی بھی حالت میں اجازت دی ہو وہ اب اس سے انکار نہیں کریں گے لیکن دل کی کسی طرح تسلی نہ ہوئی۔

صبح سے دوپہر ہو گئی لیکن ان دونوں نے خیمے سے قدم نہ نکالا۔ کنیز کو بھی انہوں نے اپنے پاس روک لیا۔

دوپہر کو جب شاہ کا نشہ ٹوٹا اور اس کے سردار اکٹھے ہوئے تو رات کی محفل کی باتیں شروع ہوئیں۔ سب ہی مدہوش تھے۔ پھر بھی کچھ لوگوں کو ششبیل کی شادی کا ایک ہلکا سا خیال تھا لیکن انہوں نے اپنی طرف سے اس بارے میں کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔

شاہ نے داراب کو محفل میں موجود نہ پایا تو اس کی طلبی کا حکم دیا۔ اب بھی کسی نے زبان نہ کھولی اور داراب کا انتظار کرنے لگے۔

داراب لرزتا کانپتا شاہ کے سامنے آیا۔ جھک کے سلام کیا اور ایک طرف چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ شاہ اس کے لباس پر پڑی تو وہ چونکا۔ داراب کے ریشمی کپڑوں سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"داراب!"

شاہ نے اسے مخاطب کیا تو داراب کانپ اٹھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر شاہ کو دیکھا:

"داراب تیری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا تو رات بھر جاگتا رہا ہے؟"

"جی شاہ عالی مقام!"

داراب نے سہم کے کہا:

"میں تمام رات بیدار رہا ہوں!"

"کیوں۔ تو کیوں بیدار رہا؟ تیرے کپڑوں سے خوشبو بھی آ رہی ہے۔"

"شاہ عالی مقام۔ کیا آپ کو میری شادی کی خبر نہیں"۔ داراب نے جی کڑا کر کے کہا۔

"تیری شادی۔ تو نے ہم سے اجازت کیوں نہیں لی؟ ہمیں کیوں شریک نہیں کیا شادی میں؟"

حیران نظروں سے داراب کو دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"شاہ محترم! میری شادی کل رات ہوئی"۔ داراب واضح لہجے میں بولا۔ "آپ نے خود ہی مجھے

سے شادی کی اجازت دی تھی"۔

"کیا بک رہا ہے نابکار"۔

شاہ شوش چیخ کے بولا:

"تجھے یہ الفاظ منہ سے نکالنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کہاں تو ایک معمولی سا زندہ اور کہاں شہزادی ششبیل! شاہ شوش کی بہن۔ تو ہم پر الزام لگا رہا ہے۔ ہم تیری زبان کٹوا دیں گے"۔

"سنیے شاہ محترم!"

موت سامنے ہو تو انسان بے خوف ہو جاتا ہے۔ اس وقت داراب کا بھی یہی عالم تھا:

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے شہزادی سے شادی آپ کی اجازت کے تحت کی ہے۔ آپ کے تمام سردار اس کے گواہ ہیں"۔

داراب نے امید بھری نظروں سے اہل دربار کو دیکھا۔

"سن رہے ہو تم لوگ۔ یہ کمینہ تم پر بھی الزام لگا رہا ہے"۔ شاہ شوش نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اے شاہ شوش! میں گواہی دیتا ہوں کہ داراب سچ کہہ رہا ہے"۔

شاہ کے نائب نے سر جھکا کر کہا:

"آپ نے خوش ہو کر اس سے انعام مانگنے کو کہا۔ اس نے شہزادی کو مانگا۔ آپ نے شادی کی اجازت دے دی۔ ہم سب اس کے گواہ ہیں۔ ہم جھوٹ بولیں تو ہم پر ربِ شوش کا عذاب نازل ہو"۔

پھر تو ایک ایک کر کے سب سرداروں نے شوش کے نائب کی تائید کی۔ شاہ شوش کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ پھر وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔

"یہ واقعہ کب پیش آیا میرے سردار؟" شاہ نے سر اٹھا کر مضمحل آواز میں پوچھا۔

"کل شب اے شاہ شوش"۔

نائب نے جواب دیا:

"داراب نے ہم سب کو گواہ بنا کر شہزادی سے شادی کی ہے۔ ہم گواہی سے انکار نہیں کر سکتے"۔

شاہ شوش کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ اپنے تمام سرداروں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے داراب کو کوئی سزا نہ دی اور سرداروں کو فوراً رخصت کر دیا۔

پھر اس نے پروہتوں کو اپنے خیمے میں بلایا اور انہیں بتایا کہ کس طرح کل رات اس نے نشے کی حالت میں داراب کو ششبیل کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی تھی۔ مذہبی پیشوا یہ سن کر بہت بگڑے۔ اس دور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر لڑکی غیر قبیلے میں بیاہی جاتی تو یہ قبیلے کی توہین کے مترادف سمجھا جاتا تھا لیکن شادی منسوخ کرنا بھی مشکل تھا کیونکہ اس شادی کے تمام سردار گواہ تھے اور شادی کی منسوخی ان کی توہین تھی۔ وہ بغاوت کر سکتے تھے۔ اس لیے وقت کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

پروہتوں نے شاہ کو یقین دلایا کہ وہ بہت جلد اس کا حل تلاش کر لیں گے جس سے سرداران لشکر بھی ناراض نہ ہوں اور شادی منسوخ بھی ہو جائے۔

پروہتوں کو اپنی روایات برقرار رکھنا تھیں۔ وہ بھلا غیر قبیلے میں شہزادی کی شادی کیسے برداشت کرتے۔ انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ آج رات داراب کو خیمے میں گھس کر قتل کر دیا جائے۔ داراب کے قتل ہونے کا قصہ ختم ہو جائے گا۔ سردار بھی مخالفت نہ کریں گے اور چپ ہو کر بیٹھ جائیں گے۔

شام کو مذہبی پیشواؤں نے داراب کے قتل کے منصوبے کو آخری شکل دے دی اور رات ہوتے پیشوا شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

شاہ اپنی بہن کی اس طرح شادی ہو جانے سے سخت پریشان تھا۔ اس نے دن میں شراب بھی نہیں پی۔ منہ لپیٹے اپنے خیمے میں اکیلا پڑا تھا۔

شششبیل اپنے نئے خیمے میں تھی اور داراب اس کے پاس سجا ہوا بیٹھا تھا۔ بڑے پیشوا نے جب شاہ کے سامنے داراب کے قتل کا منصوبہ رکھا تو جیسے اس کے دل کی مراد بر آئی۔ وہ داراب سے سخت ناراض تھا کہ اس کے خیال میں داراب نے اسے فریب دے کر یہ شادی کی تھی۔

اب مشکل یہ پیش آئی کہ داراب کے قتل پر کسے متعین کیا جائے۔ اگر کسی سردار کا تعاون حاصل کیا تو راز کھل جانے کا امکان تھا اور بغاوت کا بھی امکان تھا۔ اس لیے یہ ذمے داری شاہ نے پروہتوں پر ڈالی۔ اپنے آدمیوں کو شہزادی کے خیمے میں بھیج کر داراب کو قتل کرا دیں۔ بعد کے معاملات شاہ خود سنبھال لے گا۔ شاہ نے پیشوا کے رخصت ہوتے وقت اسے تاکید کر دی کہ صرف داراب کو قتل کیا جائے۔ شہزادی کو کوئی نقصان نہ پہنچے کیونکہ وہ شہزادی کی قربانی دے کر اپنا عہد پورا کرنا چاہتا ہے۔

⊙

یہ داراب اور شششبیل کی شادی کی دوسری رات تھی لیکن دونوں اداس بیٹھے تھے۔ خیمے میں

خاموشی تھی اور ایک نہ معلوم خوف سے وہ بار بار چونک پڑتے تھے۔

ان کا خوف غلط نہ تھا۔ داراب کے قتل کے لیے چار پروہت خنجر اور تلواروں سے مسلح ہو رہے تھے۔

اسی عالم میں شہزادی شششبیل کی کنیز خاص ہانپتی کانپتی خیمے میں داخل ہوئی۔ اسے اس ہیئت میں دیکھ کر ان دونوں کا رنگ اڑ گیا:

"داراب! قتل..... شہزادی کی قربانی..... فیصلہ ہو گیا۔"

کنیز نے سانس سنبھالتے ہوئے کہا:

"جلدی کرو۔ قاتل آ رہے ہیں۔ جنوب کی طرف بڑے پیڑ کے نیچے دو گھوڑے پہنچا دیے گئے ہیں۔ جلدی..... فوراً..... جان بچاؤ داراب!"

داراب اور شششبیل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر داراب جلدی سے شششبیل کا ہاتھ پکڑے خیمے سے نکلا۔ کنیز بھی ان کے پیچھے باہر آ گئی۔

سامنے سے چھ آدمی تیزی سے خیمے کی طرف آ رہے تھے۔ داراب اور شششبیل نے جنوب کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ داراب نے اپنا خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ شششبیل کا ہاتھ اس نے چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ آزادی سے دوڑ سکے۔ داراب شششبیل سے دو قدم آگے تھا۔ تعاقب کرنے والے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں اور زمین میں گڑی ہوئی کھونٹیاں راستے میں حائل تھیں۔

معاً شششبیل کی قمیض کا دامن کسی چیز سے الجھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر گئی۔ داراب چار قدم آگے نکل گیا تھا۔ شششبیل کو گرتے دیکھ کر وہ پلٹا۔ شششبیل چیخی:

"داراب، تم نکل جاؤ۔"

داراب ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس کا دل نہ چاہا کہ شششبیل کو اکیلا چھوڑ کر نکل جائے۔

"داراب! تمہیں میری قسم! اپنی جان بچاؤ۔"

شششبیل کے لہجے میں ہزاروں التجائیں تھیں۔

داراب نے مجبور ہو کر اس کی طرف پیٹھ کی اور بڑے پیڑ کی طرف بھاگنے لگا جو اب زیادہ دور نہ تھا جس وقت پروہت شہزادی شششبیل کو زمین سے اٹھا رہے تھے اس وقت شہزادی کے کانوں میں ایک گھوڑے کے بھاگنے کی آواز آئی۔ اس نے اطمینان کی سانس لی اور خود کو بلا عذر پروہتوں کے حوالے کر دیا۔

داراب کے فرار ہونے سے مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔ شاہ نے تمام لشکر میں یہ خبر پھیلا دی کہ داراب نے شہزادی کے ساتھ بے وفائی کی۔ یہی نہیں بلکہ شہزادی نے دلبرداشتہ ہو کر دنیا کو تیاگ دینے کا ارادہ کیا ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ رب شوش کی خوشنودی کے لیے آگ میں جل کر قربانی دے گی۔

شاہ کے سرداروں کو داراب کی بے وفائی پہ بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے داراب کو بہت لعنت ملامت کی۔ شاہ نے وہاں سے خیمے اٹھانے کا حکم دے دیا۔ کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ تاتاریوں کے دو بڑے لشکر قریب ہی جنگ میں مصروف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ادھر نکل آئے اور خواہ مخواہ کی مصیبت پڑ جائے۔

شاہ نے اگلی منزل پر قیام کیا تو اس نے قربانی کے انتظام کا حکم دیا۔ وہ اپنے علاقے میں واپسی سے پہلے خداؤں کا یہ قرض بھی اتارنا چاہتا تھا۔

خیموں کے سامنے میدان میں دائرے کی شکل میں لکڑیاں چن کر کم و بیش ۱۰ فٹ اونچی گول دیوار اٹھا دی گئی۔ اندر جانے کے لیے ایک چھوٹا سا راستہ رکھا گیا۔ رات ہوتے ہی لکڑیوں میں آگ لگا دی گئی۔

شاہ شوش نے دربار لگایا۔ رب اور ربیہ شوش کی مورتیاں سامنے رکھی گئیں۔ پروہتوں نے جنتر منتر پڑھنا شروع کیے۔ لوگوں میں شراب تقسیم کی گئی اور خداؤں کے سامنے وحشیانہ رقص شروع ہوا۔ ڈھول تاشوں کی آوازوں سے صحرا گونج اٹھا۔

اسی دوران قبیلے کی چار کنواریوں کے ساتھ شہزادی کو لایا گیا۔ سب کو دلہنوں کا لباس پہنایا گیا تھا اور وہ روایتی زیورات پہنے ہوئے تھیں۔

پروہتوں نے ان کی مانگ میں کسی رنگین لعاب کی لکیریں بنائیں اور انہیں قربان کرنے کا حکم دے دیا۔ لڑکیاں لپکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر چیخیں مارنے لگیں۔

شہزادی شنشیل کا دل جیسے دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ بھائی کے ظالمانہ رویے نے اسے دلبرداشتہ کر دیا تھا وہ خود کو مرنے کے لیے تیار کر چکی تھی اس لیے بالکل پُرسکون تھی۔

آگ کے اندر جانے کے لیے جو چھوٹا سا راستہ بنایا گیا تھا، شہزادی سب سے پہلے اس میں داخل ہو گئی۔ دوسری لڑکیوں کو پروہتوں نے دھکے دے کر اندر دھکیل دیا۔ پھر اس راستے کو بھی آگ دکھا دی گئی۔

اب شہزادی اور چاروں لڑکیاں جلتے ہوئے شعلوں کے درمیان سمٹی ہوئی کھڑی تھیں۔ ان کی نظریں کمرے کی دیوار پر تھیں جو کسی وقت بھی گر سکتی تھی۔

شہزادی نے آنکھیں بند کر لیں کیونکہ جلتی ہوئی لکڑیاں گرنا شروع ہو گئی تھیں اور معصوم لڑکیاں بچنے کے لیے ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں مگر کہاں جاتیں چاروں طرف آگ کی دیوار تھی۔

جنگی رقص اپنے عروج پر تھا۔ شراب لنڈھائی جا رہی تھی۔ قربان گاہ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں گھڑسوار شاہ شوش کی خیمہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور شوش قبیلے والوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

شوش قبیلے والے ابھی سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ان کے نصف سے زیادہ آدمی قتل ہو گئے۔ شاہ شوش بھی مارا گیا۔۔۔ کچھ مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ باقی گرفتار کر کے قیدی بنا لیے گئے۔

یہ حادثہ "آناً فاناً" ہو گیا۔

یہ امیر حسین کا شکست خوردہ تاتاری لشکر تھا جو سردار تیمور کے ہاتھوں مارکھا کے بلخ کی طرف پسپا ہو رہا تھا امیر حسین نے پسپائی کے وقت حکم دے دیا تھا کہ راستے کی تمام بستیوں کو تباہ کر دیا جائے اور آدمیوں کو قیدی بنا لیا جائے تاکہ تیمور کو رسد مل سکے اور نہ کام کے آدمی میسر ہوں۔

امیر حسین کا لشکر شاہ شوش کی خیمہ گاہ کو برباد کر کے بلخ کی طرف چل پڑا۔ قربان گاہ سے اب تک شعلے بلند ہو رہے تھے۔ لڑکیوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں اور ان کے جسم خاکستر ہو چکے تھے۔

دوسرے دن سردار تیمور کا لشکر امیر حسین کا تعاقب کرتا ہوا اس جگہ پہنچا۔ تیمور کو جلے ہوئے خیمے اور میدان میں بھری ہوئی لاشیں دیکھ کر دکھ ہوا۔ میدان میں ایک جگہ راکھ کا ڈھیر تھا اور چار جلی ہوئی لاشیں پڑی تھیں۔ لاشوں کے چہرے مسخ ہو چکے تھے لیکن انہیں دیکھ کر یہ اندازہ ضرور ہوا کہ یہ عورتوں کی لاشیں ہیں۔

تیمور نے وہیں خیمے لگانے کا حکم دیا اور چند سوار ادھر ادھر دوڑائے تاکہ وہ قریب کی کسی آبادی سے کسی ایسے شخص کو پکڑ لائیں جو یہ بتا سکے کہ یہ کون بدنصیب لوگ ہیں اور ان پہ کیا افتاد پڑی؟

تیمور کے لشکر کے ساتھ قیدیوں کی ایک بڑی تعداد تھی جن میں زیادہ امیر حسین کے لشکری تھے جو جنگ میں شکست کھانے کے بعد گرفتار کر لیے گئے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جنہیں تیمور کے لشکر نے جاسوس سمجھ کے پکڑ لیا تھا۔ انہی قیدیوں میں شہزادی شنشیل کا شوہر، رباب بجانے کا ماہر داراب بھی تھا۔

داراب شاہ شوش کی خیمہ گاہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا تھا۔ وہ رات بھر گھوڑا دوڑاتا جنوب کی سمت بھاگتا رہا۔ صبح کو اس نے ایک لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تو پیڑوں کی آڑ میں چھپ گیا۔ یہ لشکر امیر حسین کا تھا جو تیمور سے شکست کھا کر بے تحاشا بھاگتا چلا آ رہا تھا۔

لشکر کے نکل جانے کے بعد داراب نے بھی اپنا سفر شروع کیا لیکن شام کے وقت تیمور کے مراول دستے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ تیمور کے سپاہیوں نے اسے جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ داراب بہت چیخا چلایا اور اپنی صفائی پیش کی لیکن سپاہیوں نے اس کی ایک نہ سنی۔

جب تیمور نے پڑاؤ کا حکم دیا تو قیدیوں کو اس جگہ کے قریب رکھا گیا جہاں سے جلے ہوئے خیمے نظر آ رہے تھے۔ پورے لشکر میں یہ بات پھیل گئی کہ تیمور نے اس وجہ سے یہاں پڑاؤ کیا ہے کہ یہاں کسی قبیلے کی چراگاہ کو امیر حسین نے تہس نہس کر دیا ہے اور سردار یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کون سا قبیلہ تھا اور اس کے کتنے آدمی مارے گئے؟

داراب کو جلے ہوئے خیمے صاف نظر آ رہے تھے اور وہ انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ بعض خیمے آدھے جلے تھے اور کچھ خیمے جلنے سے بچ گئے تھے۔

ایک خیمے پر داراب کی نظر پڑی تو وہ زور سے چیخا:

"میرا خیمہ، یہ میرا خیمہ ہے۔"

قیدیوں کا ایک محافظ داراب کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے داراب کی آواز سنی تو چونک کر بولا:

"بڑا آیا خیمے والا۔ تیرے باپ کا خیمہ ہے یہاں؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں محافظ۔"

داراب نے جواب دیا:

"تم مجھے سردار کے پاس لے چلو۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ خیمہ گاہ کس کی ہے۔ میں اس قبیلے کو جانتا ہوں۔"

محافظ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر داراب کا ہاتھ پکڑ کر تیمور کے پاس لے گیا۔ تیمور رسی سے بندھی ہوئی لڑکیوں کے قریب کھڑا افسوس کر رہا تھا۔

داراب نے تیمور کے پاس پہنچتے ہی کہا:

"سردارِ محترم! یہ خیمہ گاہ قبیلہ شوش کی ہے۔ میں اس خیمہ گاہ میں رہ چکا ہوں۔"

"قبیلہ شوش!"

تیمور سوچتے ہوئے بولا:

"اس قبیلے کا نام تو ہم نے پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"یہ جوان ٹھیک کہہ رہا ہے سردارِ محترم۔"

ایک بوڑھا آدمی تیمور کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ اس بوڑھے کو تیمور کے آدمی کہیں سے پکڑ لائے تھے۔ اس نے قریب پہنچ کر ادب سے سلام کیا۔ پھر بولا:

"اے شہر سبز کے امیر تیمور۔ یہ خیمہ گاہ واقعی شاہ شوش کی ہے۔ یہ لاشیں جو آپ دیکھ رہے ہیں، ان کنواری لڑکیوں کی ہیں جنہیں شاہ شوش نے اپنے خداؤں کی خوشنودی کے لیے زندہ آگ میں جھونک دیا مگر وہ ظالم خود بھی نہ بچ سکا اور امیر حسین کے شکست خوردہ لشکر نے ادھر سے گزرتے ہوئے پورے قبیلے کو تہ و بالا کر ڈالا۔"

"ظالم..... کتنا ظالم تھا وہ شخص!" تیمور نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"امیرِ محترم! شاہ شوش تو اتنا ظالم تھا کہ اس نے اپنی سگی بہن کو بھی آگ میں جھونک دیا تھا۔"

بوڑھے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر داراب تڑپ اٹھا۔

"بابا! کیا شہزادی شکیبل بھی آگ میں جل مری؟"

یہ کہتے ہوئے داراب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ بوڑھا داراب کے رونے سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے سردار تیمور سے پوچھا:

"اے امیر! یہ جوان کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟"

تیمور داراب کا نام نہ جانتا تھا۔ اسے تو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ یہ قیدی جاسوسی کے شبے میں گرفتار ہوا ہے۔ تیمور نے داراب کی طرف دیکھا جس کا مطلب تھا کہ وہ خود اس کا جواب دے۔

داراب افسوردگی سے بولا:

"اے امیر! آگ میں جلنے والی شہزادی شکیبل میری بیوی تھی اور شاہ شوش کی بہن۔ میرا نام داراب ہے اور میرا تعلق مراغا قبیلے سے ہے۔"

"داراب!"

بوڑھا زیرِ لب بڑبڑایا پھر تیز آواز میں بولا:

"سردارِ محترم! اگر یہ جوان داراب ہے تو بلاشبہ یہ شہزادی شکیبل کا شوہر ہے۔ یہ غم نہ کرے کیونکہ شہزادی زندہ ہے اور اس وقت میری پناہ میں ہے۔"

یہ نوید سن کر داراب کی سوکھی کھیتی پر جیسے بارش کے چھینٹے پڑ گئے۔ خوشی سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ پھر بوڑھے کے واقعے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"سردارِ تیمور! جب سے امیر حسین نے قلعہ قرشی کے باہر آپ کے ہاتھوں شکست کھائی کہ پسپائی اختیار کی ہے۔ اس وقت سے اس مقام تک اس پسپائی کے دوران جتنے مسلم اور غیر مسلم قبائل اس کی راہ میں آئے ان تمام قبائل کو اس نے تباہ کر کے ان کا سامان چھین لیا اور ان کے جوانوں کو قیدی بنا لیا کیونکہ ان قبائل نے تاتاریوں کی خانہ جنگی میں یا تو غیر جانبداری کا اعلان کیا تھا یا امیر حسین کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں بھی اسی طرح کے ایک مسلم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قبیلہ کافر ہوں۔ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ان پہاڑیوں میں پناہ لے رکھی تھی۔ قبیلہ شوش کو تباہ کرنے کے
جب امیر حسین چلا گیا تو میں پناہ گاہ سے نکل کر اس خیمہ گاہ میں آیا۔ یہاں میری ملاقات شہزادی ششبیل سے ہوئی
معجزاتی طور پر آگ سے بچ گئی تھی۔ اس کے جسم کے کچھ حصے آگ سے جل گئے ہیں۔"

سردار تیمور نے داراب کو آزاد کر دیا اور اس کی بیوی کو پناہ گاہ سے منگوا کر اس کے حوالے کر دیا۔ شہزادی
ششبیل اپنے مسلم محسن کے اخلاق سے متاثر ہو کر پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ داراب بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا
اور رباب کو بالائے طاق رکھ کر تیمور کے سپاہیوں میں شامل ہو گیا۔

سرائے خانم

تیمور اپنا خواب بیان کر رہا تھا۔ وہ بڑے صبر و تحمل کا مالک تھا۔ بڑی سے بڑی پریشانی بھی اپنے چہرے
سے ظاہر نہ ہونے دیتا تھا مگر آج خلافِ معمول اس کی آواز بھرا رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا دل
اندر ہی اندر رو رہا ہو۔

مرحوم بیوی الجائی خاتون کے تصور سے اس کی آنکھیں اکثر بھر آتی تھیں۔ پھر جب کبھی یہ تصور خواب کے
روپ میں ابھرتا تو اس کے دل سے ٹیسیں اٹھنے لگتیں۔

ادھر کئی دن سے الجائی خاتون مسلسل اس کے خوابوں میں یاد بن بھر رہی تھیں۔ رات تو اس نے تیمور
سے باتیں بھی کی تھیں۔ اس نے محسوس کیا تھا جیسے سیستانیوں کو شکست دینے کے بعد وہ ایک پہاڑی مقام پر
اتر گیا ہے۔ اس کا خیمہ ایک بلند مقام پر نصب ہے۔ الجائی خاتون قالین کے فرش پر اس کے سامنے بیٹھی ہے۔
صبا کے سبک جھونکے پہاڑی پھولوں کی خوشبو ہر طرف بکھیر رہے ہیں۔ سامنے کی پہاڑیوں سے ماہتاب سر ابھار
رہا ہے۔ ڈھلے ہوئے آسمان پر بادلوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ تیمور اور الجائی فضا
کی رنگینیوں اور سحر انگیزیوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔

"میرے سرتاج!"

یہ آواز جیسے الجائی خاتون نے خواب سے چونک کر کہا۔ اس کا انداز وہی پرانا اور والہانہ تھا لیکن آواز کرب میں
ڈوبی ہوئی تھی۔

تیمور نے آسمان میں کھیلتے ہوئے ماہتاب سے نظریں ہٹا کر الجائی خاتون کو دیکھا۔ اسے الجائی کی روشن
آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی چمکتے دکھائی دیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم رو رہی ہو الجائی! فرصت کے ان لمحات میں آنسوؤں کا زہر گھونٹنا بہت بڑی بدشگونی ہے!"

"نہیں میرے سرتاج!"

الجائی نے منہ گھما کر آنسو پونچھ ڈالے:

"میری روح پر ایک بوجھ ہے۔ ایک دن ہے۔ مجھے نجات دلا دو اس سے میرے سرتاج!"

"جلد بتاؤ الجائی!"

تیمور بے چین ہو گیا:

"تم میرے گرم و سرد کی شریک ہو۔ جہانگیر کی ماں ہو۔ تمہارے لیے میں ہفت خواں کی مزلیں مار پہاڑوں سے ٹکرا سکتا ہوں۔ تم تو بے آب و گیاہ صحراؤں اور تپتے ہوئے ریگستانوں میں مسکراتی رہی قیمتی موتیوں کو کیوں ضائع کر رہی ہو؟"

"تم نے مجھے سب کچھ دیا۔ اپنا پیار۔ اپنی رفاقت۔"

الجائی خاتون جذباتی ہو گئی:

"یہ آرزو بھی پوری کر دو۔ میرا بھائی امیر حسین خود سر ہے۔ ضدی ہے مگر میرا بھائی ہے۔ اس کی خطا درگذر کر دو۔ اسے معاف کر دو میرے سرتاج۔ میری روح کو آزاد کر دو۔ اس کرب سے مجھے نجات دلا دو!"

الجائی نے آسمان کی طرف دیکھا اور لرزتی ہوئی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی:

"یہ لکا ہمارے ابر و باد کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، درخشاں ماہتاب کو اپنی آغوش میں لینا چاہتے ہیں اس کی تابانی کو سیاہ چادر میں سمیٹنا چاہتے ہیں۔ تم روشن ماہتاب ہو میرے سرتاج! امیر حسین تم پر قابو پا لیں تم اس پر قابو پا لو گے۔ اسے اسیر کر دو گے۔ وعدہ کرو کہ تم اسے قتل نہیں کرو گے۔"

الجائی خاتون کی آنکھوں کے بند ٹوٹ گئے۔

"الجائی!"

تیمور نے الجائی کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا:

"میں نے اسے قتل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس نے بلخ و درخشاں مانگا۔ میں نے اعتراض قزشی جیسے مضبوط قلعے کے لیے سند کی۔ میں نے انکار نہیں کیا۔ وہ غزنی کا حاکم تھا چاہے تو غزنی میں اسے دے سکتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے سرتاج!"

الجائی اب بھی چمکتے چاند کو دیکھ رہی تھی:

"میں دیکھتی رہی ہوں اور اب بھی دیکھ رہی ہوں۔ امیر حسین برابر غلطیاں کر رہا ہے۔ پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ رے ہاتھ سے قتل نہ ہو اور نہ تمہارے حکم سے قتل کیا جائے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ قول دیتا ہوں۔" تیمور نے وعدہ کر لیا۔

تیمور نے رات جو خواب دیکھا تھا، اپنے سرداروں اور ساتھیوں کے سامنے بیان کر دیا۔

ہر شخص دم بخود بیٹھا بڑی توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا۔ اس وقت اس کے خیمے میں خواب سننے کے لیے نے سب ہی سردار بیٹھے تھے۔ پرانے وفاداروں میں جاکو برلاس، امیر ارلات، طرحدا ایلچی بہادر اور شیر بہرام نے امیر جن کی وفاداریاں اور تعاون تیمور کو پچھلے چھ سال میں حاصل ہوئی تھیں ان میں تبتہ سیہ سالار، بیک بک عمر بیٹا بیاتا اور دو مراد بک خلکا امیر حنفائی بہادر تھا۔ حنفائی بہادر ہر وقت چمڑے کا کوٹ پہنے رہتا تھا، کی پشت پر گھوڑے کا ایال لٹکتی رہتی تھی۔ یہ دونوں مغل شہزادے تھے جنہوں نے خانوں کی شکست کے ور سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

ایک اور مغل سردار منگلی بوغا بھی تیمور کا حلیف بن گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر اسے چھ ہزار کا رے دیا جائے تو وہ تیمور کو زندہ گرفتار کر سکتا ہے لیکن جب مغل خاقان الیاس خواجہ خان شکست کھا کر شمال ں بھاگ گیا تو ایک دن یہی حامہ بدوش مغل سردار، تیمور کے خیمے پر پہنچا۔ تیمور اسی طرح دربار لگائے بیٹھا لی بوغا گھوڑے سے اترا۔ اور بغیر اپنا تعارف کرائے تیمور کے سرداروں میں بیٹھ گیا۔ اب وہ یہ کہتا تھا کہ ہ مائگ کھا چکا ہوں کسی اور طرف کا رخ نہ کروں گا۔

سرداروں نے تیمور کی بھرائی ہوئی آواز سے یہ اندازہ لگا لیا کہ تیمور پر اس خواب کا بڑا گہرا اثر ہوا ہے۔ تمام امیر سیہ کے سخت مخالف تھے اور اس کے خاتمے کے درپے تھے۔ امیر حسین شکست پر شکست کھاتا، پسپا ا جا رہا تھا۔ اس کے بہت سے امیر اور سردار اس کا ساتھ چھوڑ کے تیمور کے پاس آ گئے تھے لیکن عقل کا دشمن امیر ب تک اسی طرح اکڑا ہوا تھا اور سمرقند کی حکومت کو اپنا موروثی حق سمجھتا تھا۔

تیمور نے خواب بیان کر کے سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر عمر سیدہ امیر جاکو برلاس نے سکوت کو توڑا:

"اے تاتاری قوم کے عظیم رہنما! خاتون آغا الجائی خاتون وہ عظیم خاتون تھیں جن کی تمام زندگی آپ کے ساتھ جنگ میں گزری۔ وہ ہمارے لیے قابلِ احترام تھیں۔ انہوں نے آپ سے کوئی وعدہ لیا ہے تو آپ اسے ضرور ریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

جاکو برلاس نے تیمور کی خوشنودی کے لیے یہ کہہ تو دیا لیکن وہ جانتا تھا کہ تیمور کے تمام سردار اور امیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر حسین کے خون کے پیاسے ہیں اور ان میں سے جس کے ہاتھ بھی امیر حسین پڑ گیا، وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ خود تیمور کو بھی اس بات کا علم تھا اور اُسی وقت بھی اسے سرداروں کے تیور سے اندازہ ہو گیا تھا کہ برلاس کی بات پسند نہیں آئی۔

"اے تاتاری قوم کے بہادر سپوتو!"

تیمور نے سرداروں کا غصہ کم کرنے کے لیے کہا:

"بے شک تم نے میری جدوجہد آزادی میں بھرپور تعاون کیا ہے اور اب بھی تم وفاداری کا ثبوت دو گے۔ میں نے الجائی خاتون سے عالم رویا میں جو وعدہ کیا ہے اس وعدے اور عہد کی میں تمہارے سامنے تکرار کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اگر امیر حسین گرفتار ہو کے میرے سامنے پیش کیا گیا تو میں نہ تو اسے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا اور نہ اس کے قتل کا حکم دوں گا۔ تم لوگ گواہ رہو اور دعا کرو کہ الجائی خاتون کی روح کو میرے اس سکون اور اطمینان حاصل ہو۔"

"ہم سب دعا کرتے ہیں سردار۔" جاکو برلاس نے بات ختم کرنے کے لیے سب کی طرف سے کہا۔

"اس تجدید عہد کے بعد میں چاہتا ہوں کہ امیر حسین کو صلح کا پیغام بھیجوں۔"

تیمور کی زبان سے یہ نکلنا تھا کہ سرداروں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔

"سردار یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

منگلی بوغا بگڑ کر بولا:

"آپ اسے صلح کا پیغام کیوں بھیجیں۔ شکست امیر حسین کھا رہا ہے۔ اسے چاہیے کہ گھٹنے ٹیک کے سامنے پیش ہو اور آپ سے جان بخشی کی درخواست کرے۔"

"اور کیا سردار!"

امیر حرقا محافی بہادر اپنی ہیٹھ پر گھوڑے کی ایال ٹٹولتے ہوئے بولا:

"اگر وہ آنے میں پس و پیش کرے تو ہمیں حکم دیجیے ہم اسے گھوڑے کی دم سے باندھ کے لے آئیں گے۔"

"سردار! آپ نے اسے بہت معافیاں دی ہیں!"

شیخ علی بہادر نے اپنا غصہ دکھایا:

"جب تک امیر حسین زندہ ہے ملکِ تاتار میں امن و امان نہیں ہو سکتا۔ میں تو اس کی گردن دوں گا سردار!"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا علی بہادر۔" تیمور نے اسے ٹھنڈا کیا: "ہمیں الجائی خاتون کی روح کو بھی خوش رکھنا ہے۔ ہمیں کوشش کرنا ہو گی جس سے امیر حسین مطیع ہو کر راہِ راست پر آجائے۔ میں اسے غزنی کی حکومت پیش کرتا ہوں۔"

"سردار!"

بیک جک کے بیٹے بیان کا خون کھول اٹھا:

"غزنی اور قندھار آپ نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہے۔ امیر حسین کا اب اس پر کوئی حق نہیں۔ اس کی بادشاہت تو پہلے ہی مغلوں نے الٹ دیا تھا۔"

"تحمل سے کام لو بیان۔"

تیمور نے کہا:

"میں نہیں چاہتا کہ تاتاری، تاتاری سے لڑتا رہے۔ اس لیے مزید خانہ جنگی سے بچنے اور ملک میں امن و امان کی خاطر ہمیں غزنی کی حکومت امیر حسین کو واپس کرنا پڑے تو یہ سودا مہنگا نہ پڑے گا۔"

پھر دارلک کر تیمور نے اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا:

"میں شیر بہرام کو امیر حسین کے پاس بھیج رہا ہوں۔ شیر بہرام پہلے بھی امیر حسین سے مل چکے ہیں۔"

تیمور نے فیصلہ کر دیا تھا اس لیے کسی کو دخل دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ تیمور اپنے سرداروں سے مشورہ ضرور کرتا مگر وہ کوئی فیصلہ کر دیتا تو پھر کسی کو بولنے کی اجازت نہ تھی۔

تیمور کے ساتھ پرانا قاصد ایلچی بہادر بھی تھا جو کئی بار سفارتی فرائض انجام دے چکا تھا لیکن شیر بہرام کو اس نے منتخب کیا کہ اس میں ایلچی بہادر کی بہ نسبت زیادہ بردباری پائی جاتی تھی۔

تیمور نے شیر بہرام کو اپنا قاصد بنا کے امیر حسین کی طرف روانہ کیا۔ امیر حسین نے دریائے آمو کی طرف پسپائی اختیار کی تھی اس لیے شیر بہرام نے ادھر ہی کا رخ کیا۔ شیر بہرام کے ساتھ چار سوار تھے۔ ان سب نے نیزوں پر سفید جھنڈے لپیٹ لیے تھے تاکہ امیر حسین کے چھپے ہوئے آدمی ان پر حملہ نہ کر دیں۔

تیمور نے لشکر کو ایک ہفتہ آرام کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہفتے کے اختتام پر اس نے بھی کوچ کیا اور آہستہ آہستہ دریائے آمو کی طرف چل دیا۔

تیمور اور امیر حسین کی خانہ جنگی نے تاتاریوں کو بہت نقصان پہنچایا لیکن ملکِ تاتار میں اس ابتری کے باوجود ملک کے خانِ اعظم کی ہمت نہ ہوئی کہ تاتاری علاقوں کی طرف نظر اٹھاتے۔ انہیں تیمور کے پیکر میں ایک ایسا تاتاری نظر آتا تھا جس سے مقابلہ اب ان کے لیے ممکن نہ رہ گیا تھا۔ انہیں تو اپنے علاقوں کی فکر پڑ گئی تھی۔ وہ چاہتے تھے اور امیر حسین کی خانہ جنگی طویل ہوتی رہے تاکہ تیمور اُن کی طرف رخ نہ کر سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیمور کو صرف امیر حسین ہی سے نہیں نمٹنا تھا بلکہ اسے ازبکوں کی بھی فکر تھی جو الیاس خواجہ کے ساتھ ہی اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بن بیٹھے تھے۔ یہ سب ماوراء النہر کے بڑے بڑے قلعوں پر قابض تھے۔ تیمور کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ان لوگوں سے قلعے کس طرح خالی کرائے جائیں۔ اگر ان پر فوج کشی کی گئی تو وقت بھی بہت لگ سکتا تھا اور زیادہ جانی نقصان کا بھی اندیشہ تھا۔ چنانچہ تیمور نے ان قلعوں پر قبضے کے لیے ایک اور چال چلی۔

اس نے تمام قلعہ داروں کو الیاس خواجہ خان کی طرف سے ایک حکمنامہ لکھا جس میں انہیں تاکید کی گئی تھی کہ بلاد شمال میں مغلوں کے مستقر حصار المالیق میں حاضر ہو کر الیاس خواجہ خان سے تازہ ہدایات حاصل کریں۔ یہ خطوط تیمور نے الگ الگ سب قلعداروں کو بھجوائے۔ پھر کچھ لشکر ان قلعوں کی طرف روانہ کیا کہ ہر قلعے کے سامنے پہنچ کر خوب گرد اڑائے اور قلعے والوں کو ہراساں کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قلعے کے حملے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ بلاد شمال سے طلبی کا پروانہ ان کو پہنچ چکا تھا اس لیے انہوں نے بہتر یہی سمجھا کہ تیمور سے الجھنے کے وہ الیاس خواجہ خان کے پاس چلے جائیں۔

ان ازبکوں نے قلعے خالی کر دیے اور شمال کی طرف چلے گئے۔ تیمور نے اپنی حکمت عملی سے ماوراء النہر کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

تیمور جب دریائے آمو کے کنارے اس مقام پر پہنچا جہاں امیر حسین کے لشکر کی موجودگی کی اطلاع دی گئی تھی تو اسے معلوم ہوا کہ امیر حسین اپنے لشکر کے ساتھ کئی ہفتے پہلے بلخ کی طرف چلا گیا ہے۔ شیر بہرام اب تک واپس نہیں آیا تھا۔

یہ سوچ کر تیمور نے دریائے آمو کے کنارے خیمے لگا دیے اور شیر بہرام کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ یہ خیال ٹھیک تھا۔ شیر بہرام بھی اس مقام تک پہنچا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ امیر حسین بہار قلعہ کے قریب پہاڑیوں میں خیمہ زن ہے تو وہ بغیر رکے اس طرف روانہ ہو گیا۔

شیر بہرام پہاڑی علاقے میں ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہا تھا کہ اسے امیر حسین کے آدمیوں نے خبر دار کیا۔ اندازہ لگا لیا کہ ان گھاٹیوں اور پہاڑیوں کو امیر حسین کا لشکر گھیرے ہوئے ہے۔ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

شیر بہرام کو امیر حسین کا کوئی آدمی نہ پہچانتا تھا لیکن جب شیر بہرام نے یہ بتایا کہ وہ تیمور کی طرف سے صلح کا پیغام لایا ہے اور اسی سلسلے میں امیر حسین سے گفتگو کرنے جا رہا ہے تو امیر حسین کے آدمیوں نے اس کی رہنمائی کی اور انہیں امیر حسین کی طرف لے چلے۔

شیر بہرام پورا ایک دن پہاڑ کی مختلف گھاٹیوں میں سفر کرتا رہا۔ پھر پہاڑی سلسلہ ختم ہوا اور دوسرے دن شام کو وہ میدانی سفر کر کے امیر حسین کے لشکر میں پہنچ گیا۔

امیر حسین کو شیر بہرام کی آمد کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ گھاٹی کے محافظ دستوں کے سردار نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے امیر حسین کو یہ خبر بھجوا دی تھی۔

امیر حسین کو اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی تھی اور اس نے اپنے سرداروں میں ڈینگیں مارنا شروع کر دی تھیں کہ تیمور اس سے مرعوب ہو کر صلح کرنا چاہتا ہے۔

امیر حسین کی حسین و جمیل بیوی دلشاد آغا کو شوہر سے بڑی محبت تھی۔ اس نے جوانی کے چند سال بڑی شان سے گزارے تھے۔ امیر حسین غزنی کا حکمران تھا اور دلشاد آغا ملکۂ غزنی۔ پھر جب مغلوں نے شمال سے یلغار کی تو غزنی کی چھوٹی سی ریاست خس و خاشاک کی طرح بکھر کے رہ گئی۔ اس میں کچھ امیر حسین کی جلد بازی کو بھی دخل تھا۔ امیر حسین فنا ہو اور تھا اتنا ہی جلد باز اور ضدی بھی تھا۔ اس نے مغلوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور ان پر حملہ کر دیا۔ جب سے وہ دربدر پھر رہا تھا۔ اس صحرا نوردی اور غریب الوطنی میں دلشاد کا حسن کچھ گہنا گیا تھا۔ امیر حسین اگر تیمور کے ساتھ قدم ملا کر چلتا تو بہت کچھ حاصل کر سکتا تھا کیونکہ اس کی سگی بہن الجائی خاتون تیمور کی بیوی تھی لیکن اس پر سمرقند کی وشاپت کا بھوت سوار ہو گیا اور اس نے تیمور کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔

دلشاد آغا اس خانہ جنگی کی شروع ہی سے مخالف تھی لیکن امیر حسین نے اسے کم عقل کہہ کے خاموش کر دیا تھا۔ حالانکہ دلشاد بڑی سمجھدار عورت تھی۔ اس نے تیمور کی اہلیت اور طاقت کا بالکل صحیح اندازہ کیا تھا۔ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تیمور ایک دن غزنی کو ملکستانا کا امیر بنے گا اور جب سے مغل شکست کھا کر شمال کی طرف پسپا ہو گئے تھے اس کا یہ احساس یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔ امیر حسین شکست پر شکست کھا رہا تھا لیکن ہٹ دھرمی نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب بھی خود کو سمرقند کا بادشاہ سمجھتا تھا۔

شیر بہرام کی خبر پاتے ہی وہ بھاگا بھاگا دلشاد آغا کے پاس گیا اور بڑے تکبر سے بولا:

"دلشاد۔ دیکھا تم نے۔ تیمور نے آخر گھٹنے ٹیک دیے۔ اب وہ صلح پر آمادہ ہے۔"

"تیمور اور تم سے صلح؟"

دلشاد جل کر بولی:

"کہیں خواب تو نہیں دیکھا تم نے؟"

"دلشاد۔ مجھے تم سے یہی شکایت ہے۔"

امیر حسین بگڑ گیا:

"تم نے میری عظمت کا کبھی اعتراف نہیں کیا۔ میں بہادر نہیں، میں امیر قزغن کا بیٹا نہیں۔ میرا کیا میرا حق نہیں؟"

"امیر حسین! تم بہادر ہو اور مجھے ایک بہادر کی بیوی ہونے پر فخر ہے۔"

دلشاد نے سچے دل سے اعتراف کیا:

"یہ بھی صحیح ہے کہ تم امیر قزغن کے بیٹے ہو لیکن سمرقند کے تخت کا وہ حقدار ہے جس کے پاس طاقت جس کی تلوار میں زور ہے اور جس کے ساتھ تاتاری سرداروں کی اکثریت ہے۔ طاقت کا توازن تیمور کے وہ ہم پر فتح پا رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم خود دوستی کا ہاتھ اس کی طرف بڑھائیں۔ تیمور دل کا برا نہیں۔ وہ بہادر کا قدردان ہے۔"

"تم مجھے ذلیل کرنا چاہتی ہو دلشاد۔"

امیر حسین کے تن بدن میں آگ لگ گئی:

"طاقت میرے پاس بھی ہے۔ اب بھی چھ ہزار سوار میرے ساتھ ہیں۔ بلخ میں اس سے زیادہ سوار ہیں۔ تیمور کی طاقت اب ختم ہو چکی ہے۔ وہ اس طویل جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا اسی لیے اب وہ مجھ سے چاہتا ہے۔"

"تو پھر مجھ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ صلح کر لو۔"

دلشاد نے زہر خند کیا:

"میں تو شروع ہی سے خانہ جنگی کے خلاف ہوں۔ ہم نے ایک دوسرے کا خون بہا کے کیا پایا؟ لڑ گیا۔ آخر نقصان کس کا ہوا؟ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں؟"

"مجھے کوئی افسوس نہیں!"

امیر حسین نے منہ بنایا:

"تخت و تاج کے لیے تو جنگ ہوا ہی کرتی ہے۔ اگر تلواریں نیام میں ڈال لی جائیں تو زنگ آلود ہو جاتی ہیں سپاہی خون بہتا ہوا نہ دیکھیں تو بزدل ہو جاتے ہیں۔ تیمور نے میری شرط مان لی تو میں ضرور صلح کر لوں گا ورنہ یہ جنگ یونہی جاری رہے گی۔"

"تم نے صلح کی کیا شرط پیش کی ہے؟" دلشاد آغا مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں اب بھی دل کشی تھی۔

"میں سمرقند کا بادشاہ اور تاتاریوں کا امیر ہوں گا اور تیمور میرا سپہ سالار۔"

امیر حسین گردن اکڑا کر بولا:

"میری یہی شرط ہوگی۔ صلح صرف اسی شرط پر ہو سکتی ہے۔"

"سردار تیمور نے تمہاری شرط کا کیا جواب دیا ہے؟" دلشاد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ابھی سوال جواب کا وقت نہیں آیا۔"

امیر حسین نے وضاحت کی:

"پہاڑی محافظوں نے صرف اتنی خبر دی ہے کہ شیر بہرام صلح کا پیغام لے کر میرے پاس پہنچ رہا ہے۔ شیر بہرام ابھی راستے میں ہے اور تم نے شرطیں بھی طے کر لیں۔"

دلشاد ناگواری سے بولی:

"امیر حسین! تیمور اس قدر بے وقوف نہیں کہ تمہیں سمرقند کا حاکم تسلیم کر لے۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ فاتحانہ بلخ کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہمارا لشکر مسلسل پسپا ہونے پر مجبور ہے۔"

"تمہارے وسوسوں اور اندیشوں ہی نے مجھے تباہ کیا ہے۔"

امیر حسین کو غصہ آ گیا:

"تم اپنے شوہر کی طرفداری کرنے کی بجائے ہمیشہ تیمور کی حمایت کرتی ہو۔"

"امیر حسین!"

دلشاد کو بھی غصہ آ گیا:

"تم میری وفاداری پر شک کرتے ہو۔ کیا میں نے قدم قدم پر تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ میدانِ جنگ میں تمہارے گھوڑے سے گھوڑا ٹکرا کر نہیں لڑی۔ میں نے حقیقت بیان کی ہے۔ یہ کوئی وسوسہ یا اندیشہ نہیں۔ مجھے تو یہ بھی یقین نہیں کہ شیر بہرام واقعی صلح کا پیغام لے کر آ رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن جب اسی شام شیر بہرام اپنے چار سواروں کے ساتھ نیزوں پر سفید کپڑا چڑھائے ہوئے امیر حسین کے پاس پہنچ گیا تو دلشاد کو اپنے اندازے پر افسوس ہوا۔ وہ سخت متعجب تھی کہ تیمور نے یہ کمزوری کیوں دکھائی۔ ایک فاتح نے شکست خوردہ دشمن کے پاس صلح کا پیغام کیوں بھیجا؟ تیمور کو کیا مجبوری تھی کہ جس نے امیر حسین سے صلح پہ آمادہ کر دیا؟

امیر حسین نے شیر بہرام کو بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ اسے گلے سے لگایا اور بڑی عزت سے اسے ایک خیمے میں ٹھہرایا۔

پھر وہ ہنستا ہوا دلشاد آغا کو خبر دینے یا اسے جتلانے آیا:

"شیر بہرام آ گیا ہے دلشاد!" امیر حسین کے لہجے میں طنز کے نشتر بھرے تھے۔

"مجھے معلوم ہے۔" دلشاد آغا نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"اس کے نیزے پر سفید کپڑا چڑھا ہوا ہے۔" امیر حسین نے طنز کا ایک اور تیر چلایا۔

"خدا کا شکر ادا کرو امیر حسین۔"

دلشاد آغا بڑے خلوص سے بولی:

"صلح کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا ہے۔ اسے ضائع مت کر دینا۔"

"اب تم دیکھتی جاؤ۔ میں کیا کرتا ہوں۔"

امیر حسین آپے ہی آپ اکڑ گیا:

"میں تیمور سے اپنی شرط منوا کے رہوں گا۔ شیر بہرام مجھ سے بہت حد تک جھک کے ملا ہے۔ یہ کمزوری کا اظہار ہے۔"

"اس قدر پُر امید نہ ہو امیر حسین۔"

دلشاد نے ناصحانہ انداز میں کہا:

"بہت سنبھل کے گفت و گو کرنا شیر بہرام سے۔ شیر بہرام تاتاری سردار ہی نہیں، وہ تیمور کا گھرا دوست، وہ بڑا جہاندیدہ ہے اور ہماری کمزوریاں بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔"

"تمہارا یہ اندازہ بھی غلط ثابت ہو گا۔"

امیر حسین نے تمسخر سے کہا:

"ہماری کمزوریاں اپنی جگہ لیکن تیمور کا صلح کے لیے اس قدر بے چین ہونا، اس کی کمزوری ظاہر کرتا ہے۔"

امیر حسین نے چار دن تک شیر بہرام سے کوئی گفت و گو نہ کی البتہ اس کی خاطر و مدارات میں کوئی

شیر بہرام خیمے میں پڑے پڑے تنگ آ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ امیر حسین بات چیت سے کیوں گریز کر رہا تھا؟

دلشاد آغا بھی امیر حسین کے رویے سے خوش نہ تھی۔ . . . . اسے امید کی ایک جھلک دکھائی دی تھی، مگر امیر حسین پتہ نہیں گفت و گو سے کیوں کترا رہا ہے؟

اس سے نہ رہا گیا تو ایک دن پوچھ بیٹھی:

"شیر بہرام کو خیمے میں کیوں قید کر رکھا ہے؟ اس سے گفت و گو کیوں نہیں کرتے؟"

"تم نہیں سمجھو گی اس حکمت عملی کو۔"

امیر حسین نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا:

"شیر بہرام کو جتنا انتظار کرایا جائے گا اتنا ہی اس پہ ہمارا رعب پڑے گا۔"

"تمہاری اس بے التفاتی نے پتہ نہیں اس پہ کیا اثر کیا ہو گا؟ تم آج اس سے ضرور ملاقات کرو۔"

"دیکھو دلشاد۔ میں نے تمہیں کئی بار منع کیا ہے کہ تم میرے معاملات میں دخل نہ دیا کرو۔"

امیر حسین چڑ کے بولا:

"تم ان باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ میں اپنی طرف سے کیوں ظاہر کروں کہ میں صلح کے لیے بے چین ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ شیر بہرام یہیں پڑا رہے۔"

دلشاد نے الجھتے ہوئے کہا:

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے رویے سے بددل ہو کر واپس چلا جائے۔"

"واپس چلا جائے اور میرے پاس یسر؟"

امیر حسین کی تیوریوں پر بل پڑ گئے:

"ہاتھ آئے ہوئے دشمن کو چھوڑا نہیں جاتا۔"

"کیا کہا . . . . کیا کہا تم نے؟"

دلشاد چونک پڑی:

"کیا تم اسے قید کر دو گے؟ مجھے تم سے اتنی بڑی غلطی کی امید نہیں۔"

"صرف قید ہی نہیں دلشاد آغا۔"

امیر حسین نے اسے گھورتے ہوئے کہا: "اگر شیر بہرام نے میری اطاعت قبول نہ کی تو اسے قتل بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا جاسکتا ہے۔"

"امیر حسین!"

دلشاد آغا کمر پر ہاتھ رکھ کے اس کے سامنے کھڑی ہوگئی:

"ہم نے اب تک بہادروں کی طرح مصائب برداشت کیے ہیں۔ میرے بزدلی کا داغ چہرے پر نہیں لگا تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

امیر حسین نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا:

"یہ جنگ ہے دلشاد آغا۔ اس کے معاملات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتے۔ مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔"

امیر حسین چلا گیا۔

دلشاد آغا پیچ و تاب کھاتی رہ گئی۔

آج پہلی مرتبہ امیر حسین کے خلاف نفرت کا ہلکا سا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوا۔ امیر حسین کے جانے نے اپنی کنیز خاص کے ذریعے شیر بہرام کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ امیر حسین سے محتاط رہے اور گفتگو فوراً کسی بہانے یہاں سے نکل جائے۔

شیر بہرام کے دل میں پہلے ہی بدگمانی پیدا ہوگئی تھی۔ دلشاد آغا کے پیغام نے اس بدگمانی میں اور اضافہ کر دیا مگر مشکل یہ تھی کہ وہ تیمور کا پیغام دیے بغیر واپس بھی نہ جاسکتا تھا۔

شیر بہرام کو اپنی زیادہ فکر نہ تھی لیکن وہ امیر حسین سے جلد از جلد گفتگو کر کے سردار تیمور کو اس کے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ امیر حسین کے جواب کی روشنی میں آئندہ قدم اٹھائے۔ اس نے مزید انتظار کے بجائے کے پہریدار کے ذریعے امیر حسین کو اطلاع دی کہ اگر شیر بہرام سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا تو اسے واپس کی اجازت دی جائے۔

امیر حسین، شیر بہرام کا پیغام ملتے ہی ملاقات پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے شیر بہرام کو اپنے خیمے میں

"امیر محترم! یہ کون سی مہمان نوازی ہے۔ میں ایک ہفتے سے آیا پڑا ہوں اور آپ نے مجھ سے

شیر بہرام خیمے میں داخل ہوتے ہی بغیر دعا سلام کے شروع ہوگیا:

"میں کوئی ایسا گیا پڑا نہیں ہوں۔ میں نہ اپنی ضرورت سے آیا ہوں اور نہ مجھے آپ سے کچھ

سردار تیمور کا پیغام لایا ہوں۔ وہ تاتاریوں کے بہت بڑے سردار ہیں۔ آپ کو ان کا پیغام فوراً

چاہیے تھا۔"

امیر حسین نے کئی بار بولنے کی کوشش کی لیکن شیر بہرام نے دل کی بھڑاس نکالنے سے پہلے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

شیر بہرام خاموش ہوا تو امیر حسین مسکرا کے بولا:

"شیر بہرام۔ تیمور بڑا ہو یا نہ ہو لیکن تم بڑے سردار ضرور ہو۔"

امیر حسین نے اپنے منصوبے کے تحت جال پھیلانا شروع کیا:

"میں نے تم سے اس لیے ملاقات نہیں کی کہ میں چاہتا تھا کہ تم اچھی طرح آرام کر لو۔ آخر اتنی دور کا سفر کر کے آئے ہو۔"

"میرے آرام کو چھوڑیے امیر۔"

شیر بہرام بات کاٹ کر بولا:

"میں سردار تیمور کا پیغام لایا ہوں۔ اسے سنیے اور مجھے رخصت کیجیے۔ میں کاہل بننا نہیں چاہتا۔"

"پیغام بھی سن لیا جائے گا اور گفتگو بھی ہوگی مگر اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

امیر حسین نے ٹالنے کے انداز میں کہا:

"پہلے یہ بتاؤ شیر بہرام! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"آپ کا شکریہ امیر!"

بہرام اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا:

"تاتاری کو گھوڑے کی پیٹھ سے زیادہ کہیں آرام نہیں ملتا۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ . . . . آپ بھی تو تاتاری ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو شیر بہرام۔"

امیر حسین سوچتے ہوئے بولا:

"لیکن تم ایک معزز مہمان ہو۔ تاتاریوں میں تمہیں ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ دراصل مجھے تیمور کی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔"

"حرکت۔ کیسی حرکت؟"

شیر بہرام نے اسے چونک کر دیکھا:

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"دیکھو شیر بہرام! میرے دل میں تمہاری بڑی عزت ہے۔" امیر حسین نے بظاہر بڑی سادگی سے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم تاتاریوں کے ایک بڑے سردار ہو۔ تیمور کو کیا ضرورت تھی کہ وہ تمہیں اپنا قاصد بنا کر بھیجتا۔ چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ تم میرے سردار ہوتے تو میں یہ معمولی کام تمہارے سپرد نہ کرتا۔"

"اے امیر۔ آپ تو اجنبیوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔"

شیر بہرام نے اسے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا:

"کیا آپ تاتاری نہیں۔ ہم تاتاریوں کا طریقہ ہے کہ جب ہم کسی کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں تو اپنے اختیارات اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ تیمور ہمارے سردار ہیں۔ انہیں اختیار ہے خواہ وہ ہمیں میدان میں لڑا مریں یا سفیر و قاصد بنا کر بھیجیں۔ پتہ نہیں آپ قاصد کو کمتر کیوں سمجھتے ہیں؟ قاصد تو اپنے سردار کا نمائندہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے سردار کی زبان سے بولتا ہے۔ اگر وہ غلطی سے بھی کوئی فیصلہ کر لے تو سردار اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"میرا یہ مقصد نہیں شیر بہرام۔"

امیر حسین نے دیکھا کہ اس پر تو الٹا اثر ہوا ہے تو فوراً بات بدل دی:

"میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ کام تم سے کسی کم تر درجے کے سردار کو بھی تو دیا جا سکتا تھا۔ خیر چھوڑو اس کو۔ یہ بتاؤ کہ تم خیریت سے رہے۔ تمہارے قبیلے والے تو ٹھیک ٹھاک ہیں؟"

"واہ امیر! آپ نے تو کمال کر دیا۔"

شیر بہرام کو اور زیادہ حیرت ہوئی:

"آپ تو یوں پوچھ رہے ہیں جیسے آپ میدانِ جنگ کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور میں یہاں مہمان آیا ہوں۔ میں سردار تیمور کی طرف سے صلح کا پیغام لایا ہوں، اس کے بارے میں آپ مجھ سے کچھ پوچھتے؟"

"وہ اہم بات نہیں۔"

امیر حسین نے لاپروائی دکھائی:

"کیا صلح ضروری ہے؟ آخر تیمور صلح کے لیے اس قدر بے چین کیوں ہے؟"

"یہ تو میں نہیں کہتا کہ وہ بے چین ہیں؟"

شیر بہرام ناگوار لہجے میں بولا:

"لیکن اس خانہ جنگی اور تاتاریوں کا باہمی خون بہنے سے کم از کم میں بے چین ضرور ہوں اور اگر آپ بھی پر خلوص دل سے غور کریں گے تو آپ بھی بے چین ہو جائیں گے۔"

امیر حسین نے دیکھا کہ یہ تو الٹا ہی گلے پڑ رہا ہے تو کھسیانے ہنستے پُر غرور انداز میں پوچھا:

"اچھا بیان کرو۔ تیمور کیا چاہتا ہے؟ کن شرائط پر صلح کرتا ہے؟ مگر بات کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لو کہ سمرقند کی حکومت میری ہے۔ اس پر میرا حق ہے۔ میں امیر قزغن کا بیٹا ہوں۔"

"بیٹے نہیں۔ آپ امیر قزغن کے پوتے ہیں۔"

شیر بہرام نے فوراً اصلاح کی:

"یہ ضرور ہے کہ امیر قزغن نے الجائی خاتون آغا کو ہمیشہ اپنی ہی اولاد سمجھا۔ اب اگر آپ پوتا ہونے کی حیثیت سے سمرقند پر اپنا حق رکھتے ہیں تو پھر یہ خیال رکھیے کہ سردار تیمور، امیر قزغن کے داماد ہیں اور امیر قزغن کی پوتی الجائی خاتون، ان کی بیوی تھیں۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں گے تو میں یہ کہوں گا کہ تخت و تاج کے یہ رشتہ داری کا سہارا لینا بے کار ہے۔ اس کے لیے تو ہمیں اپنی روایات پر عمل کرنا چاہیے۔"

"شیر بہرام! ہماری روایت بھی خون کے رشتوں کو تسلیم کرتی ہے۔"

امیر حسین نے بحث شروع کر دی:

"باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا۔ یہی سب سے قریبی رشتہ ہے!"

"امیر۔ آپ نے تاتاریوں کی مثل نہیں سنی۔"

شیر بہرام نے بے خوف ہو کر کہا:

"آپ زیادہ عرصہ غزنی میں رہے ہیں، ممکن ہے کہ یہ مثل وہاں مشہور نہ ہو لیکن ملکِ تاتار کا ہر فرد تسلیم کرتا ہے کہ وہی ہاتھ عنانِ حکومت سنبھال سکتے ہیں جو تلوار پکڑنا جانتے ہوں . . . . تخت کا فیصلہ تو تلوار ہی سے ہوتا ہے۔"

"کیا میں بزدل ہوں؟"

امیر حسین ایک دم بھڑک اٹھا:

"کیا میں تلوار پکڑنا نہیں جانتا؟ میں غزنی کا خود مختار بادشاہ رہ چکا ہوں۔ میں تیمور سے زیادہ حکومت چلانا جانتا ہوں۔"

"امیر، آپ کی بہادری شبہ سے بالاتر ہے۔"

شیر بہرام نے فوراً کہا:

"میں نے خود سردار تیمور کی زبان سے سنا ہے کہ آپ جیسے بہادر تاتاریوں میں کم موجود ہیں۔ میں نے تو صرف آپ کی بات کا جواب دیا تھا۔ آپ کسی اور شبہ میں مبتلا ہو گئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر حسین کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا۔ اس نے پوچھا:

"اچھا تم صلح کی شرط بتاؤ؟"

"شرط نہیں امیر۔ سردار تیمور نے بڑے خلوص سے آپ کو ایک پیش کش کی ہے۔"

شیر بہرام نے یہ کہہ کر اس کا غصہ اور بھی ٹھنڈا کر دیا! امیر حسین کے چہرے کی شکنیں دور ہو گئیں۔ اس نے کہا:

"سردار تیمور نے آپ کو آپ کی پرانی بادشاہت یعنی غزنی کی حکومت پیش کی ہے اور اطمینان کیا ہے کہ آپ غزنی واپس چلے جائیں تو وہ آپ کو وہاں کا خود مختار بادشاہ تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح خانہ جنگی ختم ہو جائے گی اور ہر دو حاکم اپنے اپنے علاقوں میں آزادی سے حکومت کریں گے۔"

امیر حسین نے یہ سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اب اسے احساس ہوا کہ تیمور اس سے صلح نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اس پیش کش کے پردے میں وہ اسے ملکِ تاتار سے بالکل بے دخل کر کے حکم دے رہا تھا۔

امیر حسین بڑا متلون مزاج اور جلد باز تھا لیکن اس موقع پر خلافِ امید اس نے خود کو سنبھالا اور اپنے سے کسی قسم کا تاثر نہ ظاہر ہونے دیا۔

"تیمور کی شرط قابلِ غور ہے۔"

امیر حسین نے بڑے تحمل سے کہا:

"لیکن میری بھی کچھ شرطیں ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر معاملہ طے کریں۔ اگر تیمور پسند کرے تو میں اس سے ملاقات کے لیے تیار ہوں۔ یہ ملاقات کسی جگہ ہو گی؟"

"امیر۔ آپ جو فرماتے ہیں وہ اپنی جگہ درست ہے۔"

شیر بہرام متانت سے بولا:

"لیکن سردار تیمور نے مجھے اس سلسلے میں ہر قسم کی گفتگو سے منع کر دیا ہے۔ انہوں نے دو باتیں کی ہے اور اس کا جواب بھی دو ٹوک "ہاں یا نہیں" میں مانگا ہے۔ . . . . آپ مجھے جواب دیجیے تاکہ میں جواب سردار تیمور کو پہنچا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں مگر یہ جواب صرف ہاں یا نہیں میں ہو۔"

"جواب بھی مل جائے گا مگر تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔"

امیر حسین نے بڑی مکاری سے کہا:

"میں تیمور کی پیش کش اپنے سرداروں کے سامنے رکھوں گا اور جو فیصلہ وہ کریں گے اس سے تمہیں

دیا جائے گا۔ اس فیصلے تک تم ہمیں ٹھہرو گے۔ ہمارے مہمان رہو گے۔"

شیر بہرام کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن امیر حسین تیزی سے اٹھا اور بولا:

"تم جا کر آرام کرو۔ میں اپنے سرداروں کو مشورے کے لیے بلا رہا ہوں۔"

شیر بہرام کے بولنے کے لیے کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر خیمے میں آ گیا۔

امیر حسین کے خیمے کے ساتھ ہی دلشاد آغا کا خیمہ تھا۔ اس نے شیر بہرام سے امیر حسین کی پوری گفتگو سن لی تھی۔ امیر حسین نے شیر بہرام کو تو کسی حد تک مطمئن کر دیا تھا لیکن دلشاد آغا بجھ گئی تھی کہ امیر حسین کے اس غیر متوقع تحمل کے پیچھے ضرور کوئی طوفان چھپا ہوا ہے۔ شیر بہرام کے جانے کے بعد امیر حسین نے اپنے کسی سردار کو نہیں بلوایا بلکہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کسی اور خیمے میں چلا گیا۔ ممکن ہے یہ اس نے احتیاط کے طور پر کیا ہو اور وہ نہ چاہتا ہو کہ دلشاد اس کے ارادے یا منصوبے سے واقف ہو سکے۔

امیر حسین رات تک واپس نہ آیا تو دلشاد کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ اسے سب سے زیادہ شیر بہرام کی فکر تھی۔ وہ اس لیے زیادہ فکر مند تھی کہ اگر امیر حسین نے شیر بہرام کو قتل کرنے کی غلطی کی تو پھر تیمور یا امیر حسین کو کسی صورت نہیں بخشے گا اور شیر بہرام کے خون کا بدلہ لے کر رہے گا۔

دلشاد نے اپنی خاص کنیز کو شیر بہرام کے خیمے پر بھیجا تاکہ معلوم ہو سکے کہ امیر حسین نے اب تک اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہے یا نہیں؟

کنیز تھوڑی دیر بعد پریشان صورت بنائے واپس آئی اور بتایا کہ شیر بہرام کے خیمے پر پہرہ لگا دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ آنے والے سواروں کو بھی اسی خیمے میں پہنچا دیا گیا ہے۔

دلشاد کو اسی بات کا دھڑکا تھا۔ اسے امیر حسین پر سخت غصہ آیا لیکن وہ مجبور تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اس سلسلے میں امیر حسین سے گفتگو کی تو بلاوجہ کی ناچاقی ہو گی اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ امیر حسین نے جو فیصلہ کر لیا ہے وہ اس سے کسی طرح باز نہ آئے گا۔ چنانچہ جب رات گئے امیر حسین اپنے خیمے میں واپس آیا تو دلشاد نے اس سے کوئی بات نہ کی اور یہی ظاہر کیا کہ جیسے وہ اس معاملے سے بالکل بے تعلق ہے۔

○

شیر بہرام کو قید ہوئے تین روز ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ شیر بہرام کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یقین ہو گیا کہ شیر بہرام کی گرفتاری سے امیر حسین نے بازہ اٹھا کر کوئی زبردست چال چلنا چاہتا ہے، ممکن ہے اس سے تیمور کو نقصان پہنچ جائے۔ اس لیے وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح تیمور کو امیر حسین کے ارادوں سے آگاہ کر دے۔

خیمے کے گرد سخت پہرہ لگا ہوا تھا اور وہاں سے رہائی یا فرار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اس قید سے بھاگنے کی کوشش کرے گا خواہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

اس نے جب اپنے ساتھیوں سے گفتگو کی تو انہوں نے مخالفت کی اور کہا۔ اگر یہاں سے فرار ہی ہونا ہے تو پھر شیر بہرام کے بجائے اس کے ساتھیوں میں سے کوئی فرار ہو تاکہ پکڑے جانے کی صورت میں شیر بہرام بچ جائے۔

شیر بہرام اپنے ساتھیوں کی وفاداری سے بہت خوش ہوا لیکن اس کا دل نہ مانتا تھا کہ اپنے کسی ساتھی کو قربانی دے۔

اس طرح دو دن گزر گئے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

شیر بہرام خود جانے پر بضد تھا لیکن اس کے ساتھی اسے بھیجنے پر کسی طور راضی نہ ہوئے۔ آخر شیر بہرام کو مجبور ہونا پڑا۔ وہ ہر حالت میں تیمور کو امیر حسین کے ارادے سے باخبر کرنا چاہتا تھا۔

پھر ایک شب شیر بہرام نے پیٹ میں سخت درد کا بہانہ کیا اور زور زور سے چیخنے لگا۔ پہرہ دار گھبرا کر اس کے خیمے میں آ گئے۔ شیر بہرام کا مقصد بھی یہی تھا۔ اس نے پہرے داروں کو باتوں میں لگا لیا اور درد کا واویلا کرنے لگا۔ اسی وقت اس کا ایک ساتھی نظر بچا کر خیمے سے باہر نکلا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد شیر بہرام کا پیٹ درد ختم ہو گیا۔ اس نے پہرے داروں کا شکریہ ادا کیا۔ پہرے دار اپنی جگہ واپس چلے گئے۔ انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ خیمے کا ایک آدمی غائب ہو گیا ہے اور اب وہ امیر حسین کی قید کے آخری پہرے پر پہنچ چکا ہے۔

○

امیر حسین کا مصالحتی وفد تیمور کے خیمے میں داخل ہوا۔ یہ وفد چار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ایک آدمی آگے تھا تین اس کے پیچھے تھے۔

آگے آنے والے کے سر پر کلام پاک رکھا ہوا تھا۔ مصحف آگاہی کو دیکھ کر تیمور کے جسم میں سنسنی پیدا ہو گئی۔ اس کا آہنی بدن جیسے پگھل کر موم بن گیا۔ احترام قرآن کے لیے تیمور اور اس کے سردار کھڑے ہو گئے۔ تیمور نے آگے بڑھ کر کلام پاک لیا۔ آنکھوں سے لگا کر چوما۔ پھر ایک اونچی جگہ رکھ دیا۔

تیمور کے پاس شیر بہرام کا بھیجا ہوا سوار گذشتہ رات پہنچ گیا تھا۔ اس نے تیمور کو بتایا تھا کہ امیر حسین نے شیر بہرام کو قید کر لیا ہے اور اب وہ کوئی چال چلنا چاہتا ہے۔ اس لیے تیمور بھرا بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ اپنے سرداروں سے شیر بہرام کے سلسلے میں گفتگو کر رہا تھا۔

شیر بہرام کی گرفتاری سے اس کے سردار بھڑک اٹھے تھے اور تیمور پر زور دے رہے تھے کہ فوراً امیر حسین کے معاملے پر روانہ ہو جائے اور اگر شیر بہرام کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس کا سخت انتقام لیا جائے۔

تیمور کا خود بھی یہی ارادہ تھا کہ اسی دوران اسے امیر حسین کے مصالحتی وفد کی اطلاع ملی۔ اسے امیر حسین پر غصہ بھی آیا اور اس کی دیدہ دلیری پر تعجب بھی ہوا لیکن وہ فوراً سمجھ گیا کہ امیر حسین نے ایک طرف تو شیر بہرام کو گرفتار کیا ہے اور دوسری طرف وہ اس وفد کے ذریعے کوئی چال چلنا چاہتا ہے۔

شیخ علی بہادر اور امیر خلیل بہادر نے پُرزور الفاظ میں طالبہ کیا کہ وفد کے ارکان کو فوراً قتل کر دیا جائے لیکن جب امیر حسین کا وفد قرآن پاک ان کے سامنے لے کر آیا تو سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔

سردار تیمور نے وفد کے ارکان کو عزت سے بٹھایا اور اپنے تمام سرداروں کو باہر بھیج دیا۔ اسے خطرہ تھا کہ اس کے سردار گفتگو کے دوران کہیں غصے میں آ کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جس کے لیے اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔

"تم نے امیر حسین کے پاس شیر بہرام کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا تھا؟" تیمور نے بالکل انجان بن کر پوچھا اور وفد کے ارکان پر اپنے الفاظ کا تاثر تلاش کرنے لگا۔

وفد کے ارکان نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان میں سے ایک بولا:

"اے سردار تیمور۔ شیر بہرام آپ کا پیغام لے کر ہمارے امیر کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ آپ کے اس پیغام کا جواب لے کر ہم حاضر ہوئے ہیں۔"

مگر شیر بہرام کہاں ہے؟ وہ واپس کیوں نہیں آیا؟" تیمور نے بڑے ضبط سے کام لیا لیکن پھر بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"شیر بہرام تاتاریوں کے بڑے قابل احترام سردار ہیں۔"

وفد کے دوسرے رکن نے صفحہ کرنا شروع کیا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارے امیر بھی ان کی بہت عزت کرتے ہیں، دوران سفر شیر بہرام کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی تھی اس لیے امیر نے انہیں علاج کے لیے روک لیا ہے۔ آپ ان کی طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔ وہ ہمارے معزز مہمان ہیں۔"

تیمور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کے رہ گیا۔ وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا:

"امیر حسین نے ہماری پیش کش کا کیا جواب دیا ہے۔ اسے منظور ہے یا انکار کیا ہے؟"

"اے سردار تیمور۔ ہمارے امیر نے آپ کی پیش کش شکریے کے ساتھ منظور کر لی ہے۔"

ایلچی نے جواب دیا۔

تیمور نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسے اس جواب کی قطعی امید نہ تھی۔ اس نے مزید تصدیق کے لیے پوچھا:

"امیر حسین کب غرنی واپس جا رہے ہیں؟"

"ہمارے امیر اپنی واپسی کی تفصیلات طے کرنے کے لیے آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔"

وفد کے رکن نے کہا:

"انہوں نے کہا ہے کہ وہ آپ کی طرف دوستی اور وفاداری کا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور کلام اللہ کو درمیان رکھ کر اعلان کرتے ہیں کہ اگر میں قول و قرار کو توڑوں تو اس مصحف کی مجھ پر مار پڑے اور جو سزا اس کی دی جائے۔ لہٰذا اگر ہو سکے اور آپ مناسب سمجھیں، تو ان سے تفصیلات طے کرنے کے لیے چک چک کے تنہا ملاقات کریں تاکہ ہم نئے سرے سے نئے حالات میں قول و خبر کر سکیں۔"

یہ امیر حسین کا کھلا ہوا فریب تھا۔

تیمور سمجھ گیا کہ امیر حسین اسے اس حیلے سے گرفتار کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ امیر حسین نے کلام اللہ کا نام لیا تھا میں وہ اللہ کا اس لیے تیمور نے سب کچھ جانتے ہوئے مصحف قرآنی کا احترام کرنا اپنا فرض سمجھا اور انتہائی پر لہجے میں کہا:

"امیر حسین نے کلام اللہ کے واسطے سے گفتگو کی ہے اس لیے میں انکار نہیں کر سکتا۔ اس نے چک کے مقام پر تنہا ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں اس کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ تم واپس جاؤ اطلاع دو کہ وہ چک چک پر میرا انتظار کرے۔ میں وہاں تنہا پہنچ رہا ہوں۔"

امیر حسین کے وفد کے ارکان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ وہ دل ہی دل میں تیمور کے حوصلے کے قائل ہو گئے۔ انہیں یہ قطعی امید نہ تھی کہ تیمور اتنی جلدی امیر حسین سے ملاقات پر آمادہ ہو جائے گا۔ وفد کے ارکان تیمور سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان میں سے ایک نے گھلے الفاظ میں اس کا اعتراف کیا:

"اے سردار تیمور! ہماری نظر سے آپ جیسا حوصلہ مند انسان اب تک نہیں گزرا۔ آپ واقعی عظیم ہیں۔"

تیمور جواب دینے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا اور بولا:

"عظیم تو خدائے بزرگ و برتر ہے۔ میں ایک ناچیز بندہ ہوں۔ میرا باپ سردار طرغائی برلاس جب مجھے نصیحت کرتا تو عام طور پر اپنی بات ان الفاظ پر ختم کرتا کہ اے تیمور! میری خواہش ہے کہ تم خدائے تعالیٰ کے احکام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر رہ کر درویشوں اور بزرگوں کی دعائیں لیتے رہو اور ہمیشہ اسلام کے چار ارکان کے پابند رہو۔ . . . . میں اپنے باپ کی نصیحت پر ہمیشہ عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بلاد شمال کے خان اعظم نے مجھے سمرقند میں اپنا نائب بنایا تھا لیکن تاتاریوں کی حالت زار دیکھ کر میں نے ظلموں کے خلاف تلوار اٹھائی اور انہیں ملک تاتار سے مار بھگایا۔ اب میں تاتاریوں کی ایک مضبوط حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں لیکن جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اسی طرح ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ میں نے امیر حسین کو اسی لیے غرنی کی حکومت پیش کی ہے۔ اگر وہ مانے گا تو خوش رہے گا اور اگر اس نے فریب دینے کی کوشش کی تو وہ اس سے بھی زیادہ خوار ہو گا۔ میں اسے تاتار سے ہی نہیں دنیا سے بھی بے دخل کر دوں گا۔"

"بے شک بے شک۔ سردار صحیح فرماتے ہیں۔" ایک نے تیمور کی تائید کی۔

"تم لوگ تھکے ہوئے ہو جتنے دن چاہو آرام کر سکتے ہو۔"

تیمور نے کہا:

"ہم تمہیں اپنا مہمان بنا کر روکنا نہیں چاہتے۔ تم جب چاہو ہمیں بغیر اطلاع دیے واپس جا سکتے ہو۔ تمہارا صحیفہ بابرکت ہمارے پاس برکت کے لیے محفوظ رہے گا۔"

"آپ کا شکریہ سردار۔"

ایک رکن نے کہا:

"ہم گرچہ ایک دن آرام کرنے کے بعد واپس جائیں گے لیکن جانے سے پہلے آپ کو سلام کرنے ضرور حاضر ہوں گے۔"

تیمور نے وفد کے ارکان کو ایک کمرے میں بھیج دیا اور ان کی خاطر و مدارات کی خاص ہدایت کی۔ تیمور نے یہ بھی حکم دیا کہ وفد جس وقت بھی واپس جانا چاہے اسے قطعی نہ روکا جائے۔

تیمور کے سردار امیر حسین کے بھیجے ہوئے پیغام کو سننے کے لیے بہت بے چین تھے۔ انہیں خیال تھا کہ تیمور وفد سے گفتگو کرنے کے بعد انہیں بلا کر تمام باتوں سے آگاہ کرے گا لیکن تیمور نے انہیں شام تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار کے کرب میں مبتلا رکھا۔ پھر شام کو ہر سردار کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ سردا تیمور نے تمام سرداروں کو آج رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے۔

اس نوید سے سرداروں کی تمام کلفت دور ہو گئی اور رات کے کھانے پر تیمور کے خیمے میں وقت سے پہلے ہی پہنچ گئے۔ تیمور بہت ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سردار بھی خوش ہو گئے۔ انہیں خیال ہوا شاید امیر حسین راہِ راست پر آ گیا ہے اور اس نے غزنی جانے کی اطلاع تیمور کو بھیجی ہے۔

کھانے کے دوران تیمور نے اپنی اور ارکانِ وفد کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بالکل ذکر نہ کیا۔ سردار بار بار اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے مگر تیمور نے انہیں ادھر اُدھر کی باتوں میں مصروف رکھا۔ جب نے اطمینان سے کھانا کھا لیا تو تیمور نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

"میرے سردارو! تم تاتاریوں کی آن اور عظمت ہو۔ تمہارے سردار نے جتنی فتوحات حاصل کی ہیں تم تیمور کے برابر کے شریک ہو۔ تم یقیناً امیر حسین کا پیغام سننے کے لیے بے چین ہو گے۔ میں تمہیں وقت بلوا لیتا لیکن تم اس وقت جوش میں تھے اور امیر حسین کا پیغام ہم سے ہوش کا تقاضا کرتا ہے۔ پہلے تو میں تمہیں یہ افسوسناک خبر سناتا ہوں کہ شیر بہرام واقعی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وفد کے ایک رکن نے بتایا کہ شیر بہرام کو امیر حسین نے اپنا خاص مہمان بنا کر روک لیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت اس کے ساتھ شیر بہرام پر کیا گزر رہی ہو گی لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر شیر بہرام قتل کر دیا گیا تو اس کا افسوس زندگی بھر رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں اعلان کرتا ہوں کہ اب میں اپنے کسی سردار کو سفیر یا قاصد بنا کر پاس نہیں بھیجوں گا۔"

"کیا مجھے بھی نہیں سردار؟" ایلچی بہادر فوراً بول پڑا۔

ایلچی بہادر ہزاروں کے مجمعے میں سب سے الگ نظر آتا تھا۔ جسم پر قاقم کی پوستین، ریچھ کی کھال کی ٹوپی کا ترکا اور کامدار جوتے۔ دیکھنے والوں کی نظریں اس پر جم کے رہ جاتی تھیں۔ تیمور اسے کئی سفارتوں پر بھیج چکا تھا اسی لیے وہ ایلچی بہادر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

"تمہیں بھی نہیں ایلچی بہادر۔"

تیمور نے نفی میں سر ہلایا:

"شیر بہرام کی گرفتاری نے میرے دل میں ایک داغ ڈالا ہے۔ میں دوسرا داغ نہیں پڑنے دوں گا۔ میں شیر بہرام کا انتقام ضرور لوں گا۔" ایک سردار بولا۔

"شیر بہرام کو گرفتار کر کے اس نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔" کسی دوسرے سردار

"امیر حسین کا سر میں اتاروں گا۔" یہ امیر حفاظی بہادر کی آواز تھی۔ اس کی آنکھیں خون کھولتا ہو رہی تھیں۔

"تم سر کیسے اتارو گے امیر حفاظی بہادر۔ اس کے تن پر تو سر ہی نہیں ہو گا۔" یہ عجیب بات شیخ علی بہادر نے کہی۔

"ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے شیخ علی؟" امیر حفاظی نے شیخ کو گھورا۔

"یہی ہو گا امیر۔"

شیخ علی بہادر نے اطمینان سے کہا:

"جب تم گھوڑا بڑھا کر امیر حسین کے سر پر پہنچو گے تو دیکھو گے کہ میں اس کا سر پہلے ہی اتار چکا ہوں گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا میں اسے ابھی جا کے قتل کیے دیتا ہوں۔" امیر حفاظی غصے سے تلملا کر کھڑا ہو گیا۔

"میرا گھوڑا تمہارے گھوڑے سے تیز دوڑتا ہے۔"

شیر علی بہادر بھی کھڑا ہو گیا:

"میں تم سے پہلے اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اس کا سر میرے پاس ہو گا۔"

"چلو دیکھتے ہیں۔" امیر حفاظی نے قدم اٹھایا۔

"ضرور چلو۔" شیخ علی بہادر کا قدم بھی اٹھ گیا۔

اس وقت تیمور کی گرجدار آواز سنائی دی:

"کہاں جا رہے ہو تم؟"

شیخ علی بہادر اور امیر حفاظی نے پلٹ کر ایک ساتھ تیمور کو دیکھا۔ پھر جیسے خواب سے چونک پڑے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے چہرے پر نظر ڈالی اور شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

یہ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے لیکن جب بہادری دکھانے کا موقع آتا تو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ اس وقت بھی وہ جوشِ شجاعت میں بالکل بھول گئے کہ وہ کہاں ہیں اور کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے؟

"امیر حفاظی بہادر اور شیخ علی بہادر۔"

تیمور نے ان کی حوصلہ افزائی کے لیے کہا:

"تیمور کو تم جیسے بہادروں پر فخر ہے۔ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔"

دونوں سردار اپنی اپنی جگہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"امیر حسین نے مجھے ملاقات کی دعوت دی ہے۔"

تیمور نے کہا:

"وہ مجھ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔ ملاقات کے لیے چک چک کا بُرج فضا مقام مقرر کیا گیا ہے۔"

"لیکن سردار۔ چک چک تو ایک تنگ گھاٹی ہے۔"

امیر حفاظی نے بتایا:

"میں اکثر اُدھر سے گزرا ہوں۔ ایک درّے سے گزر کر گھاٹی میں داخل ہوتے ہیں۔ راستہ اتنا تنگ ہے کہ چار سوار مشکل سے برابر برابر چل سکتے ہیں۔"

"گھاٹی کے دوسری طرف کیا ہے؟ کوئی میدان ہے یا؟" تیمور نے دلچسپی سے پوچھا۔

"سردار۔ وہ گھاٹی تو ایک پنجرہ ہے۔ ادھر درّہ اُدھر درّہ۔ بیچ میں تنگ پتھریلا راستہ۔"

امیر حفاظی نے منہ بنا کر کہا:

"مچھر لٹیروں کے لیے ایک بہترین پناہ گاہ ہے لیکن امیر حسین اس گھاٹی میں آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"امیر حسین کے خیال میں وہ بہترین جگہ ہے۔"

تیمور نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"اس گھاٹی میں ہم دونوں اکیلے ملیں گے۔ اس نے کہلوایا ہے کہ چک چک کی ولی میں، میں تنہا آؤں وہ بھی اکیلا آئے گا۔ ملاقات کے وقت ہمارے ساتھ کوئی نہیں ہوگا۔"

"دھوکہ۔ دھوکہ۔ فریب۔" ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں۔

"ملاقات کی آڑ لے کر وہ آپ کو گرفتار کرنا چاہتا ہے سردار۔" الپی بہادر نے بڑے رازدارانہ انداز سے تیمور سے کہا۔

"سردار آپ کہہ دیجیے کہ یہ ملاقات نہیں ہو سکتی۔" شیخ علی بہادر نے اپنے خیال میں بڑا اچھا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں شیخ علی! ہم نے وفد سے کہا ہے کہ....."

تیمور کہتے کہتے رکا اور دلچسپی سے اپنے سرداروں کے چہرے دیکھے۔ سب ہمہ تن گوش تھے۔ تیمور کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ بولا:

"ہم نے وفد کو جواب دیا ہے کہ ہم امیر حسین سے ضرور ملاقات کریں گے۔ چک چک

میں ہم اکیلے جائیں گے۔"

تیمور کے سردار گھبرا گئے۔ سان کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔ الپی بہادر نے تلوار کھینچ لی:

"میں اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ لوں گا اگر سردار نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔"

"الپی بہادر ٹھیک کہہ رہا ہے سردار۔"

امیر حفاظی بے چینی سے بولا:

"اس تنگ وادی میں اکیلے جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ اگر جانا ہی ہے تو ہمیں ساتھ لے کے چلیے۔"

"گھبرا کیوں۔ تم پریشان کیوں ہو؟"

تیمور بالکل پُرسکون تھا:

"امیر حسین مجھے کھا تو نہیں جائے گا۔"

"وہ آپ کو کھلا دھوکا دے رہا ہے۔"

شیخ علی نے کہا:

"وہ مکار ہے۔ جھوٹا ہے۔ اس کی بات کا آپ اعتبار نہ کیجیے۔"

"وہ مجھے دھوکا دے سکتا ہے شیخ علی۔"

تیمور نے گردن گھما کر قرآن کی طرف دیکھا:

"مگر وہ اس کلام کو تو فریب نہیں دے سکتا۔ اس نے مجھے کلام اللہ کا واسطہ دے کر بلایا ہے۔ میں اس واسطے سے انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے جانا ہوگا۔"

تیمور کے جواب نے سرداروں کی زبانیں بند کر دیں مگر ان کے چہرے لٹک گئے۔

دوسرے دن امیر حسین کے آدمی واپسی کی اجازت لینے تیمور کے پاس آئے۔

تیمور نے ان سے ملاقات کی تاریخ مقرر کی اور خوشی خوشی رخصت کیا۔ تیمور نے انہیں یقین دلایا کہ تاریخ مقررہ پر وہ امیر حسین کا چک چک کی گھاٹی میں انتظار کرے گا۔

وفد کے رخصت ہوتے ہی تیمور نے فوراً دو سو سواروں کا ایک رسالہ ترتیب دیا۔ اس میں اس نے اپنے تمام بڑے بڑے سرداروں کو شامل کیا اور وفد کے پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ دے کر چلنے لگا۔

تیمور چاہتا تھا کہ وفد کے امیر حسین تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ گھاٹی تک پہنچ جائے اور وہاں کے حالات اور راستوں سے واقفیت حاصل کر لے۔

یہ بھی امکان تھا کہ امیر حسین وہاں موجود ہو اور اس نے تمام راستے بند کر رکھے ہوں۔ اس لیے وہ چک چک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اور چار سواروں کو دریافت حال کے لیے گھاٹی میں بھیجا۔

ان سواروں نے صرف گھاٹی کے اندر ہی نہیں بلکہ اردگرد کی تمام پہاڑیوں پر چڑھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ دشمن کا کوئی آدمی اب تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔

تیمور کو اس سے بڑا اطمینان ہوا۔ وہ اپنے سوار لے کر گھاٹی میں داخل ہوا۔

تیمور نے گھاٹی کو اچھی طرح دیکھا بھالا اور پھر اس نے پچاس سواروں کو اس درے کے مقرر کر دیا جدھر سے امیر حسین کے داخل ہونے کا امکان تھا۔ ان سواروں کو حکم دیا گیا کہ جب امیر حسین آدمیوں کے ساتھ گھاٹی میں داخل ہو جائے تو درے کا راستہ روک کر واپسی ناممکن بنا دی جائے۔

باقی سواروں کو تیمور نے گھاٹی میں مناسب جگہ پر چھپا دیا لیکن انہیں حکم دیا کہ اگر امیر حسین اکیلا آجائے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ تیمور یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھی امیر حسین کی طرح اسے دھوکا دے کر گرفتار کرے۔ اس کا ارادہ تھا کہ اگر امیر حسین واقعی مخلص ہے اور وہ اس سے اکیلا ملاقات کرے تو وہ بھی پورے خلوص سے گفتگو کرے گا۔

○

مقررہ دن کو شام کے وقت تیمور کے پہاڑی پر متعین آدمیوں نے اطلاع دی کہ ایک لشکر گھاٹی کی طرف آ رہا ہے۔

تیمور گھوڑے پر سوار ہو کر گھاٹی کے ایک سرے پر نمودار ہوا۔ دوسری طرف سے امیر حسین اندر آنا شروع ہوا۔ تیمور اپنا گھوڑا ذرا اونچی جگہ لے آیا تھا تاکہ سامنے سے آنے والے اسے دیکھ سکیں۔ امیر حسین کا لشکر گھاٹی میں داخل ہو گیا تو تیمور گھوڑا بڑھا کر چند قدم آگے آیا۔

"ٹھہرو!" تیمور کی آواز پہاڑیوں میں گونجی۔

امیر حسین کے سوار ایک لمحے کے لیے رکے۔

"امیر حسین کو آگے بھیجو۔" تیمور نے انہیں چیخ کر حکم دیا۔

امیر حسین کے سواروں نے جواب دینے کے بجائے اپنے گھوڑے تیز کر دیے۔ تیمور سمجھ گیا کہ امیر حسین موجود نہیں ہے یا پھر وہ بغیر سامنے آئے تیمور کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اس نے فوراً

سے جوابی کارروائی کا حکم دیا۔

اشارے کے ساتھ ہی گھاٹی کے دائیں بائیں سے سوار نکلنا شروع ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑیاں سواروں کو اگل رہی ہیں۔ ان سواروں نے امیر حسین کے لشکر پر دو طرف سے حملہ کر دیا۔

امیر حسین کا لشکر تعداد میں دو ہزار تھا لیکن اس دو طرفہ حملے سے گھبرا گیا۔ اسے تیمور کی طرف سے نہ موڑ کر تیمور کے سواروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

تیمور کے سوار دس دس پانچ پانچ کر کے گھاٹی سے باہر نکل کر آ رہے تھے۔ اس لیے ان کی صحیح تعداد کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ امیر حسین کا لشکر یہ سمجھا تھا کہ گھاٹی میں تیمور کا پورا لشکر موجود ہے۔ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور جس راستے سے آئے تھے ادھر بھاگنے لگے۔ اس راستے کو تیمور کے سواروں نے پہلے ہی بند کر دیا تھا۔ امیر حسین کا جو سوار جان بچا کر درے سے نکلتا وہ بڑی آسانی سے تیمور کے آدمیوں کے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ آدھے سے زیادہ سوار مارے گئے۔ باقی یا تو گرفتار ہوئے یا جان بچا کر بھاگ گئے۔

امیر حسین نے بڑی عقلمندی کی تھی کہ وہ خود گھاٹی میں نہیں آیا تھا ورنہ اس کا بھی یہی انجام ہوتا۔ وہ چک چک سے کچھ دور ٹھہر گیا تھا اور اپنا لشکر تیمور کی گرفتاری کے لیے گھاٹی میں بھیج دیا تھا۔ اس نے اپنے سواروں کو بھاری انعام و اکرام کا لالچ دیا تھا اور تیمور کو زندہ یا مردہ لانے والے کو اپنا نائب مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا۔

وہ تصور ہی تصور میں تیمور کو اپنے سامنے پابہ زنجیر کھڑا دیکھ کر مسکرا رہا تھا کہ اس کے شکست خوردہ سوار اس کے پاس سے گزرنا شروع ہو گئے۔ وہ اس قدر گھبرائے ہوئے تھے اور بے تحاشہ یوں بھاگ رہے تھے کہ امیر حسین کو دیکھ کر وہ گھوڑا روکتے روکتے دور نکل جاتے۔

امیر حسین نے یہ حال دیکھا تو خود بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور اُن سے زیادہ تیز رفتاری سے اپنے مستقر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

امیر حسین اپنی خیمگاہ میں پہنچ کر وہاں ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرا اور خیمے اکھڑوا کر بلخ کی طرف بھاگا۔ بلخ اس کا آخری سہارا اور پناہ گاہ تھی۔ اسے تیمور سے تعاقب کا خطرہ تھا اس لیے وہ دو دو منزلیں طے کرتا ہوا بلخ پہنچ گیا۔

تیمور نے امیر حسین کا تعاقب نہ کیا۔ وہ چک چک کی وادی سے قلعہ قرشی آ گیا اور یہاں پہنچ کر اس نے امیر حسین سے آخری معرکے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے مرحوم بیوی کی خاطر امیر حسین کو صلح کا پیغام بھیجا تھا لیکن امیر حسین نے اسے اس کا الٹا ہی صلہ دیا اور اسے فریب سے قتل کرنے کی کوشش کی۔

تیمور کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ امیر حسین کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے کچل کر رکھ دے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر اس وقت تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی جب اس نے سنا کہ امیر حسین نے بلخ پہنچتے ہی شیر بہرام کو قتل کرا دیا۔ تیمور کو اپنے بچپن کے دوست کے بہیمانہ قتل سے اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ کئی دن تک کچھ نہ کھا سکا۔

○

تیمور آندھی اور طوفان کی طرح قلعہ قرشی سے نکلا۔ اس کے پاس کچھ زیادہ بڑی فوج نہ تھی لیکن بلخ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کے گرد ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔

امیر حسین بھی پوری طرح تیار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جنگ فیصلہ کن ہے۔ اس نے اس دوران میں دوڑ کر کے بڑا لشکر اکٹھا کر لیا تھا لیکن اس کی جلد بازی اور بد دماغی سے اس کے سردار پریشان تھے۔ اس نے صوبہ ختلان کے حاکم کو مشورے کے لیے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس آ گیا تو امیر حسین نے اسے قتل کرا دیا۔ حاکم ختلان بڑا با اثر سردار تھا۔ ختلان کے قتل سے اس کا بھائی کبک خسرو جو امیر حسین کا زبردست حلیف تھا، اس سے باغی ہو گیا اور تیمور کے پاس چلا آیا۔

امیر حسین بڑی شان سے تیمور کے مقابلے پر نکلا۔ تیمور چاہتا تھا کہ بلخ کا شہر تباہ نہ ہو۔ اس شہر کو کبھی عروس البلاد کہتے تھے۔ خراسان سے ہندوستان جانے والے قافلے اسی شہر سے گزرتے تھے۔ یہاں کے بھربھرے پتھروں کے کھنڈرات میں دنیا کے قدیم ترین آتش کدہ کے آثار تھے۔ اس شہر کی گلیوں میں مہاتما بدھ کے مجسمے کے زینے بھی بکھرے ہوئے تھے..... سکندر اعظم جو سے گزرا تو اس نے اس کو باکتریہ کے نام سے پکارا تھا لیکن چنگیزی لشکر نے اس کے تمام حصن کو کر دیا تھا۔ اب یہ مٹی اور پتھر کا ڈھیر بن چکا تھا جس کے گرد مسجدیں اور مقبرے تعمیر ہو گئے تھے نہیں چاہتا تھا کہ اس کی تباہی میں اور اضافہ ہو۔ چنانچہ اس نے شہر سے ذرا ہٹ کر صف آرائی کی۔

امیر حسین بلاشبہ بہادر اور جری تھا لیکن اس کا لشکر پہلے ہی حملے میں جی چھوڑ گیا۔ اس کے سرداروں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور تیمور کے لشکر میں شامل ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ کسی کی نوبت نہ آئی۔ امیر حسین کا لشکر پیٹھ دکھا گیا اور وہ بھاگ کر کھنڈرات میں چھپ گیا۔

شہر بڑی آسانی سے فتح ہو گیا۔

تیمور نے قتلِ عام کی ممانعت کر دی۔ بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو عام معافی دے دی گئی۔ جن سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے انہیں معاف کر دیا گیا۔

شام ہو گئی تھی لیکن امیر حفاظی بہادر اور شیخ علی بہادر پورے شہر اور قرب و جوار میں گھوڑے دوڑاتے پھر رہے تھے۔ انہیں امیر حسین کی تلاش تھی۔ وہ شیر بہرام کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ امیر حسین کی گرفتاری سے پہلے ہی اسے ختم کر دیں کیونکہ سردار تیمور اسے نہ قتل کر سکتا تھا اور نہ ہی قتل کا حکم دے سکتا تھا لیکن امیر حسین ہزار کوشش کے باوجود ان کے ہاتھ نہ آیا۔

تیمور نے شہر کے باہر ہی اپنے خیمے لگوائے۔ اسے فتح حاصل ہوئی تھی لیکن امیر حسین کے گرفتار نہ ہونے سے وہ کچھ پریشان تھا۔ اس نے امیر حسین کی طاقت کا بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ اسے قتل کرنا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن اس کا گرفتار ہونا ضروری تھا۔ اس کے بچ کر نکل جانے سے کسی وقت بھی کوئی فتنہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

رات ہوئی تو اس کی یہ مشکل بھی آسان ہو گئی۔ امیر حسین کی گرفتاری کی امید پیدا ہو گئی۔

امیر حسین کے ایک لشکری کو تیمور کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ تیمور سے تنہائی میں ملنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے پہلے غیر مسلح کر دیا گیا۔

تیمور نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور پوچھا:

"تم کون ہو اور کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

"اے تاتاریوں کے عظیم قائد!"

لشکری نے پوری تہذیب کا مظاہرہ کیا:

"دو فریقوں میں جنگ ہوتی ہے تو ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کو غالب بنایا آپ کو چاہیے کہ مغلوب پر رحم فرمائیں۔"

"اے شخص! تیمور کو تیری نصیحت سننے کی فرصت نہیں۔ مقصد بیان کر۔" تیمور نے اسے ڈانٹا۔

"میں..... میں مغلوب کا پیامبر ہوں۔"

وہ شخص گھبرا گیا:

"میرے آقا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی درخواست آپ کے سامنے تنہائی میں پیش کروں۔ تاکہ غیروں کے سامنے ان کی شرم رہ جائے۔"

"تم میرے دشمن کی درخواست لائے ہو اور میرے دوستوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرماتے ہو؟"

تیمور کو غصہ آ گیا:

"جاؤ اور امیر حسین کو کہہ دو کہ جب اسے شیر بہرام کو قتل کرتے ہوئے شرم نہ آئی تو معافی مانگتے کیوں شرماتا ہے؟"

"سردارِ اعظم!"

امیر حسین کا قاصد گڑگڑایا:

"میرے آقا نے حج پر جانے کی درخواست کی ہے۔ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ وطن کبھی واپس آئیں گے۔"

"حج پر کوئی شخص اس وقت جا سکتا ہے جب ناجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلاوا آئے۔"

تیمور نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

"یہ فیصلہ میرے اختیار میں نہیں۔ اس لیے کہ وہ خود پیش ہو کر عذرداری کرے۔ اگر مکہ سے بلاوا آیا بنے تو وہ ضرور حج پر جائے گا۔"

"شکریہ سردارِ اعظم۔"

قاصد نے جھک کر سلام کیا:

"میں ابھی اپنے آقا کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔"

قاصد واپس ہونے لگا تو تیمور نے اسے روک لیا۔

"سردارِ محترم!"

تیمور نے بزرگ سردار جاکو برلاس کو مخاطب کیا:

"تم ہمارے محافظ دستے کو ساتھ لے کر جاؤ امیر حسین ہمارا قرابت دار ہے۔ اسے نہایت عزت احترام سے لے کر آؤ۔ اسے اپنے قید ہونے کا احساس نہ ہونا چاہیے۔"

جاکو برلاس محافظ دستے کے ساتھ بلخ کے کھنڈرات میں گیا۔ اس نے خود امیر حسین سے کہہ کے اسے تیمور کا حکم سنایا۔ امیر حسین نے کوئی عذر نہ کیا اور دلشاد آغا کو لے کر جاکو برلاس کے ہو لیا۔

جاکو نے واپس آ کر تیمور کو اطلاع دی۔ تیمور نے حکم دیا کہ امیر حسین کو الگ خیمے میں رکھا جائے جب تک اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا اس کی بیوی دلشاد آغا کو اس کے پاس نہ جانے دیا

تیمور کے حکم کے مطابق امیر حسین اور دلشاد آغا کو الگ الگ خیموں میں رکھا گیا اور دونوں خیموں پر پہرہ لگا دیا گیا۔

اب امیر حسین کا معاملہ تمام سرداروں کے سامنے فیصلے کے لیے پیش ہوا۔ امیر حسین کی حیثیت اگر صرف ایک مغلوب اور مفتوح دشمن کی ہوتی تو تیمور خود ہی اس کا فیصلہ کر دیتا لیکن امیر حسین نے شیر بہرام کو قتل کر کے اپنے جرم میں اضافہ کر لیا تھا۔ اس کے سرداروں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا اس لیے تیمور ان سرداروں کو اپنے اعتماد میں لے کر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

اسے جو فیصلہ کرنا تھا وہ تو اس کے دل میں تھا لیکن اس نے بارہا یہی کہا تھا کہ وہ امیر حسین کو قتل نہیں کرنا چاہتا..... اس نے اپنے سرداروں کو اس سلسلے میں دل کھول کر گفتگو کرنے کا موقع دیا اور خود اس گفتگو میں بہت کم حصہ لیا۔

امیر حسین کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ دلشاد آغا کی ایک کنیز نے تیمور کو اپنی مالکہ کا پیغام پہنچایا۔ دلشاد آغا نے تیمور سے درخواست کی تھی کہ امیر حسین کی تقدیر کا فیصلہ کرنے سے پہلے اسے اپنے شوہر کی صفائی پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔

تیمور دلشاد آغا کی درخواست رد نہ کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ دلشاد آغا اپنے شوہر کو معاف کرنے کی سفارش کرے گی۔ تیمور کا خود بھی یہی ارادہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے سرداروں کے جذبات کو ٹھنڈا کر کے امیر حسین کے بچاؤ کی کوئی صورت نکالے۔

تیمور محفل سے اٹھا اور چلتے چلتے کہتا گیا:

"امیر حسین میرا رشتے دار ہے۔ میرے اس کے درمیان دوستی کا بھی عہد و پیمان ہے۔ اس نے جو کچھ کیا بہت برا کیا لیکن میرے ہاتھوں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

تیمور کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ امیر حسین کو معاف کرنا چاہتا ہے۔ سرداروں کے سامنے کہنے کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ وہ بھی امیر حسین کو اگر دل سے نہیں تو کم از کم اپنے سردار کی خاطر معاف کر دیں۔

تیمور فکر میں ڈوبا ہوا دلشاد آغا کے خیمے میں داخل ہوا۔ دلشاد خود اگھڑی ہو گئی۔ تیمور نے جھکتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔ دلشاد کا گلاب جیسا شگفتہ چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ تیمور سے اس کی آخری ملاقات خیوہ کی جنگ کے موقع پر ہوئی تھی۔ اسے چھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ یہ عرصہ اتنا طویل تو نہ تھا کہ دلشاد آغا جوانی کی سرحدوں سے نکل جاتی لیکن فکر اور مسلسل پریشانیوں نے اس کی صحت کو برباد کر دیا تھا اور فکر کی لکیریں رخساروں پر ابھر آئی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ دلشاد آغا" تیمور نے کہا۔

"نہیں سردار"۔

دلشاد نے دل کو رب دباتے ہوئے کہا:

"آپ فاتح ہیں اور قسمت نے ہمیں مغلوب کیا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں ایک مجرم کی طرح آپ کے سامنے کھڑی رہوں"۔

"دلشاد آغا"۔

تیمور نے سنجیدگی سے کہا:

"دو فریقوں میں جنگ ہوتی ہے تو ایک ہی فریق فاتح ہو سکتا ہے۔ امیر حسین نے جو کچھ کیا میں افسوس ہی کر سکتا ہوں۔ مجھے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ اس نے بعض حرکتیں ایسی کی اس کی شجاعت اور جوانمردی کو داغدار کر دیا"۔

"مجھے معلوم ہے سردار تیمور"۔

دلشاد آغا نے قطع کلام کیا:

"آپ اس کی غلطیوں کی تفصیل بیان نہ کیجیے۔ اس لیے کہ میں اس کی بیوی ہوں۔ اس کی کمزوری سے زیادہ آپ واقف نہیں۔ امیر حسین نے سمرقند کے تخت کو حاصل کرنے کے لیے بعض ایسی باتیں کا آپ کو علم نہیں لیکن ان تمام غلطیوں اور کمزوریوں کے باوجود میں یہی امید کروں گی کہ آپ....."

"دلشاد آغا"۔

اب کی تیمور نے اس کی بات کاٹی:

"میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو لیکن تم میری جگہ کھڑی ہو کر دیکھو۔ ذرا یہ بتاؤ کہ اگر میں مغلوب ہوتا اور اسی طرح امیر حسین کے سامنے کھڑا ہوتا تو تم کیا کرتیں؟"

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ خدا نہ کرے ایسا وقت آتا تو..... تو....."

دلشاد کا گلا بھر آیا:

"میں آپ کی بھی اسی طرح سفارش کرتی جس طرح اس وقت امیر حسین کی زندگی کی خواہاں ہوں۔ خواہ آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن میں سچے دل سے کہتی ہوں کہ مجھے امیر حسین اس لیے عزیز ہے کہ وہ ہے۔ زندگی کے کتنے ہی بہترین سال میں نے اس کے ساتھ گزارے ہیں لیکن سچ جانیے کہ آپ سے کسی طرح کم عزیز نہیں۔ میں آپ کی اس لیے قدر کرتی ہوں کہ آپ ایک سچے اور کھرے تاتاری ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہادری اور جنگی حکمت عملی کی گرد کو بھی امیر حسین نہیں پہنچ سکتا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ حق پر ہیں۔ سمرقند پر آپ کا امیر حسین سے زیادہ حق اس لیے ہے کہ آپ امیر قزغن کے ہم قبیلہ نہ ہونے کے باوجود امیر حسین سے زیادہ سمرقند پر حکومت کے اہل ہیں۔ آپ میں وہ تمام آخر خوبیاں موجود ہیں جو ایک جانگیر اور جہاندار میں ہونی چاہییں"۔

"دلشاد آغا تم نے اس وقت مجھے ایک اور افسوس سے دوچار کر دیا ہے"۔

تیمور نے اس پر ایک بھرپور نظر ڈالی:

"میں نے تمہارے بارے میں اندازہ لگایا تھا کہ تم ایک جاں باز اور عقلمند تاتاری خاتون ہو لیکن تمہاری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ تم بہت حقیقت پسند اور صاف گو بھی ہو۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو ایک عورت میں جمع ہو جائیں تو وہ صحیح معنوں میں کسی تاجدار کی ملکہ بن سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ امیر حسین نے تمہاری قدر نہیں کی۔ تمہیں وہ مقام نہیں دیا جس کی تم مستحق تھیں"۔

"نہیں امیر تیمور"۔

دلشاد فخریہ انداز میں بولی:

"امیر حسین میرا قدر داں ہے۔ اسے مجھ سے بے پناہ محبت ہے۔ صرف اس کی فطری کمزوریاں کبھی کبھی اس محبت اور قدر دانی میں حائل ہوتی رہی ہیں۔ اس کی جلد بازی اور تلون مزاجی اسے دنیا سے ناپید بنا دیتی ہے۔ اگر اس نے شیر بہرام کے معاملے میں میرے مشورے پر عمل کیا ہوتا تو شاید اسے آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا"۔

"شیر بہرام"۔

تیمور نے چونک کر دلشاد آغا کو دیکھا:

"دلشاد آغا! کیا تمہیں شیر بہرام کے قتل کی پہلے سے خبر تھی؟"

"اگر میں یہ کہوں کہ مجھے شیر بہرام کے انجام کی خبر تھی تو آپ کے دل میں ضرور یہ سوال پیدا ہوگا کہ میں نے اسے بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی"۔

دلشاد آغا نے گلوگیر آواز میں کہا:

"سردار تیمور۔ آپ کو علم نہیں کہ میں نے شیر بہرام کو بچانے کی کتنی کوشش کی۔ جس وقت مجھے معلوم ہوا کہ امیر حسین نے شیر بہرام کو قید کر دیا ہے تو میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور امیر حسین سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ اس کی بزدلی کا ناقابل تلافی داغ ہے جسے وہ عمر بھر اپنے دامن سے نہیں دھو سکے گا۔ امیر حسین جب اپنی ضد سے نہ باز آیا تو میں نے اپنی ایک کنیز کے ذریعے شیر بہرام کو امیر حسین کے ارادے سے باخبر کر دیا۔ آپ اسے شاید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوہر سے غداری یا بے وفائی کا نام دیں لیکن میں خود کو قصوروار نہیں سمجھتی۔ میری طبیعت یہ بات گوارا نہ کرتی تھی کہ میرے سامنے ایک بے گناہ قتل کر دیا جائے اور میں خاموش بیٹھی رہوں لیکن موت تو شیر بہرام کا مقدر بن چکی تھی۔ میں نے خود فراہم ہونے کے بجائے اپنے ایک ساتھی کو فرار کرا دیا جس کا علم دوسرے دن امیر حسین کو ہو گیا اور پاداش میں اس نے شیر بہرام کو قتل کرا دیا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ قتل رنگ لایا اور آج امیر حسین کو زندگی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہے۔ اس بھیک میں اس کے ساتھ میں بھی شریک ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے دلشاد آغا نے چادر کا دامن تیمور کے سامنے کر دیا:

"اس دامن کو امیر حسین کی زندگی سے بھر دیجیے امیر تیمور۔ مجھے ناامید نہ کیجیے۔ میرا امیر مجھے کر دیجیے۔"

کئی موتی دلشاد آغا کی آنکھوں سے ٹپک پڑے۔

تیمور اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ بولا:

"دلشاد آغا۔ قسمت والا ہے وہ شوہر جسے تم جیسی بیوی ملی۔ جو شوہر کی ہر کمزوری کو اپنی طاقت بنا لیتی ہے اور اس کی زندگی کے لیے دشمن کے سامنے دامن پھیلا رہی ہے۔ آنسو پونچھ ڈالو دلشاد آغا۔ میرے شیر بہرام کے قتل سے بہت ناراض ہیں۔ میں نے انہیں ہموار کرنے کی کوشش کی ہے اور ان پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ امیر حسین سے میری دوستی اور قرابت داری ہے۔ امیر حسین کو نہ تو میں قتل کر سکتا ہوں اور نہ اس کے قتل کا حکم دے سکتا ہوں۔"

"سردار تیمور۔ میں آپ کے اس احسان کو عمر بھر نہ بھول سکوں گی۔"

دلشاد کے مغموم چہرے پر خوشی کی چمک پیدا ہو گئی:

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ امیر حسین کو آئندہ کبھی آپ کے خلاف تلوار بلند نہیں کرنے دوں گی۔"

تیمور اسے تسلی دے کر اٹھا:

"دلشاد آغا۔ تم کو اس خیمے میں کوئی تکلیف تو نہیں؟"

"نہیں سردار۔"

دلشاد جلدی سے بولی:

"اگر کوئی تکلیف تھی تو وہ آپ کی باتوں سے ختم ہو گئی۔"

"میں تمہیں امیر حسین کے خیمے میں پہنچانے کا حکم دے رہا ہوں۔" تیمور نے خود ہی کہا:

"تم امیر حسین کو مناسب الفاظ میں تسلی دے دینا۔"

تیمور چلا گیا۔ دلشاد آغا کو امیر حسین کے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔

یہ بات شام کے وقت ہوئی تھی۔ تیمور اپنے سرداروں کے پاس پہنچا اور اعلان کیا کہ امیر حسین کی قسمت کا فیصلہ کل صبح کیا جائے گا۔

تیمور کا خیال تھا کہ رات کا یہ وقفہ اس کے سرداروں کو آپس میں صلاح مشورے کا موقع فراہم کرے گا۔ اور وہ امیر حسین کی جان بخشی کے معاملے پر متفق ہو جائیں گے لیکن رات کے ختم ہونے سے پہلے ہی اس کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔

تیمور کے خیمے سے نکلنے کے بعد اس کے سرداروں نے اس معاملے پر غور کیا۔ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ دلشاد آغا نے اپنی باتوں سے تیمور کو رام کر لیا ہے اور وہ امیر حسین کو ضرور آزاد کر دے گا۔ تیمور کے سردار امیر حسین کو زندہ چھوڑنے پر کسی صورت میں آمادہ نہ تھے۔ ان کے خیال میں امیر حسین کی رہائی سے ایک غلط رسم کا آغاز ہو جائے گا اور لشکر کے سرداروں کی جان کی کوئی ضمانت نہ دی جا سکے گی۔

رات کو تیمور کے سرداروں نے اپنے طور پر ایک منصوبہ تیار کیا اور اس پر عملدرآمد کے لیے سردار موٹہ ارلات کو منتخب کیا۔ یہ وہی سردار تھا جس نے امیر موسیٰ کے ساتھ مل کر صرف پانچ سو سواروں کی قلیل تعداد سے "منگی پل" کا معرکہ کامیاب دفاع کیا تھا۔

موٹہ ارلات منصوبے کے مطابق ایک اور سردار کو ساتھ لے کر امیر حسین کے خیمے پر پہنچا۔ دلشاد آغا اس وقت امیر حسین کے پاس پہنچ چکی تھی اور اس نے امیر حسین کا خوف بڑی حد تک دور کر دیا تھا لیکن موٹہ ارلات کی آمد سے وہ کانپ اٹھا اور سمجھ گیا کہ اس کی موت آ گئی ہے۔

موٹہ ارلات خلافِ امید امیر حسین سے بڑی محبت سے ملا اور تسلی دیتے ہوئے بولا:

"آپ کو خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ سردار تیمور کے تقریباً تمام سردار آپ کے قتل کے خواہاں ہیں لیکن چند سردار آپ کو بچانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو اپنی جان عزیز ہے تو ان کے کہنے پر عمل کیجیے۔"

"وہ کیا چاہتے ہیں؟ مجھے کیا کرنا ہو گا؟" امیر حسین نے امید و بیم کے ملے جلے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے ہمدرد سرداروں نے آپ کے لیے ایک تیز رفتار گھوڑے کا انتظام کر دیا ہے۔"

موٹہ ارلات سنجیدگی سے بولا:

"یہ گھوڑا آپ کو صبح ہونے تک یہاں سے بہت دور پہنچا دے گا اور آپ دشمنوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں۔ میں۔۔۔۔"

امیر حسین کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دلشاد آغا دوڑ کر اس سے لپٹ گئی:

"نہیں نہیں امیر حسین"۔

دلشاد روتے ہوئے بولی:

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ تمہارا فرار سردار تیمور کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے گا۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہارے قتل کا حکم نہیں دیں گے"۔

"سردار تیمور کا وعدہ اپنی جگہ درست ہے"۔

موڈارلات بولا:

"لیکن سردار تیمور نے اپنی سرداروں کے زور پر فتوحات حاصل کی ہیں۔ وہ ان وفادار اور بہادر کی مخالفت نہ مول لے سکے گا۔ دلشاد آغا ایک سمجھدار خاتون ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ تیمور نے آپ کے لیے یہ بات کہی ہے۔ کوئی سردار اپنے ساتھیوں کی خواہش سے انکار نہیں کر سکتا پھر اس صورت میں جب جائز ہو۔ امیر حسین قاتل ہیں۔ سردار تیمور ان پر اپنے سرداروں کو قربان نہیں کر سکتا"۔

"سردار ارلات!"

دلشاد اشکوں کے درمیان بولی:

"سردار تیمور اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ امیر حسین کی جان ضرور بخش دیں گے"۔

"میں نے اپنا فرض ادا کر دیا"۔

موڈارلات نے واپسی کا ارادہ کیا:

"آپ کو اس پیش کش سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا میں واپس جا رہا ہوں اور یہ واضح کیے دیتا ہوں صبح کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہوگا"۔

امیر حسین نے دلشاد آغا کو دھکا دے کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کیا۔ دلشاد خیمے کے بیچ میں جا گری۔

امیر حسین نے موڈارلات کو روکتے ہوئے کہا:

"سردار موڈ! مجھے آپ کی تجویز منظور ہے لیکن آپ وعدہ کریں کہ میرے بعد دلشاد آغا کو کچھ نہیں ہوگا"۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی"۔

دلشاد فوراً کھڑی ہو گئی:

"امیر حسین! جب تم سردار تیمور کے اعتماد کو ٹھکرا کر موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو تو میں بھی تمہارے ساتھ ہی جان دوں گی"۔

"مجھے افسوس ہے دلشاد آغا"۔

موڈارلات دکھ سے بولا:

"اوّل تو یہ کہ امیر حسین کے لیے صرف ایک گھوڑے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اگر آپ نے ان کے ساتھ جانے کی ضد کی تو گرفتاری کے امکانات بڑھ جائیں گے نیز آپ ان کی ہلاکت کا سبب بھی بن سکتی ہیں"۔

دلشاد آغا لاجواب ہو کر موڈارلات کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"میں تیار ہوں سردار ارلات"۔

امیر حسین جلدی سے بولا:

"آپ دلشاد کی حفاظت کا وعدہ کیجیے"۔

"آپ مطمئن رہیں امیر حسین!"

موڈارلات نے سپاٹ لہجے میں کہا:

"وہ تاتاری خواتین جو اپنے شوہروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں شانہ بشانہ لڑتی ہیں وہ قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ دلشاد آغا کے عزت و وقار میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا"۔

امیر حسین موڈارلات کے ساتھ خیمے سے باہر آیا۔ اس کے لیے گھوڑا تیار تھا۔ اس نے محبت سے دلشاد آغا کا ہاتھ دبایا اور جست لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

امیر حسین ایک نامعلوم منزل کو رواں تھا اور دلشاد آغا اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے۔

"آپ جا کے آرام کیجیے دلشاد آغا"۔ یہ کہتا ہوا موڈارلات واپس ہو گیا۔

○

کہا جاتا ہے کہ رات بڑی پردہ پوش ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام گھناؤنے کام اس کی تاریک چادر کے دامن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی میں انجام دیے جاتے ہیں۔

وہ رات بھی بظاہر پُرسکون تھی۔

تیمور تمام رات کروٹیں بدلتا رہا۔ ایک طرف اس کے تمام با اثر سردار تھے جو شیر بہرام کے قاتل کو میں بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسری طرف اس کی اکیلی ذات، جس میں الجائی خاتون کی یاد اور اب دلشاد آغا کی باتیں شامل ہو گئی تھیں۔

اسے امیر حسین کے مقدمے کا صحیح فیصلہ کرنا تھا۔ تاخیر کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اپنے طور پر تو وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ امیر حسین کو غزنی کی حکومت سونپنے پر اب بھی آمادہ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ امیر حسین کے لیے دو صورتیں رکھے گا:

۱۔ وہ چاہے تو غزنی واپس چلا جائے۔ یہ تیمور کی بیش کش تھی۔

۲۔ ورنہ پھر حج پر روانہ ہو جائے، جس کی امیر حسین نے خود خواہش کی تھی۔

دلشاد آغا بھی رات بھر جاگتی رہی تھی۔ وہ اس بات سے خوش تھی کہ امیر حسین اس وقت تک بہت کچھ کما چکا ہو گا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک نامعلوم خوف اس کے دل میں کسی طرف سے در آتا اور وہ سوچنے لگتی کیا مومنڈارلات واقعی امیر حسین کا ہمدرد ہے؟

امیر مومنڈارلات اور تیمور کے دوسرے سردار بھی اس رات چین سے نہ سو سکے۔ انہیں فکر فردا ستا رہی تھی وہ سوچ رہے تھے کہ انہوں نے جو قدم اٹھایا ہے اگرچہ وہ متفقہ تھا پھر بھی کہیں ان کا یہ قدم تیمور کے غضب کا سبب نہ بن جائے۔

چنانچہ جب بلخ کی مسجدوں میں فجر کی اذان گونجی تو وہ سہم گئے۔ چند لمحوں بعد اس خیمہ گاہ میں ایک انکشاف ہونے والا تھا جس سے ایک عظیم فتنہ بھی جنم لے سکتا تھا۔

نماز ختم ہوتے ہی لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

"امیر حسین مارا گیا۔ قید سے بھاگ نکلا تھا۔"

"محافظوں نے اسے ایک میل دور جا کے پکڑا۔ اس نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔"

"سردار تیمور نے دلشاد آغا کی سفارش پر اسے معاف کر دیا تھا لیکن اس کے سر پر موت کھیل رہی تھی۔"

"ہاں۔ جبھی تو بھاگا اور محافظوں نے پکڑ کر قتل کر دیا۔"

جتنے منہ اتنی باتیں!

نمازیوں کے ساتھ یہ خبر شہر میں پہنچی۔ تیمور کے لشکری بھی مسجدوں میں تھے۔ وہ اپنے ساتھ یہ خبر

میں لے آئے۔

تیمور نے اپنے خیمے میں نماز پڑھی تھی۔

"امیر حسین مارا گیا!"

سب سے پہلے ایلچی بہادر نے اس خبر کی تصدیق کی۔

"مگر کب؟ کیسے، کہاں؟" تیمور نے گھبرا کر پوچھا۔

"سردار!"

امیر حفاظ داخل ہوتے ہوئے بولا:

"امیر حسین فرار کے دوران مارا گیا۔ اس کی موت یونہی لکھی تھی۔"

"اس کا وقت آ گیا تھا سردار۔"

مومنڈارلات بھی آ گیا:

"موت برحق ہے۔ پھر وہ تھا بھی اسی قابل۔"

"امیر حسین محافظوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔"

بوڑھے جاکو برلاس نے اندر آ کر کہا:

"مگر افسوس کس بات کا؟ اس نے بھی تو ہمارے ساتھی شیر بہرام کو قتل کر دیا تھا۔"

"ہاں ہاں۔ ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ مر گیا۔ اچھا ہی ہوا۔"

تیمور کے کانوں میں اس طرح کی مسلسل آوازیں پڑتی رہیں۔ آوازیں، مختلف، الگ الگ لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی! لیکن مقصد اور مفہوم سب کا ایک تھا۔ تیمور کو اندازہ ہو گیا کہ امیر حسین کے مارے جانے کا کسی کو افسوس نہیں بلکہ وہ سب خوش ہیں۔ پتہ نہیں تیمور کو امیر حسین کا افسوس ہوا کہ نہیں لیکن وہ اس بات سے ضرور مطمئن تھا کہ امیر حسین لشکر گاہ کے باہر فرار کے دوران مارا گیا۔ اس لیے تیمور کی طرف کوئی انگلی نہ اٹھا سکتا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں کچھ زیادہ تحقیقات کی بھی ضرورت نہ محسوس کی۔ اس کے تمام سردار یک زبان ہو کر کہہ رہے تھے کہ امیر حسین فرار کے دوران مارا گیا۔ پھر وہ ان کی بات پر اعتبار کیوں نہ کرتا۔

تیمور نے اپنے محافظ سواروں کو حکم دیا کہ امیر حسین کی لاش لے آئیں اور اسے دلشاد آغا کے سپرد کر دیں۔ اس نے امیر حسین کے کفن دفن کا بھی حکم دیا۔

دلشاد آغا امیر حسین کی لاش دیکھ کر رونے کے بجائے دہشت زدہ ہو گئی۔ اس کی آنکھیں خشک ہو گئیں۔ اس کی کنیزیں رو رہی تھیں لیکن وہ دم بخود کھڑی ان کا منہ تک رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر حسین کی موت کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ تیمور کے جان کی
وعدے کے باوجود امیر حسین نے راہِ فرار اختیار کی اور بھیس بدل کر مسجد میں جا چھپا۔ اگلی صبح کو مؤذن نے اسے
لیا اور گرفتار کرا دیا۔

ایک روایت کے مطابق امیر حسین ایک مسجد کے مینار میں جا کر چھپ گیا۔ اس کی تلاش جاری تھی کہ ایک
آدمی مسجد کے مینار پر چڑھا تاکہ اپنے گم شدہ گھوڑے کو دور دور تک دیکھ سکے۔ اسے گھوڑا تو دکھائی نہ دیا
امیر حسین نظر آ گیا۔ اس نے امیر حسین کو گرفتار کرا دیا اور تیمور کو اطلاع ہونے سے پہلے ہی اس کے سردار نے
امیر حسین کو ختم کر دیا۔

بہرحال اس پر سب کو اعتماد تھا کہ امیر حسین خیمے سے نکل بھاگا تھا۔ کسی مؤرخ نے بھی امیر حسین کے قتل پر
تیمور کو ملوث نہیں کیا۔ جو کچھ ہوا اس کا علم تیمور کو نہ تھا۔

امیر حسین کو پورے شاہانہ طریقے سے دفن کیا گیا جس میں تیمور اور اس کے تمام سرداروں نے شرکت کی
تیمور نے بعد میں امیر حسین کا مقبرہ بھی تعمیر کرا دیا تھا۔

امیر حسین کے کفن دفن کے دوران تیمور اور دلشاد آغا کا کئی بار سامنا ہوا لیکن دونوں ایک دوسرے کے
نظر بچا گئے۔ تیمور کو اپنی جگہ یہ شرمندگی تھی کہ اس نے دلشاد آغا سے امیر حسین کی جاں بخشی کا وعدہ کیا تھا لیکن
امیر حسین قتل ہو گیا۔ دوسری طرف دلشاد آغا بھی شرمندگی کی وجہ سے تیمور کا سامنا کرنے سے کتراتی تھی۔ وہ یہ
کر شرمندہ تھی کہ اگر تیمور نے اس سے پوچھا کہ امیر حسین کی معافی کے باوجود دلشاد آغا نے اسے کیوں قتل
ہونے دیا تو وہ کیا جواب دے گی؟

اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ تیمور اس سے اس سلسلے میں سخت باز پرس کرے گا لیکن کچھ دن گزرنے کے
اس نے محسوس کیا کہ تیمور کا رویہ اس کے ساتھ نہ صرف معالجانہ ہے بلکہ دوستانہ بھی ہے۔ تیمور نے حکم دے
کہ دلشاد آغا کو وہ تمام مراعات حاصل رہیں گی جو اسے بحیثیت ملکۂ غزنی حاصل تھیں۔ اس کا خیمہ تبدیل کر دیا گیا
اور اس کے ملازمین کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔

○

امیر حسین کی موت کے ساتھ تاتاریوں کی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔ امیر حسین کے قبضے میں غزنی، کابل اور

ماوراء النہر کا کچھ علاقہ تھا۔ وہ سب تیمور کے قبضے میں آ گیا۔ اب پورے تاتار میں اس کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ سمرقند
کی حکومت کا جھگڑا بھی نمٹ گیا تھا۔

تاتاری مسلمان ہو جانے کے باوجود اب بھی چنگیز خانی قانون کو بعض حصوں کو تسلیم کرتے تھے۔ مغلوں
میں خاقان کے مرنے کے بعد دوسرا خاقان مقرر کیا جاتا تھا۔ امیر قزغن کے بعد سمرقند کا تخت خالی ہو گیا تھا۔
امیر حسین نے اس کا دعویٰ کیا تھا لیکن وہ تیمور کے ہاتھوں شکست کھا کر قتل ہو چکا تھا۔ دوسری طرف بلادِ شمال کے
مغلوں کا اقتدار بھی ختم ہو گیا تھا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ تاتاریوں کا حاکمِ اعلیٰ منتخب کیا جائے۔

نئے امیر یا حاکم کے انتخاب کے لیے ضروری تھا کہ پرانے مغل دستور کے مطابق قوروتائی (مجلسِ مشاورت)
منعقد ہو اور تمام بڑے بڑے سردار، اتفاقِ رائے سے اپنا حاکم چن لیں۔ چنانچہ ہندوستان کے دروں سے لے کر
شمال کے مرغزاروں تک، تمام قبائلی کے سرداروں کو قوروتائی میں شرکت کے لیے پیغامات بھیجے گئے۔

یہ ایک بڑا اہم مسئلہ تھا اس لیے خبر ملتے ہی قبائلی سردار جوق در جوق بلخ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ قوروتائی
کا اجتماع بھی دیدنی تھا۔ اس میں عمامہ پوش ایرانی شہزادے، آئمہ کرام بخارا کے علما، درس گاہوں کے شیوخ،
خاندانِ دین شرکت کے لیے بلائے گئے۔ تیمور نے اپنے مرشد ہادیٔ زمان مولانا زین الدین اور ان کے مصاحبین کو
خصوصی دعوت نامہ بھیجا۔ ماوراء النہر کے ہادی و مرشد خواجہ بہاء الدین کو بھی مدعو کیا گیا۔ غرض یہ کہ پورے ملکِ
تاتار میں کوئی فوجی افسر، عالم، صوفی اور سردارِ قبیلہ نہ تھا جس کے پاس تیمور کا قاصد نہ پہنچا ہو اور اسے فوراً قوروتائی
میں پہنچنے کا پیغام نہ دیا گیا ہو۔ یہ تمام انتظامی امور تیمور کی طرف سے کیے جا رہے تھے لیکن تیمور کا یہ عالم تھا کہ وہ اس سے
بالکل لاپروا نظر آتا اور اپنے آپ کو ملکی انتظام میں معروف ظاہر کرتا۔

ملکِ تاتار کے تمام سرداروں کو علم تھا کہ قوروتائی میں کسی نئے امیر کا انتخاب نہ ہو گا بلکہ تیمور کے حق میں ان سے
رائے مانگی جائے گی کیونکہ سوائے تیمور کے اور کوئی اس منصب کا اہل نظر نہ آتا تھا۔

قوروتائی میں دور دراز علاقوں سے بھی سرداروں کو شرکت کے لیے آنا تھا اس لیے اس کی تاریخ دو ماہ
بعد مقرر کی گئی تھی تاکہ تمام مدعوئین آسانی سے بلخ پہنچ جائیں لیکن ابھی ان کی آمد کا سلسلہ شروع بھی نہ ہوا تھا کہ تیمور
کو ایک حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔

تیمور کا ایک جانثار شیر بہرام تو امیر حسین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا جس کا غم ابھی دور نہ ہوا تھا کہ تیمور کو اپنے
ایک اور عزیز دوست اور ساتھی کا غم برداشت کرنا پڑا۔

تیمور قوروتائی کے انتظامات میں مصروف تھا کہ اسے ختلان کے حاکم کیخسرو کی بغاوت کی اطلاع ملی۔ کیخسرو
پہلے امیر حسین کا حلیف تھا لیکن جب اس کے بھائی کو امیر حسین نے بلاوجہ قتل کرا دیا تو وہ امیر حسین سے خفا ہو کر تیمور کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس آ گیا لیکن امیر حسین کے قتل ہوتے ہی اس نے تیمور کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ وہ پہلے شمال کے مغلوں کا ہمدرد اور ان کا باجگذار تھا۔ اس نے فوراً مغلوں سے امداد طلب کی۔ مغل ملک تاتار پر تھے لیکن کیخسرو کی مدد کو انہوں نے کچھ فوج بھیج دی۔ کیخسرو کا حوصلہ اس وجہ سے بھی بڑھ گیا تھا۔

تیمور کو علم تھا کہ ابھی اسے بہت سے سرکش سرداروں کو زیر کرنا ہے۔ اس نے فوراً کیخسرو کا فیصلہ کیا اور ایک فوج ترتیب دی۔ قروتائی کا دن قریب آ رہا تھا اس لیے تیمور کے سرداروں نے مشورہ دیا کہ اس وقت تیمور کی بلخ میں موجودگی ضروری ہے۔ اس لیے اپنے بجائے وہ کسی سردار کو کیخسرو کے مقابلے پر بھیجے۔ تیمور نے اس مشورے کو پسند کیا اور تین سرداروں کو اس مہم کے لیے منتخب کیا۔ امیر حفاظی، عرب سردار شیخ علی بہادر اور مشہور طرحدار ایلچی بہادر تھے۔

ان میں صرف ایلچی بہادر سمجھدار تھے اور حکمت عملی سے کام لیتے تھے۔ باقی دونوں سردار نہایت بہادر اور رجائی فطرت کے مالک تھے۔ بات بات پر تلوار کھینچتے اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ تیمور نے ضروری ہدایات دے کر بھیجا تھا لیکن بلخ سے روانہ ہوتے ہی ان کی تند خوئی عود کر آئی۔ وہ اس قدر تیزی کے کیخسرو کی طرف بڑھے کہ باقی فوج ان سے پیچھے رہ گئی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ وہ اس قدر آگے نکل گئے کہ کسی جگہ ٹھہر کر کئی کئی گھنٹے فوج کا انتظار کرنا پڑا۔

ایک دن یہ تینوں فوج سے بہت آگے ایک دریا کے کنارے گھوڑے اڑاتے چلے جا رہے تھے کی نظر دریا کے دوسری طرف پڑی تو وہاں ایک فوج نظر آئی۔ انہوں نے گھوڑوں کی راسیں کھینچیں اور پیڑ کی آڑ میں چھپ گئے۔ انہیں شبہ تھا کہ یہ مغلوں یا کیخسرو کی فوج ہے۔

ذرا دیر بعد انہیں دریا پار کیخسرو گھوڑے پر سوار نظر آیا۔ اس کے ساتھ کئی مغل سردار بھی تھے کر لینے کے بعد کہ یہ وہی فوج ہے جس کی تلاش میں وہ آئے ہیں، ان تینوں نے آپس میں صلاح شروع کر دیے۔

"ہمیں پہلے اپنی فوج کا انتظار کرنا چاہیے"۔

ایلچی بہادر نے نہایت صائب مشورہ دیا:

"فوج کی آمد سے پہلے حملے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا"۔

"ہوں....."

امیر حفاظی غرّایا:

"تمہارا مطلب ہے کہ جب تک فوج نہ آ جائے ہم چوروں کی طرح یہاں چھپے بیٹھے رہیں اور دشمن

امیر حفاظی بہادر"۔

ایلچی بہادر نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی:

"ہم صرف تین ہیں۔ بیچ میں دریا۔ اُس طرف دشمن کی پوری فوج۔ سوائے انتظار کے ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

"دیکھتے رہو کہ کیا ہو سکتا ہے؟"

ایلچی بہادر نے اسے حیرت سے دیکھا۔ امیر حفاظی بہادر دراصل مغل سردار تھا اور اب تیمور کا وفادار ہو گیا تھا اس کی طبیعت میں مغلوں جیسی سختی اور تندی موجود تھی۔ ایلچی بہادر نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر امیر حفاظی بہادر سے زیادہ بحث کی تو وہ تلوار کھینچ لے گا اور دو میں سے ایک مارا جائے گا۔

امیر حفاظی بہادر کو ایلچی بہادر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے شیخ علی بہادر کو دیکھا۔ لطف یہ کہ وہ دونوں اپنی تُند خوئی اور بد دماغی کی وجہ سے پورے تاتاری لشکر میں مشہور تھے لیکن دونوں میں خوب گہری دوستی بھی تھی۔

شیخ علی بہادر نے گھور کر امیر حفاظی کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں بولا:

"خوب، بہت خوب۔ کیا مغل اسی طرح لڑتے ہیں؟"

بھلا امیر حفاظی بہادر یہ طنز کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ وہ تڑپ کے اٹھا۔ اچک کے گھوڑے پر بیٹھا اور بولا:

"شیخ علی! میں دکھاتا ہوں کہ مغل کیسے لڑتے ہیں؟"

اس کے ساتھ ہی اس نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

شیخ علی بہادر اور ایلچی بہادر حیرت زدہ رہ گئے۔ انہیں امیر حفاظی بہادر سے ایسی حماقت کی امید نہ تھی۔ پھر ان کی حیرت کی اُس وقت تو انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ امیر حفاظی نے دریا پار کیا اور دوسری طرف پہنچتے ہی کیخسرو کے سواروں پر حملہ کر دیا۔

یہ شیخ علی بہادر کی بہادری پر بہت بڑا تازیانہ تھا۔ وہ بجلی جیسی سرعت سے اٹھا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور دریا پار تیز دھارا کاٹنے لگا۔

ایلچی بہادر کیسے پیچھے رہ سکتا تھا۔ اس نے بھی اپنا گھوڑا دریا میں اتار دیا۔ شیخ علی بہادر جس وقت دریا پار پہنچا تو اس وقت تک امیر حفاظی، دشمن کے دو سواروں کو ختم کر چکا تھا لیکن اب وہ دشمنوں کے نرغے میں آ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیخ علی بہادر نے ایک نعرہ لگایا اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے سامنے جو آیا وہ ہاتھ آ گیا یا پیچھے ہٹ گیا۔ شیخ علی نے جلد ہی امیر حطائی کا گھیرا توڑ دیا اور مارتا کاٹتا اس کے قریب پہنچ گیا پھر امیر حطائی سے کہا:

"امیر اس طرح لڑنا حماقت ہے۔ پاگل نہ بنو۔ واپس چلو۔"

"مغل حملہ کر کے واپس نہیں جایا کرتا۔ تمہیں واپس جانا ہے تو چلے جاؤ۔" امیر حطائی نے بھی اسی طرح جواب دیا اور اس کے حملے میں شدت پیدا ہو گئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" شیخ علی کے منہ سے نکلا۔

اب دونوں دوست نما، بشانہ دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس گفتگو کے دوران بھی ان کی تلواریں کے ساتھ ساتھ تلواریں بھی چلتی رہی تھیں۔ اُس دن ان ذونوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ . . . . لیکن عین وقت پر ان کی مدد کو پہنچ گیا۔

پھر زبردست لڑائی ہوئی۔ تیمور کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی اور کنجسرو گرفتار ہوا۔ اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی وہ دونوں اس فتح پر خوش ہو ہی رہے تھے کہ چند سواروں نے بتایا کہ ایلچی بہادر مع گھوڑے کے دریا پار کرتے ہوئے غرق ہو گیا ہے۔ اس خبر سے ان کے چہرے اتر گئے۔

جب تیموری لشکر کنجسرو کو گرفتار کر کے تیمور کے پاس پہنچا تو اسے جہاں اس فتح کی خوشی ہوئی وہاں ایلچی کی غرقابی سے اسے سخت صدمہ ہوا۔ تیمور نے اپنے دوست کا کئی دن سوگ منایا۔ دو ماہ کے عرصے میں تیمور کے دو دوست اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے تھے۔

○

قزوینائی کا اجلاس شروع ہوا۔ تیمور نے قصداً اس میں شرکت نہ کی۔ مجلس میں بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ مرا کی اکثریت تیمور کے حق میں تھی لیکن وہ قبائلی سردار جو زیادہ طاقتور تھے اور جن کے قبائل تعداد میں زیادہ تھے تیمور کو اپنا حاکم ماننے پر تیار نہ تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ کسی کی ماتحتی برداشت کرنے پر کسی صورت آمادہ نہ تھے۔

"ہمارا ملک مغلوں کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔" ایک بدخشانی سردار نے کہا۔ . . . "خانہ جنگی

ہو چکی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ملک کو آپس میں تقسیم کر لیں اور اپنے علاقوں میں آزاد امیر کی طرح حکومت کریں اگر خدانخواستہ ہم پر کسی طرف سے حملہ ہوا تو ہم سب متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔ بھائیوں کی طرح خلوص اور محبت سے رہنے کا یہی طریقہ ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں بھائیوں کی طرح رہنا چاہیے۔"

بوڑھا جاکو برلاس سنجیدگی سے بولا:

"لیکن بھائیوں میں اتحاد و میل ملاپ اسی وقت برقرار رہتا ہے جب ان کے سر پر ایک بڑا بھائی ہو جو انہیں اونچ نیچ سمجھاتا رہے۔ ملک کو تقسیم کرنے کا مطلب اپنی طاقت کو تقسیم کر دینا ہے۔ تمہارے الگ الگ ہوتے ہی شمال کے مغل پھر پلٹ آئیں گے اور فرداً فرداً ہر حاکم کو شکست دے دیں گے۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ کوئی کسی کا ساتھ نہ دے گا اس لیے ایک امیر بادشاہ کا انتخاب ضروری ہے۔"

جاکو برلاس نے معقول دلیل دی تھی لیکن طاقت ور سرداروں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ ایک سردار نے سخت لہجے میں کہا:

"امیر یا بادشاہ کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے پرانے دستور میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہمیں امیر قزغن کے طریقے پر چلنا چاہیے اور چنگیز خان کی اولاد میں سے کسی کو بادشاہ مقرر کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں سردار تیمور کو اس کا نائب مقرر کیا جا سکتا ہے۔"

علماء اور درویش یہ سنتے ہی بگڑ کر کھڑے ہو گئے۔ خواجہ ابوالبرکات نے مخالفت کرتے ہوئے کہا:

"الحمدللہ ہم مسلمان ہیں اور مغل اب تک کافر ہیں۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مسلمان اور طاقتور ہوتے ہوئے اپنے آپ کو ایک غیر مسلم کو اپنے سر پر مسلط کریں۔ سردار تیمور کی طاقت چنگیز خان سے کسی طرح کم نہیں۔ پھر ہم مغلوں کی حکومت کیوں قبول کریں۔ تم وہ وقت کیوں بھولتے ہو جب بلادِ شمال کے ناں نہاد مظلوم کے خوف سے صحراؤں اور پہاڑوں میں منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ ان کے مقابلے پر تیمور کی تلوار بلند ہوئی۔ مغلوں کے خلاف اٹھنے والا یہ پہلی تلوار تھی۔ تم میں بھی ہمت پیدا ہوئی اور سب نے مل کر مغلوں کو مار بھگایا لیکن خیال رہے کہ سردار تیمور نے تم سے نہ اس وقت مدد مانگی تھی اللہ نہ آج وہ تمہاری مدد کا خواہاں ہے۔ اس کے بازوؤں میں طاقت موجود ہے اور عنانِ حکومت وہی ہاتھ سنبھال سکتے ہیں جو تلوار چلانا جانتے ہوں۔ ہم تمام درویش، علماء اور شیوخ کا واضح اعلان ہے کہ ہم نے سردار تیمور کو ملک تاتار کا امیر اور بادشاہ تسلیم کر لیا ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ سردار تیمور کوئی بڑا دیندار آدمی ہے بلکہ تیمور نے اپنی اہلیت، جاں بازی اور فوجی تدبر سے مغلوں کو شکست دے کر ہمیں سر بلند کر کے چلنے کا موقع

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سردار تیمور ہمارا امیر ہے"۔ امیر حفظائی بہادر نے چیخ کر کہا۔

"وہ ہمارا بادشاہ ہے"۔ شیخ علی بہادر نے اس کی آواز میں آواز ملائی۔

مخالفت کا طوفان دب گیا۔ اب کس میں ہمت تھی کہ سردار تیمور کو "امیر" تسلیم کرنے سے انکار کرتا۔ جگتائی تیمور کو تاتاری سرداروں کے علاوہ بعض مغل سرداروں کا بھی تعاون حاصل تھا جو مغلوں کی شکست کے بعد تیمور کے حلقہ عافیت میں پناہ لے چکے تھے۔

تیمور کو امیر منتخب کر لیا گیا اور خود پوشش قبائلی سرداروں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ دوسرے دن قبائلی سردار اور حاشیہ نشین تیمور کے خیمے میں اظہارِ اطاعت کے لیے حاضر ہوئے۔ تیمور حسبِ معمول ذرہ بکتر پہنے ہوئے ایک چھوٹے سے تخت پر بیٹھا تھا۔

تمام سردار اس کے سامنے قالین کے فرش پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر ایک سردار نے سفید مسند لے کر تیمور کے تخت کے پاس آ کر اس سے تخت پر مسند بچھانے کی اجازت چاہی۔ تیمور تخت سے اتر گیا۔ سفید مسند تخت پر لگا دی گئی۔ پھر سب نے یک زبان ہو کر تیمور سے مسند پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ تیمور مسند پر بیٹھ گیا۔

مغلوں کے دستور کے مطابق سفید مسند پر صرف شاہِ وقت یا حاکمِ اعلیٰ بیٹھتا تھا۔ اب تیمور کا لقب "امیر تیمور گورگان" ہو گیا۔

آخری رسم، حلفِ وفاداری کی تھی۔

امیر تیمور کے پیر و مرشد مولانا زین الدین نے قرآن منگوا کر درمیان میں رکھا۔ پھر ایک ایک سردار کو بلایا۔ سردار آتے۔ قرآن پر ہاتھ رکھتے اور امیر تیمور سے وفاداری کا اقرار کرتے۔

تاتاریوں میں اس رسم کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ آج سے تاتاری تیمور کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے۔ اس کے صلے میں تیمور رعیت کی املاک کا محافظ ہو گا اور ان کے تمام جھگڑوں کا تصفیہ کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔

آخر میں مولانا نے کھڑے ہو کر دعا پڑھی اور امیر تیمور کو مخاطب کر کے کہا:

"اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ آپ سپہ سالار، فاتح اور تاتاریوں کے امیر بنیں اور آپ کی عظیم طاقت اسلام کی تقویت کا باعث بنے"۔

امیر تیمور اس وقت چار آئینہ سجائے، بازو بند اور شانہ گیر لگائے اور سر پر زریں کام کا جگمگاتا خود پہنے بڑا پُروقار اور بارعب دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اس خوشی کے موقع پر دل کھول کر تحائف تقسیم کیے۔ قبائلی خلعتیں

مرصع زینیں اور گھوڑے جو کچھ اس کے پاس تھا، اس نے سرداروں میں تقسیم کر دیا۔ ہر سردار کے خیمے پر میووں اور کپڑے کی کشتیاں بھجوائیں۔ قرولتائی میں آنے والے عالموں اور درویشوں کو یہ فضول خرچی پسند نہ آئی۔ ایک درویش سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے سردار تیمور سے کہا:

"انعام و اکرام امیر پر واجب ہے لیکن سب کچھ لٹا دینا آئین اور اصولِ سلطانی کے خلاف ہے"۔

امیر تیمور نے درویش کو مسکرا کر دیکھا اور بڑی سادگی سے جواب دیا:

"اے درویشِ محترم! میں سب کچھ بخش دینے کے بعد بھی غریب نہیں ہوں کیونکہ اگر میں امیر ہوں تو ان سب کی دولت میری دولت ہے اور میں حاکمِ وقت اور امیر نہ تھا نہیں تو میرے پاس جو دولت ہے وہ کس کام کی؟"

درویش اس جواب سے خوش بھی ہوئے اور مطمئن بھی۔ پھر کبھی کسی نے تیمور کی داد و دہش اور دریا دلی پر اعتراض نہ کیا۔

تیمور کے تمام لواحقین اور عزیز و اقارب قرولتائی کی خبر سن کر بلخ پہنچ گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ قرولتائی میں سردار تیمور کو ہی "امیرِ تاتار" چنا جائے گا۔ ان میں شہرِ سبز کے بہت لوگ تھے۔ سمرقند سے اس کی بہن اور بہن کے تمام عزیز بھی اسے مبارک باد دینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

دربار کے بعد جب تیمور خواتین کے خیمے میں پہنچا تو اس کے قبیلے کی عورتوں اور سرداروں کی بیگمات نے اسے گھیر لیا۔ کسی نے بلائیں لیں، کسی نے صدقہ اتارا۔ ہر طرف مبارک باد کا غلغلہ اٹھا۔ تیمور نے بزرگ خواتین کی دعاؤں کے جواب میں انہیں ادب سے سلام کیا۔ بچیوں اور نوعمر لڑکیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا اور انہیں تحائف دیے۔ یکایک تیمور کی نظر خیمے کے ایک طرف پڑی جہاں دلشاد آغا سب سے الگ کھڑی بڑی مسرت اور دلچسپی سے امیر تیمور کو دیکھ رہی تھی۔

"امیر کی نوازشوں کے لیے شکر گزار ہوں"۔

دلشاد نے بغیر نظریں ملائے جواب دیا:

"آپ نے مجھ بدنصیب کو سہارا دے کر سخاوت اور احسان کی ایک مثال قائم کی ہے ورنہ مفتوح کے غم کا فاتح کے ہاتھوں جو حال ہوتا ہے اس سے کون واقف نہیں"۔

خواتین تیمور کو گھیرے ہوئے تھیں لیکن تیمور کو دلشاد آغا سے گفتگو کرتے دیکھ کر پائیں ادب سے ذرا پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

تیمور نے پھر بھی کنکھیوں سے اپنے اردگرد دیکھا۔ پھر سرگوشی کی: "دلشاد آغا! تم ملکہ تھیں اور ملکہ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلشاد آغا نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں لیکن تیمور کے قدم آگے بڑھ چکے تھے اور عورتوں نے پھر اسے اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔

تیمور بہت دیر تک خواتین کے درمیان رہا لیکن نہ تو اس نے دوبارہ دلشاد آغا سے گفتگو کرنے کی کوشش کی اور نہ دلشاد آغا اس کے قریب گئی۔

دلشاد آغا تذبذب میں مبتلا ہو گئی تھی۔ وہ بار بار تیمور کے آخری جملے کا کوئی واضح مطلب نکالنے کی کوشش کرتی لیکن الجھ کر رہ جاتی۔ اس کی سمجھ میں یہ تو آ گیا تھا کہ تیمور اس کے شاہانہ وقار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے لیکن اس کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ تیمور چلا گیا لیکن دلشاد آغا کے پُرسکون دنیا میں تلاطم پیدا کر گیا۔

اسی شام تیمور نے مولانا زین الدین سے تنہائی میں ملاقات کی۔ مولانا کے گھر کی خواتین بھی اس وقت اپنے خیمے میں موجود تھیں جس وقت تیمور اور دلشاد آغا کے درمیان سرگوشیوں میں باتیں ہوئی تھیں۔ ان خواتین نے یہ بات مولانا کے کان میں ڈال دی تھی۔ مولانا خود بھی امیر تیمور کی تنہائی کی طرف سے پریشان تھے۔ البانی خاتون کو ان کے چھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور تیمور نے اب تک دوسری شادی کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

"مولانائے محترم! میں ایک ذاتی معاملے میں آپ کا مشورہ چاہتا ہوں۔"

تیمور نے بڑے ادب سے کہا:

"لیکن یہ خیال دامن گیر ہے کہ کہیں آپ میری خواہش کو طاقت کے غلط استعمال کا نام نہ دیں۔"

مولانا زین الدین سمجھ گئے کہ تیمور دلشاد آغا کے سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے لیکن شاید اس خیال سے جھجک رہا ہے کہ اس کی عمر اب پینتیس سال سے تجاوز کر چکی ہے اس لیے مولانا نے اس کی الجھن دور کرنے کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا۔ وہ بولے:

"اے امیر! اب آپ اپنے ذاتی اور ملکی معاملات میں خود مختار ہیں۔ آپ کو کسی سے صلاح و مشورے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال، یہ امیر کی سعادت مندی ہے کہ وہ اب بھی مجھے کسی مشورے کے قابل سمجھتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ آپ اپنا مسئلہ بیان کریں، پہلے میری ایک پریشانی پر توجہ فرمائیے۔ یہ پریشانی صرف میری ہی نہیں بلکہ اس الجھن میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو شروع سے اب تک آپ کی ذات اور جدوجہد آزادی میں آپ کے شریک ہیں۔"

"آپ کو کیا پریشانی ہے مولانا؟"

تیمور گھبرا گیا:

"میرا اپنے تمام دیرینہ ساتھیوں اور دوستوں کو انعام و اکرام سے نوازنا چاہتا ہوں۔ اگر انہیں کوئی پریشانی ہے

تو آپ نے مجھے پہلے آگاہ کر دیا ہوتا۔"

"آپ زیادہ فکرمند نہ ہوں امیر!"

مولانا نے سنجیدگی سے کہا:

"ہم لوگ دراصل آپ کی تنہائی اور اس بے سکون زندگی سے پریشان ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ البانی خاتون کا نعم البدل پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی درست ہے کہ آپ کو اس سے بے پناہ محبت تھی اور اب بھی ہے لیکن انسان، بیت ایزدی کے آگے بے بس ہے۔ جس کو جتنی عمر عطا ہوئی ہے، وہ اس سے ایک سانس آگے نہیں جا سکتا۔ شہزادہ جہانگیر پر نظر ڈالیے۔ وہ جوانی میں قدم رکھ رہا ہے۔ وہ ممتا سے محروم کنیزوں کے ہاتھوں پرورش پا رہا ہے۔ اس عمر میں شہزادے کو ماں کی نصیحتوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ دوسری شادی کر لیں تو آپ کی تنہائی دور ہو جائے گی اور شہزادے کو صحیح راستہ دکھانے والا بھی میسر آ جائے گا۔"

تیمور دل میں بہت خوش ہوا۔ وہ تو اسی معاملے میں گفتگو کے لیے آیا تھا۔ وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے شادی سے بولا:

"مولانا! اگر آپ اور میرے احباب کا یہ مشورہ ہے تو میں اس پر خوشی کے ساتھ عمل کرنے پر تیار ہوں میں نے کچھ دنوں سے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔"

"اے امیر آپ نے ہم سب کا بوجھ ہلکا کر دیا۔"

مولانا فوراً بولے اور بات آگے بڑھائی:

"اگر آپ نے اب تک کسی ہستی کا انتخاب نہیں کیا ہے تو میں ایک خاتون کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ میرے خیال میں مرحومہ البانی خاتون آغا کی کمی کچھ نہ کچھ ضرور پوری کر سکتی ہیں۔"

تیمور گھبرا گیا۔

وہ تو پہلے سے کسی کو منتخب کر چکا تھا۔ اسے ڈر پیدا ہوا کہ مولانا کسی ایسی خاتون کا نام نہ تجویز کر دیں جس سے اسے انکار کرنا پڑے اور مولانا کی خواہ مخواہ دل آزاری ہو لیکن بات مولانا کے منہ سے نکل چکی تھی اس لیے اس نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ اس نے کہا:

"مولانائے محترم! میرے ذہن میں کچھ نام ہیں، آپ اپنی تجویز بتا دیجیے۔ میں فیصلہ کرتے وقت اس نام کو بھی پیش نظر رکھوں گا۔"

مولانا نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا:

"آپ اپنے فیصلے میں مختار ہیں اور ہم آپ کے فیصلے کو ہر صورت قبول کریں گے۔ پھر بھی یہ میری خواہش ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اگر آپ اس اہم منصب کے لیے سابق ملکہ دلشاد آغا کو پسند کریں تو نہایت مناسب رہے گا۔ ملکہ ایک بہادر اور سمجھدار خاتون ہیں۔ وہ ایک غمزدہ بیوہ بھی ہیں۔ اس منصب پر فائز ہونے سے وہ اپنے غم بھلا سکیں گی۔ ان کی دلجوئی ہوگی اور ان سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ وفاداری اور جاں نثاری کی امید ہے لیکن یہ میرا محض مشورہ ہے۔"

تیمور کا دل مسرتوں سے لبریز ہو گیا۔ وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور فوراً بولا:

"مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے۔ . . . . دلشاد آغا کا نام میرے ذہن میں بھی تھا۔ آپ نے تجویز کر کے مجھے بہت سی الجھنوں سے بچا لیا۔"

"اے امیر! خدا آپ کی عمر میں برکت دے۔"

مولانا نے خوش ہو کر کہا:

"دلشاد آغا یقیناً ایک بہترین ملکہ ثابت ہوں گی۔ میرا مسئلہ تو آپ نے حل کر دیا۔ اب آپ اپنی آپ کو کسی سلسلے میں مشورہ درکار ہے؟"

"میرا مسئلہ بھی آپ کے مسئلے میں شامل ہو گیا۔"

تیمور مسکرا کر کھڑا ہو گیا:

"اب کسی مزید مشورے کی ضرورت نہیں۔"

تیمور واپس چلا گیا۔ مولانا نے جو اندازہ لگایا تھا، وہ درست نکلا۔

○

ابھی رات نہ بھیگی تھی کہ دلشاد آغا کی ایک کنیز بھاگتی ہوئی باہر سے آئی اور ہانپتے ہوئے بولی:

"امیر۔ امیر تیمور تشریف لا رہے ہیں۔ آپ سے ملنے۔ ابھی۔ ابھی۔ وہ آ رہے ہیں۔"

دلشاد آغا گھبرا گئی۔ بوکھلا گئی۔

امیر اور اس کے خیمے میں؟ . . . . آخر کیوں آ رہے ہیں وہ؟

ابھی وہ اسی ادھیڑ بُن میں تھی کہ دوسری کنیز خیمے میں آئی اور اطلاع دی کہ امیر خیمے کے پاس ہیں۔ دلشاد آغا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسی وقت تیسری کنیز نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور تیمور مسکراتا ہوا داخل

ہوا۔ کنیزیں تسلیم کرتی ہے امیر محترم"۔

دلشاد آغا نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا:

"اے نصیب کہ امیر محترم بدنصیب کے خیمے میں تشریف لائے لیکن کنیز یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ والیٔ ماوراء النہر یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟ مجھے طلب کیا ہوتا۔ میں خود حاضر ہو جاتی۔"

"دلشاد آغا! ہاں تم سے ایک اہم مسئلے پر گفتگو کرنا ہے۔"

تیمور نے خیمے میں موجود کنیزوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا:

"مسئلے کا تقاضا تھا کہ ہم خود چل کر تمہارے پاس آئیں۔"

"تشریف رکھیے امیر۔" دلشاد آغا نے کہا اور کنیزوں کو اشارہ کیا۔ تمام کنیزیں خیمے سے باہر چلی گئیں۔

"دلشاد آغا!"

تیمور نے بیٹھتے ہوئے کہا:

"ہم تمہاری اہمیت اور اہلیت کے ہمیشہ معترف رہے ہیں لیکن حالات پر کسی کا اختیار نہیں۔ ہم پرانی باتیں کر کے تمہارے دل کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری خواہش ہے کہ تم گزشتہ زندگی کے کو بھول کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرو۔ ہم تمہارا جواب سننے آئے ہیں۔ اطمینان رکھو کہ تمہاری مرضی کے خلاف قدم نہیں اٹھائیں گے۔"

دلشاد آغا فوراً سمجھ گئی کہ تیمور کا مقصد کیا ہے؟

یہ بات اس کے لیے بڑی باعث مسرت تھی۔ تیمور اس کے شوہر امیر حسین کا بدلہ ہی نہ تھا بلکہ اس سے ہر لحاظ اور ارفع تھا مگر دلشاد کے دل میں ابھی کچھ شبہ تھا۔ اس نے بات صاف کرنے کے لیے کہا:

"میں امیر کی نوازشوں کی دل سے شکر گزار ہوں۔ ایک مفتوح اور مقتول کی بیوہ کے ساتھ آپ نے جو سلوک کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ آپ نے تو مجھے نئی زندگی پہلے ہی عطا کر دی ہے۔ مجھے دنیا کی ہر نعمت سے سرفراز کیا ہے۔"

دلشاد آغا نے دراصل تجاہل عارفانہ سے کام لیا تھا۔ تیمور نے اس کی وضاحت ضروری سمجھی اور پھر صاف صاف بولا:

"دلشاد آغا! ہم نے جو سلوک تمہارے ساتھ کیا تم اس کی حقدار تھیں لیکن یہ سب کچھ تمہارے مرتبے سے ہے۔ ہم تمہیں اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔"

بات بالکل صاف ہو گئی تھی۔ تیمور نے دلشاد کو جواب کا موقع بھی دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلشاد ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولی:

"امیرِ محترم! اگر آپ تاتاریوں کے پرانے دستور کے مطابق مفتوح اور مقتول دشمن کی بیوی کی حیثیت سے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو میرے جواب کی ضرورت نہیں۔ آپ آقا ہیں اور کنیز کا فرض اپنے آقا کے حکم کی بجا آوری ہے۔ میرے لیے سوائے تعمیلِ حکم کے اور کوئی چارہ نہیں۔ آپ سے شکوہ ہو گا اور نہ اپنی قسمت سے۔"

مغل اور تاتاری قبلِ اسلام مفتوح بادشاہ یا سردار کی بیوی کو زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیتے تھے اور یہ ایک مصدقہ دستور بن گیا تھا۔

دلشاد بہت ذہین تھی۔ وہ کنیز کی حیثیت سے تیمور کے حرم میں داخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ میں بھی جہاد کے دوران یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا لیکن امیر تیمور اور امیر حسین دونوں مسلمان تھے اور اس جہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ دلشاد نے اپنی فراست سے اس نکتے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"دلشاد آغا"۔

تیمور اس سے زیادہ ذہین تھا:

"تم نے ہماری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ تاتاریوں کے پرانے رسم و رواج کے اب ہم؛ ہم نے اس سلسلے میں مولانا زین الدین سے گفتگو کی ہے۔ اگر تم اپنی رضامندی ظاہر کر دو تو شرعاً عقد ہو گا۔ تمہارے انکار کی صورت میں ہم کوئی جبر نہیں کریں گے۔"

دلشاد آغا کا چہرہ مسرت اور شرم سے تمتما اٹھا۔

اسے جواب تو بہر حال دینا تھا۔ نظریں جھکا کر بولی:

"اس سے بڑا اعزاز میرے لیے اور کونسا ہو سکتا ہے امیرِ محترم؟"

"ہم تمہارے شکر گزار ہیں دلشاد آغا۔"

تیمور نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا:

"ہم اپنی تنہائی سے تنگ آ گئے تھے۔ تمہاری رفاقت سے ہمیں مسرت حاصل ہو گی۔"

دوسرے دن ایک بڑی ضیافت کا اہتمام ہوا جس میں چھوٹے بڑے تمام تاتاری سردار اور مولانا زین الدین نے دلشاد آغا اور تیمور کا نکاح پڑھایا۔

نکاح کے بعد تیمور نے بخشش کا ایسا بازار گرم کیا کہ اہلِ بلخ حیران رہ گئے۔

دلشاد آغا رخصت ہو کر تیمور کے خیمے میں آئی تو تیمور نے اسے سرائے خانم کا خطاب دیا۔ سرائے خانم نے اپنے رویے سے تیمور کو بھی اس قدر خوش کیا کہ وہ خاتون آغا الجائی خاتون کے غم کو بڑی حد تک بھول گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوارزم کی کلی

خوبرو شہزادہ جہانگیر شکار کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے آمو تک پہنچ گیا۔

دریائے آمو ملکِ تاتار اور سلطنتِ خوارزم کے درمیان قدرتی سرحد تھی۔ خوارزم کا حاکم حسین تاتاری تھا اور اس کا تعلق تاتاریوں کے سب سے مضبوط قبیلہ جلائر سے تھا لیکن اب تک خود کو کے تینِ اعظم کا حلیف اور باجگذار سمجھتا تھا جبکہ تاتار کے امیر تیمور نے خانِ اعظم کو تختِ فاش سمرقند سے نکال دیا تھا۔ اور اب ماوراءالنہر کا خود مختار حاکم تھا۔

تیمور اور حسین صوفی میں اختلاف کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی اور شہزادہ جہانگیر اسی امیر سے بڑا بیٹا تھا۔

جہانگیر کا شکار نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا مگر جب دریا پار نگاہ کی تو نظر بیس دوشیزاؤں پر پڑی جو اس طرف کے ساحل پر کھڑی تھیں۔ ونور کا ایک گلستان کھلا ہوا تھا۔ دس بارہ لڑکیاں جھلملاتے کپڑوں میں گھوڑوں پر سوار تھیں۔ ان کا رخ جہانگیر کی طرف تھا اور وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

ان کے چہروں کے نقش و نگار تو واضح نظر نہ آ رہے تھے لیکن وہ حسن ہی کیا جو دریا کے فاصلے کو عبور کر کے اپنی جلوہ نمائی نہ کر سکے۔

سب سے آگے آنے والی لڑکی کے شہابی رخساروں سے پھوٹنے والی کرنیں تو جہانگیر کے دل میں اتر گئی تھیں۔ شہزادہ جہانگیر اس حسنِ بے محابہ سے کچھ ایسا سرشار ہوا کہ دریا کے بالکل کنارے آ گیا۔ یہاں تک کہ گھوڑے کے اگلے پیر پانی میں پہنچ گئے۔

لڑکیوں میں کچھ سرگوشیاں ہوئیں۔ سب سے آگے والی شوخ و شنگ حسینہ نے ساتھ کی لڑکیوں کو کوئی بات سمجھائی۔ ان میں ایک لڑکی بڑھ کے آگے آ گئی اور دریا میں گھوڑا ڈال کے تقریباً چیختی ہوئی بولی:

"وہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو؟ ہمت ہے تو ادھر آ جاؤ۔"

شہزادہ جہانگیر کی شجاعت پر جیسے چوٹ پڑی۔ اس کا دل چاہا کہ گھوڑا تیرا کر اس پار چلا جائے اور یہ بتائے کہ تیمور کا بیٹا دریا کی ان حقیر موجوں سے تو کیا، ضرورت پڑے تو چٹانوں سے بھی ٹکرا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھی جو اب اس کے قریب پہنچ چکے تھے، ان میں سے ایک گھوڑا بڑھا کر جہانگیر کے پاس آیا اور آہستہ سے کہا:

"شہزادے بہادر! ادھر ہرگز نہ جائیے گا۔ دشمن کا علاقہ ہے۔ خدا معلوم کیا افتاد پڑے؟"

شہزادہ تذبذب میں پڑ گیا۔

دوسری طرف سے ایک اور آواز بلند ہوئی:

"جوان ہو اچھے ہو مگر بزدل ہو۔"

اس کے ساتھ ہی تمام لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

جہانگیر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ پلٹ کر اپنے ساتھی سے کہا:

"سنا تم نے؟ ہم پر طنز ہو رہا ہے۔ بزدل ہونے کا طعنہ دیا جا رہا ہے۔ یہ ناقابلِ برداشت ہے۔ ہم ادھر جا رہے ہیں۔"

"مگر شہزادے....."

"تم یہیں انتظار کرو۔" شہزادے نے ساتھی کی بات کاٹ دی۔

گھوڑا اپنے سوار کو لے کر موجوں سے نبرد آزما ہو گیا۔ سوار بھی کون؟ امیر تیمور کا بیٹا شہزادہ جہانگیر — سنتِ تاتار کا دلی عہد۔

تیمور نے شہزادے جہانگیر کو پندرہ سال کی عمر ہی میں حرب و ضرب کے جملہ فنون میں ماہر کر دیا تھا۔ شہزادہ جری اور نڈر تھا۔ میدانِ جنگ میں شیر کی طرح جھپٹ کر حملہ کرتا اور دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیتا لیکن عملی زندگی میں اتنا ہی ہوشیار اور نیک مشہور تھا۔ ولی عہدِ سلطنت ہونے کی وجہ سے خاندان اور دوسرے قبیلوں کی دوشیزائیں اس کے قریب آنے کی کوشش کرتیں، تو کچھ اپنے وقار اور کچھ شرم کی وجہ سے ان سے کتراتا لیکن دریائے آمو کے حسن و جوان کے اس منظر نے اسے مسحور کر دیا اور اب تو اس کے وقار پر ضرب پڑی تھی۔ اس کا امتحان لیا جا رہا تھا پھر وہ دریا پار کیوں نہ کرتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھوڑے نے اسے دم کے دم میں دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔۔۔۔ لڑکیوں نے اسے گھیر لیا گرد و نور کا ہالہ چھٹ گیا۔

"کون ہو تم؟"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"ادھر کیوں دیکھ رہے تھے؟"

"کیسے بے شرم ہو؟" ایک آواز پر بھاگے چلے آئے۔"

کچھ چٹکیاں، کچھ چھلیں، کچھ طنز۔ ہر لڑکی نے اپنے اپنے طور پر آواز کسے۔ مزاح کے تیر جہانگیر میدان کا مرد تھا۔ لڑکیوں سے وہ یونہی گھبراتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ اس وقت شرم و لحاظ کا اور خواری کے سوا کچھ اور حاصل نہ ہوگا۔

اس نے لڑکیوں کو گھور کر دیکھا۔ مذاق اڑانے والی لڑکیاں اس کی تیز نظروں کا سامنا نہ کر سکیں۔ اس پُرجلال چہرے نے لڑکیوں کو مرعوب کر دیا۔ وہ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

"ہم خود نہیں آئے بلکہ بلائے گئے ہیں۔" جہانگیر شاہانہ انداز میں بولا۔

لڑکیاں جہانگیر کے پُرجلال چہرے سے پہلے ہی مرعوب تھیں، لہجے کے وقار نے انہیں ششدر گلے خشک اور زبانیں گنگ ہو گئیں۔ کسی کو جواب نہ سوجھا۔ سب کی نظریں جھک گئیں اور ایک خجالت سی ان پر ابھر آئی۔

"ہمارا مقصد آپ کی توہین ہرگز نہیں۔"

جہانگیر نے فوراً اپنا لہجہ شگفتہ کر لیا:

"کچھ بولیے۔ بلبلوں کا چہچہانا کسے اچھا نہیں لگتا؟"

لڑکیوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بولتا کون؟ جہانگیر نے تو ان کی زبانیں کتر کر رکھ دی تھیں۔

"تم کون ہو اجنبی؟" یہ اس شعلہ جوالا کی آواز تھی جو سب سے الگ کھڑی جہانگیر کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہی سوال آپ سے کیا جا سکتا ہے؟"

جہانگیر نے بڑے مہذب طریقے سے بات بنائی:

"جس طرح ہم آپ کے لیے اجنبی ہیں اسی طرح آپ بھی اب تک ہمارے لیے اجنبی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بات ہے کہ ہمیں اس اجنبی ماحول میں ایک اپنائیت سی محسوس ہو رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ!" اس شعلہ جوالا کے جواب دینے سے پہلے ہی لڑکیوں

ایک بولی:

"آپ غیر کیسے ہوئے؟ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ چلیے ہمارے ساتھ۔ ہم آپ کو کھانا کھائیں گے۔ آپ کو طعام و اکرام دیں گے اور....."

"چپ رہو شریر۔"

جہانگیر کی مخاطب وہ شیریں لہجے والی لڑکی کو زور سے ڈانٹا:

"آدمی کو دیکھ کر بات کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے شہزادی صاحبہ۔ آدمی کو تو آپ پہچانتی ہیں۔"

شہزادی کی شوخ سہیلی جل کر بولی:

"مگر یہ خیال رہے کہ یہ صرف آدمی نہیں بلکہ دریا پار کا آدمی ہے اور اُدھر ہوتاری قبیلہ حکمران ہے اسے آپ طرح جانتی ہیں۔ ذرا سنبھل کے بات کیجیے۔"

جہانگیر "شہزادی" کے لفظ پر چونک اٹھا اور ادھیڑ بن میں لگ گیا تھا۔ اس نے شہزادی کی سہیلی کی گفتگو پر توجہ نہ دی۔ جب وہ خاموش ہوئی تو نہایت ادب سے پوچھا:

"آپ شہزادی ہیں۔ یعنی....." جہانگیر کہتے کہتے رکا۔

"یعنی والی کچھ نہیں۔"

اسی سہیلی نے پھر لقمہ دیا:

"یہ واقعی شہزادی ہیں۔ اب کورنش پیش کرو۔ تعظیم بجالاؤ شہزادی صاحبہ کی۔"

"ہم شہزادی کے حضور میں تعظیم پیش کرتے ہیں۔"

جہانگیر نے شوخ نظروں سے شہزادی کو دیکھتے ہوئے اپنے سر کو ذرا خم کیا:

"آپ شہزادی نہ بھی ہوتیں تو بھی ہم آپ کو کورنش پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے۔"

"ہمارے بارے میں تمہیں معلوم ہو گیا۔"

شہزادی نے دلنواز نظروں سے جہانگیر کو دیکھا:

"تم کون ہو؟ کچھ اپنے بارے میں بھی بتاؤ۔"

لمبے والی خوارزم حسین صوفی کی قابلِ احترام بیٹی!"

"ٹھہرو اجنبی! تم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔"

شہزادی نے اپنا دستِ حنائی اٹھا کر جہانگیر کو روکا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"والیِ خوارزم حسین صوفی ہمارے تایا جان ہیں۔ ہمارے والد کا نام آق صوفی ہے۔"

"ایک ہی بات ہے شہزادی صاحبہ۔"

سہیلی نے دخل دیا:

"آپ اجنبی کو کیوں الجھا رہی ہیں۔"

پھر اس نے جہانگیر سے کہا:

"سنو دریا پار کے اجنبی! میں تمہیں بتاتی ہوں۔ یہ شہزادی سوتیلی بیگ ہیں لیکن پورے خوارزم میں ان کی عرفیت "شہزادی خان زادہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ہیں تو یہ آق صوفی کی بیٹی لیکن ان کے تایا شاہِ خوارزم اور دوسرے تایا یوسف صوفی کے کوئی اولاد نہیں۔ اس لیے یہ تینوں بھائیوں کی بیٹی اور سلطنتِ خوارزم کی ولی عہد ہیں۔"

"ایک اجنبی سے یہ تفصیل بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" شہزادی خانزادہ بظاہر چڑ کر بولی۔

سہیلی بھلا کب خاموش رہنے والی تھی۔ فوراً چیخ کر کہا:

"شہزادی صاحبہ! جس اجنبی کو دریا پار سے بلا کر ایسی گھاٹ سے گفتگو کی جائے وہ اجنبی نہیں رہتا۔"

شہزادی اس برجستہ جواب پر سٹ پٹا گئی۔ حیا کی سرخی اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ اس نے کھسیانی کو ڈانٹا:

"بس اب خاموش ہو جاؤ۔ دوسرے کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرتے۔"

"ہمیں اپنا تعارف کرانے میں کوئی عذر نہیں۔"

جہانگیر مسکرایا:

"لیکن مجھے ڈر ہے کہ....."

"نہ۔ نہ۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اجنبی۔"

پہلی سہیلی تو ڈانٹ کھا کر خاموش ہو گئی لیکن فوراً ہی اس کی جگہ دوسری سہیلی نے لے لی۔ اٹھلا کر بولی:

"ماشاء اللہ۔ چھ فٹ کے لمبے چوڑے، خوبصورت، میرا مطلب ہے اچھے خاصے قوی ہیکل جوان۔ ڈر کا لفظ زبان سے سن کر ہمیں شرم آنے لگی ہے۔"

"ہمیں اپنی جان کی کوئی فکر نہیں خاتون!"

شہزادہ نے متانت سے کہا: "کاندھے پر کمان اور کمر میں تلوار لٹکانے والے اپنی حفاظت کرنا خوب

جانتے ہیں۔ خوف صرف اجنبیات کا ہے کہ اپنا تعارف کرانے کے بعد کہیں ہم آپ کی اس دلچسپ گفتگو سے محروم نہ ہو جائیں۔ آپ کی نظریں نہ بدل جائیں۔"

"باتیں تمہاری بھی دلچسپ ہیں اجنبی۔"

شہزادی خانزادہ تبسم بکھیرتے ہوئے بولی:

"تم خواہ کوئی بھی ہو اب ہمارے مہمان ہو اور ہمارا جلاڑ قبیلہ مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اگر دشمن بھی ہمارے قبیلے میں مہمان بن کر آجائے تو ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور وہ ہماری نوازشوں کا اعتراف کرتے ہوئے جاتا ہے۔"

شہزادہ جہانگیر اب تک خود کو تعارف کرانے پر آمادہ نہ کر سکا تھا۔ اسے بار بار اپنے اس ساتھی کے الفاظ یاد آ رہے تھے جس نے کہا تھا کہ دریا پار دشمنوں کا علاقہ ہے۔ خدا معلوم کیا افتاد پڑے۔ شہزادی کی معصومانہ باتوں نے کچھ اطمینان دلایا تھا لیکن یہ حکومت کے جھگڑے تھے۔ شاہِ خوارزم نے اب تک امیر تیمور کی برتری تسلیم نہ کی تھی اور اب اطلاع کے مطابق وہ جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ امیر تیمور نے اس بات کی ٹوہ لگانے کے لیے شہزادہ جہانگیر کو ایک دستے کے ساتھ اس طرف بھیجا تھا۔

شہزادی کو اس کے جواب کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اجنبی کے باوقار لہجے اور رعب دار اندازِ گفتگو سے اس نے یہ تو اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی جوان ہے جو شجاع اور بہادر ہونے کے باوجود بڑی احتیاط سے کام لے رہا ہے۔

شہزادی کو اس کی شخصیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا تھا لیکن اس کی سہیلیاں اس خاموشی سے اکتا گئی تھیں۔ انہ سے ضبط نہ ہو سکا اور ایک بول پڑی:

"اجنبی! اس خاموشی سے تمہاری شخصیت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ تم جو ہو وہی رہو گے۔ شہزادی نے تمہیں گفتگو کی عزت بخشی ہے اس لیے اگر تم غریب الدیار بھی ہو تو اس عزت افزائی سے تمہارے مرتبے میں اضافہ ہو گیا ہے تمہیں اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ تم اس وقت سلطنتِ خوارزم کی ولی عہد کے حضور میں ہو اور ان کا جواب نہ دینا ان کی توہین ہے۔"

"قابلِ احترام شہزادی خانزادہ!"

جہانگیر نے سنجیدگی سے کہا:

"ہم چاہتے تھے کہ اس دوستانہ گفتگو کو طول دے کر اپنی زندگی کے یادگار اور مسرت آگیں لمحات میں شامل کر لیں لیکن آپ اور آپ کی سہیلیاں ان لمحوں کو افسوس اور افسردگی میں بدلنے پر بضد ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ شہزادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کے ناتے اس خوش گوار ملاقات کو ایک زریں اور حسیں خواب سمجھ کر بھول جائیں اور اپنی سہیلیوں کو بھی
دیں کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔"

ذرا رک کر اس نے پھر کہا:

"ہماری اس ملاقات کا حال اگر خوارزم شاہ کو معلوم ہو گیا تو آپ کو شاید ان کے سامنے شرمندگی ا
کیونکہ آپ جس اجنبی سے مخاطب ہیں وہ امیر تیمور گورگان والیٔ ملکِ تاتار کا بیٹا جہانگیر ہے جسے خوارز
لوگ دشمن کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"شہزادہ جہانگیر۔ تختِ سمرقند کا وارث؟"

شہزادی خانزادہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اسے گھبراہٹ سے پسینہ آ گیا۔

شہزادی کی سہیلیوں کا برا حال تھا۔ وہ شرمندہ ہی نہیں خوفزدہ بھی تھیں۔ انہوں نے شہزادہ جہانگیر کو
آدمی سمجھ کر نہایت بے تکلفی سے گفتگو کی تھی۔ اس پر طنز و مزاح کے تیر پھینک کر اس کی توہین کی تھی۔
اپنے علاقے میں تھیں لیکن امیر تیمور نے جب سے اپنے حلیے امیر حسین کو شکست دے کر سمرقند کی حکومت
تھی، دور دور نزدیک کے تمام امیر اور والی لرز اٹھے تھے یہاں تک کہ آزاد وحشی قبائل نے بھی امیر تیمور
اور بالادستی تسلیم کر لی تھی۔ سہیلیوں نے امیر جلیل القدر امیر کے ولی عہد کا مضحکہ اڑایا تھا۔ ان کا خوف اپنی جگ

"اے خوارزم کی پری پیکر شہزادی!"

جہانگیر نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا:

"ہم نہ کہتے تھے کہ تعارف ہوتے ہی آپ کی نظریں بدل جائیں گی اور ابتسام کے یہ لمحات مختصر ہ
خیر اب ہمیں اجازت دیجیے لیکن یہ یاد رکھیے کہ اس ملاقات کو ہم زندگی بھر نہ بھلا سکیں گے اور آپ
ملنے کی آرزو ہمیں بے چین رکھے گی۔"

شہزادہ جہانگیر نے اپنے گھوڑے کا رخ دریا کی طرف کر لیا لیکن اس کی نظریں اب تک شہزادی خانزا
چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"ٹھہریے شہزادے!"

شہزادی جیسے خواب سے چونک پڑی:

"آپ اس طرح واپس چلے گئے اور خوارزم والوں کو معلوم ہوا کہ سمرقند کا شہزادہ ہماری سرزمین پر آ
ہم نے اس کی مہمان نوازی میں کوتاہی کی تو وہ ہمیں کیا کہیں گے۔ ہم ان کی نظروں میں کس قدر حقیر ہو جائیں
کھوتوں کے جھگڑے الگ چیز ہیں لیکن ہم اپنے قبیلے کی قدیم روایات سے تو منہ نہیں موڑ سکتے۔ آپ

لوگ ہیں اور مہمان نوازی کے فرائض ادا کیے بغیر ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ ہم شہزادہ جہانگیر سے درخواست
کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی مہمان نوازی کا شرف عطا کریں۔ ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔"

شہزادی خانزادہ نے کچھ ایسی ادا سے درخواست کی کہ شہزادہ جہانگیر کا جوان دل سینے میں دھڑک اٹھا۔
حسن سوالی بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ عشق شوریدہ سر بے خوف ہو کر جاں نثاری پر آمادہ ہو گیا۔ شہزادے نے
عقل کے تازیانے سے منہ موڑتے ہوئے جذبات انگیز لہجے میں کہا:

"شہزادی حکم دیں۔ جہانگیر سر دینے سے بھی انکار نہ کرے گا۔"

شہزادی ایک نامعلوم کیف سے جھوم اٹھی اور بولی:

"اگر شہزادے ہماری لشکر گاہ میں چل کر گھڑی دو گھڑی کی مہمانداری کا فخر عطا کریں تو عین نوازش اور
احسان ہوگا۔"

شہزادہ جہانگیر تو تن من دھن نچھاور کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ مسرت کے کچھ اور لمحات کے حصول کے تصور سے
اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔

ابھی وہ تعمیلِ حکم کے اقرار کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ دور گرد کا ایک بادل سا اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ جہانگیر
کے گھوڑے نے کان کھڑے کر لیے۔ خود شہزادے کو بھی خطرے کا احساس ہوا اور اس نے بڑی سرعت
سے کمان کاندھے سے اتار لی۔

دریا کے دوسری طرف جہانگیر کے پانچوں سوار اس کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے لیکن جب
ان کی نظر اٹھتی گرد پر پڑی تو انہوں نے شہزادے کے حکم سے بے پروا ہو کر گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور بہت
جلد دریا پار اتر کر شہزادے کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے کچھ کہے بغیر شہزادے کو اپنے حلقے میں لے لیا اور
کمانوں میں تیر جوڑ لیے۔

گرد چھٹی تو چالیس پچاس سوار تیزی سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ سب کی نظریں ادھر لگی ہوئی تھیں۔
شہزادی اور اس کی سہیلیاں بھی پریشان تھیں۔

جب سوار قریب آئے تو شہزادی کے چہرے پر فکر کی بجائے مسرت دوڑ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے
جہانگیر سے کہا:

"شہزادے! فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہمارے بابا آج صبح ہی تشریف لا رہے ہیں۔ آپ بالکل محفوظ رہیں۔
آپ تمام لوگوں کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں۔ جب تک ہم زندہ ہیں آپ لوگوں کی طرف کوئی انگلی تک نہیں
اٹھا سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے جہانگیر کو پتہ نہیں کیوں، شہزادی کی بات کا اعتبار آ گیا۔ اس نے کمان کاندھے پر ڈال احتیاط کے طور پر شمشیر کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر آنے والوں کو دیکھنے لگا۔

سوار ان کے پاس پہنچ گئے۔ ادھیڑ عمر آق صوفی شہزادی کے قریب گھوڑا لاتے ہوئے بولی ہوئی کے ساتھ بولا:

"بیٹی! تم نے تو پریشان کر دیا۔ ہم تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔"

پھر اس نے جہانگیر اور اس کے ساتھیوں پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا:

"یہ لوگ کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟"

"محترم آق صوفی کی خدمت میں ہم سلامِ نیاز پیش کرتے ہیں۔" شہزادے جہانگیر نے باوقار گفت گو کا آغاز کیا۔

آق صوفی نے تیز نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔ پھر مڑ مڑ کر نظروں ہی نظروں میں شہزادی سے سوال کا چہرہ گلنار بنا ہوا تھا۔ اس نے اور سے کہا:

"آق بابا! ان کا سلام قبول کیجیے۔ یہ ہمارے معزز مہمان، سمرقند کے امیر تیمور کے داماد جہانگیر ہیں۔"

"شہزادہ جہانگیر؟" آق صوفی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

آق صوفی فوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ جہانگیر کے گھوڑے کے پاس گیا اور باگ پکڑ کر بڑے ادب سے بولا:

"نہ ہے نصیب کہ شہزادے یہاں تشریف لائے۔ میں امیر تیمور کے بہادر ولی عہد کو سرزمینِ خوارزم خوش آمدید کہتا ہوں اور تشریف آوری پر شکر گزار ہوں۔"

"محترم آق بابا!"

شہزادے نے شہزادی خانزادہ کے الفاظ دہرائے،

"ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمیں اپنی سرزمین پر دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کریں گے لیکن آپ نے ایسا کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دل میں بابا تیمور کی طرف سے کوئی کدورت نہیں۔"

"بالکل نہیں شہزادے!"

آق صوفی فوراً بولا:

"ہم تو امیر تیمور کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ انہوں نے تاتاریوں کو مغلوں کی غلامی سے نجات دلائی ہے

پھر یہ دوری اور دشمنی کیوں؟"

شہزادے نے جیسے خود سے سوال کیا:

"آپ لشکر کے ساتھ دریا کے اس پار خیمہ زن ہیں اور دوسری طرف ہمارا لشکر موجود ہے۔"

شہزادے نے کنکھیوں سے شہزادی کو دیکھتے ہوئے کہا:

"کیا یہ دونوں لشکر شیر و شکر نہیں ہو سکتے۔ کیا ہم ایک دوسرے کے گلے نہیں لگ سکتے؟"

"ہر چیز ممکن ہے شہزادے!"

آق صوفی نے جواب دیا:

"لیکن مسئلہ ہماری اور آپ کی حد تک نہیں۔ اگر شاہِ خوارزم اور امیر تیمور کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو جائیں تو کیا نہیں ہو سکتا!"

"غلط فہمی تو کوئی نہیں ہے آق بابا!"

جہانگیر نے وضاحت کی:

"بابا تیمور کو شاہِ خوارزم سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے اب تک مبارک باد کا پیغام نہیں بھیجا وہ تو تمام تاتاریوں کی ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ . . . . شاہِ خوارزم ہی شاید وہ واحد حکمران ہیں جنہوں نے اب تک کوئی قدم نہیں اٹھایا جبکہ تمام تاتاری امیر ان کے جھنڈے تلے اکٹھے ہونے کو تیار ہیں۔"

"شہزادے بہادر۔"

آق صوفی نے ذرا توقف سے کہا:

"جہاں تک مجھے علم ہے شاہِ خوارزم نے مبارک باد کی سفارت بھیجنے کا ارادہ کیا تھا لیکن انہیں یہ شبہ ہے کہ کہیں ان کی سفارت کو امیر تیمور ذلیل نہ کرے۔ اس خیال کے تحت وہ اپنا ارادہ اب تک ملتوی کرتے چلے آ رہے ہیں۔"

"آق بابا!"

شہزادہ جہانگیر نے بڑے جذبے سے کہا:

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک ذرا سی غلط فہمی کی بنا پر تاتاریوں کے دو لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہیں۔ ہم آپ سے التماس کرتے ہیں کہ آپ شاہِ خوارزم کی غلط فہمی دور کریں اور انہیں سفارت بھیجنے پر آمادہ کریں۔ ہم دو دن بعد سمرقند جا رہے ہیں۔ ہماری موجودگی میں شاہِ خوارزم کی سفارت پہنچ گئی تو آپ دیکھیں گے کہ اس کا کتنا شاندار پذیرائی ہوتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk
۷۱۲

"میں آپ کے خیال سے متفق ہوں شہزادے"۔

آق صوفی نے روکھی صاف دلی سے کہا:

"میں ایک قاصد کے ذریعے آپ کے خیالات سے شاہِ خوارزم کو آگاہ کروں گا اور ان سے درخواست کروں گا کہ وہ بذاتِ خود امیر تیمور کے دربار میں جا کر کہا کا پیغام بھیجیں"۔

"آپ اس سلسلے میں پوری کوشش کریں"۔

شہزادہ رکا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"محترم بابا آپ ہماری اس اتفاقیہ ملاقات کی خبر شاہِ خوارزم کو نہ ہونے دیں اور نہ ممکن ہے کہ غلط فہمی پیدا ہو جائے اور بنتی ہوئی بات بگڑ جائے۔ آپ انہیں پُر زور الفاظ میں مشورہ دیجیے"۔

"میں شہزادے کی دور اندیشی کی داد دیتا ہوں"۔

آق صوفی خوش ہو کر بولا:

"میں آپ کو خوارزم کے علاقے میں دیکھ کر آپ کی بہادری کا قائل ہوا تھا لیکن اس ملاقات کو راز رکھنے کا جو مشورہ آپ نے دیا ہے یہ آپ کی فراست اور عقلمندی کی دلیل ہے"۔

شہزادے جہانگیر نے خانزادہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"شہزادی نے ہمیں اپنی لشکر گاہ میں چلنے کی دعوت دی تھی۔ اب آپ سے یہیں ملاقات ہو گئی ہم دعوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ آپ ہمیں رخصتی کی اجازت دیں خود بھی اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا چاہتے۔ آپ بھی شہزادی اور دوسرے لوگوں کو یہاں سے روانہ کر دیجیے"۔

شہزادہ مسکرایا۔ اس نے شہزادی اور اس کی سہیلیوں پر نظر ڈالی اور خدا حافظ کہہ کر گھوڑا دریا کی طرف موڑ دیا۔

شہزادی کھوئی کھوئی نظروں سے شہزادے کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ دریا کے پار نہیں پہنچ گیا۔

دوسری طرف پہنچ کے شہزادے نے ہاتھ ہلا کر الوداع کہا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ شہزادی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شہزادی کا چہرہ اتر گیا۔

○

امیر تیمور گورگان ۱۳۳۶ء میں کیش تاتار کے ایک چھوٹے سے شہر شہر سبز میں پیدا ہوا۔ وہ ایک معمولی سردار کا بیٹا تھا لیکن قدرت نے اسے جو صلاحیتیں بخشی تھیں انہیں بروئے کار لاتے ہوئے امیر تیمور نے ۲۵ سال کی عمر میں نہ صرف اپنے ملک کو چغتائی مغلوں کے قبضے سے آزاد کرایا بلکہ تاتاریوں کی ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی۔

خونوں کے بعد اسے اپنے عزیزوں سے جنگ کرنا پڑی اور ایک طویل خانہ جنگی کے بعد اس نے تاتار کے مختلف قبائل کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا لیکن اب بھی بعض خود سر قبیلے تھے جو امیر تیمور کو تاتار کا حاکمِ اعلیٰ سمجھنے کے بجائے اپنے رشتے چغتائی مغلوں سے جوڑتے ہوتے تھے۔ ان تاتاریوں میں سب سے بڑا قبیلہ جلائر کا تھا اور ان کے سردار حسین صوفی حاکم خوارزم نے امیر تیمور کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کی خواہش تھی کہ اسے خوارزم کا آزاد حکمران تسلیم کیا جائے۔ اسی وجہ سے اس نے اب تک امیر تیمور کو مبارک باد کا پیغام نہیں بھیجا تھا۔

امیر تیمور اب مزید کسی خانہ جنگی میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ حسین صوفی بات چیت اور صلح صفائی سے راہِ راست پر آ جائے گا اور اسے خوارزم پر فوج کشی نہ کرنی پڑے گی۔

پھر اسے معلوم ہوا کہ حسین صوفی نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور ایک لشکر اپنے چھوٹے بھائی آق صوفی کی سرکردگی میں دریائے آمو کے اس پار امیر تیمور کی سرحد کے قریب بھیج دیا ہے۔

یہ اطلاع ملتے ہی امیر تیمور نے شہزادہ جہانگیر کے ساتھ ایک فوج جنوب کی طرف بھیجی تاکہ اگر خوارزمی لشکر دریا پار کرنے کی کوشش کرے تو اسے روکا جائے۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے شہزادے کو تاکید کر دی کہ وہ خود جنگ میں پہل نہ کرے اور جہاں تک ہو سکے آق صوفی سے نہ الجھے۔

شہزادہ جہانگیر گزشتہ کئی ماہ سے دریائے آمو کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ شہزادہ شکار کا پیچھا کرتے ہوئے کنارِ دریا پہنچا اور آق صوفی کی حسین و جمیل بیٹی خانزادہ کا خود شکار ہو گیا۔

شہزادہ اس حادثے سے دوچار ہو کر اپنے پڑاؤ پر آیا اور سمرقند جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے امیر تیمور نے کسی ضرورت سے فوری طور پر سمرقند طلب کیا تھا۔

شہزادہ جہانگیر کو سمرقند جانے کی خوشی اس وجہ سے زیادہ تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ خوارزم کی سفارت کے آنے پر وہ باپ کے دربار میں موجود ہو اور کوشش کرے کہ دونوں قبیلوں میں جنگ کے بجائے کوئی باعزت سمجھوتہ ہو جائے کیونکہ اسی صورت میں خانزادہ سے ملاقات کی کوئی صورت نکل سکتی تھی۔

شہزادہ جہانگیر کو سمرقند آتے ہوئے تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن خوارزم کی سفارت کا کوئی پتہ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آقا صوفی یا تو اپنا وعدہ بھول گیا ہے یا اس کے بھائی حسین صوفی والی خونخوار رقم کو بھیجنے سے انکار کر دیا ہے۔

ایک غضب یہ اور ہوا تھا کہ امیر تیمور نے شہزادہ جہانگیر کو سمرقند میں روک لیا تھا اور اس کی گرفتاری دریائے آمو کی کمان سپرد کر دی تھی۔ اس طرح شہزادہ جہانگیر کے لیے شہزادی خانزادہ سے ملاقات بند ہو گیا تھا۔

○

دن گزر رہے تھے اور جہانگیر کے دل میں خانزادہ کی محبت کی چنگاری آہستہ آہستہ شعلے کی شکل اختیار کر رہی تھی۔ وہ سست سست اور کھویا کھویا سا رہنے لگا۔ امیر تیمور کو جہانگیر سے بے پناہ محبت تھی۔ جہانگیر کے دل میں اٹھنے والے طوفان کی غمازی کر رہا تھا لیکن اس کے دل میں کون جھانکتا۔ اس کی افسردگی اور جسمانی بیماری بڑھتی جا رہا تھا اور امیر تیمور کے حکم سے شہر کے تمام بڑے بڑے طبیب جہانگیر کے علاج میں لگے ہوئے تھے لیکن وہ سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اب تک مرض کی تشخیص کرنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے شہزادے کو دیے تمام امکانی مرضوں کی دوا دی لیکن اسے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ مرض روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مرض عشق کا علاج دواؤں سے نہیں ہوا کرتا۔

شہزادہ جہانگیر فطرتاً گم گو اور شرمیلا تھا۔ سوائے میدانِ جنگ کے وہ ذاتی معاملات میں ہر وقت خاموش رہتا تھا، پھر بھلا وہ کیسے کہتا کہ اس مرض کا علاج سوائے شربتِ دیدار کے اور کوئی نہیں۔ وہ گھلتا چلا جا رہا تھا مگر زبان پر تالے لگا رکھے تھے۔ اپنے سے زیادہ اسے خانزادہ کی بدنامی کا خیال تھا۔ آقا صوفی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی ملاقات کا ذکر کسی سے نہیں کرے گا۔

شہزادے نے ساتھ کے پانچ سواروں پر کھلے الفاظ میں یہ واضح کر دیا تھا کہ اگر خانزادہ کا ذکر کسی کی زبان پر آیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

یہ حکم صرف شہزادہ جہانگیر کا نہیں بلکہ ولی عہد سلطنت کا تھا جس نے تیمور کے بعد اس عظیم سلطنت کی سنبھالنی تھی۔ پھر کوئی اس کی دشمنی کیوں مول لیتا۔ سواروں نے تو دریائے آمو کا نام لینا بھی ترک کر دیا تھا۔

شہزادہ جہانگیر کی بیماری نے امیر تیمور کو سخت پریشان کر دیا تھا۔ اس کے مزاج میں چڑچڑا

پن آ گیا تھا۔ طبیبوں پر برستا جنہوں نے اب تک اس کے مرض کو معلوم نہ کیا تھا۔

جہانگیر کی سوتیلی ماں سرائے شمائم جو اس کی سگی ماں بھی تھی، ہر دم شہزادے کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی تھی۔ اسے بڑا پیار تھا لیکن ممتا کی تیمارداری اور خدمت بھی جہانگیر کے مرض میں کمی نہ کر سکی۔

امیر تیمور نے شہر سبز سے مولانا زین الدین اور اس دور کے تمام بزرگوں کو سمرقند بلا لیا۔ ایک طرف طبیب، ہ میں مصروف تھے دوسری طرف شب بیداری ہوتی۔ قرآن ختم کیے جاتے اور شہزادے کی تندرستی کی دعا مانگی جاتی۔ یہ مرض اوپر سے تو نہیں آیا تھا۔ شہزادے نے خود یہ مرض خریدا تھا۔ اس کا علاج تو صرف اسی صورت میں تھا جب شہزادہ اپنی زبان پر پڑے ہوئے تالوں کو کھولتا اور کچھ بتاتا مگر شہزادے نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ گھٹ گھٹ کر مر جائے گا لیکن ایک باحیا لڑکی کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کرے گا۔

امیر تیمور نے پورے ملک میں اعلان کرا دیا کہ جو شہزادے کو اس مرض سے نجات دلائے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

اس اعلان کی وجہ سے تمام طالع آزما اور نامی طبیب سمرقند میں اکٹھے ہو گئے اور اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے لگے لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

تیمور کا دل دنیا سے اس درجہ مکدر ہوا کہ اس نے دربار میں آنا چھوڑ دیا۔ وہ اپنے حال شان ہی میں جسے اس نے دن بدن بہتر تعمیر کرایا تھا اکیلا پڑا رہتا اور جہانگیر کی شفا کی دعائیں مانگتا رہتا۔ اس کے سردار اپنی جگہ پر تھے۔ انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ اگر امیر تیمور اسی طرح بیمار پڑا رہا تو اس نئی نئی سلطنت کو فتن لگ جائے گا اور دشمنوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔

عام تاتاری بھی اس صورت حال سے فکرمند تھے۔ ملک کے کونے کونے میں شہزادے کی بیماری کا چرچا تھا۔ ہر جگہ اس کی صحت اور تندرستی کے لیے دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔

سمرقند کے مضافات میں طیب نام کے ایک گوشہ نشین حکیم رہتے تھے۔ نہایت دیدار دیدہ بزرگ تھے۔ دیہات میں لوگوں کا مفت علاج کیا کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا دی تھی۔ قرب و جوار کے لوگوں کو ان پر بڑا اعتقاد تھا۔

ایک روز ان کے طبیب میں شہزادے کی بیماری کا ذکر چھڑ گیا۔ حکیم صاحب خاموشی سے سب کی باتیں سنتے رہے۔ جلنے ان کے دل میں کیا آئی کہ وہ کسی سے کہے سنے بغیر ایک دن سمرقند روانہ ہو گئے۔ سمرقند میں ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اس لیے وہ سیدھے امیر تیمور کے دربار میں پہنچ گئے۔

دربار میں سب حکمران سردار اور امیر روزانہ جمع ہوتے اور شام کو امیر تیمور کا انتظار کر کے واپس چلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلے جاتے تھے۔

حکیم طبیب سادہ لباس میں تھے اور صورت شکل بھی ایسی نہ تھی کہ لوگ ان کی طرف توجہ کرتے۔ دربان سے گفتگو کی اور پُر اعتماد لہجے میں کہا کہ وہ شہزادے کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔

دربان ان کی پُر اعتمادی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے بھاگ کر امیر کے سردار دل کو خبر دی۔ دربان کے ساتھ حکیم صاحب کے پاس آیا۔ حکیم موصوف نے مونڈارلات کو یقین دلایا کہ اگر انہیں نبض دیکھنے کا موقع دیا جائے تو اسے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ شہزادے کا خاطر خواہ علاج کر سکیں گے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ مونڈارلات کو ڈھارس ہوئی تو اس نے فوراً شہزادے کی خبر کیا۔ امیر تیمور کو بھی اطلاع دی گئی ایک حکیم بڑے اعتماد کے ساتھ شہزادے کا علاج کرنا لیکن امیر نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ شہزادے کے علاج کے لیے آنے والا ہر حکیم اسی طرح کرتا تھا۔

حکیم طبیب کو شہزادے کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ سردار مونڈارلات ان کے ساتھ تھا۔ کمرے پڑا تھا۔ اس کا چہرہ پژمردہ اور رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

حکیم صاحب کچھ دیر تک شہزادے کا چہرہ غور سے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی وہ چونک پڑے۔ اور سردار مونڈارلات کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوسرے کمرے میں لے گئے۔

"میں نے شہزادے کا مرض معلوم کر لیا ہے"۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر حکیم صاحب نے وثوق کے ساتھ سردار ارلات کو بتایا۔

"یعنی۔ یعنی آپ جانتے ہیں کہ شہزادے کو کیا بیماری ہے؟" مونڈارلات نے بے یقینی ہوتے ہوئے پوچھا۔

"سردار۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن مجھے اپنی تشخیص پر اعتماد ہے"۔

حکیم صاحب بے جھجک بولے:

"اور یہ مرض ایسا نہیں کہ اس کا علاج نہ ہو سکے"۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔ شہر کے بڑے بڑے طبیب شہزادے کا مرض معلوم نہ کر سکے سردار ارلات کو حکیم کی بات کا اعتبار نہ آ رہا تھا کیونکہ ان کے چہرے سے کوئی تھی جس سے سردار مونڈارلات متاثر ہوتا۔ پھر وہ اس کے اتنے بڑے دعوے پر کیسے یقین کر

"قبلہ حکیم صاحب! ذرا یہ تو فرمائیے کہ شہزادے کو وہ کون سا مرض لاحق ہوا ہے کہ

بڑے حکیم نہیں کر سکے اور آپ نے نبض پر ہاتھ رکھتے ہی معلوم کر لیا؟" مونڈارلات کا لہجہ بڑا طنزیہ تھا۔

حکیم کو یہ انداز بہت شاق گزرا۔ انہیں غصہ آ گیا اور جھلا کر بولے:

"سردار۔ شمشیر زنی اور تیر اندازی کافی نہیں یہ حکمت ہے۔ نبض حکمت کی بنیاد ہے۔ جو شخص نبض کی مختلف اور اس کے زیر و بم سے واقف نہیں وہ حکمت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں تو میں جا رہا ہوں۔ رہا یہ کہ شہزادے کو جس چیز کی خواہش ہے اگر وہ اسے مہیا نہ کی گئی تو وہ یونہی گھل گھل کر مر جائے گا"۔

سردار مونڈارلات گھبرا گیا۔ نرمی سے پوچھا:

"محترم! مجھے آپ کی توہین اور دل آزاری مقصود نہیں۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شہزادے کو کون سا مرض ہے اور آپ کے خیال میں اس کا علاج کس طرح ممکن ہے؟"

"سردار"۔

حکیم صاحب بھی نرم پڑ گئے:

"یہ بات مجھے امیر تیمور کو بتانا چاہیے تھی لیکن آپ مجبور کر رہے ہیں تو بتا دیتا ہوں کہ شہزادہ کسی جسمانی مرض کے بجائے "محبت" کے مرض میں گرفتار ہے"۔

"یہ اور بجرات اور بہتان ہے"۔

سردار مونڈارلات بگڑ اٹھا:

"شہزادہ جہانگیر بے انتہا کم گو اور شرمیلا ہے۔ وہ تو دوستوں کی محفل میں بھی نظریں نیچی کر کے بیٹھتا ہے ایسے میں وہ کیسے پھنس سکتا ہے"۔

"سردار۔ آپ نے میری بات کی تصدیق کر دی"۔

حکیم صاحب مسکرائے:

"شہزادہ اگر کم گو اور شرمیلا نہ ہوتا تو اب تک اپنا حال دل کھول کر بیان کر چکا ہوتا۔ اب مجھے پورا یقین ہے تشخیص بالکل صحیح اور درست ہے"۔

سردار مونڈارلات سوچ میں پڑ گیا۔ حکیم نے جس مستقل مزاجی سے گفتگو کی تھی اس نے سردار مونڈارلات کو فکر میں ڈال دیا تھا۔ سردار نے کہا:

"حکیم صاحب! میں آپ کی بات رد نہیں کرتا لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ اگر آپ کی تشخیص غلط ثابت ہوئی تو امیر تیمور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"سردار۔ آپ بھی ایک بات ذہن نشین کر لیں۔"

حکیم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا:

"مجھے نہ تو انعام و اکرام کی پروا ہے اور نہ ہی موت سے ڈرتا ہوں۔ میں تو شہزادے کا علاج کرنا چاہتا ہوں کہ امیر تیمور اس فکر سے آزاد ہو کر اپنی سلطنت کے کام میں مصروف ہو جائیں۔"

"حکیم صاحب!"

مونڈرلات کو کچھ کچھ اس کی باتوں کا یقین ہو چلا تھا:

"فرض کیجیے کہ شہزادے کو کسی سے محبت ہو گئی ہے تو کیا وہ اس بات کا اقبال کر لے گا یا نہ اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"

"یہی بات مجھے بھی پریشان کر رہی ہے۔"

حکیم صاحب نے اعتراف کیا:۔

"لیکن جب میں نے مرض معلوم کیا ہے تو اس کا علاج بھی کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ شہزادہ سے زبان نہیں کھولے گا لیکن انسان کی بے زبانی میں بھی ایک طرح کی زبان ہوتی ہے۔ میں اس زبان تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا ایسا ممکن ہے؟" سردار مونڈ نے بے چینی سے پوچھا۔

"ممکن بھی ہے اور مجھے اپنی کامیابی کی امید بھی ہے۔" حکیم طیب میں بلا کا اعتماد تھا اور وہ ایسا جیسے یہ کام کوئی مشکل نہیں۔

"پھر آپ اپنی کوشش کیجیے۔"

سردار مونڈ نے اطمینان کا سانس لیا:

"میں امیر تیمور کو ان باتوں کی اطلاع اسی وقت دوں گا جب آپ کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

حکیم دروازے کی طرف بڑھا:

"آپ یہیں تشریف رکھیں۔ میں اپنا کام تمام کر کے آؤں گا۔"

حکیم طیب شہزادے کے کمرے میں واپس آ گئے۔ شہزادہ اسی طرح آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ حکیم اس کے بستر کے قریب بیٹھ گئے اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بولے:

"شہزادے جہانگیر۔ آپ بہت شرمیلے اور کم گو ہیں۔ انسان کی یہ خوبی تعریف کے قابل ہے لیکن بعض اوقات یہ عادت بڑی ہولناک حد تک مضر ثابت ہوتی ہے۔"

حکیم نے رک کر شہزادے کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ شہزادے کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا لیکن حکیم کو یہ اندازہ ہوا کہ شہزادہ ہوش میں ہے اور اس کی بات غور سے سن رہا ہے۔

حکیم طیب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہنا شروع کیا:

"آپ کو امیر تیمور سے بڑی محبت ہے۔ حتیٰ کہ سرائے خانم کو بھی آپ بہت چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر آپ کے والدین آپ کو کچھ سخت و سست بھی کہہ دیں تو آپ پروا نہیں کرتے مگر ہو سکتا ہے کہ آپ کے خاندان میں کوئی اور ایسی ہستی ہو جس نے آپ سے کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جس سے آپ کے خیالات منتشر اور دل پریشان ہو۔"

شہزادے کا چہرہ اب بھی کسی تاثر سے خالی تھا۔ نبض کی رفتار میں بھی کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ حکیم نے پھر کہنا شروع کیا:

"شہزادے بہادر۔ آپ اس وقت سمرقند میں ہیں۔ آپ کے والدین کے علاوہ سمرقند میں کوئی اور ایسی ہستی بھی ہے جس میں آپ دلچسپی لیتے ہوں۔ اس سے گفتگو کرنا، اس سے قریب رہنا یا اسے اپنے قریب رکھنا آپ کو اچھا لگتا ہو گا۔"

شہزادے کا چہرہ اب بھی بے تاثر تھا۔ نبض پہلے کی طرح چل رہی تھی۔ حکیم طیب نے بات آگے بڑھائی۔ بولے:

"شہزادے بہادر۔ تعجب ہے کہ سمرقند کی کوئی ہستی آپ کو متاثر نہ کر سکی۔ خیر۔۔۔۔ اب ہم سمرقند سے واپس چلتے ہیں۔"

حکیم طیب نے ایک لمحہ انتظار کیا۔ پھر کہا:

"شاید آپ کو کوئی دلچسپی نہیں تو تبریز آپ کو ضرور پسند ہو گا۔"

حکیم ذرا دیر انتظار کرنے کے بعد بولے:

"تبریز شہر ہے۔ تبریز جانے کی بھی آپ کو خواہش نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو بخارا ضرور پسند ہو گا۔ وہاں کی مسجدیں اور لوگ آپ کو ضرور یاد آتے ہوں گے۔"

بخارا کے نام پر بھی شہزادے کی طرف سے کسی تاثر کا اظہار نہ ہوا۔ نبض بدستور ایک ہی رفتار پر قائم تھی۔ اب تو حکیم صاحب بھی پریشان تھے۔ انہیں علم تھا کہ وہ اس کے زور پر سردار مونڈ ارلات کے سامنے اس قسم کا دعویٰ کر آئے تھے۔ انہوں نے اور اتالیق (ملک تاتار) کے تمام بڑے بڑے شہروں میں جہانگیر کے مطلوب کو تلاش کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی کوشش کی لیکن شہزادے کے چہرے یا نبض نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ موذ الامراض نے انہیں دھوکا دیا۔ یہ مرض غلط ثابت ہوا تو حکیم صاحب کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حکیم صاحب کو جھرجھری سی آگئی۔

کہتے ہیں کہ حکیم و ڈاکٹر اپنے مریض سے کبھی ناامید نہیں ہوتے اور آخری وقت تک کوشش کرتے ہیں۔ پھر حکیم طیب کس طرح ہار مان لیتا جبکہ ان کی ناکامی انہیں موت سے بھی ہمکنار کر سکتی تھی۔ انہوں نے دل خون کو ذہن سے جھٹک دیا اور پھر کوشش میں لگ گئے۔

حکیم طیب شہزادے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بولے:

"یوں لگتا ہے کہ شہزادے کو اپنے ملک کا کوئی منظر یا صورت پسند نہیں آئی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے نے ملک ملک کی سیر کی ہے۔ کیا پتہ کسی غیر ملک میں شہزادے کا دل اٹک گیا ہو اور وہاں کوئی ایسی ہستی کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لے رہی ہو۔"

حکیم صاحب ایک دم خاموش ہو گئے۔ انہیں پہلی بار نبض کی رفتار میں قدرے تبدیلی محسوس ہوئی۔ کے چہرے پر کئی تو وہاں بھی اک کرب اور بے چینی کی شکنیں دکھائی دیں۔ حکیم صاحب کا دل مسرت سے بھر ہوئی منزل جیسے پلٹ کر آگئی ہو۔

"شہزادے بہادر۔"

حکیم طیب بڑے اطمینان سے بولے:

"مثل مشہور ہے کہ گھر کی مرغی دال برابر۔ اس مثل کی حقیقت کا ثبوت نہ ملتا لیکن آپ نے پچ نعمت بھی مہیا کر دیا۔ اس میں آپ کا بھی قصور نہیں۔ دل تو آخر دل ہی ہے جسے چاہے پسند کر لے۔ بلاشبہ لیکن مجنوں کی نظروں نے اسے اس قدر حسین بنا دیا کہ دنیا والے لیلیٰ کی سیاہ رنگت کو بھول کر اسے ہی سمجھ بیٹھے۔ آپ نے بھی اچھا ہی کیا۔ گلوں سے خار بہتر ہوتے ہیں جو کم از کم دامن تو تھام لیتے ہیں۔ خوش نصیب سرزمین ہے جس کی رنگینی نے سمرقند و بخارا کو پیچھا دکھا دیا۔"

شہزادے کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔ نبض نے بھی پلٹے کھائے لیکن شہزادے کی آنکھوں کا

حکیم صاحب پڑھے لکھے آدمی تھے اور قرب و جوار کی تمام ممالک سے واقف بھی تھے۔ انہیں اپنی منزل پہنچ تھی۔ انہوں نے شہزادے کی خاموشی کی ذرا بھی پروا نہ کی اور رموز کی گرہ خود ہی شروع کر دی۔ جو انداز میں بولے:

"کوہستان کا بھی اپنا ایک حسن ہوتا ہے۔ مثلاً غزنی اور قندھار کا علاقہ قدرتی مناظر سے پر چیز میں ایک خاص قسم کی جاذبیت ہے۔"

شہزادے کا چہرہ پھر سے سپاٹ ہو گیا۔ نبض کی حرکت پہلے مقام پر آگئی۔

حکیم طیب غزنی و قندھار سے نکل کر ہرات پہنچ گئے۔ بولے:

"ہرات کا ملک تو لاجواب ہے۔ سبزوار کے مقام کو ملک ہرات میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس جگہ کئی بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں۔"

ہرات کا نام بھی شہزادے میں کوئی بے چینی پیدا نہ کر سکا۔

حکیم طیب اور آگے بڑھے۔ بولے:

"آپ کی سرحدوں کے قریب ریگستان ہے لیکن یہ ریگستان قلعہ کی فصیل سے کسی طرح کم نہیں۔ یہاں کا حاکم رضا خوارزم بڑا خود سر ہے۔"

شہزادہ جہانگیر کی نبض اس گھڑی اس زور سے پھڑکی کہ حکیم طیب کو نبض پر اپنی گرفت مضبوط کرنا پڑی۔ شہزادے چہرے کی رنگت بھی بدلی گئی تھی۔

حکیم طیب مسکرائے۔ بولے:

"یقین ہے کہ اپنے شہزادے جہانگیر کو ملک خوارزم کا کوئی پھول پسند آگیا ہے۔ خوارزم کی یاد نے شہزادے بے چین کر رکھا ہے۔"

شہزادے نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ خفیف آواز میں بولا:

"حکیم صاحب۔ خدا کے لیے ہم پر رحم کیجیے۔ بس آپ خاموش رہیے۔"

"شہزادے!"

حکیم صاحب اکڑ گئے:

"میں اس منزل تک جان کی بازی لگا کر پہنچا ہوں۔ آپ کو بتانا ہو گا کہ آپ نے یہ ڈھونگ کیوں رچایا اور خوارزم کی وہ کون سی ماہ پیکر ہے جو موت بن کر آپ کے دل پر سوار ہے۔"

حکیم صاحب!

شہزادے نے لجاجت سے کہا:

"یہ ڈھونگ نہیں، حقیقت ہے۔"

"پھر آپ نے اس حقیقت کو امیر سے کیوں نہیں بیان کیا؟"

حکیم طیب کا لہجہ بتدریج تلخ ہوتا جا رہا تھا:

"مجھے آپ کی بیماری کی کوئی پروا نہیں۔ میں تو صرف امیر تیمور کی وجہ سے آپ کے علاج پر تیار ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ایک مستقل کرب میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے دربار تک لگانا چھوڑ دیا ہے۔"

شہزادے نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کشمکش میں ہے۔

"شہزادے جہانگیر!"

حکیم نہایت تلخ لہجے میں بولا:

"اگر آپ کو خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو امیر تیمور اس غم سے پاگل ہو جائیں گے اور یہ ملک پھر ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بلادِ شمال کا خانِ اعظم ایک بار پھر تاتاریوں کو غلام بنانے کے لیے سمرقند پر چڑھ آئے۔"

شہزادے کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں۔ حکیم صاحب گھبرا گئے۔ چہرے کے قریب جا کر بولے:

"شہزادے! آپ کا راز میرے سینے میں رہے گا۔ کم از کم یہ تو بتا دیجیے یہ حادثہ کس جگہ کے دارالسلطنت اور گنج خیوہ یا قلعہ کرت میں ہے؟"

شہزادے کے ہونٹ لرزے۔ وہ بہت نحیف آواز میں بولا:

"دریائے آمو کے کنارے۔" پھر شہزادے پر غشی طاری ہو گئی۔

حکیم صاحب کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا۔ اس نے شہزادے کو زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حکیم نے شہزادے کو سرگوشیوں میں یقین دلایا:

"شہزادے بہادر۔ آپ اپنی طبیعت سنبھالیے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا مغلوب اور خوارزم کی دختر بھی ہے تو وہ آپ کے لیے حاصل کی جائے گی۔ خواہ اس کے لیے خون کی ندیاں ہی کیوں نہ بہہ جائیں۔"

شہزادے کے مرجھائے ہوئے چہرے پر رونق سی آ گئی۔

حکیم طبیب شہزادے کے پاس سے اٹھ کر موٹڈارلات کے پاس آئے۔ موٹڈارلات ان کے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ حکیم نے دروازے میں قدم رکھا تو وہ دوڑ کر ان کے پاس آ گیا۔

"کہیے حکیم صاحب۔ کچھ کامیابی ہوئی؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"مبارک ہو سردار۔ شہزادے نے آنکھیں کھول دی ہیں۔" حکیم طبیب خوشی سے مسکرائے۔

"سچ؟"

موٹڈارلات اور بے چین ہو گیا:

"شہزادے نے تو تین دن سے کھانا پینا بھی چھوڑ رکھا ہے۔ ان پر ہر وقت غشی سی طاری تھی۔ تو کمال کر دیا حکیم صاحب!"

"سردار کو یہ سن کر اور خوشی ہو گی کہ شہزادے نے اپنے مرض کا اقرار کر لیا ہے۔"

حکیم طبیب ہنستے ہوئے بولے:

"آپ چاہیں تو اب میری گردن اڑا سکتے ہیں۔"

سردار ارلات بڑے خلوص سے حکیم صاحب سے لپٹ گیا:

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔ جی چاہتا ہے آپ کا منہ موتیوں سے بھر دوں۔ شہزادے نے کس طرح اقرار کر لیا؟ کسی کا نام بتایا انہوں نے؟"

"نہیں سردار۔"

حکیم طبیب نے نفی میں سر ہلایا:

"نام بتانے سے گریز کر رہے ہیں۔ شاید شرم مانع ہے لیکن انہوں نے جو اشارہ دیا ہے اس سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"اچھا تو چلیے۔"

موٹڈارلات ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا:

"ہم اسی وقت امیر سے ملتے ہیں۔ وہاں آپ تفصیل سے گفتگو کیجیے گا۔"

سردار ارلات، حکیم طبیب کو ساتھ لے کر باہر آیا۔ اسے معلوم تھا کہ امیر تیمور اسے ملاقات کی اجازت دیں گے۔ امیر کے پاس سوائے سرائے خانم کے اور کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ حکیم صاحب کے آنے پر وہ شہزادے کے پاس سے اٹھ کر محل کے دوسرے حصے میں چلی گئی تھیں۔

موٹڈارلات ان کے پاس پہنچا اور ایک کنیز کے ذریعے ملکہ سرائے خانم کو اطلاع بھجوائی کہ شہزادہ جہانگیر ہوش میں آ گئے ہیں اور انہوں نے حکیم صاحب سے بعض اہم باتیں کی ہیں۔ وہ باتیں امیر کے گوش گزار کرنا ضروری ہیں۔

ملکہ سرائے خانم کے لیے یہ بات نوید مسرت تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی امیر تیمور کے کمرے میں داخل ہوئی اور پھولا پھولا سانسوں کے درمیان بولی:

"امیر کو مبارک ہو۔ ایک حکیم شہزادے کو ہوش میں لے آیا ہے۔ شہزادے نے حکیم سے باتیں کی ہیں۔ حکیم شرفِ ملاقات کے لیے حاضر ہے۔"

امیر تیمور اس صدمے سے نڈھال پڑا ہوا تھا۔ اس خبر نے اس میں جان ڈال دی:

"کیا یہ خبر درست ہے سرائے خانم یا تم ہمیں خوش کرنے کے لیے کہہ رہی ہو؟" تیمور نے امید بھری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظروں سے سرائے خانم کو دیکھا۔

"امیر محترم!"

سرائے خانم اپنی سانس درست کرتے ہوئے بولی:

"سردار موڈارلات اور حکیم باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔ وہ پوری وضاحت سے بتائیں گے۔"

امیر تیمور نے فوراً پانی طلب کیا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ لباس بدلا۔ پھر سردار موڈارلات کو اندر بلایا۔

سرائے خانم دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ حکیم طبیب اور موڈارلات کمرے میں داخل ہو کر آداب بجا لائے۔

"موڈارلات!"

امیر تیمور نے گداز لہجے میں کہا:

"کیا تمہارے ساتھ یہ وہی حکیم ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شہزادے کو ہوش میں لائے ہیں؟ انہوں نے شہزادے سے باتیں بھی کی ہیں؟"

"اے تاتاریوں کے نجات دہندہ!"

حکیم صاحب نے بغیر یہ پروا کیے کہ تیمور نے موڈارلات کو مخاطب کیا ہے، خود بولنا شروع کر دیا:

"اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت اس حقیر بندے کو عطا کی کہ یہ حقیر بندہ شہزادے کا مرض معلوم کرنے کامیاب ہوا۔"

"خدا تمہیں جزائے خیر دے حکیم!"

امیر تیمور بڑی رقت سے بولا:

"تم نے ایک باپ کے مغموم دل کو جو سکون بخشا ہے اس کا احسان ہم عمر بھر نہیں بھول سکیں گے۔ ہمیں ہے کہ جب تم نے مرض معلوم کر لیا ہے تو تم شہزادے کو اچھا کرنے میں بھی ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"امیر محترم!"

حکیم نے مستقل مزاجی سے کہا:

"یہ ٹھیک ہے کہ میں مرض کی تہ تک پہنچ گیا ہوں اور شہزادے نے بڑی حد تک اس کی تصدیق بھی کر دی ہے لیکن افسوس کہ شہزادے کا علاج میرے پاس نہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو حکیم؟"

امیر تیمور بڑے اضطراب سے بولا:

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس نے ہر مرض کا علاج اس کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ پھر تم کیسے حکیم ہو؟"

"مرض معلوم کرنے کے بعد علاج نہیں کر سکتے۔ محترم بزرگ! تم نے ہمیں امید کی کرن دکھا کر پھر اندھیرے میں دھکیل دیا۔"

"امیر محترم!"

حکیم طبیب نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"اللہ کے فرمان سے کون انکار کر سکتا ہے؟ میں یہ کب کہا ہے کہ شہزادے کے مرض کا علاج نہیں میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شہزادے کا علاج میرے اختیار میں نہیں۔ ان کی تکلیف اور درد کا درماں صرف آپ کر سکتے ہیں۔"

"ہم.... ہم اس کا مرض دور کر سکتے ہیں؟"

تیمور نے حیران ہو کر پوچھا:

"جلد بتاؤ حکیم! ہم شہزادے کے لیے تو آسمان سے تارے بھی توڑ کر لا سکتے ہیں۔ ہم اس کے بدلے میں اپنی جان دے سکتے ہیں۔"

"اے شاہ عالی شان!"

حکیم نے تیمور سے نظریں ملا کر کہا:

"اس سلسلے میں اسی وقت کچھ عرض کر سکتا ہوں کہ جب امیر میری بات پوری توجہ سے سماعت فرمانے کا اطمینان کر لیں اور جب تک میں پوری تفصیل نہ بیان کر لوں، صبر و تحمل سے کام لیں۔"

"حکیم!"

تیمور بے چینی سے بولا:

"ہم ہر طرح کا اطمینان اور وعدہ کرنے پر تیار ہیں مگر خدا کے لیے ہمارے بچے کا علاج کر کے اسے اچھا کرنے کی کوشش کرو۔"

"توجہ سے سنیے شاہ محترم!"

حکیم کی بات پر سب متوجہ ہو گئے۔ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی سرائے خانم نے بھی پردے سے کان لگا دیے۔ حکیم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا:

"شہزادے جہانگیر کو کسی طرح کی جسمانی بیماری نہیں ہے بلکہ وہ محبت کے موذی مرض میں مبتلا ہیں اور ان کی یہ محبت عشق کی حدوں میں پہنچ چکی ہے۔"

"ناداں حکیم!" امیر تیمور کو اک دم جلال آ گیا۔ "اتنا معصوم اور لڑکیوں سے نظریں چرانے والا شہزادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کس طرح محبت کر سکتا ہے؟"

"امیرِ محترم!"

حکیم کو بھی غصہ آ گیا:

"یہ سوال آپ شہزادے سے کیجیے۔ انہوں نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا ہے۔"

امیر تیمور کا جلال ابال کی طرح بیٹھ گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ پھر جیسے اس نے تیمور میں شہزادہ جہانگیر سے کہا:

"جہانگیر! تم نے باپ کی محبت کا اندازہ ہی نہیں کیا۔ ایسی بات تھی تو تم نے پہلے ہی دن کہہ دیا ہوتا۔ کیا ہم تمہارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تمہاری پسند کو ہم نے ہمیشہ مقدم رکھا۔ خوش قسمت ہے وہ لڑکی جو امیر تیمور گورگان کی بہو بنے گی۔"

پھر وہ اک آہ بھر کر حکیم سے مخاطب ہوا:

"کہاں ہے وہ خوش نصیب؟ کیا نام ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟"

"امیرِ محترم تحمل سے کام لیجیے۔ یہ معاملات بہت نازک ہوتے ہیں۔"

حکیم نے ناصحانہ انداز میں کہا:

"شہزادے جہانگیر نے اس کا نام نہیں بتایا اور نہ اس پر نام معلوم کرنے کے لیے زور دیا جائے ورنہ ان کی دل شکستگی اور بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ انہوں نے کچھ اشارے ضرور کیے ہیں جن سے منزلِ مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

"تم درست کہتے ہو حکیم۔"

تیمور کی آواز میں تھکن پیدا ہو گئی:

"تم سچے ہو۔ ہم نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔ ان اشاروں کی وضاحت کرو تاکہ کوئی صورت نکالی جا سکے۔"

"مجھے وضاحت کا موقع تو دیا جائے شاہ عالی مقام!" حکیم نے بڑے مہذب طریقے سے امیر تیمور کی تنبیہ کی۔

"اگر امیر نے پدرانہ محبت سے مجبور ہو کر میری گفتگو کے دوران پھر بے چینی کا اظہار کیا تو اس سے بات بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔"

"تم بات پوری کرو حکیم!" تیمور نے حکیم طیب کو اطمینان دلایا۔

"ہم اپنے جذبات پر قابو رکھیں گے اور گفتگو میں قطعی دخل نہ دیں گے۔"

"امیرِ محترم!"

حکیم نے اطمینان سے کہنا شروع کیا:

"میں نے بسم اللہ کہہ کر شہزادے کی نبض پر ہاتھ رکھا اور ان کے چہرے پر نظر کی تو چہرے کی افسردگی نبض نے فوراً اعلان کیا کہ شہزادے کو کوئی جسمانی بیماری نہیں بلکہ ان کے دل پر کسی کے فراق اور حرماں نصیبی کا شدید دباؤ ہے۔ میں جانتا تھا شہزادہ اپنی فطری شرم کی وجہ سے محبت کا اعتراف ہرگز نہ کرے گا۔ اس لیے میں نے نصیحت نامہ سنایا اور شاہی محلات اور خانوادۂ تیمور کی عالی مقام خواتین کی تعریف و توصیف کا ذکر چھیڑا۔ اس سے شہزادے کا کچھ اتہ پتہ پا سکوں جس کی جدائی نے شہزادے کا یہ حال بنا رکھا ہے لیکن شہزادے کی نبض یا چہرے پر اس تذکرے میں کسی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ میرا کام قدرے مشکل ہو گیا لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ شہزادے کے تصور کو سمرقند کے محلوں اور گلی کوچوں میں لے گیا۔ وہاں بھی ناکامی ہوئی تو اپنی خود کلامی کو وسعت دیتے ہوئے شہزادے کے ذہن کو بلخ اور بخارا اور ملک تاتار کے تمام بڑے بڑے شہروں تک لے گیا مگر مجھے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اب میرے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا کہ گمشدہ مقصود کو آس پاس کی سلطنتوں میں تلاش کروں۔ میں نے ہرات کا ذکر کیا۔ شہزادے کی نبض و چہرے نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا لیکن جب میں شہزادے کے خیال کو بہتا ہوا سلطنتِ خوارزم میں داخل ہوا تو شہزادے کا چہرہ ایک دم متغیر ہو گیا اور نبض نے پھڑک پھڑک کر اعلان کیا کہ بس آگے نہ بڑھنا۔ جو کچھ ہے بس خوارزم میں ہے۔ اس یقین کے ساتھ ہی میں نے شہزادے پر واضح کر دیا کہ اس کا مسیحا خوارزم سے اور اگر اس نے اب بھی زبان نہ کھولی تو خاکم بدہن شہزادہ اپنی جان کھو دے گا اور امیر تیمور نے جس سلطنت کی بنیاد رکھی ہے اس کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ شہزادے نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور مجھ سے درخواست کی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے اور نہ اس سلسلے میں مزید گفتگو ہو۔ میں نے بہت کوشش کی کہ شہزادے سے کچھ اور معلوم کر سکوں لیکن سوائے اس کے کہ یہ واقعہ یا عادثہ دریائے آمو کے کنارے پیش آیا ہے اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔"

حکیم طیب یہ حقیقی افسانہ ایک منجھے ہوئے داستان گو کی طرح بیان کر رہا تھا۔ امیر تیمور اور سردار موقع بہ موقع حیرت، توجہ اور دلچسپی سے سحر زدہ بیٹھے سن رہے تھے۔

"حکیمِ محترم!"

امیر تیمور نے پہلی بار حکیم طیب کو عزت سے مخاطب کیا،

"تمہارا بیان اگرچہ داستان گوئی کا سا ہے لیکن ہمیں اس کے لفظ لفظ کا یقین ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شہزادے کا نام کس طرح معلوم کیا جائے۔ تمہارا یہ بھی مشورہ ہے کہ اس سلسلے میں شہزادے پر زور نہ ڈالا جائے لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دریائے آمو کو ہندوکش سے نکل کر بحیرۂ ارال میں گرتا ہے۔ ہم اس کے کناروں کا کس طرح ا

اس وقت غلام نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ شہزادہ جہانگیر نے حکیم صاحب کو فوراً بلایا ہے۔

اس اطلاع سے بڑی مسرت ہوئی۔ اسے یہ سوچ کر اطمینان ہوا کہ شہزادہ کم از کم اس قابل تو ہوا کو کر سکے۔

حکیم طیب شہزادے سے ملنے گئے اور کچھ دیر بعد واپس آ گئے۔ وہ کچھ گھبرائے گھبرائے سے نے انہیں پریشان دیکھ کر پوچھا:

"کیا ہوا حکیم محترم! شہزادہ خیریت سے تو ہے؟"

"الحمد للہ۔ شہزادہ بالکل خیریت سے ہے۔"

حکیم طیب نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا:

"امیر عالی مقام! میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں۔ مرض کی تشخیص ہو گئی ہے علاج آپ کیجیے اور جانے کی اجازت دیجیے۔"

"حکیم محترم!"

امیر تیمور بھی پریشان ہو گیا:

"آخر ہوا کیا؟ کیا شہزادے نے آپ کو واپس جانے کا حکم دیدیا ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے امیر محترم!"

حکیم طیب نے سنبھل کر کہا:

"لیکن شہزادے جہانگیر نے مجھ سے قسم لی ہے کہ میں ان کے سلسلے میں آپ کو کوئی مشورہ اپنی زبان بند رکھوں۔ میں مسلمان ہوں امیر۔ قسم کی پابندی مجھ پر فرض ہے۔"

"حکیم محترم! ہم قسم توڑنے کو ہرگز نہیں کہیں گے۔"

امیر نے نرمی سے سمجھایا:

"لیکن ہماری خواہش ہے کہ آپ شہزادے کی صحت یابی تک سمرقند میں قیام کریں۔"

○

بعض مسائل دیکھنے میں بہت الجھے نظر آتے ہیں لیکن جب ان پر یکسوئی سے غور کیا جائے تو وہ

سلجھ جاتے ہیں۔

امیر تیمور شہزادہ جہانگیر کی طرف سے بہت فکرمند تھا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ جہانگیر کسی لڑکی کی بت میں گرفتار ہے، یہ مسئلہ اب تیمور کے لیے دردِ سر بنا ہوا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ شہزادہ نی محبوب کا نام بتانے پر رضامند نہ تھا اور اس سلسلے میں زیادہ کچھ کہنے سے اس کے مزاج برہم ہو جانے بھی اندیشہ تھا۔

اس فکر میں ڈوبا ہوا جب امیر تیمور، سردار، موٴدارلات اور حکیم طیب کو رخصت کر کے زنانخانے میں پہنچا س کی طبیعت سخت پریشان تھی۔

سرائے خانم جو دوسرے کمرے میں ہونے والی گفتگو کے دوران پردے کے ساتھ لگی بیٹھی تھی وہ وہاں ے ہٹ کر زنانخانے کے ایک دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ امیر تیمور کو دیکھ کر وہ کمرے سے باہر ار تیمور کو ساتھ لے کر اندر پہنچی۔

"سرائے خانم۔"

تیمور نے مسہری پر بیٹھتے ہوئے فکرمند لہجے میں کہا:

"تم اگرچہ شہزادہ جہانگیر کی سوتیلی ماں ہو لیکن تمہارے خلوص کی بنا پر ہم تمہیں شہزادے کی سگی ماں ہی تصور رتے ہیں۔ شہزادہ جہانگیر کا مسئلہ بہت الجھ گیا ہے۔ تم عورت ہو اور جہانگیر کے معاملے کا تعلق بھی ایک عورت ہے اس لیے ہمیں تمہارے مشورے کی ضرورت ہے۔"

"امیرِ اعظم فرمائیں۔"

سرائے خانم بالکل بےتاب ہو گئی:

"میں شہزادے کی سلامتی کے لیے ہر قدم اٹھانے پر تیار ہوں۔"

"سرائے خانم۔"

تیمور غم سے چور چور تھا۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا:

"حکیم دانا نے یہ بتایا ہے کہ خود شہزادے نے اس کی تصدیق کی ہے کہ جہانگیر کسی لڑکی کے عشق مبتلا ہے لیکن وہ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کا نام بتانے سے گریز کر رہا ہے۔ صرف ایک جسم اشارہ ظاہر ہے یہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔"

سرائے خانم جو تمام باتیں سن کر خود بھی ان پر غور کر چکی تھی، سنجیدگی سے بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جس بات کو آپ نادانی کہہ رہے ہیں وہ شہزادے کی شرافت اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ اوّل تو ایک سعادت مند بیٹے کا اپنے باپ کے سامنے کسی لڑکی سے محبت کرنے کا اقرار کرنا ہی تہذیب کے خلاف ہے دوم یہ کہ اگر شہزادے نے کسی انداز میں محبت کا اعتراف کر ہی لیا تو پھر اس کی شرافت کس طرح گوارا کرے گی کہ دوشیزہ کا نام اپنی زبان پہ لا کر اس کی بدنامی کا سبب بنے۔"

"تم نے سچ کہا سراے خانم۔"

تیمور نے قسطے کلام کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔ ہمارا شہزادہ ایک باحیا جوان ہونے کے علاوہ شرافت پتلا بھی ہے مگر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"اب اس کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ امیر اس "اشارے" کی روشنی میں منزل تلاش کریں۔"

سراے خانم یہ بات پہلے ہی سوچ چکی تھی:

"آپ وہ "اشارہ" ارشاد فرمائیں جو شہزادے کی گفتگو سے حاصل کیا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میرا سلسلے میں کوئی مفید رائے دے سکوں۔"

"شہزادے کی گفتگو سے اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ اس لڑکی کا تعلق خوارزم سے ہے۔"

امیر تیمور نے تشریح کی:

"شہزادے نے ذہبی زبان سے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ یہ واقعہ دریائے آمو کے کنارے پیش آیا۔"

"یہ تو بڑے واضح اشارے ہیں امیر۔"

سراے خانم نے ہنستے ہوئے کہا:

"اس راستے پر چلتے ہوئے تو ہم بڑی آسانی سے شہزادہ جہانگیر کی سسرال تک پہنچ سکتے ہیں۔ صاف ظاہر کہ دونوں کی ملاقات دریائے آمو کے کنارے ہوئی اور دریائے آمو ہماری اور سلطنتِ خوارزم کی قدرتی سرحد اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شہزادے کی محبوبہ خوارزم سے تعلق رکھتی ہے تو پھر اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ شہزادہ دریا پار کر کے اس سے ملاقات کے لیے جاتا ہوگا۔"

"سراے خانم! بات اس کے برعکس بھی تو ہو سکتی ہے۔"

امیر تیمور نے بیٹے کی شرافت پر داغ آتے دیکھ کر فوراً مدافعت کی:

"یہ ضروری تو نہیں کہ شہزادہ دریا پار کر کے اُس طرف گیا ہو۔ کیا پتہ وہ لڑکی دریا پار کر کے شہزادے سے ملنے آئی ہو۔"

"نہیں امیر۔ یہ بات ایک لڑکی کے کردار اور وقار کے خلاف ہے۔"

سراے خانم نے بڑے فخر سے کہا:

کیا یہ عجب نہیں کہ شاہِ تاتار امیر تیمور خود چل کر سراے خانم کے خیمے میں شادی کی درخواست لے کر آئے حالانکہ سراے خانم اُس وقت قفس ایسی حقیقت جنگی قیدی تھی۔"

امیر تیمور اس برجستہ اور برمحل جواب پر چونک اٹھا۔

"سراے خانم! تم واقعی عقلمند ہو۔ ہم نے تمہارے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی۔"

اور یہ حقیقت بھی تھی۔ جب سراے خانم کا پہلا شوہر امیر حسین جو تیمور کا سالا بھی تھا، خانہ بدگی میں مارا گیا اور سراے خانم قید ہو کر آئی تو تیمور نے سراے خانم کے خیمے میں جا کر اسے شادی کا پیغام دیا تھا۔

تیمور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا:

"سراے خانم۔ دراصل ہم نے کبھی ان باتوں پر غور نہیں کیا اور نہ ہم اس قدر پریشان ہوتے اور اس نتیجے پر پہنچ جانے جس طرف کہ تم نے اشارہ کیا ہے۔"

"امیر اس سلسلے میں قصوروار نہیں۔"

سراے خانم نے بڑے تیکھے پن سے کہا:

"امیر کو تو امورِ سلطنت سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اپنے گرد و حالہ کی ہوئی مجتوں پر غور کر سکیں۔"

"تم ہم پر طنز کر رہی ہو سراے خانم۔"

امیر تیمور نے اس کی بات کا مفہوم فوراً بھانپ لیا:

"ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اب ہم تم پر پہلے سے زیادہ توجہ دیں گے۔ ہم اس بات پر بھی تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمیں ایک نئی راہ سجھائی ہے۔ اب یہ معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں کہ شہزادے جہانگیر نے آمو کو کب عبور کیا اور خوارزم کی وہ کون سی لڑکی ہے جس سے شہزادے نے ملاقات کی تھی۔"

سراے خانم نے جو گہرا طنز کیا تھا اس کا صلہ اسے مل گیا تھا۔ اس نے بڑے خلوص سے سر جھکا کر اسے قبول کیا۔

امیر تیمور اب دوسری ہی دھن سوار ہو چکی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک اس کے پاس نہ بیٹھا اور کچھ دیر بعد محل میں واپس چلا گیا۔ امیر تیمور نے مؤدارات اور حکیم طبیب کو سختی سے تاکید کر دی تھی کہ شہزادے کی علالت کی پرگاہر نہ کیا جائے لیکن شہزادے کے ہوش میں آنے کی خبر کو نہ چھپایا جا سکا۔ سب سے پہلا علم سراے خانم کی کنیزوں کو ملی۔ سراے خانم جب شہزادے کو دیکھ کر آئی تو اس کا چہرہ ہشاش تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزاج شناس کنیزوں نے اسے خوش دیکھا تو فکر کے سر ہو گئیں۔ آخر سرائے خانم کو بتانا پڑا کہ شہزادہ آ گیا ہے۔ پھر یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام محلات میں پھیل گئی۔ . . . .

سرائے خانم نے صرف شہزادے کے ہوش میں آنے کا ذکر بڑے محتاط طریقے سے کیا تھا لیکن جب یہ خبر سمرقند کے کوچہ و بازار میں پہنچی تو اس میں یہ اضافہ بھی ہو گیا کہ شہزادے جہانگیر علاج سے اچھے ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ محل کے اندر چہل قدمی بھی کرنے لگے ہیں۔

پھر کیا تھا، امرا اور وزرا مبارکباد دینے کے لیے امیر تیمور کے محل پر جمع ہونے لگے۔ امیر تیمور پریشان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ شہزادے کے صحت یاب ہو کر چہل قدمی کرنے کی افواہ کو اب یہ اس کے لیے مشکل تھا کہ وہ نصف خبر کی تصدیق اور نصف کی تردید کرتا۔ اس کے امرا اور ارکین حکو باریابی کی اجازت دی اور ان سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا۔ بعض بہی خواہوں نے مصلحتاً حضرات اور وزرا تیمور کو جھوٹا یہ حکم بھی جاری کرنا پڑا۔ حالانکہ شہزادہ اب تک ماحیضزاش تھا۔ نا حاضر ہوا تھا کہ اب امیر سرائے خانم اس کی مزاج پرسی کے لیے آتے تو وہ ان کے شکر یے کے دو تین الفاظ ادا کر دیا کرتا تھا۔

امیر تیمور نے شہزادے کی پرسیدہ بیماری کے سلسلے میں مولانا زین الدین کو بھی اپنے اعتماد میں لیا تیمور نے شہر بسز سے بلوایا تھا اور وہ اب تک سمرقند میں ہی مقیم تھے۔ امیر تیمور ہر اہم معاملے میں ان سے رہنمائی حاصل کرنے کا عادی تھا۔ غرض یہ کہ امیر تیمور نے مولانا زین الدین اور سردار مومڈ ارلات کے مشور خوارزم کی سرحد کے قریب متعین سردار فوج کو ایک خفیہ خط لکھا۔ فوج کا یہ سردار شہزادہ جہانگیر کے سمرقند آنے پر اس کی جگہ مقرر کیا گیا تھا۔

اس خط کا متن بڑے غور و فکر اور صلاح مشورے کے بعد طے ہوا تھا۔ امیر تیمور نے دریائے آمو کے سپہ سالار کو حکم دیا تھا کہ وہ نہایت خفیہ طور پر یہ بات معلوم کرے کہ شہزادہ جہانگیر دریائے آمو کے حدود میں کب داخل ہوا اور نیز یہ کہ خوارزم کے علاقے میں جب شہزادہ جاتا تھا تو اس کے ساتھ کو تھا، شہزادے کے ساتھ جانے والے ایسے تمام لوگوں کو حراست میں لے کر انہیں سخت پہرے اور ساتھ دارالسلطنت روانہ کیا جائے۔

دریائے آمو کے لشکر کا سپہ سالار امیر تیمور کا یہ خط پا کر بہت گھبرایا۔ وہ اس لشکر میں نیا لشکریوں کے حالات سے پوری طرح واقف نہ تھا۔ امیر نے اسے خفیہ تحقیقات کا حکم دیا تھا۔ اسے کھل کر کسی سے بات بھی نہ کر سکتا تھا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر شہزادہ جہانگیر کے ان ہواخواہوں کو گرفتار کر لیا گیا کہ انہیں تلاش کیا جا رہا ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ خوف کھا کر بھاگ نہ کھڑے ہوں۔ اسے یہ

تھا اور امیر کو جواب دینا تھا۔

اس نے تحقیقات کا آغاز اپنے نائب سے کیا۔ ایک دن باتوں باتوں میں پوچھا:

"دریا کے اس پار خوارزم کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے دریا پار کرنے کی کوئی کوشش کی؟"

"نہیں سردار!"

نائب نے اس کے خیال کی سختی سے تردید کی:

"ایسی کوئی بات نہیں۔ نہ وہ دریا کے اس طرف آئے اور نہ کبھی ہم نے ادھر جانے کی کوشش کی۔ شہزادہ جہانگیر نے لشکر کو دریا پار کرنے کی سخت ممانعت کر دی تھی۔"

سردار لشکر کو پہلے ہی قدم پر ناکامی ہوئی۔ نائب کے جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی اطراف امیر تیمور کے خط سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ شہزادے جہانگیر نے دریا عبور کیا ہے۔ بہت غور کرنے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ شہزادے نے خفیہ طور پر اپنے معتمد سواروں کے ساتھ دریا عبور کر لیا اور اس نے اس کی اطلاع اپنے نائب کو نہ دی ہو۔

اس نے اپنے اس خیال کو تقویت دینے کے لیے نائب کو ایک بار پھر ٹٹولا۔ سردار نے لاپروائی سے نائب سے پوچھا:

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شہزادہ جہانگیر دشمن کا حال معلوم کرنے کے لیے پوشیدہ طور پر دریا پار جاتے ہوں اپنی کسی مصلحت کی بنا پر یہ بات نہ بتائی ہو۔"

"ہاں، ایسا ہو سکتا ہے سردار۔"

نائب نے شاید اپنے سردار کو خوش کرنے کے لیے کہا:

"اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ شہزادے بہادر نے اپنے بجائے اپنے کسی خاص سوار کو دریا پار دشمن کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہو۔"

"تم نے تحقیق کہاں تک؟"

سردار نے اس کی حوصلہ افزائی کی:

"سردار فوج مخالف دشمن کے لشکر میں تنہا جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ شہزادہ جہانگیر نے یہ کام ضرور اپنے خاص سرداروں کے سپرد کیا ہو گا۔"

"سردار، آپ بڑے اچھے انسان ہیں۔"

نائب خوش ہو کر بولا: "آپ نے اپنے نائب کے خیال سے اتفاق کر کے میری عزت افزائی کی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادہ جہانگیر ولی عہدِ سلطنت ہیں۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہتا لیکن یہ ضرور ہے کہ انہوں
میں شریک نہیں کیا۔ ان کے تو بس پانچ یار تھے۔ انہیں کے ساتھ وہ مگن رہتے تھے"۔ نائب سلطنت
حاصل کرنے کے لیے شہزادے کی بے التفاتی کا شکوہ کر بیٹھا۔

سردارِ فوج اپنے نائب کی اس بات پر اچھل پڑا۔ اپنی خوشی ضبط کرتے ہوئے بولا:

"شہزادے کے وہ دوست کون ہیں۔ کیا شہزادہ انہیں اپنے ساتھ سمرقند لے گیا ہے؟"

"نہیں سردار۔ وہ تو اسی لشکر میں دندناتے پھرتے ہیں"۔

نائب کو شہ ملی تو اور کھل گیا:

"میں شہزادے بہادر کے لحاظ سے انہیں کچھ نہیں کہتا"۔

"کیا وہ خود سر ہو گئے ہیں؟" سردار نے اس انداز سے کہا جیسے وہ شہزادے کے
ناراض ہو گیا ہو۔

"ایسی ویسی خود سری سردار"۔

نائب کو حوصلہ ملا تو وہ پھٹ پڑا:

"وہ تو کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے۔ کسی کام سے بلواؤ۔ سو سو بہانے بناتے ہیں۔
ایک بار آتے ہیں"۔

"ایسے بدقماش اور خود سر لوگوں پر ہمیں نظر رکھنی ہو گی نائب!"

سردار مصنوعی غصے سے بولا:

"ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ان پانچوں کو اسی وقت میر مسلح کر کے الگ الگ خیمو
نائب کی تو مراد بر آئی۔ اسے جہانگیر کے ان منہ چڑھے لوگوں سے سخت پرخاش تھی
انہیں ان کی پلٹنوں سے الگ کر کے اپنے محافظ دستے میں شامل کر لیا تھا۔ ان کے قدم زمین
جب شہزادہ سمرقند چلا گیا اور اس کی جگہ نیا سردار آیا تو نائب نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا
کی پرانی پلٹنوں میں بھیجنے کا حکم دے دیا۔ اس پر ان پانچوں نے بڑا واویلا مچایا اور سخت احت
احتجاج خارج کر نائب کے دل میں کھٹکتا تھا اور وہ انہیں مزید ایذا پہنچانے کی تدبیروں
گرفتاری کے حکم سے اسے دلی مسرت ہوئی۔

نائب تعمیلِ حکم کے لیے سردار کو سلام کر کے جانے لگا تو سردار نے اسے روک کر
"مجرموں کو اسی وقت گرفتار ہونا چاہیے۔ خبردار کوئی فرار نہ ہونے پائے۔ اگر

ہماری خیر نہیں۔ وہ سب امیر تیمور کے مجرم ہیں۔ ہم انہیں آج ہی سمرقند بھیج دیں گے"۔

"سردار اطمینان رکھیں"۔

نائب بڑے فخر سے بولا:

"میرے ہاتھ سے تو انہیں صرف موت ہی بچا سکتی ہے"۔

"نہیں۔ انہیں کوئی گزند نہ پہنچے"۔

"بہتر ہے سردار۔ ایسا ہی ہو گا"۔

نائب سردار نے باہر آ کر سواروں کے ایک دستے کو شہزادے کے دوستوں کو گرفتار کرنے کے لیے
بھیجا۔ شہزادے کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ دوستوں کو سب ہی جانتے تھے۔ ان کی تلاش اور گرفتاری میں کوئی
دقت نہ پیش آئی۔ نائب کا بھیجا ہوا دستہ ایک گھنٹے کے اندر اندر مطلوبہ اشخاص کو گرفتار کر کے نائب کے پاس
لے آیا۔ ان کے ہتھیار پہلے ہی چھین لیے گئے تھے۔

نائب کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ انہیں دشمنی کی بنا پر گرفتار کیا گیا ہے۔ انہوں نے احتجاج کرنا بے کار سمجھا اور
اپنے انجام کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

نائب سردار نے ان سے کوئی بات نہ کی اور انہیں لیے ہوئے سردارِ لشکر کے خیمے پر پہنچا۔ اندر پہنچ کر اس نے
سردار کو اطلاع دی۔

سردار بڑی بے تابی سے ان کی گرفتاری کا منتظر تھا۔ اس نے انہیں فوراً پیش کرنے کا حکم دیا۔ نائب ان
پانچوں کو اندر لایا۔ ان کے ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے۔

"تم نے ان سے کچھ پوچھا تو نہیں۔ کوئی سختی تو نہیں کی"۔ سردار نے نائب سے دریافت کیا۔

"نہیں سردار"۔

نائب نے جواب دیا:

"میں نے نہ کچھ پوچھا ہے اور نہ سختی کی ہے۔ آپ کے حکم کے مطابق گرفتار کر کے حاضر کر دیا ہے۔ جو
سزا دیں"۔

"تم جا سکتے ہو"۔ سردار نے حکم دیا۔

"نہیں۔۔۔۔ میں چلا جاؤں؟" نائب نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ دراصل دیکھنا چاہتا تھا کہ شہزادے
کے ان منہ چڑھے لوگوں کو سردار کیا سزا دیتا ہے۔

"کہہ دیا کہ جاؤ۔ تمہارا کام ختم ہو گیا"۔ سردار نے اسے ڈانٹ پلائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائب چپ چاپ باہر نکل گیا۔

"تم شہزادے جہانگیر کے دوست ہو گیا؟" سردار نے انہیں نرمی سے مخاطب کیا۔

انہوں نے جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔

"جواب دو۔"

سردار غصے سے بولا:

"جان کی خیر چاہتے ہو تو سچ سچ جواب دو۔"

"ہاں سردار۔"

ایک نے مریل آواز میں جواب دیا:

"شہزادے بہادر ہم پر مہربان تھے۔"

"شہزادہ جہانگیر کتنی بار دریا پار گئے تھے؟"

انہوں نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔

ذرا دیر کے بعد سردار دھاڑا:

"بکبختو۔ امیر تیمور کو معلوم ہو چکا ہے کہ شہزادہ جہانگیر دریا پار کر کے خوارزم کے علاقے میں جھوٹ بولو گے تو امیر تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔"

ان کے بدن لرز اٹھے۔

انہیں یقین ہو گیا کہ شہزادے کا معاملہ امیر تیمور کے سامنے کھل گیا ہے۔ اب جھوٹ بولنا بیکار ہے۔ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔ پھر ایک نے کہا:

"شہزادہ جہانگیر صرف ایک بار پار گئے تھے۔ ہم نے بہت روکا مگر وہ نہیں مانے۔"

سردار نے آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا:

"شہزادہ تمہیں بھی ساتھ لے گیا ہو گا؟"

"جی ہاں سردار لیکن....."

"بس بس۔ اب جو کہنا ہے امیر تیمور کے گوش گزار کرنا۔"

سردار اپنی کامیابی پر بڑا خوش تھا:

"ہم تمہیں ابھی وقت امیر کے دربار میں بھیج رہے ہیں۔ خبردار جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرنا۔ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

سردار نے ان کے جواب کا انتظار نہ کیا اور غلام کو بلا کر حکم دیا کہ نائب سردار کو پھر حاضر کیا جائے۔ غلام چلا گیا۔

سردار کاغذ اور قلمدان لے کر کچھ لکھنے بیٹھ گیا۔ اس نے امیر تیمور کو مختصر سا جواب لکھا جس میں تحریر کیا کہ "جہانگیر نے صرف ایک بار دریا عبور کیا تھا۔ وہ پانچ دوست جو شہزادے کے ساتھ گئے تھے انہیں گرفتار کر کے دربار میں بھیجا جا رہا ہے۔ ان قیدیوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے۔ مزید تفصیلات ان سے دریافت کی جا سکتی ہیں۔"

سردار خط لکھ کر فارغ ہوا تو اس کا نائب آ گیا۔ سردار نے حکم دیا:

"ان پانچوں کو دو سو سواروں کی حفاظت میں امیر تیمور کے دربار میں بھیج دو۔ ابھی اور اسی وقت۔"

"کیا مجھے ساتھ جانا ہو گا؟" نائب نے دبی آواز میں پوچھا۔

"تم نہیں جاؤ گے۔"

سردار نے اسے گھور کر دیکھا:

"جواب لے کر ہمارا غلام ساتھ جائے گا۔"

"جواب؟"

نائب نے حیرت سے سردار کو دیکھا،

"کیسا جواب؟"

"کچھ نہیں۔ تم جاؤ اور ان کے بھیجنے کا انتظام کرو۔ ہر بات میں دخل نہیں دیا کرتے۔" سردار نے بڑے برا کہا۔

نائب جانے لگا تو سردار نے کہا:

"ان کے ہاتھ کھول دو۔ دو سو سوار ان کی حفاظت کے لیے کافی ہیں۔"

نائب نے بڑی بے دلی سے ان کے ہاتھ میں بندھی ہوئی رسیاں کھول دیں۔

○

شہزادے کے محل میں چہل پہل ہو گئی تھی۔ امیر تیمور دن میں دو ایک بار اسے دیکھنے کے لیے آنے لگا۔ امراء

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وزراء نے بھی عیادت کے لیے آنا جانا شروع کر دیا تھا۔

سرائے خانم کے سامنے تو شہزادہ شرمایا شرمایا رہتا تھا لیکن حکیم طیب سے وہ کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔ اس کے ہمراز تھے۔ دونوں خوب گھل مل کے باتیں کرتے تھے۔

شہزادے نے حکیم طیب کو بتایا تھا کہ شاہ خوارزم کی طرف سے ایک وفد دوستی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ حکیم طیب نے اندازہ لگایا تھا کہ شہزادہ شاید شاہِ خوارزم کی بیٹی کے عشق میں گرفتار ہے لیکن جب اس نے طور پر معلومات کیں تو اسے بتایا گیا کہ شاہ خوارزم کی کوئی اولاد نہیں۔ حکیم صاحب کا یہ اندازہ غلط ہوا تو انہوں نے شہزادے کو کریدنا شروع کیا لیکن شہزادہ اپنے عہد پر قائم تھا۔ اس نے حکیم صاحب کو کچھ اور بتانے سے صاف انکار کر دیا۔

امیر تیمور کو شہزادے کی بحالیِ صحت کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ وہ خود بھی جب شہزادے کو دیکھنے آتا تو شہزادہ بڑی تیزی سے تندرست ہوتا محسوس ہوتا۔ حکیم کی صحبت نے شہزادے پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اب دریائے آمو کے سردار کے جواب کا انتظار تھا۔ اس کے جواب کی روشنی میں ہی کوئی قدم اٹھا سکتا تھا تاکہ شہزادے کا درد کا مستقل درماں ہو سکے۔

پھر ایک دن امیر کو اطلاع ملی کہ دریائے آمو کے سردار کا معتمد غلام پانچ قیدیوں کو لے کر آیا ہے۔ قدمبوسی کا آرزومند ہے۔

تیمور کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے اپنی خوشی پر قابو رکھا۔ درباریوں کو رخصت کیا اور معتمد کو طلب کیا۔ احتیاط کے طور پر اس نے اپنے دربار کے چاروں طرف سخت پہرہ لگوا دیا اور تاکید کر دی کہ گفتگو میں کوئی مخل نہ ہونے پائے۔

دریائے آمو کے سردار کا معتمد غلام ڈرا ڈرا امیر تیمور کے دربارِ خاص میں داخل ہوا۔ پانچوں قیدیوں کو سواروں کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ امیر نے محسوس کیا کہ معتمد دربار کی شان و شوکت سے مرعوب ہو گیا ہے۔

غلام نے جھک کر تعظیم پیش کی اور جب سیدھے ہو کر اس نے بولنے کی کوشش کی تو رعبِ شاہی سے زبان گنگ ہو گئی۔

"گھبراؤ نہیں قاصد"۔

تیمور نے اسے تسلی دی:

"کیا پیغام دیا ہے سردار نے اور تمہارے ساتھ یہ قیدی کون ہیں؟"

معتمد کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"اے تاتاریوں کے شہنشاہ!"

غلام نے بڑی کوشش کے بعد کہا:

"میرے سردار نے کوئی زبانی پیغام نہیں دیا اور نہ میں ان قیدیوں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں"۔

پھر وہ جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا:

"سردار نے ایک خط شہنشاہِ عادل کے حضور میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے"۔ غلام نے خط نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ہمارے قریب آؤ۔ ہم اجازت دیتے ہیں"۔

تیمور اپنی گنگا جمنی چوکی پر بیٹھا تھا جس پر حاکمِ وقت کے نشان کے طور پر ایک سیفشندہ پڑا تھا۔

غلام لرزاں و ترساں تیمور کے قریب پہنچا اور خط امیر کی طرف بڑھایا۔

"تم نے یہ خط پڑھا ہے؟" تیمور نے بند خط اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"اے شہنشاہ! خط بند ہے"۔

غلام نے سنبھل کر جواب دیا:

"اگر خط کھلا بھی ہوتا تو میں شہنشاہِ تاتار کے نامے کو پڑھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا"۔

امیر تیمور نے خط پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"مجرموں کو فوراً ہمارے حضور پیش کرو"۔

تیمور خط پڑھتے ہی بولا:

"تم اپنے محافظ دستے کے ساتھ کچھ دن آرام کر کے واپس چلے جانا۔ تمہارے سردار کو کسی جواب کی ضرورت نہیں ہے"۔

امیر تیمور نے سردار کے قاصد کو ایک ہی حکم میں نمٹا دیا۔ شہزادے کے یار خاص اس تک پہنچ چکے تھے۔ تیمور کا ہرکارہ انہیں دونوں سے انفراد کر رہا تھا۔

غلام باہر آیا اور داروغۂ محل کو امیر کے حکم سے آگاہ کیا۔۔۔۔ داروغہ نے مجرموں کو اپنی حفاظت میں لیا اور دربار میں پہنچا۔

شہزادے کے یار اپنے انجام سے لرز رہے تھے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ شہزادے کی دوستی انہیں موت سے دوچار کرے گی۔ جب وہ امیر کے سلام کے لیے جھکے تو ان میں سے ایک خوف سے اس قدر نڈھال ہوا کہ سیدھا ہونے کے بجائے زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھی سمجھے کہ وہ معافی کے لیے امیر کے قدموں میں گرا ہے۔ وہ بھی فوراً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمین پر گرے اور گڑگڑانے لگے۔

ایک نے قدموں میں پڑے پڑے کہا:

"اے شاہِ عادل! ہم خطاوار ہیں۔ ہم نے تیرے حکم کے خلاف دریائے آمو پار کیا۔ اس وقت ہماری تیرے اشارے کی محتاج ہے۔ تو چاہے تو ہمیں بخش سکتا ہے۔ ہمیں دوبارہ زندگی دے سکتا ہے۔"

امیر تیمور اس کا ایک ایک لفظ غور سے سن رہا تھا۔ اس نے پُر رعب لہجے میں حکم دیا:

"زمین سے اٹھو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہم تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتے ہیں۔"

پانچوں کی جان میں جان آئی اور وہ امیر کو دعائیں دیتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

امیر تیمور نے پھر کہنا شروع کیا:

"ہم نے تمہاری جان بخشی کا وعدہ کیا ہے لیکن اس شرط پر کہ تم ہمارے تمام سوالوں کا جواب سچ سچ دو گے کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں رکھو گے۔ اگر تم نے ہمیں مطمئن کر دیا تو ہم تمہاری خطا بھی معاف کر دیں گے ہو سکتا ہے کہ تمہیں پہلے سے زیادہ عظمت حاصل ہو جائے۔"

"اے امیرِ ذی مقام!"

پانچ میں سے ایک نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنے غلط اقدام کی پوری تشریح کریں گے اور غلط بیانی سے قطعی کام نہیں لیں گے۔"

"پہلی بات تو تم یہ بتاؤ کہ تم نے یا شہزادے نے دریا پار کرنے کی غلطی کتنی بار کی تھی؟" امیر تیمور نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اے شاہ! ہم سچ کہتے ہیں کہ دریا پار ہم صرف ایک مرتبہ گئے تھے۔"

شہزادے کے ایک دوست نے کہا:

"جہاں تک شہزادے بہادر کا تعلق ہے ان کے لیے بھی ہمیں یقین ہے وہ بھی صرف ایک ہی بار دریا گئے تھے۔ ہم لوگ رات دن ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور سیر و شکار کو ساتھ ہی لے جاتے تھے۔ اگر شہزادے نے کبھی دوسری بار دریا پار کیا ہوتا تو وہ ہمیں ضرور بتاتے۔ اس لیے کہ ہم ان کے رازدار تھے۔ وہ کوئی بات نہ چھپاتے تھے۔"

"ہمیں تمہاری بات کا یقین آ گیا۔" امیر نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"اب یہ بتاؤ کہ خلاف ورزی کا یہ واقعہ کب اور کس طرح پیش آیا؟"

"اے امیرِ تاتار!"

ان میں سے کسی دوسرے نے بتانا شروع کیا:

"ہمیں معلوم تھا کہ دریا کے اس پار دشمن کا علاقہ ہے۔ کبھی کبھی خوارزم کے دو چار سوار بھی ہمیں دوسری طرف گھومتے پھرتے دکھائی دیتے تھے اس لیے ہم دریا سے دور ہی رہا کرتے تھے۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ شہزادے بہادر کسی شکار کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے آمو کے کنارے پہنچ گئے۔ ہم ان سے پیچھے تھے۔ جب ہم قریب پہنچے شہزادے بہادر اپنا گھوڑا دریا میں ڈالے کھڑے تھے اور دوسری طرف خوارزم کے سپہ سالار آق صوفی کی بیٹی خانزادہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھڑی ان کا مذاق اڑا رہی تھی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آق صوفی کی بیٹی تھی؟" تیمور سے ضبط نہ ہو سکا اور بات کاٹ کر سوال کیا۔

"جی ہاں امیر تیمور۔"

اس نے وثوق کے ساتھ کہا:

"یہ بات ہمیں اس وقت معلوم ہوئی جب خانزادہ نے خود اپنا تعارف شہزادے سے کرایا۔"

"ہوں۔"

تیمور نے زور سے ہنکارا بھرا:

"پھر کیا ہوا؟"

"اے شاہِ تاتار! ہم نے شہزادے کو بہت روکا کہ وہ دشمن کے علاقے میں نہ جائیں لیکن لڑکیوں نے انہیں اکسا دیا اور شہزادے ہمیں وہیں ٹھہرنے کی تاکید کر کے دریا پار چلے گئے اور دیر تک ان سے دریا پار جا کر باتیں کرتے رہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ دریا پار نہیں گئے؟"

"ہم بھی گئے تھے اے شاہِ تاتار! لیکن مجبور ہو کر۔"

اس نے کہنا شروع کیا:

"شہزادے اور لڑکیوں کی گفتگو جاری تھی کہ ہمیں دریا پار دور سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ چند لمحوں بعد چالیس پچاس سوار گھوڑے دوڑاتے آتے دکھائی دیے۔ اب ہم نے شہزادے کے حکم کی تعمیل نہ کی اور خطرہ سر پر دیکھ کر دریا پار کر کے شہزادے کے پاس پہنچ گئے۔ ان آنے والوں میں خانزادہ کا باپ آق صوفی بھی تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ شہزادہ بہادر اس کی بیٹی سے ہم کلام ہے تو شہزادے کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا۔ وہ دیر تک باتیں کرتا رہا۔ ہم ان کی گفتگو نہ سن سکے کیونکہ شہزادے نے ہمیں دور ہٹ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات صاف ہو گئی تھی۔ امیر تیمور کو یقین ہو گیا کہ شہزادہ جہانگیر خوارزمی سپہ سالار کی بیٹی خانزادہ کی محبت میں گرفتار ہے۔ پھر اس نے پوچھا:

"کیا آقا مرزا کی بیٹی بہت خوبصورت ہے؟"

تیمور کے اس سوال پر وہ سب گھبرا گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

تیمور نے انہیں پھر یقین دلایا:

"کیا شہزادہ جہانگیر، سپہ سالار کی بیٹی کی گفتگو میں دلچسپی لے رہا تھا؟"

"جی ہاں!"

ایک نے نظریں نیچی کر کے کہا:

"صرف شہزادے اور خانزادہ میں گفتگو ہو رہی تھی۔ سہیلیاں الگ کھڑی تھیں۔ شہزادے بہادر بھی ہنس کر باتیں کر رہے تھے؟"

"تم نے ہمیں پوری طرح مطمئن کر دیا ہے۔"

امیر تیمور نے ان کے جرم کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا:

"ہم تمہیں معاف کرتے ہیں اور تمہیں اپنے عہدوں پر بحال کیا جاتا ہے۔"

پانچوں دوستوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپکنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ تیمور کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کریں۔

"تم لوگ فی الحال ہمارے محافظ دستے میں رہو گے۔"

تیمور کی آواز ابھری:

"شہزادے کی طبیعت ابھی ناساز ہے۔ ان کے اچھا ہوتے ہی تمہیں ان کے ساتھ حسب سابق بھیج دیا جائے گا مگر یہ خیال رہے کہ تم اپنی زبانیں بند رکھو گے اور کسی کو نہ بتاؤ گے کہ شہزادے نے دشمن کے علاقے میں کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ اس سے تمہارے شہزادے پر نااہلی کا دھبہ لگ جائے گا جو شاید تم بھی پسند نہ کرو کیونکہ تم شہزادے کے بھی خواہ اور سچے دوست معلوم ہوتے ہو۔"

ایک نے سر بچھا کر ادب سے کہا:

"اے شاہ! خواہ ہماری گردنیں کٹ جائیں لیکن ہم اس واقعہ کا ذکر زبان پر نہ لائیں گے۔ شہزادے کی عزت ہماری جان سے زیادہ قیمتی شے ہے۔"

امیر تیمور نے شہزادے کی بدنامی اور نااہلی کا ذکر کر کے دراصل انہیں بھلاوے میں ڈالا تھا تاکہ وہ شہزادے اور خانزادہ کی طاقت کو کوئی اہمیت نہ دیں اور ان کی سوچ شہزادے کے خود پیار کرنے کی غلطی سے آگے نہ بڑھے۔ امیر تیمور اس معاملے میں پوری طرح کامیاب ہوا کیونکہ جب ان لوگوں نے آپس میں اس مسئلے پر گفتگو کی تو ان میں سے کسی کا دھیان خانزادہ کی طرف نہیں گیا۔

امیر تیمور نے سردار مؤدارات اور حکیم طیب کو بتایا کہ شہزادے کے درد کا درماں خوارزم کے سپہ سالار آقا مرزا کی بیٹی خانزادہ کے پاس ہے بلکہ وہ خود اس مرض کی دوا اور مسیحا ہے۔

امیر تیمور نے جب اس سلسلے میں اپنی کوشش اور حکمت عملی کی تفصیل بتائی تو حکیم طیب اور سردار ارلات اس کی عقل و فراست کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔

شہزادے نے خانزادہ کا نام لبوں میں ہی رکھا تھا لیکن تیمور کی نظریں شہزادے کے دل تک پہنچ گئیں اور خانزادہ کو ڈھونڈ نکالا۔

امیر تیمور نے دونوں رازداروں کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ وہ شہزادہ جہانگیر کا رشتہ خانزادہ کے لیے خوارزم کے پاس بھیجے گا تاکہ اسے شان و شوکت سے اپنا بہو بنا کر لائے۔ بہرحال اس میں اس کی بھلائی تھی۔ آقا خوارزم حسین صوفی اب تک خودسری اور سرکشی پر آمادہ تھا۔ اس نے مبارکباد کا رسمی پیغام تک نہ بھیجا تھا، جو اسے اپنے پیارے بیٹے کے لیے اسی خودسر سے درخواست کرنی پڑ رہی تھی۔

مؤدارات نے اس خیال و فیصلے کی مخالفت بھی کی لیکن حکیم طیب نے سمجھا بجھا کر اسے رام کر لیا بلکہ شہزادے کو بچا لانے کر جانے والے وفد کے قائد کے لیے اسی کا نام تجویز کیا۔ امیر تیمور نے بھی اسے پسند کیا۔

امیر تیمور نے اس سلسلے میں سرائے خانم کو بھی اعتماد میں لینا ضروری سمجھا کیونکہ وہ سوتیلی ہی سہی لیکن تھی تو شہزادے کی ماں۔ اولاد کی شادی بیاہ کے معاملات میں ماں کی رائے نہ لینا یوں بھی خلاف مصلحت تھا۔ اس سے سرائے خانم کو بھی آزادی ہوتی۔

"سرائے خانم۔ ایک خانگی معاملے میں تمہاری رائے مطلوب ہے۔" تیمور نے اس کے پاس پہنچ کر محبت سے کہا۔

"شکر ہے کہ امیر کو میرا خیال تو آیا۔"

سرائے خانم تلخ لہجے کو دباتے ہوئے بولی:

"اگر سرائے شہزادے کی شادی کے بارے میں ہے تو میں امیر سے اتفاق کرتی ہوں۔ یہ قدم انہیں پہلے اٹھانا چاہیے تھا۔"

امیر تیمور بھونچکا رہ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سرائے خانم تمہیں کس نے اطلاع دی؟" تیمور نے تعجب سے پوچھا۔

"اندازے بھی کوئی چیز ہوا کرتے ہیں امیر۔"

سرائے خانم سنجیدگی سے بولی:

"جوان بچوں کی بیماری، ماں کی نظروں سے نہیں چھپ رہتی۔"

"اگر جانتی تھیں تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

امیر تیمور بگڑ گیا:

"تمہیں کیا پتہ ہمیں یہاں تک پہنچنے میں کن کن راہوں سے گزرنا پڑا۔ تم خاموشی سے ہماری کو دیکھتی رہیں۔"

"گستاخی معاف امیر۔"

سرائے خانم نے اس کے غصے کی کوئی پروا نہ کی:

"آپ نے خود جوان اولاد کی طرف سے تغافل برتا۔ میں اس خیال سے خاموش تھی کہ اگر میں شہزا بتا تی تو آپ کو جلال آجاتا کیونکہ آپ امیر تاتار پہلے ہیں اور باپ بعد میں۔ پھر یہ بھی خدشہ تھا کہ آپ سمجھ بیٹھیں کہ میں باپ کو بیٹے سے جدا کرنا چاہتی ہوں۔"

سرائے خانم کے لہجے میں کچھ تلخی تھی لیکن اس کی ہر بات حقیقت پر مبنی تھی۔

تیمور نرم ہو گیا۔ بولا:

"تو کیا تمہاری بھی یہی رائے ہے کہ خانزادہ کے لیے شہزادے کا پیغام بھیجا جائے؟"

"خانزادہ؟"

سرائے خانم نے تیمور کو حیران نظروں سے دیکھا۔

"یہ کون ہے اور شہزادے کا اس سے کیا تعلق ہے؟"

سرائے خانم کو اپنی جاسوس کنیزوں کے ذریعے یہ تو معلوم ہو گیا کہ شہزادہ کسی لڑکی کو دیکھ کر ریجھ گیا ہے اس کے خیال میں اس کا بہترین علاج یہ تھا کہ شہزادے کی فوراً شادی کر دی جائے تاکہ اس کا خیال بٹ جائے کسی اور طرف توجہ دے سکے۔ خانزادہ کے بارے میں ابھی اسے اطلاع نہ ملی تھی۔ سرائے خانم کو سمجھانے کو پوری داستان اس کے سامنے دہرانا پڑی۔ سرائے خانم کی بھی سمجھ میں آ گیا کہ اب پانی سر سے اونچا اور شہزادہ سوائے خانزادہ کے کسی اور کی طرف توجہ نہ دے گا۔ اس لیے اس نے امیر تیمور پوری طرح اتفاق کیا۔

اکثر قدرت اس قدر مہربان ہوتی ہے اور اتنا کچھ دیتی ہے کہ پانے والے کو کوتاہ دامنی کا شکوہ ہو جاتا ہے تیمور کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا تھا۔ عزت، شہرت اور مال و دولت۔ لیکن انسان کی خواہشیں پھر بھی پوری نہیں ہوتیں۔

امیر تیمور ابھی خانزادہ کا پیغام بھیجنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ قدرت نے جھپر پھاڑ کر اس کی یہ مراد بھی پوری کر دی۔ ایک شام اسے اطلاع دی گئی کہ خوارزم کا وفد شاہِ خوارزم کا مبارک باد کا پیغام لے کر آ رہا ہے اور ساتھ بیش بہا تحائف بھی لایا ہے۔

تیمور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سب سے زیادہ خوشی شہزادہ جہانگیر کو ہوئی۔ اس نے ابھی تک اپنے محل سے قدم بھی نہ نکالا تھا لیکن خوارزم کے وفد کی خبر سن کر اس میں اتنی توانائی آ گئی کہ وہ نہا دھو کر لباسِ فاخرہ پہن کر دربار میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

شہزادے نے حکیم طبیب کو بلا کر کہا:

"دیکھا آپ نے محترم حکیم۔ میں نہ کہتا تھا کہ خوارزم سے وفد ضرور آئے گا۔"

شہزادے کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔ کوئی نہ اندازہ کر سکتا تھا کہ شہزادہ کسی سخت بیماری سے گزرا ہے۔

حکیم صاحب مسکرا کر بولے:

"مجھے آپ کی بات پر یقین تھا لیکن اس وفد کے آنے سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔ اس کے آنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

شہزادہ گھبرا گیا۔ وہ کس طرح کہتا کہ اس نے وفد بھیجنے کے لیے خانزادہ کے باپ آقا صوفی سے درخواست کی تھی۔ بات بنانے کے لیے کہا:

"فائدہ کیا ہو گا؟ دونوں سلطنتوں میں دوستی کے رشتے استوار ہو جائیں گے اور ....." وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا اور ادھر ادھر دیکھ کر رہ گیا۔

"جی ہاں شہزادے۔ آپ نے صحیح فرمایا۔"

حکیم طبیب اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولے:

"اس سے یہ بھی فائدہ تو ہو سکتا ہے کہ خوارزم جانے کی راہیں آپ پر کھل جائیں اور پھر کسی دن دریائے آمو کے کنارے کسی کی انتظار بھری آنکھوں کو دیکھ سکیں۔"

شہزادے کو پسینہ آ گیا۔ وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ بابا تیمور سے کہہ کر مجھے دربار میں جانے کی اجازت دلا دیجیے۔ میں خود بھی وفد کے ارکان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں آپ کی آرزو بھری درخواست امیر کے حضور میں پیش کروں گا۔"

حکیم طبیب نے مسکراتے ہوئے کہا:

"امید ہے کہ درخواست منظور ہو جائے گی۔"

لیکن جب حکیم نے امیر تیمور سے شہزادے کے دربار میں جانے کی اجازت چاہی تو اس نے یہ درخواست سختی سے رد کر دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہزادے کے سامنے کوئی ایسی گفتگو ہو جس سے وفد والوں کو کوئی غلط فہمی ہو جائے۔ حکیم کو امیر کا انکار پسند نہ آیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ امیر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"محترم حکیم! شہزادہ جواں عمر اور نادان ہے۔ سر دربار اس کے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی تو پورے منصوبے پر پانی پھر جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ شہزادے کو ہمارا انکار ناگوار گزرے گا۔ ہماری طرف سے کوئی یہ کہہ دیا جائے کہ خوارزم کا وفد دور سے سفر کر کے آیا ہے۔ اسے فی الحال مہمان خانے میں رکھا جائے۔ دو دن بعد جب وفد آرام کر لے گا تو اسے دربار میں حاضری کا حکم ہوگا۔ اس وقت شہزادے کو بھی بلوا لیا جائے گا۔"

امیر تیمور نے شہزادے کو حکیم کے ذریعے اس طرح مطمئن کر دیا۔ دوسری طرف اس نے رات کے کو خفیہ طور پر اپنے محل میں طلب کر لیا۔

شاہ خوارزم حسین صوفی نے تیمور کے لیے ریشمی پارچہ جات، مرصع زیورات، خنجر، تلواریں، تیر کمان کے قبضوں اور دستوں پر جواہرات جڑے تھے اور نادر قسم کے ظروف تحفے میں بھیجے تھے۔ وفد نے ہدایا دینے کے بعد تحائف امیر تیمور کے ملاحظے کے لیے پیش کیے۔

تیمور تحائف دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے وفد کے ہر رکن کو جواہرات کا ایک ایک ہار دیا جس کی چمک آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ وفد کو تیمور سے اس حسن سلوک کی امید نہ تھی۔ انہوں نے اس کی شان میں قصیدے پڑھنے شروع کر دیے۔

تیمور نے شاہ خوارزم اور اس کے افراد کی خیریت دریافت کی۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد دبے الفاظ میں کہا:

"ہم شاہ خوارزم کے خلوص سے بہت متاثر ہوئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سمرقند اور خوارزم کی دوستی تادیر پیدا ہو۔ اس کا بہتر طریقہ ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ہم شہزادہ جہانگیر ولی عہد سلطنت کا رشتہ حسین صوفی کے میں کریں۔"

نہایت نیک خیال ہے امیر عالی مقام کا۔"

ایک رکن بولا:

"اس رشتے سے دونوں ملک اور قریب آجائیں گے۔"

"شاہ تاتار کی دور اندیشی پورے ملک تاتار میں مشہور ہے۔"

دوسرے رکن نے سنبھل کر کہا:

"خوارزم کی یہ خوش نصیبی ہوگی کہ ولی عہد سمرقند کا رشتہ وہاں کیا جائے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں ہماری رائے سے اتفاق ہے۔" امیر تیمور نے انہیں اپنا ہمنوا بنانے کے لیے کہا۔

"اس میں اتفاق رائے کا کیا سوال۔ ہم تو دل سے چاہتے ہیں کہ آپ اس سلسلے میں قدم اٹھائیں۔" ایک اور نے کہا۔

"تم لوگ سفر کی تھکان سے چور ہو گے۔"

تیمور نے ان کی دلجوئی کی:

"سمرقند میں خوب آرام کرو۔ چلتے وقت ہم شاہ خوارزم کے نام ایک خط دیں گے اور اس میں یہ تجویز پیش کریں گے۔"

وفد مہمان خانے میں واپس چلا گیا۔

تیمور نے اسی وقت سرائے خانم کو بلوا لیا اور اس کے ذریعے شہزادہ جہانگیر کو اطلاع بھجوائی کہ خوارزم شاہ کے ذریعے خانزادہ کا رشتہ شہزادے کے لیے مانگا جا رہا ہے۔ سرائے خانم خوشی خوشی شہزادے کے محل پہنچی اور یہ مسرت انگیز خبر اسے سنائی۔

شہزادہ اس اطلاع پر سخت حیران ہوا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ سرائے خانم نے ایک بار پھر اپنی بات دہرا کر اسے یقین دلایا کہ یہ حقیقت ہے اور اس سلسلے میں امیر تیمور مجوزہ خط کا مسودہ تیار کر رہے ہیں۔ شہزادے کی رہی سہی بیماری بھی دور ہو گئی۔ اب اسے وفد سے ملاقات کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور سرائے خانم کو بھی اس سے آگاہ کر دیا۔

○

ایک ہفتے کے بعد جب خوارزم کا وفد جانے لگا تو امیر تیمور نے شاہ خوارزم کے لیے اس کے بھیجے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تحائف سے زیادہ قیمتی تحفے وفد کے ساتھ کیے۔ تیمور نے وفد کو وہ خط بھی دیا جس میں خانزادہ کا ارز تھا۔ وفد خوشی خوشی واپس ہوا اور قطع منازل کرتا ہوا جس وقت خوارزم کے صدر مقام اور گنج پہنچا اس وقت شاہ خوارزم اپنے سرداروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تیمور کی بڑھتی ہوئی طاقت کے بارے کر رہا تھا۔

اس نے وفد کو فوراً بلوا لیا۔ وفد کے ارکان نے تیمور کے تحائف کو خوانوں اور کشتیوں دربار میں پہنچے۔ شاہ خوارزم اور اس کے درباری ان قیمتی تحفوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے؛ ملاحظہ کے بعد شاہ خوارزم نے امیر تیمور اور اس کے اہل وعیال کی خیریت دریافت کی رکن نے جواب میں امیر تیمور کا خط شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

شاہ نے خط پڑھا تو اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ درباری شاہ کے چہرے کے فوری تغیر کا سبب نہ سمجھ سکے مگر وہ خاموش رہے اور شاہ خوارزم کے بولنے کا انتظار کر نے دربار یوں پر نظر ڈالی اور سوائے چند اہم سرداروں کے باقی سب کو رخصت کر دیا۔

دربار میں شاہ خوارزم کے دونوں چھوٹے بھائی یوسف صوفی اور آق صوفی بھی موجود تھے۔ خوارزم کا ناظم تھا۔ یہ عہدہ وزیر اعظم کے برابر ہوتا تھا۔ چھوٹا بھائی آق صوفی سپہ سالار لشکر تھا آمو کی جنوبی کمان سپرد کی گئی تھی۔ ان دنوں اسے شاہ خوارزم نے مشورے کے لیے اور گنج بلوایا تھا۔

شاہ خوارزم نے جلد ہی اپنے غصے پر قابو پا لیا اور سنجیدگی سے بولا:

"تیمور نے خانزادہ کا رشتہ اپنے بیٹے جہانگیر کے لیے مانگا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے یوسف کو اس رشتے میں کوئی عیب نظر نہ آیا۔ اس نے فوراً تائید کی:

"اے شاہ خوارزم! اگر یہ رشتہ منظور کر لیا جائے تو اس سے دونوں سلطنتوں میں دوستی پیدا ہو جائیں گے اور حالت جنگ ختم ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ شہزادہ جہانگیر ولی عہد سلطنت بھی ہے رد کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔"

"تم تو ضرور خوش ہو گے آق صوفی۔"

شاہ خوارزم نے بڑے طنزیہ انداز میں اسے مخاطب کیا:

"تمہاری بیٹی شاہ تاتار کی بہو بن جائے گی اور تیمور کے بعد اسے ملکہ کا درجہ حاصل ہو گا۔"

آق صوفی کو یہ تلخ انداز کچھ برا لگا۔ وہ ایک لمحہ کو شاہ کو حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا:

"اے شاہ میری خوش قسمتی اور رضامندی آپ کے فیصلہ کی تابع ہے۔ خانزادہ کو آپ کی بہو

ہے۔ آپ کا ہر فیصلہ اس کے لیے قابل قبول ہو گا۔ یوں شہزادہ جہانگیر۔۔۔۔"

آق صوفی کہتے کہتے اک دم رک گیا۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ شہزادہ جہانگیر سے مل چکا ہے اور اس کی شجاعت سے متاثر ہے لیکن اس نے شاہ سے جہانگیر سے اپنی ملاقات کا ذکر نہ کیا تھا اور اس وقت کسی طرح مناسب نہ تھا۔

"سنو یوسف اور آق صوفی!"

شاہ خوارزم بڑے جوش سے بولا:

بے شک ہم نے مغلوں کی اطاعت قبول کی تھی لیکن وہ بلادِ شمال کے عظیم الشان بادشاہ تھے اور تیمور۔۔۔۔ کی چالاک لومڑی ہے۔ وہ جہانگیر کا خانزادہ سے رشتہ جوڑ کر خوارزم پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے یہ لنیں کو اس کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ وہ خوارزم کو مغلوں کا مقبوضہ علاقہ سمجھتا ہے اور ست دے کر خوارزم کو اپنا علاقہ سمجھ بیٹھا ہے مگر خوارزم پہلے بھی آزاد تھا اور اب بھی خود مختار ہے۔ ہم برابری ں سے دوستی تو کر سکتے ہیں لیکن اس کی حاکمیت قبول نہیں کر سکتے۔"

یوسف صوفی اور آق صوفی کو سانپ سونگھ گیا۔ انہوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔

شاہ نے پھر بولنا شروع کر دیا:

"تیمور کے بیٹے کا رشتہ ہمارے قبیلے میں نہیں ہو سکتا۔ ہم جلائر ہیں اور ملک تاتار میں ہمارا قبیلہ سب سے تحت ہے۔ آق صوفی چاہے تو اپنی بیٹی بیاہ دے لیکن یہ شادی ہماری مرضی کے خلاف ہو گی۔"

آق صوفی دل سے تو یہی چاہتا تھا کہ خانزادہ کی شادی شہزادہ جہانگیر سے ہو جائے لیکن خوارزم شاہ کی مخالفت ت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی کہنا پڑا:

"شاہ خوارزم کی مرضی کے خلاف قدم اٹھانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ خانزادہ ہمیشہ کنواری بیٹھی رہے میں بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جس سے ملک خوارزم کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا ذرا بھی امکان ہو۔ لہٰذا میں یہ رشتہ اس رشتے کے لیے سختی سے انکار کر دیں۔"

آق صوفی کے دل میں چور تھا۔ اس نے تیمور اور امیر حسین کی جنگ کے دوران اس علاقے میں کئی مرتبہ ی راستے سے گزرا تھا کہ اگر تیمور سے دوستی ہو گئی تو تیمور اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔ اس نے اپنے بعض کے بہتر زر دے دیئے تاکہ انہیں خوش کرنے کے لیے تیمور کے دربار میں وفد بھیجا تھا ورنہ وہ تیمور کو برا اس ایک معمولی سردار سے زیادہ اہمیت دینے پر تیار نہ تھا۔

لوزم کے وہ سردار جنہوں نے شاہ خوارزم کو تیمور کے پاس وفد بھیجنے پر مجبور کیا تھا، جب ان کے دماغ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ بات بٹھائی گئی کہ امیر تیمور اس رشتے کی آڑ میں خوارزم پر قبضے کا خواہش مند ہے تو وہ بھڑک اٹھا اور بھی شاہ خوارزم پر زور دیا کہ اس رشتے سے انکار کر دیا جائے۔

شاہ خوارزم کو اپنے سرداروں کا تعاون حاصل ہوا تو اس نے امیر تیمور کو جواب میں ایک ایسا گستاخانہ خط لکھا جس کے آخری جملے سے پورے خط کی تلخی، گستاخی اور سختی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تیمور کو خط میں لکھا:

"میں نے خوارزم کا ملک تلوار سے فتح کیا ہے۔ اسے تلوار ہی سے چھینا جا سکتا ہے۔"

اس جملے سے صرف خط کی تلخی کا ہی اندازہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے تیمور کے اس تیور کا بھی کیا جا سکتا ہے جس میں وہ یہ خط پا کر مبتلا ہوا ہو گا۔ امیر تیمور دربار میں تلوار بلند کر کے شیر کی طرح گرجا:

"جنگ۔ جنگ۔ جنگ!"

اس واضح اعلان کے بعد سمرقند میں جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ امیر تیمور نے اپنے فوجیں لے کر فوراً سمرقند پہنچنے کا حکم دیا۔ عوام و خواص دونوں کو جنگی بخار ہو گیا۔ صرف علمائے دین اور صوفیا کی ایک ایسی جماعت تھی جو اس جنگ کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتی تھی۔ ملک تاتار مسلسل خانہ جنگی سے ملک کی معیشت تباہ ہو گئی تھی۔ ان کے خیال میں اب ملک کسی مزید خانہ جنگی کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ باہر سے کوئی حملہ ہوا ہوتا تو یہ جماعت اعتراض کے بجائے حمایت کا اعلان کرتی لیکن یہ تو تاتاریوں کا مقابلہ تھا۔ سب ہی تو تاتاری تھے۔

علما اور صوفیا کو مولانا زین الدین کے شہر سبزوار جانے کا بڑا افسوس تھا۔ وہ کچھ ہی دن پہلے علما اور صوفیا نے غور و فکر سے ایک مجلس کا اہتمام کیا۔ ان سب کی ایک ہی رائے تھی:

"جنگ سے گریز کیا جائے اور صلح کی گفتگو کی جائے۔"

بحث و مباحثہ ہوا اور چند منٹوں کی گفتگو کے بعد طے ہوا کہ دو عالموں اور دو صوفیوں پر مشتمل وفد تیمور سے ملاقات کرے اور اسے جنگ کی بجائے گفت و شنید کی ترغیب دے۔

دوسرے دن اس وفد نے امیر تیمور سے ملاقات کی اور بڑے تحمل اور بردباری سے اعلان کا حوالہ دے کر اسے جنگ سے قبل افہام و تفہیم پر آمادہ کرنا چاہا۔

امیر تیمور نے پہلے تو صاف انکار کر دیا لیکن جب وفد نے مولانا زین الدین کا نام لے کر اس سے اس بات کا وعدہ لیا تھا کہ وہ ہر اہم معاملے میں علما اور صوفیائے کرام کا مشورہ بھی حاصل کرے

گا تو امیر تیمور نے خوارزم کی فتح سے وابستہ کر لیں۔

شہزادہ جہانگیر نے بھی اس جنگ میں حصہ لینے کی پوری تیاریاں کی تھیں۔ اس کے پانچوں یار بحال ہو کر اس کے محافظ دستے میں پھر سے شامل ہو گئے تھے۔

امیر تیمور نے شہزادہ جہانگیر کو کوچ کے وقت اپنے پاس بلایا اور بڑے پیار سے سمجھایا:

"جنگ کے ایام میں شاہ وقت اور ولی عہد سلطنت ایک ساتھ دارالسلطنت سے دور نہیں رہ سکتے۔ ہم

پڑی۔ اس نے جز بز ہو کر وفد سے پوچھا:

"آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"ہم تاتاری کے ہاتھوں تاتاری کا خون بہانا نہیں چاہتے۔"

وفد کے ایک رکن صوفی جلال الدین نے کہا:

"ہم امیر کو جنگ سے نہیں روکتے لیکن شاہ خوارزم سے سمجھوتے کی بات کی جائے۔ اگر وہ سمجھانے بجھانے سے کسی بات پر سمجھوتے پر رضامند ہو جائے تو خانہ جنگی نہ کی جائے اور اگر وہ ضد پر اڑا رہے تو پھر اسے سزا دی جائے۔"

امیر تیمور کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا:

"ہم مولانا زین الدین سے کیے ہوئے وعدے سے انحراف نہیں کریں گے۔ آپ لوگ یہ کوشش بھی کر دیکھیں۔"

"ہم امیر کے شکر گزار ہیں۔"

جلال الدین نے کہا:

"میں خود خوارزم جا کر حسین صوفی کو سمجھاؤں گا۔ امید ہے کہ وہ راہِ راست پر آ جائے گا۔"

لیکن صوفیا اور علما اپنی کوششوں میں ناکام ہو گئے۔

صوفی جلال الدین نے رختِ سفر باندھا اور خوارزم پہنچ گئے۔ شاہ خوارزم ان سے بڑی عزت سے پیش آیا۔ جب جلال الدین حرفِ مدعا زبان پر لائے اور حسین صوفی کو اونچ نیچ سمجھا کر اسے صلح پر آمادہ کرنا چاہا تو شاہ کو برہمی آ گئی۔ اس نے امیر تیمور کو خوب گالیاں دیں اور صوفی جلال الدین کو قید خانے بھیج دیا۔

صوفی جلال الدین کی گرفتاری کی خبر بہت جلد تیمور کو ہو گئی۔ اس نے لشکر کو فوراً کوچ کا حکم دیا۔ شہزادہ جہانگیر امید و بیم کے درمیان لٹک رہا تھا۔ جب اس کا پیغام خوارزم شاہ کو بھیجا گیا تھا تو وہ بہت خوش تھا لیکن شاہ کے انکار سے اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ پھر جب صوفی جلال الدین خوارزم روانہ ہوئے تو اس کی امید دوبارہ بندھی۔ لیکن صوفی جلال الدین کی گرفتاری نے اس کی امید نے پھر دم توڑ دیا۔ اب جنگ کا اعلان ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوارزم محاصرہ ہے ہیں۔ تمہاری دارالسلطنت میں موجودگی ضروری ہے۔ یوں بھی شاہ اور شہزادے دامن کوہ پر جایا کرتے۔ دامن خود رخصت ہو کر ان کے پاس آتی ہے۔ تم اطمینان سے سمرقند میں قیام کرو اور امورِ سلطنت دو۔ ہم تمہاری دامن کو رخصت کرا کے بہت جلد واپس آئیں گے۔"

شہزادے کو خوارزم نہ جانے کا افسوس تو ہوا لیکن اس نے نہایت سعادت مندی سے باپ کے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

○

شاہِ خوارزم حسین صوفی نے تیمور کو جواب بھجوانے کے بعد اپنی منتشر فوجوں کو حکم بھیج دیا تھا کہ وہ قلعوں میں پہنچ کر قلعہ بند ہو جائیں۔

حسین صوفی کا بھائی آق صوفی اپنی بیٹی خانزادہ کے ساتھ دارالسلطنت اورگنج آیا ہوا تھا۔ شاہ نے انہیں وہیں روک لیا تھا اور اس کا تمام لشکر قلعہ کرت، قلعہ خیوہ اور اورگنج میں جمع ہو کر دفاعی جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

امیر تیمور نے جب اورگنج کی طرف یلغار شروع کی تو وہ اس قدر تیز رفتاری سے بڑھا کہ اس کا لشکر پیچھے رہ گیا اور وہ اپنی کچھ فوج کے ساتھ کرت کے قلعے پر پہنچ گیا۔

امیر تیمور جنگ کے معاملے میں اکثر و بیشتر عجلت پسندی سے کام لینے کا عادی تھا۔ کرت کے قلعے پر اس نے لشکر کے آنے کا بھی انتظار نہ کیا اور فوراً حملے کا حکم دے دیا۔

قلعے کے گرد ایک گہری خندق تھی۔ تیمور کے فوجیوں نے درخت کاٹ کر اس کی مکڑی اور شاخوں سے پاٹ کر فصیل تک راستہ بنایا اور فصیل پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے لگے۔ قلعہ کے اوپر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن تیموری فوجی جان پر کھیل کر اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس قلعہ پر حملے کے دوران تیمور کے جاں باز مردار شیخ علی بہادر نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ جس سیڑھی سے فصیل پر چڑھ رہا تھا اس سیڑھی پر اس کا افسر مبارک خان بھی تھا۔ کہتے ہیں فصیل کی منڈیر پر پہلے شیخ علی بہادر کا ہاتھ پڑا۔ اس کا افسر مبارک خان اپنے ماتحت کی یہ سبقت برداشت نہ کر سکا۔ اس نے شیخ کا گھٹنا پکڑا اور اسے نیچے کھینچ لیا۔ شیخ علی بہادر اس سے نیچے آ گیا اس طرح سب سے پہلے مبارک فصیل پر

شیخ علی بہادر اور دوسرے ساتھی بعد میں پہنچ گئے۔ کرت کے محافظ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

تیمور قلعہ فتح کر کے خیوہ کی طرف بڑھا۔ خیوہ صرخ ریگستان میں واقع تھا۔ اس بے آب و گیاہ میدان کو امیر اپنے سرداروں کے دونوں میں پہلے بھی عبور کر چکا تھا۔ اب تو وہ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس تھا۔ اسے ریگستان پار کرنے میں کوئی خاص دقت پیش نہ آئی۔

خیوہ والے امیر تیمور کو اپنے سر پر دیکھ کر اس قدر گھبرائے کہ ایک معمولی جھڑپ کے بعد انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دیے۔ تیمور نے تھوڑی سی فوج وہاں بٹھا دی اور اورگنج کا رخ کیا۔

○

خوارزم کا دارالسلطنت اورگنج سمرقند سے شمال مغرب میں تقریباً پچھ سو میل دور بحیرۂ ارال کے کنارے واقع ہے۔ اس جگہ دریائے آمو اس بحیرہ میں گرتا ہے۔ امیر تیمور جب یہ طویل سفر کر کے جس میں کرت اور خیوہ کی فتح بھی شامل تھی، اورگنج پہنچا تھا، اس نے شاہ خوارزم کو حیران کر دیا تھا۔ خوارزم کے دونوں مضبوط قلعے اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے اور تیمور نے قلعے کا محاصرہ کر کے حملے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

ان تمام باتوں سے شاہ خوارزم حسین صوفی اس قدر پریشان ہوا کہ اس نے اپنے تمام سرداروں سے تیمور سے صلح کرنے کا مشورہ کیا۔ اس کے سرداروں کو اپنی کھلی شکست نظر آ رہی تھی وہ فوراً صلح پر آمادہ ہو گئے لیکن ان کے امیر کبیر خضر خواجہ نے یہ صلح نہ ہونے دی۔

امیر کبیر خضر خواجہ پہلے امیر تیمور کا حلیف اور ساتھی تھا لیکن اس نے خوارزم پہنچ کر خوارزم کے شاہ کو تیمور کے خلاف اور زیادہ بھڑکایا۔

ادھر تو صلح کی بات چیت میں کبیر خواجہ حائل ہو گیا۔ اُدھر امیر تیمور قلعہ شکن آلات اور منجنیقوں کی تیاری میں مصروف تھا۔ اورگنج کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور اسے ان آلات کے بغیر قبضے میں لانا ممکن نہ تھا۔ اس محاصرے کے دوران ہی حسین صوفی کا انتقال ہو گیا اور یوسف صوفی خوارزم کا بادشاہ بن گیا۔ حسین صوفی کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اسے اپنی شجاعت پر اس قدر گھمنڈ تھا کہ اس نے امیر تیمور کو دعوتِ مبارزت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور گنج کے قلعہ کا دروازہ کھلا۔ ایک خوارزمی سوار نیزے پر سفید جھنڈا باندھے قلعہ سے نکلا اور لشکر کی طرف بڑھا۔ صلح کے اس پیامبر کو فوراً امیر تیمور کے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔

پیامبر نے امیر کو سلام کرنے کے بعد کہا:

"اے امیرِ تاتار۔ میں اپنے بادشاہ، شاہ خوارزم یوسف صوفی کی طرف سے پیغام لایا ہوں۔"

"خوارزم کا امیر، حسین صوفی ہے۔"

امیر تیمور نے اس کی بات کاٹ دی:

"یہ صوفی کون ہے اور اس نے ہمیں پیغام بھیجنے کی جرأت کیسے کی؟"

"اے امیرِ تاتار۔"

پیامبر نے سنبھل کر فوراً وضاحت کی:

"شاہ حسین صوفی، مرحوم ہو چکے ہیں اور اب ہمارے بادشاہ یوسف صوفی ہیں۔"

"ہوں۔"

تیمور ایک لمحہ خاموشی کے بعد بولا:

"کیا پیغام لائے ہو؟"

"شاہ خوارزم یوسف صوفی نے امیر تیمور کو پیغام دیا ہے۔"

پیامبر نے دربارِ کے خیمے میں موجود سرداروں کو دیکھا پھر طنزیہ انداز میں کہنا شروع کیا:

"شاہ نے فرمایا ہے کہ اپنے فوجیوں اور سرداروں کا بلاوجہ خون بہانے کے بجائے امیر تیمور قلعہ والے میدان میں تنہا تشریف لائیں۔ ہمارے شاہ بھی قلعہ سے تنہا آئیں گے۔ دونوں میں دست بدست جس کی شمشیر دوسرے کے خون سے رنگین ہو جائے وہی فاتح قرار پائے گا۔"

"اس مبارزت کے لیے کون سا وقت مقرر ہوا ہے؟" امیر تیمور نے سوال کیا۔

"آج دوپہر ڈھلے۔" پیامبر نے جواب دیا۔

"اچھا، تم واپس جا کر شاہ خوارزم سے کہہ دو....."

اسی وقت تیمور کے ایک امیر بیان نے دوڑ کر امیر تیمور کے پیر پکڑ لیے اور گڑگڑا کر التجا کی:

"اے امیر۔ آپ کی جگہ تختِ شاہی کے اوپر اور شاہی چتر کے نیچے ہے۔ جنگ کرنا ہم امیروں کے مقابلے کے لیے ہم میدان میں جائیں گے۔"

امیر تیمور کے دوسرے سرداروں نے بھی امیر بیان کی ہاں میں ہاں ملائی اور اپنی خدمات پیش

بیان کو کھڑے ہونے کا حکم دیا اور امیروں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"اس پیامبر کے الفاظ پر غور کرو۔ شاہ خوارزم نے ہمارے کسی امیر کے بجائے ہمیں مبارزت کی دعوت دی ہے۔"

پھر اس نے پیامبر سے کہا:

"جاؤ اور شاہ خوارزم سے کہہ دو کہ ہم وقتِ مقررہ پر تنہا مقابلے کے لیے پہنچیں گے۔"

پیامبر نے ایک حیرت بھری نظر تیمور پر ڈالی اور پھر اس کے امیروں کو دیکھتا ہوا خیمے سے نکل گیا۔

امیروں کے سرداروں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ ان کے چہرے فق تھے۔ وہ ایک دوسرے کو نظروں ہی نظروں میں دیکھتے تھے مگر بات کرنے کا کسی میں یارا نہ تھا۔ امیر تیمور کا یہ فیصلہ اس کی بہادری اور شجاعت کا کھلا ہوا ثبوت تھا۔

دوپہر کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا اسلحہ منگایا۔ تمام امیر اور سردار اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تھے۔ دوپہر ڈھلتے ہی امیر تیمور نے امیروں اور سرداروں کی موجودگی میں مسلح ہونا شروع کر دیا۔ اس نے ہلکی کڑیوں والی زرہ پہنی۔ تیغ بردار نے اس کے بائیں بازو پر ڈھال اونچی کر کے باندھی۔ تلوار پٹکے میں لگا دی۔ وہ سیاہ رنگ کا خود لے کر آیا۔ تیمور نے تیغ بردار سے خود لے کر اپنے ہاتھ سے سر پر جمایا۔ خود کی آہنی جھالر تیمور کی گردن اور شانوں پر شور کرتی ہوئی لٹک آئی۔

جب امیر تیمور مسلح ہو کر لنگڑاتا ہوا اور مسکراتا ہوا گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے بڑھا تو بوڑھا امیر سیف الدین برداشت نہ کر سکا۔ اس نے بڑھ کر رکاب تھام لی اور گلوگیر آواز میں بولا:

"اے امیر۔ آپ ایک معمولی سپاہی کی طرح میدان میں لڑنے کے لیے نہ جائیے۔"

تیمور نے جواب دینے کے بجائے پٹکے پر ہاتھ مار کر تلوار کھینچی اور الٹی طرف سے سیف الدین پر وار کیا۔ سیف الدین گھبرا کر پیچھے ہٹا اور تیمور مسکراتا ہوا گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اس کا گھوڑا ہزاروں تاتاری لشکریوں اور منجنیقوں کے درمیان سے گزر رہا تھا اور سوار و سپاہی سحر زدہ کھڑے اسے قلعہ کے میدان کی طرف جاتے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ قلعہ اور گنج کے صدر دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔

امیر تیمور نے قلعہ اور گنج پر نظر ڈالی۔ صدر دروازے اور برجوں کے اوپر ہزاروں تیر انداز کمانیں سنبھالے کھڑے تھے۔ ان کے جسم جیسے غیر متحرک ہو گئے تھے اور وہ پتھر کی مورتیاں معلوم ہوتے تھے۔ تیمور کی جرأت اور شجاعت نے انہیں ششدر کر دیا تھا۔ فولادی جسم اور آہنی عزم رکھنے والے تیمور نے رکابوں پر زور دے کر اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسم کو گھوڑے کی پیٹھ پر ذرا بلند کیا اور چیخ کر پکارا:

"مہ دو اپنے بادشاہ سے، تیمور اس کا انتظار کر رہا ہے۔"

اس کی آواز فصیل سے ٹکرائی، قلعہ والوں کے کانوں تک پہنچی۔ یوسف صوفی نے بھی اس کی آواز ضرور سنی ہوگی لیکن قلعہ والوں کے جسم میں خون جم کر رہ گیا۔ کسی میں اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ اپنی زد میں آنے ہوئے تیمور کو نشانہ بناتے۔ اسے چلی کر دے۔

تیمور دیر تک دروازے کے سامنے کھڑا یوسف صوفی کو للکارتا اور اسے مبارزت کے لیے پکارتا رہا مگر اسے کوئی جواب نہ ملا اور کوئی بھی قلعے سے باہر نہ آیا۔

تیمور کو سخت غصہ تھا۔ اس نے آخری بار آواز دی:

"ایسا بادشاہ جو عہد شکنی کرے۔ جسے اپنے وعدے کا پاس نہ رہے اس کے لیے اس ذلیل زندگی سے موت بہتر ہے۔"

پھر تیمور نے اپنا گھوڑا موڑا اور دل برداشتہ ہو کر اپنے لشکر میں واپس آ گیا۔ اس کے لشکریوں نے اس کی تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے اور فوج نے نعرے لگا لگا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

منجنیقیں اور قلعہ شکن آلات تیار ہو گئے۔ تیمور نے آلات کو مناسب جگہ پر نصب کرا کے حملے کا حکم دیدیا۔ نقاروں پر چوٹ پڑی۔ زمین و آسمان دہل اٹھے لیکن نقاروں کی پہلی بازگشت ختم نہ ہوئی تھی کہ ارغنج کے قلعے کا دروازہ کھل گیا۔ آق صوفی اپنے سرداروں کے ساتھ امن کا پرچم بلند کیے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ تیمور کے لشکر میں پہنچ گیا۔

تیمور نے آق صوفی کو گھوڑے سے اترتے دیکھا تو خود بھی گھوڑے سے اترا۔ آق صوفی اور اس کے سرداروں نے شکست کے اظہار کے طور پر تلواریں گلے میں لٹکا رکھی تھیں۔ تیمور آق صوفی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمے میں لے آیا اور اسے عزت سے بٹھایا۔

جنگ کے بادل چھٹ گئے تھے۔ آق صوفی نے قلعہ کی چابیاں تیمور کو پیش کر دیں۔ تیمور نے شاہ خوارزم یوسف صوفی کو موت کا طعنہ دیا تھا۔ شاید یہ اسی کا اثر تھا کہ یوسف صوفی آج مر گیا تھا اور اس کا چھوٹا بھائی، خانزادہ کا باپ آق صوفی اسے دفن کر کے قلعہ کی چابیاں لیے تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

تیمور قلعہ میں داخل ہوا۔ صوفی سیف الدین جنہیں حسین صوفی نے قید کر دیا تھا، تیمور کے حضور میں

پیش۔ خانزادہ کو محل میں داخل بنایا گیا۔ سردار شیخ علی بہادر نے شہزادہ جہانگیر کی نائب مقامی کی اور صوفی سیف الدین نے خانزادہ اور جہانگیر کا عقد پڑھایا۔

اس طرح ارغنج والوں کو جنگ سے نجات ملی اور تیمور اور اس کے لشکریوں کو ارغنج کی فتح کے ساتھ دل آباد سلطنت شہزادہ جہانگیر کی خوبصورت دلہن خانزادہ کی رخصتی کی خوشی بھی حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کی بہو اور جہانگیر کی تسکین دل جس وقت سمرقند میں داخل ہوئی، وہ منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ تیمور پرانے سمرقند کے بجائے ایک خوبصورت سمرقند کی تعمیر پہلے ہی کر چکا تھا۔ خانزادہ کے استقبال کے لیے پورے شہر کو نہایت نفاست سے آراستہ کیا گیا تھا۔ راستے میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا تھا۔ معزز دروازے کے خیابان کو قالینوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ امیروں، وزیروں اور تمام ارکین سلطنت نے دروازے سے باہر نکل کر خانزادہ کے جلوس کو خوش آمدید کہا۔

شہزادی خانزادہ ایک سفید اونٹ پر شتر محمل میں بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ ایک باریک نقاب میں پوشیدہ تھا جس سے پھوٹنے والی کرنیں، استقبال کرنے والوں کے درمیان کھڑے ہوئے شہزادہ جہانگیر کے دل میں اتر رہی تھیں۔ شہزادی کی سواری کے گرد شہسوار دستے تھے اور عقب میں باربرداری کے وہ اونٹ اور گھوڑے تھے جن پر اس کا جہیز لدا ہوا تھا۔

اور پھر اسی شب شہزادہ جہانگیر نے جب حجلہ عروسی میں خانزادہ کے چہرے سے نقاب اٹھایا تو شہزادی کے حسن کی تابش سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹی بیگم

نقارے پر چوٹ پڑی۔ طبل اور قرنے کے شور سے سمرقند گونج اٹھا۔ امیر تیمور نے فکر سے بھرا ہوا سر اٹھایا۔ دربار میں بیٹھے ہوئے تمام سردار بھی جیسے خواب سے چونک پڑے۔ نقارے کی آواز اور طبل کی گونج یہ تو ظاہر کرتی تھی کہ مکہ سرائے خانم کے بطن سے تیمور کا پہلا بچہ پیدا ہوا ہے اور زچہ و بچہ دونوں خیریت سے ہیں۔ لیکن بچے کی جنس سے لوگ اب تک بے خبر تھے۔

یوں تو امیر تیمور کے پہلے ہی تین بیٹے شہزادہ جہانگیر، شہزادہ شیخ عمر اور شہزادہ میران شاہ پل بڑھ کر جوانی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے لیکن تیمور کو اب بھی بیٹے ہی کی خواہش تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مراے خانم کے بطن سے پیدا ہونے والا یہ بچہ بھی ولی عہد ہو۔

تاریخ کے مطالعے سے یہ دلچسپ مگر جاہلانہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمان شہنشاہوں اور بادشاہوں نے سوائے بیٹوں کے بیٹی کی پیدائش کے لیے کبھی دست دعا دراز نہیں کیا اور نہ بچی کی پیدائش پر کبھی جشن کا اہتمام کیا۔ دراصل شاہوں کی اس خواہش میں، ان کی رعونت اور تکبر کو زیادہ دخل تھا۔ وہ کسی کو داماد بنانا پسند نہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ شہزادیاں اکثر و بیشتر محلات اور قلعوں کی طلائی دیواروں کے پیچھے بچپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو جاتیں۔ ان کے سہرے کے پھول نہ کھلتے اور وہ کنواری ہی انتقال کر جاتیں۔

شاید یہی فکر تیمور کو بھی بے چین کر رہی تھی۔

طبل اور قرنوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ درباری امیر اور وزیر، تیمور کو مبارک باد دینے کے لیے مضطرب تھے لیکن تیمور کے چہرے کا تفکر ان کی زبانیں بند کیے ہوئے تھا۔ تیمور کا چہرہ امید و بیم کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کبھی

وہ خوشی کی کرن پھوٹتی نظر آتی مگر فوراً ہی مایوسی کی سیاہی دوڑ کر اس کرن کو دبا دیتی اور دربار یوں کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ جاتے۔

آخر بوڑھے امیر سیف الدین سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے ہمت کر کے زبان کھولی:

"اے امیر عالی مقام!"

"ٹھہر سیف الدین۔"

تیمور نے فوراً اس کی بات کاٹ دی:

"ابھی مبارکباد کا وقت نہیں آیا۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ خدا نے ہمیں چوتھا ولی عہد دیا ہے یا۔۔۔۔"

تیمور رک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید اسے کسی کا انتظار تھا۔ حرم سرا سے اب تک کوئی نہیں آیا تھا۔ حالانکہ حرم سرا کے دروازے پر رکھی ہوئی نوبت بج رہی تھی۔ قرنے اور نقارے چیخ چیخ کر کسی نومولود کے آنے کی خبر دے رہے تھے۔

تیمور نے چوتھے ولی عہد کا نام اس لیا تھا کہ تاتاری دستور کے مطابق پہلے چار بیٹے اپنے باپ کی وراثت کے حق دار ہوتے تھے۔ عام طور پر باپ کے مرنے پر پہلے چار بیٹوں میں اس کا اثاثہ تقسیم کر دیا جاتا لیکن بادشاہت تقسیم نہ ہوتی، بلکہ چاروں بیٹے ولی عہد سلطنت ہوتے اور ایک کے بعد ایک تخت پر بیٹھتا۔ اگر چاروں ولی عہد مر جاتے یا مارے جاتے تو پانچواں بیٹا تخت پر دعوا نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت سرداروں کو اختیار ہوتا کہ جسے چاہیں اپنا بادشاہ منتخب کر لیں۔

محل سرا سے اطلاع آنے میں دیر ہوئی تو امیر تیمور کا تردد بڑھا۔ وہ نہایت خاموشی سے اٹھا اور پچھلے دروازے سے بھاری بھاری قدموں کے ساتھ اندر کی طرف چل دیا۔ کنیزوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ امیر کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔ محل سرا کی تمام کنیزوں، امیر کی پیشوائی کے لیے راہداریوں میں قطار باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔

تیمور کے قدم محل سرا کے اس کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے جسے زچہ خانہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ تیمور کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا تو بوڑھی دائی جسے تیمور نے دو اور بیٹوں کی دایہ گیری کا فخر حاصل تھا، مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل کر تیمور کی طرف بڑھی۔

تیمور نے نظر اٹھا کر دائی کو دیکھا تو اس کے مسکراتے چہرے نے تیمور کی دھڑکنوں کو سکون بخشا۔ دائی نے تعظیم کے لیے سر جھکایا اور ادب سے بولی:

"شہنشاہ تاتار کو شہزادہ مبارک ہو۔"

تیمور کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اور مسکراہٹ لبوں سے پھوٹ پڑی۔ اس نے فوراً گلے سے جواہرات کا ہار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتارا اور دائی کی طرف بڑھا دیا۔ دائی نے پھر جھک کر سلام کیا اور تیمور سے ہارنے سے پہلے اسے چوما پھر اسے گلے میں ڈال لیا۔

تیمور نے مسکرا کر دروازے کی طرف قدم بڑھائے لیکن دائی اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ یہ گھور کر دائی کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں شاہانہ جلال اور ایک سوال بھی تھا۔ دائی نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے کہا:

"اے شہنشاہ تاتار۔ ایک حقیر دائی کی کیا مجال ہے کہ وہ امیر عالی مقام کا راستہ روک سکے لیکن یہ حقیر یہ کہنے میں کوئی خوف محسوس نہیں کرتی کہ شہنشاہ تاتار سے بڑا ایک اور بادشاہ ہے جو شہنشاہوں کا شہنشاہ جہانوں کا خالق ہے۔ وہی خالق جس نے اس ننھی سی جان میں روح پھونکی ہے جسے دیکھنے کو آپ اس قدر بے تاب ہیں۔ اے شہنشاہ! کیا یہ اس خالق کا حق نہیں کہ اس کام کی ابتدا اس کے نام سے کی جائے جبکہ ہم ہر کام کا آغاز اسی کے نام سے کرتے ہیں۔"

خالقِ حقیقی کا نام سنتے ہی تیمور کا بدن، جلالِ خداوندی سے کانپ اٹھا۔ دائی کی تنبیہ نے امیر تیمور جلیل القدر بادشاہ کا وجود ہلا کر رکھ دیا۔ وہ دائی کا اشارہ سمجھ گیا اور نرمی سے بولا:

"تم نے ہمیں کوتاہی کا احساس دلایا۔ ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔"

پھر اس نے محل کی خاتون داروغہ کی طرف دیکھتے ہوئے حکم دیا:

"قاضیِ شہر کو اطلاع دی جائے کہ وہ آ کر نومولود کے کان میں اذان دیں۔"

قاضیِ شہر دربار میں موجود تھے۔ خاتون داروغہ نے انہیں پیغام بھیج کر اندر بلایا اور انہوں امیر تیمور کے حکم سے آگاہ کیا۔

قاضیِ شہر نے فوراً پلٹ کر درباریوں کو شہزادے کی پیدائش کی نوید دی۔ پھر داروغہ کے ساتھ تیزی اٹھاتے ہوئے محل سرا میں پہنچے۔

امیر تیمور راہداری کے بجائے دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ قاضیِ شہر کو دیکھ کر وہ باہر نکلا اور ساتھ لے کر رہیہ خانے میں داخل ہوا۔ ملکہ مراغے خانم کی مہری کے گرد حریر کے پردے تھے۔ امیر تیمور اور کے لیے مہری کے قریب زرنگار کرسیاں بچھا دی گئی تھیں۔ دائی خود شہزادے کو گود میں لیے مہری کے قریب کھ تھی۔ قاضیِ شہر بیٹھ گئے تو دائی نے نرم گدے میں لپٹے ہوئے شہزادے کو ان کی گود میں دے دیا۔ قاضی نے شہز کو اپنے ہاتھوں میں ذرا بلند کیا اور اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر نہایت خوش الحانی سے اللہ اکبر کی صدا کی اور آہستہ آہستہ اذان کے کلمات سے اس کے دل کو گرما دیا۔

اذان کے اختتام پر امیر تیمور نے شفقت سے اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے آواز

شہزادے بیٹے!"

شہزادے کی معصوم آنکھیں بند تھیں۔ امیر تیمور نے قریب کھڑی دائی کو مخاطب کیا:

"شہزادہ آنکھیں نہیں کھولتا۔ ہماری آواز پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔"

"بچے فرشتے ہیں امیر محترم!"

دائی نے برجستہ جواب دیا:

"فرشتے، شہنشاہوں کا حکم نہیں مانا کرتے۔"

امیر تیمور، بوڑھی دائی کے جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے دوسرا بار بھی انعام میں دیدیا۔ اسی وقت ننھے شہزادے میں کھیل دیں۔ اس کا رخ امیر تیمور کی طرف تھا۔ قریب ہی ملکہ کی صبا نامی شوخ اور منہ پھٹ کنیز کھڑی تھی،

"امیر، توجہ فرمائیں۔ شہزادے نے آنکھیں کھول دی ہیں اور ان کی نظریں شاہ کے رخ کا طواف کر رہی ہیں۔"

تیمور نے خوش ہو کر ننھے شہزادے کی طرف دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے قاضیِ شہر سے کہا:

"آپ نے غور فرمایا۔ کنیز نے کیا کہا ہے؟"

قاضیِ شہر گھبرا کر بولے:

"کنیز نے شاید امیر کی توجہ شہزادے کی طرف دلائی تھی۔"

"نہیں....."

تیمور مسکرایا اور کنیز سے کہا:

"کنیز! پھر کہنا کہ تم نے شہزادے کا کیا نام لیا تھا؟"

کنیز کی ساری خوشی غائب ہو گئی:

"شہزادے کا نام؟"

اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر جلدی سے بولی:

"اے امیر، میں نے شاید یہ کہا تھا کہ شہزادے کی نظریں رخِ شاہ کا طواف کر رہی ہیں۔"

"ہاں ہاں، یہی۔"

امیر نے قاضی کی طرف کہا:

"کنیز کہتی ہے رخِ شاہ اور ہم کہتے ہیں شاہ رخ۔" کیا کنیز نے شہزادے کو "شاہ رخ" کا نام دے کر ہمارے

نہیں کی؟"

"سبحان اللہ"

قاضیِ شہر بولے:

"کیا خوبصورت اور مبارک نام ہے، شاہ رُخ!"

کنیز جواب تک کھڑی کانپ رہی تھی۔ اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" امیر نے کنیز سے پوچھا۔

"صبا۔ اے شاہِ عالی مقام!" کنیز نے متغل کر جواب دیا۔

"خوب۔ تم نے ہمارا دل خوش کیا۔"

یہ کہہ کر امیر تیمور نے نہایت قیمتی ہار کنیز کے حوالے کیا اور قاضیِ شہر سے بولا:

"آپ کی مبارک خدمت کا حساب ہم دربار میں کریں گے۔ شام کو عام اجلاس ہو گا تاکہ عوام کو پیش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔"

قاضی صاحب چلے گئے۔ کنیزوں نے حریری پردے کھینچ دیے۔ سرائے خانم نے اوپر کی طرف آہستہ سے بولی:

"شاہِ تاتار کو شہزادہ مبارک ہو۔"

"صرف شہزادہ نہیں۔ ولی عہد کہو سرائے خانم۔ تاتاری دستور میں چوتھا بیٹا بھی ولی عہد ہوا کرتا ہے۔"

"خدا نے اسے زندگی دی تو امیر کی غازی پر فخر کرے گا۔"

سرائے خانم نے کہا:

"یوں آپ کی اولاد اور خون ہے۔ امیر کے ہاتھ پارس ہیں، چاہیں تو لوہے کو سونا بنا سکتے ہیں۔"

سرائے خانم نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں سرائے خانم۔"

تیمور نے اسے روکا:

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں دیکھنے پھر آئیں گے۔" تیمور اٹھ کر چلنے لگا۔

"میرے سرتاج!"

سرائے خانم کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ حالانکہ وہ تیمور کو ہمیشہ امیر یا امیرِ عالی مقام یا بادشاہ کہا کرتی تھی۔ تیمور چونک پڑا۔ اس کے قدم رک گئے:

"کہو سرائے خانم۔ ہم سن رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے سرتاج! اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج میں آپ کا استقبال نہ کر سکی۔" سرائے خانم کی زبان لڑکھڑا رہی تھی جیسے کوئی غیبی طاقت اس سے کہلوا رہی ہو۔

تیمور کو اپنی پہلی بیوی الجائی خاتون یاد آ گئی۔ ایک روز جب وہ مرغزارِ گلبستان میں الجائی خاتون کے ساتھ تھا اور الجائی نے کہا تھا:

"میرے سرتاج! اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج آپ پیدل چل رہے ہیں۔"

تیمور کی نظریں سرائے خانم پر جم کر رہ گئیں۔ کس قدر مماثلت تھی الجائی اور سرائے خانم کی طبیعتوں میں۔

"سرائے خانم۔ تم اس محل کا سب سے خوبصورت گلاب ہو۔ استقبال کے لیے تو ہم خود چل کر تمہارے پاس

سرائے خانم کے مضمحل چہرے پر بحالی آ گئی۔ سرائے خانم حقیقی معنوں میں تیمور کی بیوی اور حرم سرا کی ملکہ تھی۔ تیمور دربار لگانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ جب تیمور ہرات کی مہم پر گیا تھا تو سرائے خانم باقاعدہ دربار لگاتی تھی اور موجود تمام امراء اسے تعظیم پیش کرتے تھے۔ اس کا تعلق سپاہ گراں کے خاندان سے تھا۔ اچھی تیر انداز ہونے کے علاوہ وہ شکار کی بھی شوقین تھی اور تیمور کے ساتھ شکار گاہ میں ضرور موجود ہوتی۔

تیمور نے سرائے خانم کو یہ تاثر دیا تھا کہ وہ اس کے پاس سے اس لیے جلد واپس جا رہا ہے تاکہ وہ مکمل آرام کر سکے لیکن یہ صرف ایک بہانہ تھا۔ اسے دراصل جلدی اس بات کی تھی کہ وہ باہر پہنچ کر اس خوشی کے موقع پر جشن اور جشن و ضیافت کی۔ ایسا اہتمام کرائے کہ یہ تقریب ایک یادگار بن جائے۔

سرائے خانم اس کے سالے امیر حسین والیِ غزنی کی بیوی تھی جس کے قتل کے بعد تیمور نے اس سے باقاعدہ شادی کر لی تھی۔ تیمور کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ سرائے خانم سے شادی کے بعد سے اب تک وہ اس سے کچھ بے التفاتی برتتا رہا ہے۔ حالانکہ اس کی اصل وجہ اس کی بے پناہ مصروفیات تھیں لیکن سرائے خانم کا دل ٹوٹ گیا تھا اور اس نے ایک بار تو اس کا کھلے الفاظ میں اظہار بھی کر دیا تھا۔ ان تمام شبہات کو دور کرنے کے لیے تیمور نے پرجشن منانے کا خواہشمند تھا۔

وہ باہر آیا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس کے چہیتے بیٹے شہزادہ جہانگیر کی سیاہ بالوں والی خوبصورت بیوی بختِ زادہ بیگم جواہرات تقسیم کر رہی تھی۔ ریشمی کپڑوں کے سینکڑوں خوان اس کی کنیزیں سروں پر اٹھائے کھڑی تھیں۔ بختِ زادہ ایک ایک کنیز کو دو دو خوان بانٹ رہی تھی۔

تیمور کو دیکھ کر تمام کنیزیں جہاں تھیں وہیں ٹھٹک کر کھڑی ہو گئیں۔ بکھری ہوئی مسکراہٹیں اور گونجتے قہقہے یک لخت خاموشی طاری ہو گئی۔ خانزادہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ کنیزوں کے ایک دم چپ ہو جانے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پریشان ہوگئی۔ اس نے گھبرا کر سوالیہ نظروں سے اپنی کنیزوں کو دیکھا۔

"شاہِ تاتار۔ امیر تیمور۔" قریب کھڑی ایک کنیز نے سرگوشی کی۔

خوارزم کی حسین شہزادی نے جلدی سے ریشمی چادر کا پلو سر پر کھینچا۔ پھر پلٹ کر اس طرف دیکھا جدھر اشارہ کیا تھا۔ امیر تیمور زچہ خانے کے دروازے پر کھڑا بڑی دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

امیر تیمور کی بہو سر جھکائے آگے بڑھی اور جھک کر آداب بجالائی۔

"اے شاہِ تاتار۔ نومولود شہزادے کے لیے دلی مبارکباد۔"

"یوں نہیں خانزادہ۔"

تیمور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اور اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ہم اپنی بہو کی مبارکباد مل میں قبول کریں گے۔"

"مگر شاہِ تاتار کو اس کے لیے ایک طویل مدت انتظار کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی۔" خانزادہ بے دھڑک تھی۔ وہ تیمور کے غصے سے لاپروا ہو کر جو اس کے منہ میں آتا تھا کہہ جاتی تھی۔

"ہم انتظار کریں گے خانزادہ۔" تیمور کا لہجہ شفقت سے بھرا ہوا تھا۔

"مگر کب تک اے امیرِ عالی؟"

خانزادہ اسی طنطنے سے بولی:

"کنیزوں سے فارغ ہونے کے بعد مجھے شہزادے اور مکہ مہربان کا صدقہ اتارنا ہے۔ یہ انتظار کی زحمت دیگر آدابِ شاہی کے خلاف سمجھتی ہوں۔"

"ہم تمہیں اس حاضر جوابی اور آدابِ شاہی کی اجازت دیتے ہیں۔"

تیمور مسکرایا:

"ہمیں تو یہ بھی خوشی ہے کہ شہزادہ جہانگیر نے غلط انتخاب نہیں کیا۔ تم یقیناً اس مرتبے کی اہل ہو۔ اطمینان رکھو تم جب تک واپس نہیں آؤ گی ہم محل سے باہر نہیں جائیں گے۔"

تیمور نے خود قدم آگے بڑھا دیے۔ وہ جانتا تھا کہ خانزادہ آمادگی سے قاصر ہونے والی ہے۔ اس کی دل خوش کن گفتگو پسند بھی تھی لیکن یہاں کنیزوں کے درمیان کھڑے ہو کر باتیں کرنا ایک شاہ کے خلاف تھا۔ چنانچہ وہ خانزادہ کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

خانزادہ کے منہ میں آتی ہوئی بات اس کے لبوں تک پہنچ کر رک گئی۔ ایک لمحہ وہ تیمور کی

پشت کو اپنے کام میں لگ گئی۔

○

تیمور کو اپنے وطن شہرِ سبز سے بہت محبت تھی۔ شہرِ سبز والوں بھی بڑا دلکش مقام تھا۔ سب کو یہ خیال تھا کہ تیمور اس کا صدر مقام شہرِ سبز کو بنائے گا۔ اس نے شہرِ سبز میں خوبصورت عمارتیں بنوائی تھیں۔ اپنے محل کے ساتھ ہی ایک وسیع اور عالی شان محل تعمیر کرایا تھا۔ اس میں کئی بڑے بڑے صحن تھے اور اس کے صدر دروازے کی بڑی محراب دور سے نظر آتی تھی۔ تاتاریوں نے اس محل کو آق سرائے یا قصرِ سفید کا نام دیا تھا۔ اس قصر میں تیمور اپنی پیاری بیوی الجائی خاتون کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔ اسی شہر میں اس کے باپ کی قبر تھی جسے بڑے مقبرے میں تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن ان باتوں یا یادوں اور دلکشیوں کے باوجود اس نے سمرقند کو چن لیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ سمرقند سب سے بڑا شہر تھا بلکہ یہ کہ بخارا کے مدرسوں، کتب خانوں اور دیگر علوم کا گہوارا بنا دیا تھا۔

سمرقند کو دارالسلطنت بنانے کی اصل وجہ اس شہر کی تاریخی حیثیت تھی۔ سمرقند ہی وہ شہر تھا جہاں یونانی فاتح سکندر نے دارا سوئم کو شکست دے کر اس کا خاتمہ کیا تھا اور اسی شہر کے باغوں میں تیمور سے صرف ڈیڑھ سو سال پہلے چنگیز کے طوفانی لشکر نے قیام کیا تھا۔

مشہور سیاح ابنِ بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں سمرقند کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

"سمرقند دنیا کے عظیم ترین اور پُرشکوہ شہروں میں سے ایک ہے۔ یہ دریائے صغد کے کنارے آباد ہے جس پر بے شمار تعداد پن چکیاں ہیں اور اس سے نہروں کے ذریعے پانی کھینچ کر باغوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ قرمز کا کپڑا بنتے ہیں۔ اونچے بالاخانے ہیں۔ نہر کے کنارے حجروں سے دریا کا نظارا کیا جاتا ہے۔ یہاں کا کاغذ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ باغوں کے اندر لکڑی کی بنی گھڑیوں سے وقت کا شمار کرتے ہیں۔ یہ گھڑیاں خود ان کی ایجاد ہیں۔ بے شمار باغات ہیں لیکن ان میں بیشتر کھنڈر بن چکی ہیں۔ محلات بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ نہ شہر پناہ ہے نہ شہر کے دروازے ہیں۔ امتدادِ زمانہ نے انہیں سرنگوں کر دیا ہے۔"

تیمور نے ان بوسیدہ محلات کی جگہ وسیع محلات تعمیر کرائے۔ سڑکیں چوڑی ہوئیں۔ کوچہ و بازار کو وسعت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی گئی۔ غرضیکہ تیمور نے سمرقند کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اس شہر کو لوگ دور دور سے دیکھنے آتے اور ہمتی کی داد دیتے۔

تیمور فطرتاً بیحساب صفت تھا۔ وہ بچا بیٹھنا نہیں جانتا تھا۔ چوگان یا شطرنج کے سوا اس کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا یا پھر غور و فکر میں ڈوبا ہوا مستقبل کے منصوبے بناتا رہتا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔

خانزادہ کو سراے خانم کے پاس بھیج کر وہ محل میں آیا۔ اس نے یہ محل بھی سمرقند کے اور محلوں کی طرح گرا کر بنوایا تھا۔ کشادہ و دلآویز، وسیع کمرے تھے..... تیمور اس محل میں یوں گھوم رہا تھا جیسے وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ وہ ہر کمرے میں جاتا اور اس کے در و دیوار کو اس طرح دیکھتا جیسے وہ کوئی کنیز ہیں اسے آتا دیکھ کر سمٹ کر ادھر ادھر ہو جاتیں اور آپس میں کھسر پھسر کرتیں۔

"امیر کو آج کیا ہو گیا ہے۔ اپنے ہی محل میں اس طرح گھوم رہے ہیں جیسے کوئی باغ میں"

"آج امیر کو کوئی کام نہیں؟"

ادھر کنیزوں کی یہ کھسر پھسر، دوسری طرف شاہی خاندان کی کتنی ہی خواتین اسے بار بار یہاں تک کہ شہزادہ جہانگیر بھی باپ کی قدمبوسی کو حاضر ہوا تھا لیکن تیمور نے سب کو کہلوا دیا کہ وہ انتظار کریں کیونکہ اس وقت امیر بہت مصروف ہیں۔ حالانکہ تیمور کو کوئی مصروفیت نہ تھی، صرف خانزادہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے خانزادہ سے انتظار کا وعدہ کیا تھا لیکن یہ وعدہ ایسا نہ تھا جو نہ نبھایا جا سکتا ہو۔ خانزادہ کو تو وہ بلوا کر اور کسی وقت بھی گفتگو کر سکتا تھا۔ پھر خانزادہ اسے شہزادہ عزیز نہ تھی جسے اس نے مہمان خانے میں انتظار کرنے کا حکم بھجوا دیا تھا۔

دراصل امیر تیمور نے اپنی شاہانہ ذمہ داریوں سے کچھ دیر کے لیے فرار اختیار کیا تھا۔ وہ کرسی کی بھرپور خوشی کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ اسے خانزادہ سے کچھ خاص باتیں کرنا تھیں جو کبھی مرتب کرنا تھا لیکن اس کی یہ فضول چہل قدمی دیکھنے والوں کے لیے ضرور تعجب خیز تھی۔

خانزادہ کو سراے خانم کے پاس اپنے اندازے سے کچھ زیادہ ہی وقت لگ گیا۔ سراے خانم کے آنے کی اطلاع دی گئی تو اسے بڑا تعجب ہوا۔ خانزادہ اور سراے خانم کے اپنے الگ الگ محل تھے، محلوں میں دربار لگاتیں۔ ان درباروں میں زیادہ تر کنیزوں کے آپس کے جھگڑوں کے فیصلے سنے جاتے۔ شہادتیں گزاری جاتیں اور پھر نافرمانیوں پر تنبیہ فیصلے ہوتے..... ان فیصلوں کی سکتی تھی۔

دونوں اپنی حدود کی ملکہ اور مختار کل تھیں۔ اس سلسلے میں ملکہ سراے خانم کو فوقیت حاصل تھی کہ وہ تیمور کی عدم موجودگی میں شاہانہ دربار لگانے کی مجاز تھی اور تمام امیروں اور وزیروں پر اس کی تعظیم فرض تھی۔

خانزادہ اگرچہ ملکہ نہ تھی لیکن شہزادہ جہانگیر کی بیوی تھی جو ولی عہد سلطنت تھا اور تیمور کے بعد سلطنت تاتار کا وارث اسی کو ہونا تھا اس لیے خانزادہ بھی خود کو ملکہ ہی سمجھتی اور سراے خانم کی ہمسری اور برابری کی دعوے دار تھی۔ ان دونوں کا بہت کم سامنا ہوتا۔ ملتیں تو اجنبیوں کی طرح۔ ذاتی مملکت کی دیواران کے درمیان حائل رہتی۔ سراے خانم کو بھی اس کا احساس تھا لیکن اس نے جہانگیر کو ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا اس لیے وہ خانزادہ کی خودسری کو نظر انداز کر دیتی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کے اختلاف کی خبر امیر تیمور تک پہنچے اور باپ بیٹے میں ناچاقی ہو مگر وہ ان باتوں سے بے خبر نہ تھا۔ اسے ان دلی کدورتوں کا علم تھا اور ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ کوئی بات اپنی زبان سے نہ نکالے جس سے کسی کو احساس کمتری کا شکار ہونا پڑے۔ وہ سراے خانم کو ملکہ اور خانزادہ کو بہو کے مرتبے پر رکھتا۔ ان کا اسی طرح خیال رکھتا تھا۔

سراے خانم اب تک بستر پر لیٹی تھی۔ خانزادہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور کچھ اتنے خلوص اور پیار سے اس نے تعظیم پیش کی کہ وہ حیران رہ گئی۔ خانزادہ اسے رسمی طور پر سلام کر کے ادھر ادھر ہو جاتی تھی لیکن اس وقت سلام کر کے وہ بڑی بے تکلفی سے سراے خانم کی پائنتی بیٹھ گئی تھی اور اس کے پیروں پر اس طرح ہاتھ رکھے جیسے اس کے پیر دبانا چاہتی ہو۔

سراے خانم نے تکیے سے ذرا سر اوپنچا کر کے دیکھا اور جلدی سے پیر سمیٹ لیے:

"کیا غضب کرتی ہو شہزادی۔ یہ کام تمہارا نہیں"

"کیا آپ شہزادہ جہانگیر کی ماں نہیں؟" خانزادہ مسکرا کر لطف سے بولی۔

"کیوں نہیں شہزادی!"

سراے خانم نے کہا۔ پھر نومولود بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی:

"خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے شہزادے کو ہمیشہ اپنا بیٹا ہی سمجھا اور اس پر اپنی ممتا نچھاور کرتی رہی"

خانزادہ اس سوال و جواب اور اس ملاقات کے لیے پوری طرح تیار ہو کر آئی تھی۔ فوراً بولی:

"ملکۂ عالم۔ اگر آپ جہانگیر کی ماں ہیں تو میری بھی مادرِ مہربان ہیں۔ ماں کی خدمت کرنا ہر بیٹی کا فرض ہے۔ اس کے قدموں تلے جنت بیان کی جاتی ہے۔ پھر میں اس نعمت سے کیوں محروم رہوں؟"

سراے خانم شرم سے پانی پانی ہوئی جاتی تھی۔ اس کے دل کی کدورت اگرچہ صاف ہو گئی۔ اسے ان کنیزوں پر غصہ آیا جو اسے خانزادہ کے خلاف دن رات بھڑکایا کرتی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرائے خانم نے بڑی محبت سے کہا:

"نیک و سعادت مند بیٹی! خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ اگر دنیا کی ہوس تمہارے پیچھے لگی تو اس کا سر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ تمہاری جگہ میرے دل میں ہے۔ میرے سر پر سرائے آ کر بیٹھو۔"

"بہتر ہے ملکۂ عالم۔"

کہتے ہوئے خانزادہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی:

"لیکن پہلے مجھے ایک بات کی اجازت دیجیے کہ میں شہزادے اور آپ کا صدقہ اتار دوں۔"

سرائے خانم کو بتایا گیا کہ شہزادی باہر کی کنیزوں میں بیش قیمت پارچہ جات تقسیم کر چکی ہے۔ اس نے خوش دلی سے صدقہ اتارنے کی اجازت دیدی۔

خانزادہ کی کنیزیں سامان سے بھرے خوان اور رتھال لیے باہر انتظار کر رہی تھیں۔ خانزادہ کے صرف اس کی کنیز خاص اندر آئی تھی۔ خانزادہ نے اس سے کچھ سرگوشی کی۔ کنیز اٹھ کے باہر گئی۔ چند لمحوں میں آئی تو ایک بڑا رتھال اٹھائے ہوئے چار کنیزیں اس کے پیچھے داخل ہوئیں۔ یہ وزنی رتھال سونے کا تھا۔ اس پر گنگا جمنی کامدار خوان پوش ڈھکا تھا۔ خوان پوش ہٹایا گیا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ سرائے خانم کو کنیزوں کے پُرحیرت چہرے دیکھ کر اشتیاق ہوا کہ وہ بھی خوان میں رکھی ہوئی اس چیز کو دیکھے جو کنیزوں کو اس قدر حیران کر دیا تھا۔

سرائے خانم نے کنیزوں کو اشارہ کیا۔ کنیزوں نے اسے تکیوں کے سہارے بٹھا دیا۔ طلائی رتھال طلائی ترازو تھا۔ سرائے خانم نے سونے کے اس ترازو کو بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ خانزادہ نے حکم دیا کہ ترازو کیا جائے۔ ترازو میں چار پلڑے لگے تھے جن کے سہارے ترازو کو زمین پر کھڑا کر دیا گیا۔ ترازو کے گول پیالوں کی شکل کے تھے۔ ہر پلڑے کا قطر ڈیڑھ فٹ تھا۔ خانزادہ کے اشارے پر کنیزیں باہر سے دو خوان اور لے آئیں۔ ان پر بھی زرنگار خوان پوش پڑے تھے۔

"ملکۂ عالم!"

شہزادی ہاتھ باندھ کر ادب سے بولی:

"نومولود شہزادے کو ایک پلڑے میں لٹانے کی اجازت دی جائے۔"

سرائے خانم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا پھر بھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کنیزوں نے دو پیالے میں نرم گدّوں والا بستر بچھا دیا اور پھر نہایت احتیاط سے بچے کو تکیوں کے سہارے سونے

ترازو میں بٹھایا یا لٹایا گیا۔ شہزادے کے بوجھ سے پیالہ جھک گیا۔

خانزادہ نے پھر اشارہ کیا۔ اس کی کنیزوں نے لائے ہوئے دونوں خوانوں سے خوان پوش ہٹا دیے۔ سب کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دونوں خوان جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ کنیزوں نے ترازو کے دوسرے پیالے میں جواہرات بھرنا شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ دونوں پلڑوں کا وزن برابر ہو گیا۔ تولنے والی کنیز نے خانزادہ کی طرف دیکھا۔ خانزادہ نے اسے منع کرنے کے بجائے پیالے کو اور بھرنے کا حکم دیا۔ پیالہ آہستہ آہستہ بھرتا اور نیچے کی طرف جھکتا رہا۔

سرائے خانم حیرت سے دیکھتی رہی۔ تولنے کے بعد شہزادے کو بستر پر پہنچا دیا گیا۔

اس کے بعد خانزادہ کی کنیزیں ڈھکے ہوئے آٹھ اور خوان اندر لائیں۔ یہ سب خوان طلائی سکوں سے بھرے ہوئے تھے۔ خانزادہ ادب سے بولی:

"مادرِ مہربان۔ ان خوانوں پر ہاتھ لگا کر صدقے کو شرفِ قبولیت بخشیے۔"

ایک ایک کر کے آٹھوں خوان ملکۂ سرائے خانم کے قریب لائے گئے۔ اس نے ہر خوان پر ہاتھ رکھ کر اسے چھو دیا۔ اس کے بعد تمام خوان اور پیالے کے وہ جواہرات جس سے شہزادہ تولا گیا تھا، کمرے سے باہر بھیج دیے گئے۔ پھر انہیں شہزادی خانزادہ کے حکم کے مطابق کنیزوں میں لٹایا گیا۔ کنیزوں میں اودھم مچ گیا۔ وہ جواہرات لوٹنے کے لیے ایک دوسرے پر چڑھی جاتی تھیں۔ گری پڑتی تھیں۔ کئی کنیزیں تو اس اودھم پچھاڑ میں زخمی ہو گئیں۔

شہزادی خانزادہ کی اس دریا دلی اور خلوص کو دیکھ کر سرائے خانم کو چپ سی لگ گئی۔ اسے اس بات کا ملال تھا کہ وہ خواہ مخواہ شہزادی سے کدورت رکھتی تھی۔

شہزادی خانزادہ وہاں کچھ دیر اور بیٹھی اور ملکہ اور بچے کی تندرستی کے لیے کئی مشورے دیے اور ادویہ بتائیں۔ شہزادی سلام کر کے واپس جانے لگی تو سرائے خانم نے اسے دعا دی:

"خوش رہو شہزادی۔ خوب پھلو پھولو۔ خدا تمہاری گود ہری کرے۔"

سرائے خانم کے ان دعائیہ کلمات سے خانزادہ کے دل پر جیسے چوٹ سی پڑی۔ اس کی شادی کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن وہ اب تک اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔ بزرگ عورتیں اپنی نو بیاہتا دلہنوں کو اسی کی دعائیں دیتی تھیں۔ سرائے خانم نے اسے بڑے خلوص سے دعا دی تھی لیکن اس کے الفاظ خانزادہ کے سینے میں نشتر کی طرح لگے اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے سرائے خانم نے دعا کے پردے میں اس کی محرومی کا طعنہ دیا ہے۔ اسے اپنی بانجھ پن کا پہلے ہی احساس تھا لیکن اس وقت اسے اس احساس میں اور زیادہ شدت محسوس ہوئی۔

خانزادہ خوشی خوشی آئی تھی لیکن سرائے خانم کے پاس سے اٹھی تو ایک درد اور کسک لے کر اٹھی۔ باہر آ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے معلوم ہوا کہ امیر تیمور اس کا انتظار کرتے کرتے آرام کرنے چلے گئے ہیں اور اب وہ سو رہے ہیں۔ خانزادہ نے امیر کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور دل برداشتہ ہو کر اپنے محل میں واپس چلی گئی۔

خانزادہ کی کنیز خاص چاندنی اس کے ساتھ تھی۔ اس نے دونوں خواتین کی گفتگو بڑے غور سے سنی اور جب اس نے سرائے خانم کی دعا سے شہزادی کا مزاج بگڑتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ خانزادہ کو یہ الفاظ بُرے لگے ہیں اور اس نے یقیناً اس کا الٹا ہی مطلب نکالا ہوگا۔ محلاتی سازشوں میں کنیزوں، خواجہ سراؤں اور غلاموں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہ فرقہ اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لگائی بجھائی کرنے سے بھی اکثر ایسی حرکتیں کر جاتا ہے جو بڑے بڑے فتنوں کا سبب بن جاتی ہیں۔

چاندنی کو خانزادہ کی افسردگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آگیا اور اس نے فوراً خانزادہ کے معمولی سے کو کریدنا اور اس پر نمک پاشی کرنا شروع کر دیا۔

ایک دن شہزادی کو بہت افسردہ پایا تو سر جھکا کر بولی:

"واری جاؤں شہزادی کے۔ اس میں افسردگی اور ملال کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے تو ساس کی دلداری کے لیے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا۔ کیا کچھ نچھاور نہیں کیا شہزادے اور رکھ پر۔ اتنا صدقہ تو شاہِ تاتار بھی نہیں دے سکتا لیکن کیا ملا اس کا صلہ۔ طنز اور طعنوں کے تیر۔ میرا دل تو چاہتا تھا کہ سرائے خانم کا منہ نوچ لوں۔ کیا حق تھا انہیں آپ کو اولاد کا طعنہ دینے کا۔"

"چاندنی!"

خانزادہ نے اسے جھڑکا:

"گستاخی مت کر۔ ہر شخص اپنے فعل کا ذمے دار ہے۔ ہم سے جو ہو سکا ہم نے کیا۔ ہم نے صلے کی تمنا کب کی تھی؟"

"صدقے جاؤں آپ کی ایسی محبت پر۔"

چاندنی مٹک کر بولی:

"انسان احسان کا بدلہ نہ دے۔ محبت کے دو بول تو منہ سے نکال ہی سکتا ہے اور سرائے خانم تو ایسی معلوم ہوا جیسے مردہ کفن پھاڑ کر بولتا ہے۔ ایک بچہ کیا جنا ہے کہ دماغ عرشِ معلیٰ پر پہنچ گیا ہے..... بڑی بوڑھیاں ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ سوتیلا آخر سوتیلا ہی ہوتا ہے..... سرائے خانم اگر سوتیلی ساس نہ ہوتیں تو ایسے جملے منہ سے ہرگز نہ نکالتیں۔ انہوں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ آپ ولی عہد کی بیوی ہیں۔ آپ کا مرتبہ بلند ہے۔ پھر ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن۔ یہ مزدوری تو نہیں کہ پہلے ہی مہینے

ہو جائے۔ میں تو کہتی ہوں شہزادی۔ اگر دو تین سال بچہ نہ ہو تو بھی پریشانی کی ضرورت نہیں۔"

"بس اب چپ بھی ہو جا۔"

شہزادی الجھتے ہوئے بولی:

"کیوں میرے زخموں کو کریدتی ہو؟"

"زخم کھائیں آپ کے دشمن۔"

چاندنی حاسد ہونے کے بجائے اور ترائی:

"اللہ نے چاہا تو آپ کے اتنے بیٹے ہوں گے کہ پورے محل میں بھاگتے پھریں گے۔ کوئی چادر کھینچے گا تو کوئی چوٹی۔"

"چاندنی۔ خدا کے لیے۔"

شہزادی نے ٹھنڈی سانس بھری:

"وہ دن آئے گا تو تیرا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔"

⊙

شہزادے شاہ رخ کی پیدائش پر ایک ہفتہ تک عظیم الشان جشن منایا گیا۔ تیمور نے عوام اور خواص پر انعام کی بارش کر دی۔ کسی امیر کو جاگیر دی تو کسی کا رتبہ بلند کیا۔ خوب خوب ضیافتیں ہوئیں۔ رقص و سرود کی محفلیں جمیں۔ خانزادہ دل میں اک درد لیے ان تمام خوشیوں میں شریک ہوتی رہی۔ وہ ہر وقت اپنے چہرے پر مسرت سجائے رکھتی اور کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیتی کہ ایک چبھن اس کے دل میں کانٹا بن کے کھٹکتی رہتی ہے۔ وہ حسبِ معمول روزانہ سرائے خانم کی مزاج پرسی کے لیے جاتی۔

سرائے خانم رچہ خانہ سے اپنی حرم سرا میں منتقل ہو گئی تھی۔ اس کے یہاں شاہی خاندان اور امرا کی بیگمات کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا۔ تحائف پیش ہوتے۔ نذریں نیازیں ہوتیں۔ صدقے اتارے جاتے۔ خانزادہ ہنستی، مسکراتی، قہقہے لگاتی ہر تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی۔ سرائے خانم بھی اس پر بہت مہربان ہو گئی تھی۔ وہ خانزادہ سے بہت پیار سے گفتگو کرتی لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ سرائے خانم، شہزادی کا دل رکھنے کی خاطر اسے "اولاد" کی دعا دیتی اور امید دلاتی کہ وہ جلد شادکام ہوگی۔ ایسے موقعے پر شہزادی خانزادہ کے دل میں دبی ہوئی چنگاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھڑک اٹھتی اور وہ ضبط کے باوجود اپنی بھیگی آنکھوں کو پوشیدہ نہ رکھ سکتی۔ سراٹے خانم ہنس کر اسے پھر تسلی دیتی لیکن سراٹے خانم کا خلوص اس پر نشتر کا کام کرتا اور وہ گھبرا کے وہاں سے اٹھ آتی۔

سراٹے خانم اور خانزادہ محلات میں بڑی اور چھوٹی بیگم کے نام سے مشہور تھیں اور یہ عوامی خطابات ان کے لیے موزوں تھے۔ خانزادہ ہمسری کا دعویٰ کرنے کے باوجود چونکہ عمر میں چھوٹی تھی اس لیے وہ چھوٹی بیگم کے خطاب سے خوش تھی۔ دونوں خطابوں میں "بیگم" کا لفظ مشترک تھا جو خانزادہ کی طمانیت کے لیے کافی تھا اور وہ سمجھتی تھی کہ دوسروں کی نظروں میں سراٹے خانم اور اس کا مرتبہ برابر ہے لیکن ادھر کچھ دنوں سے اسے ایک وہم سا ہو گیا تھا۔ جب اسے کوئی "چھوٹی بیگم" کہہ کر مخاطب کرتا تو اسے اپنا مرتبہ کم نظر آنے لگتا۔ وہ خود اپنی ہی نظروں میں حقیر دکھائی دیتی۔ حالانکہ اس کا یہ وسوسہ قطعی بے بنیاد نہ تھا۔ کیا ہوا اگر سراٹے خانم ایک شہزادے کی ماں بن گئی تھی۔ اس کا شوہر بھی ولی عہدِ سلطنت تھا اور ملکِ تاتار پر سب سے پہلا حق اس کا تھا مگر اسے یہ بات کون سمجھاتا۔ اس کی کنیزیں، خاص کر چاندنی اس کے غموں، دکھوں اور احساسِ محرومی کو اپنی بدگوئیوں اور جلی کٹی باتوں سے شدید تر کرتی رہتی تھی۔ خانزادہ اپنے اوپر بہت قابو رکھتی اور بات بات پر چاندنی کو ٹوکتی رہتی لیکن جب اس کے عمل کی دوسری کنیزیں چاندنی کی ہاں میں ہاں ملاتیں تو خانزادہ کا دل ڈوبنے لگتا۔

محلاتی سازشوں کی یہ گونج یک طرفہ تھی۔ سراٹے خانم کے محل میں بھی سازشوں کا جال بُنا جاتا۔ منصوبے گھڑے اور منصوبے تیار ہوتے اور ہر وہ قدم اٹھانے کی کوشش ہوتی جس سے خانزادہ کا وقار مجروح ہو اور درمیانی فاصلوں میں اور دوریاں ہو جائیں۔ ان سازشوں میں سراٹے خانم کی خاص کنیز آفتابی پیش پیش تھی۔ خانزادہ کی چاندنی میں تو کچھ دھیما پن اور خنکی تھی لیکن آفتابی نہایت گرم مزاج اور سورج ہی کی طرح آگ کا گولہ تھی۔ بڑی سخت مزاج اور چڑچڑی۔ قد شمشیر کی طرح لانبا۔ بڑے بڑے ڈگ بھرتی چلتی تو یوں معلوم ہوتا جیسے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو۔ سراٹے خانم نے شاید اس کے قد کاٹھ کو دیکھتے ہوئے اپنی مکار کنیزوں کی سردارنی بنایا تھا۔ شہزادہ شاہ رخ پیدا ہوا تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سراٹے خانم نے اسے سونپ دی۔ آفتابی ایک اچھی دائی اور کھلائی تھی۔ اس نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شہزادے کی حفاظت کے ساتھ اس کی کھلائی کا کام بھی اپنے سر لے لیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ یہ دونوں کام بڑے احسن طریقے سے انجام دے رہی تھی۔ وہ شہزادے کی اس طرح نگہبانی کرتی جیسے مرغی اپنے چوزوں کو پروں میں چھپائے رکھتی ہے۔ شہزادے کو ذرا تکلیف ہوتی تو اپنا آرام تج دیتی اور راتوں بھر گود میں اٹھائے ٹہلاتی رہتی۔ سراٹے خانم کی مہربانیاں بھی اس پر روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔

کہتے ہیں چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے۔ آفتابی بدطینت اور حاسد تھی۔ جب بھی موقع ملتا اپنی بدطینتی کا اظہار ضرور کرتی۔ خانزادہ سے اسے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ جب تک خانزادہ سراٹے خانم کے پاس بیٹھی

آفتابی شہزادے کو اٹھائے اٹھائے دور ہی رہتی۔ اگر خانزادہ شہزادے کو گود میں لے کر پیار کرنے کی خواہش کرتی تو وہ پاس آ کر شہزادے کو خانزادہ کے ہاتھوں میں اس طرح لرزتے ہوئے دیتی جیسے وہ کسی ڈائن کو دے رہی ہو۔ پھر خانزادہ کے واپس جاتے ہی شہزادے سے شاہ رخ کی نظر اتارتی۔ صدقہ دیتی اور مسجد کے پیش امام کو بلوا کر اس پر پھونک ڈلواتی۔ سراٹے خانم بیٹھی ہنستی رہتی لیکن اسے منع نہ کرتی۔ سراٹے خانم بھی آخر ماں تھی ساں تو ہر اس عمل کو اور بات کو پسند کرتی ہے جو اس کی اولاد کی سلامتی اور بھلائی کے لیے کیا جائے خواہ وہ روایتی یا مذہبی انداز سے مختلف اور غلط ہی کیوں نہ ہو۔

آفتابی کے دل میں خانزادہ کے خلاف جو لاوا پک رہا تھا، اس سے کبھی کبھی چنگاریاں خانزادہ کی بدگوئی کی صورت میں پھوٹتی ہی رہتی تھیں لیکن یہ لاوا اس دن پوری طرح پھٹ پڑا جب خانزادہ سراٹے خانم کے بجھانے بجھانے اور تسلی دینے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آفتابی شہزادے کو کاندھے سے لگائے دور کھڑی سخت نظروں سے خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے واپس جاتے ہی آفتابی تیزی سے سراٹے خانم کے پاس آئی اور شہزادے کو اس کی گود میں دیتے بلکہ پٹختے ہوئے غصے سے بولی:

"ملکۂ عالیہ! سنبھالیے اپنے شہزادے کو۔ میں شہزادے کی حفاظت سے باز آئی۔" اور وہ بھی لمبے ڈگ بھر کر دروازے تک پہنچ گئی۔

"کیا ہوا آفتابی؟"

ملکہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "ادھر آ کے بتاؤ۔" اس نے کہا۔

آفتابی کے قدم دروازے کے پاس جا کے خود ہی رک گئے تھے اور وہ اسی حکم کی منتظر تھی۔ آہستہ آہستہ واپس آئی اور سسکی بھر کے بولی:

"ملکۂ عالیہ! یہ نحوست ہے، شیر خوار شہزادے کے کانوں میں رونے کی آواز نہیں جانی چاہیے۔ ابھی اس پر غموں کا سایہ پڑ گیا تو آئندہ.....!"

"خدا نہ کرے۔" ملکہ نے بات کاٹ دی:

"آفتابی تم ایسی فضول باتیں کیوں سوچتی ہو؟"

"واہ ملکہ عالیہ!" آفتابی بھڑک اٹھی:

"آپ تو مجھے ہی الٹا ڈانٹ رہی ہیں ساں تو اپنے بچوں کو ایسی ڈائنوں سے بچاتی ہیں۔ اگر شہزادے کو خدانخواستہ.....!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آفتابی!" مکہ چیخ پڑی:

"خبردار جو تو نے شہزادے کے بارے میں کوئی بُرا لفظ نکالا۔ تو خواہ مخواہ خانزادہ کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ وہ دکھی ہے۔ اولاد کی محرومی نے اس کا دل گداز کر دیا ہے جبھی تو اسے ذرا ذرا سی بات پر رونا آ جاتا ہے۔"

اور آفتابی کی فیل مچانے۔ اس نے سر کے بال نوچ ڈالے اور چیخیں مار مار کر رونے لگی:

"ہائے اللہ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ کرے نیکی اور پکڑا جائے بدی میں۔۔۔۔ میں کنیز ہوں ناں۔ ہاں میری بات پر دھیان نہیں دیتیں۔ کسی سے پوچھیے تو بانجھ کیا ہوتی ہے۔ وہ تو بلا ہوتی ہے، بدروح۔ وہ ٹھوکریں کھاتی ہے تو دل لگ جاتا ہے۔ کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ وہ کیوں روتی ہے۔ وہ بچے کے لیے اپنی قسمت پر روتی ہے۔ شہزادے کو دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ ایک اور وارث پیدا ہو گیا۔ اب تک تو دو شہزادوں کو دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے اور اللہ نے آپ کو بیٹا دیا تو اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اسے تو بادشاہت اور حکومت کا قلق ہے۔ اس کے گھر سے تو بادشاہت نکل گئی۔ اب منحوس روئے گی نہیں تو اور کیا کرے گی۔"

کہنے سننے سے تو دیواریں اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہیں مکہ تو آخر انسان تھی۔ رودکی ان باتوں کا کب تک اثر قبول نہ کرتی۔ پھر آفتابی جو کہہ رہی تھی وہ خانزادہ کی بدگوئی سہی لیکن تھی حقیقت ہی۔ خانزادہ کے بیٹا ہوتا تو جہانگیر کے بعد وہی تخت پر بیٹھتا۔ تیمور نے جس طرح اپنے بیٹے کو سلطنت کا وارث قرار دے دیا تھا اسی طرح جہانگیر بھی عمل کرتا اور اس طرح جہانگیر کی نسل میں بادشاہت چلتی رہتی۔ یہ بات مکہ کے دل میں بھی آخر بیٹھ ہی گئی اور اسے اپنے خیالات پر نظرثانی کرنی پڑی۔

"دیکھو آفتابی" سرائے خانم مضمحل ہو کر بولی:

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ خانزادہ کو یہاں آنے سے میں روک دوں۔ ہاں وہ خود ہی یہاں آنا چھوڑ دے تو میں نہیں بلاؤں گی۔"

"اس کا انتظام میں خود کر لوں گی۔" آفتابی سینے پر ہاتھ مار کر بڑے وثوق سے بولی:

"آپ بس ایک بار زبان سے یہ کہہ دیں کہ خانزادہ کا یہاں آنا مناسب نہیں۔ پھر میں جانوں اور خانزادہ جانے۔۔۔۔"

"آفتابی! میری ایک بات غور سے سنو۔" مکہ کا غصہ ختم ہو چکا تھا:

"خانزادہ کو اگر روکا گیا تو یہ بات امیر تک ضرور پہنچے گی۔ اس وقت میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔"

"مکہ عالیہ۔ مجھے جواب مل گیا۔" آفتابی خوش ہو کر بولی:

"اب آپ دیکھتی رہیے کہ میں کس طرح خانزادہ کا پتہ کاٹتی ہوں۔ ایسا کام کروں گی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

دوسرے دن خانزادہ ملاقات کے لیے آئی تو سرائے خانم کے کمرے کے باہر آفتابی کھڑی دکھائی دی۔ وہ قریب پہنچی تو آفتابی نے قدرے تلخ لہجے میں کہا:

"شہزادی صاحبہ۔ مجھے افسوس ہے کہ آج آپ مکہ عالیہ سے ملاقات نہ کر سکیں گی۔ ان کی طبیعت بحال نہیں ہے۔"

خانزادہ شاید آفتابی کے تلخ لہجے کو محسوس نہ کر سکی:

"تم اندر جا کر مادرِ مہربان کو میرے آنے کی اطلاع کر دو۔ میں انہیں کھڑے کھڑے دیکھ کر واپس ہو جاؤں گی۔"

"میں نے عرض کیا ہے شہزادی صاحبہ۔"

آفتابی کا لہجہ اور تلخ ہو گیا:

"مکہ عالیہ آج کسی سے ملاقات نہیں کریں گی۔ انہوں نے مجھے تاکید کی ہے کہ کسی کو اندر نہ آنے دوں۔ مجھے گستاخی پر مجبور نہ کیجیے شہزادی!"

خانزادہ ایسے تلخ اور کرخت لہجے کی عادی نہ تھی۔ اس نے تعجب سے آفتابی کو دیکھا۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خود ہی ارادہ بدل دیا اور خاموشی سے سر جھکائے واپس چلی گئی۔

آفتابی کا منصوبہ پورا ہو رہا تھا۔ اس نے مکہ کو زبردستی بیمار ڈال دیا تھا تاکہ وہ خانزادہ کو اس بہانے اندر جانے سے روک سکے۔ خانزادہ کے جانے کے بعد آفتابی مسکراتے ہوئے اندر چلی گئی۔

"مکہ عالیہ۔ آپ مکہ عالم ہیں۔"

آفتابی سرائے خانم کی گھبراہٹ پر چڑ گئی:

"آپ امیر تیمور شاہِ تاتار کی بیوی ہیں۔ ایک شہزادے کی ماں ہیں۔ پھر آپ کیوں گھبراتی ہیں۔ یہ سب آپ کے ماتحت ہیں۔ آپ حاکم ہیں۔ یہ کنیزیں اور غلام ہیں۔"

مکہ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے آفتابی کے منصوبے سے اختلاف ہے۔

اگلے دن بھی کچھ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا۔۔۔۔ خانزادہ کے ساتھ آفتابی کا رویہ بڑا سخت اور گستاخانہ تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ شہزادی کو دیکھتے ہی بغیر سلام کلام کے بولی:

"شہزادی صاحبہ۔ آپ ملکہ عالیہ کو کیوں پریشان کرنے آجاتی ہیں۔ وہ بیمار ہیں۔ کسی سے نہیں مل رہیں اب آپ تشریف نہ لائیں۔ ملکہ عالیہ جب آپ کو یاد کریں گی تو آپ کو اطلاع کر دی جائے گی۔"

آفتابی نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ بولتی بھی تو کیا۔ آفتابی کے منہ لگ کر اور زیادہ بے عزتی ہوتی۔ اچھا ہوا کہ وہ خاموش رہی اور چپ چاپ واپس چلی گئی لیکن اس دن وہ اپنے محل میں پہنچ کر خوب روئی۔ کل کے واقعہ کا اس نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ وہ تو یہی سمجھی تھی کہ سراسے خانم بیمار ہو گئی ہیں اور انہوں نے ملاقاتیوں کو روک دیا ہے۔ جہاں تک آفتابی کے کھردری اور تلخ گفتگو کا سوال تھا، شہزادی نے اس لیے نظر انداز کر دیا کہ آفتابی تمام محلات میں اپنی بد زبانی اور بد دماغی میں مشہور تھی لیکن آج جو کچھ ہوا وہ برداشت سے باہر تھا۔

شہزادی غصے سے تلملاتی ہوئی آئی اور تکیے میں منہ دے کے رونا شروع کر دیا۔ کنیزوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اس کے گرد اکٹھی ہو گئیں۔ چاندنی نے شہزادی کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ وہ آہستہ آہستہ سر دبانی جاتی اور رونے کا سبب پوچھتی جاتی لیکن وہاں تو جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ شہزادی کے آنسو تھمنے ہی میں نہ آتے تھے۔

رو دھو کر جب دل ذرا ہلکا ہوا تو شہزادی نے سسکیوں کے درمیان بتایا:

"میری توہین کی ہے۔ میرا مذاق اڑایا ہے اس نے۔۔۔۔"

"کون، آفتابی؟" چاندنی نے چونک کر پوچھا:

"کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو وہ ..... ٹانگیں نہ توڑ کر رکھ دوں تو میرا نام چاندنی نہیں۔"

خانزادہ کو اپنی بے عزتی پھر یاد آگئی۔ سنبھل کر بولی:

"کل میں سراسے خانم سے ملنے گئی تو وہ ذلیل دروازے پر چوکیدار بنی کھڑی تھی۔ کہنے لگی ملکہ عالم کوئی نہیں مل سکتا۔ وہ بیمار ہیں۔"

"تو آپ بھی جھاڑو پھیریے ملکہ کے منہ پر۔" چاندنی نے غصے سے کہا:

"وہ اپنے نخرے امیر کو دکھائیں۔ آپ پر ان کا کیا زور۔ نہیں ملتی تو نہ ملیں۔ کیا آپ ان کی طاقت کی بھوکی ہیں۔ اور کیا کہا تھا آفتابی نے؟"

"چاندنی!" شہزادی ٹھنڈی سانس لے کر بولی:

"غلطی میری بھی ہے۔ کل کی بے عزتی کے بعد میں آج کیوں گئی۔ مجھے نہیں جانا چاہیے تھا مگر میں تو اس خیال سے چلی گئی تھی کہ شاید سراسے خانم واقعی بیمار ہوں اور میں نہ جاؤں تو شکوہ کریں۔"

شہزادی نے ایک لمبی سانس لے کر بتایا:

"لیکن چاندنی! آج تو اس بدبخت نے مجھے یوں پھٹکارا جیسے میں فقیرنی ہوں یا اس کی لونڈی ہوں۔"

بولی۔۔۔۔ واپس جائیے۔ ملکہ نہیں ملیں گی۔ جب انہیں ضرورت ہوگی تو بلوا لیا جائے گا۔ ہمارے اس نے مجھے کیا ذلیل کیا ہیں۔۔۔۔ ہیں۔۔۔۔"

شہزادی بی بی۔"

چاندنی نے اسے تسلی دی:

"اب آپ تو خاموش ہو کر بیٹھیے اپنے محل میں اور پھر دیکھیے تماشہ۔ ایسا گھنی کا ناچ نچاؤں گی آفتابی کو کہ یاد کرے گی۔"

"میرا تو جی چاہتا ہے اسے قتل کرا دوں۔"

شہزادی کو غصہ آگیا:

"ہماری بھی منہ چڑھی کنیزیں ہیں لیکن انہیں یہ اجازت تو نہیں دی جا سکتی کہ شاہی خاندان کے کسی فرد کی طرح توہین کریں۔" اس نے کہا۔

"آپ اپنے آپ کو گرائی کیوں ہیں شہزادی!" چاندنی نے فوراً کہا:

"آپ شاہی خاندان کی کوئی عام خاتون نہیں۔ آپ خاندانی شہزادی ہیں اور اس وقت ولی عہد سلطنت کی بیگم بننے جا رہا ہے تو ایک دن وہ آئے گا کہ شہزادے بہادر ملک تاتار کے بادشاہ بنیں گے اور آپ کے پہلو میں بیٹھیں گی۔"

"آمین۔۔۔۔ آمین۔۔۔۔" دوسری کنیزوں نے فوراً آواز بلند کی۔

شہزادی کو کچھ تسلی ہوئی تو بولی:

"چاندنی اب ہمیں بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ پانی سر سے اونچا ہوا جا رہا ہے۔ آفتابی کا تو ضرور کچھ علاج کرنا چاہیے۔"

اور آفتابی کا علاج دوسرے ہی دن ہو گیا۔

وہ کسی ضرورت سے شہزادی کے محل کے دروازے پر داروغہ کے پاس آئی۔ ان دونوں میں یارانہ تھا۔ اکثر اکیلے میں ملاقات اور باتیں کرنے آیا کرتی تھی۔ خانزادہ کی کنیزیں تو تاک میں لگی ہی تھیں۔ آفتابی اپنے مطلب کی باتیں اٹھاتی اور ادائیں دکھاتی داروغہ کے پاس آئی اور ابھی اس نے داروغہ سے ہنس ہنس کر دو چار باتیں کی تھیں کہ محل کے اندر سے دس بارہ کنیزیں سپرا باسے نکلیں اور آفتابی کو مکھیوں کی طرح چمٹ گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آفتابی اس اچانک حملے سے گھبرا گئی۔ اس نے کھڑکی بند کرنے کی بہت کوشش کی۔ اگر وہ کھڑکی بند کر دیتی لیکن خانزادہ کی کنیزوں نے اسے اتنا موقع ہی نہیں دیا۔ چار نے اس کی دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔ باقی کنیزوں نے اس کی وہ پٹائی کی کہ بس اللہ دے اور بندہ لے۔

آفتابی چیختی چلاتی رہی اور دہائی دیتی رہی مگر اس کی مدد کو کون آتا۔ دروازے کے دونوں پہرے دار دم دبا کر بھاگ گئے۔ داروغہ بھاگ کر ایک کوٹھری میں گھس گیا اور اندر سے زنجیر چڑھا لی۔ غرض چاندنی نے مار مار کے آفتابی کا بھرکس نکال دیا۔ وہ بے دم ہو گئی اور اس پر غشی طاری ہو گئی۔ تب کہیں جا کر اور پھر اسی طرح لپ چھپ کر تی محل میں گھس گئیں۔

آفتابی دیر تک لہولہان بے ہوش پڑی رہی۔ دیر تک اس کے پاس کوئی نہ آیا۔ پھر یہ ہوا کہ کہیں آفتابی مر نہ جائے۔ آخر کو وہ ملکہ کی کنیز تھی اور کنیز بھی بڑی منہ زور اور منہ پھٹ۔ پہرے دار اس کے پاس آئے۔ آفتابی بھی اس وقت تک ہوش میں آ چکی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پہرے داروں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ اس نے کھڑے ہوتے ہی چاندنی کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

"آفتابی زبان بند کرو۔" ایک پہرے دار نے غصے سے کہا:

"چاندنی واپس آ گئی تو زندہ بچ کر نہ جا سکو گی۔"

"واہ . . . . کیا میرے ہاتھ نہیں۔" آفتابی غرائی "لیکن جب ہاتھ جھٹکا تو درد سے بلبلا اٹھی۔

"اب تو میں بدلہ لے کر رہوں گی۔"

"چپ رہو آفتابی۔" دوسرا پہرے دار بھی بگڑ گیا:

"یہ تمہارا علاقہ نہیں، شہزادی کا محل ہے۔ خاموشی سے چلی جاؤ۔ ورنہ دوسرا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔"

اتنے میں داروغہ بھی کوٹھری سے نکل کر آفتابی کے پاس آ گیا۔ آفتابی اس پر برس پڑی:

"نامرد کہیں کا۔ مجھے پٹتا دیکھتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تو اتنا بزدل ہے۔"

"تُو تو میرے لیے وبالِ جان بن گئی ہے۔"

داروغہ بھی بھرا ہوا آیا تھا:

"مجھے نکلوا کر رہے گی نوکری سے۔ لاکھ بار منع کیا کہ یہاں نہ آیا کر مگر جب دیکھو منہ اٹھائے چلی آ رہی ہے۔ وقت اور موقع تو دیکھنا چاہیے۔"

"تو کیا میں چور ہوں جو چھپ کر آؤں؟" آفتابی اکڑ کر بولی:

"تجھ سے شادی کر رہی ہوں۔ کوئی عیب تو نہیں کر رہی۔ میں آؤں گی۔ ہزار بار آؤں گی۔

یہ ہے، ہمیں اپنی نوکری پیاری ہے۔"

پہرے دار کو تاؤ آ گیا:

"شن لو داروغہ، ہم یہاں نہیں ہونے دیں گے۔ آفتابی نے اب ادھر کا رخ کیا تو اچھا نہ ہوگا۔"

آفتابی نے جب سب کو اپنا مخالف دیکھا تو بھنا کر بولی:

"اب نیچے آؤں گی، نہیں آؤں گی۔ تم پر تھوکنے بھی نہیں آؤں گی۔"

داروغہ کو دیکھتے ہوئے بولی:

"تو تیری وجہ سے آئی تھی۔ تو نے میرا یہ حال کرا دیا۔ اب میں تجھ سے شادی بھی نہیں کروں گی۔"

"ہا . . . . تو شادی نہیں کرے گی تو کیا میں کنوارہ رہ جاؤں گا۔" داروغہ بھی دھاڑا:

"بھی کیا ہے اپنے آپ کو۔ ملکہ کی کنیز نہ ہوتی تو کوئی تجھ سے بات بھی نہ کرتا۔"

"اے اللہ . . . . کیا تو مجھ سے اس وجہ سے شادی کر رہا ہے کہ میں ملکہ کی کنیز ہوں؟ وہ تیری . . . اور وہ سارے سب جھوٹ تھے؟ تو مجھے دھوکہ دے رہا تھا؟"

"کے نام پر داروغہ گھبرا گیا۔ اس نے آفتابی سے وعدے کیے تھے شادی خانہ آبادی کے۔ باتیں کی بہت کی۔ اسے واقعی سخت ابی سے محبت تھی۔ وہ بے ڈول اور بدصورت سہی، اسے آفتابی سے محبت ت تو اس ہو جاتی ہے۔ یہ نہ صورت شکل دیکھتی ہے نہ ذات برادری۔

"بابی!"

"غصہ کا پیارا امڈ آیا:

"معاف کر دے۔ پتہ نہیں غصے میں کیا کیا کہہ گیا؟"

"ابی کی محبت بھی پھوٹ پڑی۔ فوراً بولی:

"اسے مجھے معاف کر دے۔ مجھے نہیں آنا تھا یہاں لیکن . . . . ."

"اس کا مزاج پھر بگڑ گیا۔ سر سہلاتے ہوئے بولی:

"داروغہ، تجھ سے تو میں بدلہ لے کے رہوں گی۔ ملکہ کے سامنے مقدمہ پیش کروں گی۔ پھر امیر کے پاس

داروغہ بڑی دلچسپی سے دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔ ہنس رہے تھے اور ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ آفتابی اسی طرح سر سہلاتی، ہاتھ دباتی، لنگڑاتی اور بڑبڑاتی چلی گئی۔

داروغہ کو زیادہ ہی طول پڑ گیا۔ وہ جب روتی پیٹتی سرائے خانم کے پاس پہنچی تو اسے آفتابی کی ہیئت کذائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔

سرائے خانم نے تسلی دیتے ہوئے پوچھا:

"کس بدبخت نے یہ تیرا حال کیا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ تو ملکہ کی کنیز اور شہزا
کھلائی ہے؟"

"ملکہ عالم۔ کیا کہوں یہ سب آپ کی مہربانیوں اور محبت کی وجہ سے ہوا ہے۔"

آفتابی نے ملکہ کے غصے کو ابھارنے کے لیے نمک مرچ لگا کر کہنا شروع کیا:

"میں آپ کی کنیز ہوں نا اور جب سے شہزادے کی خدمت میرے سپرد ہوئی ہے
کنیزیں مجھ سے جلنے لگی ہیں۔ راہ چلتے چھیڑتی ہیں۔ طعنے دیتی ہیں اور وہ کلموہی چاندنی ا
ذرا ادھر گئی تھی کہ چاندنی پچاس کنیزوں کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑی۔"

"آخر کوئی بات تو ہوئی ہوگی؟"

"ملکہ عالیہ۔ قسم لے لیجیے جو کوئی بات ہوئی ہو۔" آفتابی نے دار و مدار کو بچانے کی کوشش

"میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کب اور کدھر سے آئیں۔ بس ایک دم ہلّہ بول دیا۔ اتنا مار
دو کنیزیں پکڑ کے لائی ہیں مجھے۔ ساری وجہ یہ ہے کہ آپ مجھ پر مہربان کیوں ہیں۔ شہ
کیوں نہیں ملی؟"

"چاندنی کو اس کی سزا ملنی چاہیے۔ آخر کیا سمجھ رکھا ہے اس نے؟" ملکہ کو طیش آ گیا۔

"خان زادہ پر پھولتی ہے وہ؟"

آفتابی نے جلتی پر تیل چھڑکا:

"اسے زعم ہے کہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تبھی تو سینے پر مونگ دلتی ہے"

"اس معاملہ میں خانزادہ بھی ماؤف ہے۔" سرائے خانم نے خود کلامی کے انداز میں کہ

"ہمیں امیر سے بات کرنا ہوگی۔"

"خانزادہ ہی تو اصل جڑ ہے ملکہ عالیہ۔"

آفتابی نے موقع سے فائدہ اٹھایا:

"مجھے دیکھتے ہی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں ان کی۔ آپ کی وجہ سے ان کا بس نہیں چ
دیں مجھے۔"

اب سے پانچ چھ صدی پہلے علم نفسیات کو باقاعدہ علم کا درجہ حاصل نہ تھا۔ ا

اے واقف تھے۔ علم نفسیات خصوصاً انسانی دل و دماغ اور ذہن و فکر پر تحقیق اس دور میں بھی
فی صدیوں میں تو بغیر مزاج شناسی کے بادشاہ کی قربت حاصل کرنا ناممکن سمجھا جاتا تھا.....
ے دور کے لوگوں کی نفسیات سے بھی لوگوں کو گہری دلچسپی تھی۔
ہ کے ایک پرانے دانشور نے کنیزوں اور غلاموں کی نفسیات کے بارے میں ایک بڑی دلچسپ
ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

"زمانہ قدیم سے ہی ان غلاموں اور کنیزوں کو شاہی محلات اور امرا کے گھروں میں
روں کی بہ نسبت زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے جنھیں بچوں اور خاص طور پر شیر خوار بچوں
پرورش پر مامور کیا جاتا تھا۔ بچے ان سے اس قدر مانوس ہو جاتے تھے کہ وہ ایک لمحے
لیے بھی اپنی کھلائی سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے تھے اور اگر ذرا دیر کو ان کی گود بدل جاتی تو
ر قیامت برپا کر دیتے تھے۔ اس بے پناہ انسیت کا سبب معلوم کرنے کے لیے میں نے
ی کھلاڑوں اور غلاموں سے گفتگو کی..... تو یہ عقدہ کھلا کہ ہر دائی اور کھلائی بچے
ے مانوس کرنے کے لیے اسے کسی ایک خاص عادت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ کوئی بچے کو
نے کے لیے دھیمے سروں میں گنگناتی تھی۔ کوئی پیٹھ پہ ہاتھ پھیرتی رہتی تھی اور کوئی بچے کی
یں ایک انگلی سے کھلاتی تھی۔ بچہ آہستہ آہستہ اس کا عادی ہو جاتا اور جب کھلائی کے
ے کسی اور گود میں دیا جاتا تو بے تحاشا رونے لگتا۔ اس کی یہ بے چینی اس وقت تک قائم
جب تک اس کی عادت کے مطابق اسے کھلایا یا سہلایا نہ جائے۔ یہ بات آج بھی موجود ہے
ے گھرانوں کی کھلائیاں اپنے اسی ہتھیار سے بچے کے والدین کو اپنے قابو میں رکھتی ہیں۔"

○

ی شہزادہ شاہ بیگ سے اپنی پرانی گود سے جدا تھا۔ آفتابی کی کل پٹائی ہوئی تھی اس کا
ا تھا اور چلنے پھرنے سے بھی معذور نظر آتی تھی۔ آفتابی کے بجائے چار چار کنیزیں شاہ رخ کی
گرد لگی لیکن ننھے شہزادے نے جو صبح سے رونا شروع کیا تو اب تک دم نہیں لیا تھا۔ کنیزیں لاکھ
ر بدلتیں لیکن شہزادے کو جیسے ہر گود کانٹوں کا بستر محسوس ہوتی۔ اس کا منہ بسورنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ریں ریں کرنا کسی طرح بند نہیں ہو رہا تھا۔

آفتابی کی کوٹھری غلام گردش میں تھی لیکن یہ مکار بار بار کھڑکی سے جھانکتی کنیزوں سے شہزادے کا حال پوچھتی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادہ مسلسل روئے جا رہا ہے، سنبھالے نہیں سنبھل رہا ہے، ہر کنیز سے اسے یہی اطلاع ملتی کہ شہزادے نے نہ تو دوا نہ سویا ہے۔ اس اطلاع سے اسے بڑا سکون ملتا اور وہ دل ہی دل میں مسکراتی اور اسے اپنی احساس ہوتا۔ امیر اور سراے خانم پر اپنی اہمیت جتانا ہی اس کی مکاری کا اصل مقصد تھا

حرم سرا میں قیامت برپا تھی۔ سراے خانم کا منہ فق تھا اور وہ گھبراہٹ گھبراہٹ دوڑ گئی۔ پیش امام اور موذن کو بلا کر دم کرایا گیا لیکن شہزادے کو کسی طور آرام نہ آیا۔ وہ ہوا اجار رہا تھا۔

سراے خانم نے مجبور ہو کر امیر کو اطلاع کرائی۔ امیر تیمور دربار خاص میں اپنے شمال مغربی سرحد پر ایک شورش کے سلسلے میں گفت گو کر رہا تھا۔ دربار خاص میں وہ کسی کی تھا لیکن کنیز نے شہزادے کی بے چینی اور چیخ و پکار کا کچھ اس انداز سے ذکر کیا کہ امیر پڑا۔ وہ فوراً حرم سرا میں داخل ہوا۔ سراے خانم سر جھاڑ منہ پھاڑ اس کے استقبال کو موجود تیز قدم اٹھاتا ہوا شہزادے کے کمرے میں پہنچ گیا۔

شہزادے کے بلک بلک کر رونے سے تیمور بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً طبیب نے شہزادے کا معائنہ کیا۔ پھر غور و فکر کے بعد بولا:

"امیر عالی مقام۔ خدا کے فضل سے شہزادے کو کوئی بیماری نہیں۔ نبض بالکل ٹھیک میں کچھ تیزی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے شہزادے بہادر کسی طرح کی بے چینی محسوس کر کہ اس کا سبب کوئی خوف ہو یا شہزادے نے کسی چیز کو دیکھ کر ڈر گئے ہوں۔ شہزادے کی خد روشنی ڈال سکے گی۔ اسے طلب کیا جائے۔ میں خود اس سے دریافت کروں گا۔"

طبیب کی زبان سے نکلتے ہی وہ چار کنیزیں جو آفتابی کی جگہ مامور کی گئی تھیں آ گئیں۔ طبیب نے ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پوچھا:

"تم میں سے کس کنیز کا زیادہ وقت شہزادے کے پاس گزرتا ہے؟"

کنیزیں اس کا کیا جواب دیتیں۔ انہیں تو اس خدمت پر چند گھنٹے پہلے ہی مامور کے بجائے وہ پریشان ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

سراے خانم چلمن کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اس نے شاہی آداب کا لحاظ نہ کرتے ہوئے وہیں سے جواب دیا:

"طبیب سے کہہ دیا جائے کہ شہزادے کی خدمت گار کنیزیں نئی ہیں۔ انہیں شہزادے بارے کا کوئی علم نہیں۔"

طبیب کے کان میں مکھی کی آواز آئی تو اس نے بھی شاہی آداب بالائے طاق رکھ دیے اور بولا:

"حکیمانہ سے دریافت کیا جائے کہ شہزادے کی یہ حالت کب سے ہے؟"

"صبح سے۔"

"خدمت گار کنیز کب سے غیر حاضر ہے؟"

"صبح سے۔"

"کیا شہزادہ کنیز کی موجودگی میں بالکل ٹھیک تھا؟"

"طبیب کا خیال درست ہے۔ کنیز کے جاتے ہی شہزادے کی یہ حالت ہو گئی۔"

سراے خانم اور طبیب میں براہ راست اور بالواسطہ سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیمور بڑے غور اور خاموشی سے سنتا رہا۔ یہ گفت گو شاہی اصول و آداب کے خلاف تھی لیکن تیمور نے دخل نہیں دیا۔ اس گفت گو سے امیر کو پتا چلا کہ شاہ رخ کی دیکھ بھال پر سراے خانم نے اپنی خاص کنیز کو لگایا تھا۔ وہ کنیز کا نام نہیں جانتا تھا اس نے دیکھا ضرور تھا۔

امیر تیمور اس کنیز کے بارے میں سراے خانم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اسی وقت اس کا سوال طبیب کے منہ پر یہ نے تیمور سے درخواست کی:

"عالی مقام! صرف چند لمحوں کے لیے شہزادے کی کنیز کو طلب کیا جائے۔ وہ صبح سے شہزادے کے پاس موجود تھی۔ اس قدر بیمار نہیں ہو سکتی کہ بستر سے اٹھ کر یہاں تک نہ آ سکے۔ اس کا بلوانا بہت ضروری ہے۔"

امیر تیمور نے چلمن کی طرف رخ کر کے حکم دیا:

"شاہ رخ کی کنیز، جس حالت میں ہو اسے حاضر کیا جائے۔"

سراے خانم نے فوراً کئی کنیزیں آفتابی کو بلوانے اور لانے کے لیے ایک ساتھ بھیج دیں۔

آفتابی نے بھی اپنی معتمد و کنیزیں جاسوسی کے لیے لگا رکھی تھیں۔ امیر نے جیسے ہی اس کو بلوانے کا حکم دیا، اس کنیز فوراً بھاگ کر اس کے پاس پہنچی اور اس کی طلبی کی خبر سنا دی۔ آفتابی کو کوٹھری کی کھڑکی سے لگی اطلاع ملتے ہی وہ فوراً بستر پر بیماروں کی طرح دراز ہو گئی اور ہائے ہائے کرنے لگی۔

دوسرے لمحے کوٹھری کے دروازے پر دستک ہوئی۔ آفتابی نے نحیف آواز بنا کر دستک دینے والی کو اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلایا۔ یہ سرائے خانم کی ایک اور کنیز تھی۔ اس نے آتے ہی امیر کے حکم سے اسے آگاہ کیا اور فوراً اس کو کہا۔

"امیر کا حکم ہے تو جانا ہی پڑے گا۔" آغا بی نے کراہتے ہوئے کہا۔ پھر لنگڑاتی ہوئی کنیز کے ساتھ

آغا بی امیر کے سامنے پہنچی تو اس نے سر پیٹ لیا، ہاتھ پر پٹی اور پتہ نہیں کتنی پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ اسے سہارا دیے ہوئے تھیں۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ امیر حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

طبیب نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا:

"تم کیسی کھلاڑی ہو کہ شہزادے کو روتا چھوڑ کر چلی گئیں؟"

"اے صاحب! بھلا میں شہزادے کو روتا چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی۔"

آغا بی نے بڑے کرارے لہجے میں طبیب کی بات کی تردید کی:

"شہزادے بہادر تو رونا جانتے ہی نہیں۔ حکمِ عالیہ سے دریافت کر لیجیے۔ انہوں نے کبھی شہزادے کی آواز سنی ہے۔ میں تو انہیں ہنستا کھیلتا چھوڑ گئی تھی۔"

اسی وقت چلمن کے پیچھے سے شہزادے کے رونے کی آواز آئی۔ سرائے خانم نے اسے اندر سنگوا لیا۔ سے چمٹائے بیٹھی تھی۔ شہزادے کا رونا تو چند لمحوں کے لیے کم ہوا تھا لیکن منہ برابر بسورے جا رہا تھا۔ پھر رونے کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلا۔

طبیب بڑے غور سے آغا بی کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ اس نے آغا بی سے کہا:

"کیا تم اتنی بیمار ہو کہ شہزادے کو گود میں نہیں لے سکتیں؟"

"کیوں نہیں جی۔"

آغا بی مکاری بھول کے فوراً بولی:

"شہزادے تو میری جان ہیں۔ جگر ہیں۔"

آغا بی دو کنیزوں کے سہارے کھڑی تھی۔ انہیں تھا سے دھکا دیا اور ڈگ بھرتی چلمن کی طرف بڑھی اس طرح بڑھ رہا تھا جیسے کوئی اسے سوئیاں چبھو رہا ہو۔

آغا بی نے اندر پہنچ کر:

"ہائے میرے شہزادے" کہتے ہوئے شہزادے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ شہزادہ شاہ رخ آغا بی سے پہنچ کر اسی طرح چپ ہو گیا جیسے اس کے جسم کی تمام سوئیاں نکال کر کسی نے مرہم لگا دیا ہو۔ آغا بی اسے جھولا جھلا رہی تھی اور شہزادہ چپ چاپ ہچکولے کھا رہا تھا۔

کنیزیں دم بخود آغا بی کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں تو شہزادہ پارے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آغا بی کے ہاتھوں میں جانے کیا جادو تھا کہ شہزادہ بالکل گونگا ہو گیا۔ اس کی ایک معمولی سی سسکی بھی نہیں نکلی۔

آغا بی اسی طرح شہزادے کو کھلاتی چلمن کے باہر آئی۔

امیر تیمور اور کنیزوں نے اسے تعجب سے دیکھا۔ ایک تو شہزادہ بالکل خاموش تھا، دوسرے آغا بی کے پیروں کی لڑکھڑاہٹ دور ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر پہلے جیسی مردنی نہیں تھی اور وہ تندرست دکھائی دے رہی تھی۔

امیر کا طبیب واحد شخص تھا جسے شہزادے اور کنیز کی حالت تبدیل ہونے پر کوئی تعجب نہیں تھا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ شہزادے کا رونا صرف اپنی کھلاڑی کی عدم موجودگی کے سبب تھا۔ جس گود میں وہ کھیلتا تھا اس کے تبدیل ہونے سے اس میں بے چینی پیدا ہونا ضروری تھا۔ طبیب کو یہ بھی یقین ہو گیا کہ شہزادے کی کنیز اس قدر بیمار نہیں ہے جتنا وہ ظاہر کر رہی تھی بلکہ اس نے اپنے اوپر مکاری کا غلاف اوڑھ رکھا تھا۔

طبیب نے سب کچھ سمجھنے کے باوجود اس مسئلے پر تبصرہ کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ وہ ملاقاتی سازشوں سے خوب واقف تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ حرم کی کنیز اور شہزادے کی کھلاڑی کی مخالفت مول لے کر کسی مصیبت سے دوچار ہو۔ چند لمحوں بعد اس نے سکوت توڑتے ہوئے کہا:

"امیرِ عالی مقام! غلام کو جانے کی اجازت دی جائے۔"

تیمور خیالات سے چونکا، بولا:

"شہزادے کو سکون تو مل گیا ہے مگر ممکن ہے کہ یہ وقتی سکون ہو۔ طبیب کچھ دیر اور انتظار کریں۔"

"حکم ملا ہے تو میں کیا عذر کر سکتا ہوں۔"

طبیب دبے لب مسکرایا:

"ورنہ شہزادے کا مرض دور ہو چکا ہے۔ شہزادہ اپنی کھلاڑی کو نہ پا کر مضطرب ہو گیا تھا۔ یہی سبب اس کے رونے کا تھا۔ کنیز کو حکم دیا جائے کہ وہ شہزادے سے جدا نہ ہو ورنہ شہزادہ پھر نفسیاتی بے چینی میں مبتلا ہو جائے گا۔"

آغا بی کا سر غرور سے اکڑ گیا۔

تمغا ہوئی تو امیر تیمور نے کہا:

"سرائے خانم! شہزادے کا خاص خیال رکھا کرو۔ شاہ رخ تمہاری کنیز سے بہت مانوس ہو گیا ہے۔ کسی بری طرح کنیز کو ایک لمحے کے لیے اس کے پاس سے نہ ہٹنے دیا جائے۔"

"اے امیر! اس میں نہ میری غفلت کا دخل ہے اور نہ کنیز کی خطا ہے۔" سرائے خانم کی آواز سے غصہ چھلکا، "وہ بے چاری اپنی کوٹھڑی میں نہ جاتی تو کیا کرتی۔ اس کی تو مار مار کر ہڈیاں پسلیاں توڑ دی گئی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا کہا؟"

تیمور نے چونک کر پوچھا: "کس نے مارا ہے اسے؟"

"کیا عرض کروں امیر!" سرائے خانم افسردگی سے بولی:

"زبان کھولوں گی تو امیر سمجھیں گے کہ میں شکایت کر رہی ہوں۔ سوتیلی کا جو داغ ہے میری پیشانی پر...."

"سرائے خانم!"

امیر تیمور کو جلال آ گیا:

"ہمیں سوتیلے سگے کے جھگڑے چکانے کا وقت نہیں۔ جو پوچھا گیا ہے اس کا جواب دیا جائے اور.... جواب مختصر ہو۔"

"خانزادہ کی کنیز چاندنی نے پچاس کنیزوں کے ساتھ آفتابی کو گھیر کر مارا ہے۔" سرائے خانم اپنا غصہ دباتے ہوئے بولی:

"یہ صرف امیر کے سوال کا جواب ہے۔ میں شکوہ یا شکایت نہیں کر رہی ہوں۔"

"جھگڑے کی بنا کیا تھی؟" امیر نے تحقیقات شروع کر دی۔

"میں بات کو بڑھانا نہیں چاہتی امیر!"

سرائے خانم اب سنبھل چکی تھی، اس نے اطمینان سے کہا:

"آفتابی مار کھا کر سیدھی میرے پاس آئی تھی۔ میں نے اس بات کی تحقیق کر لی ہے۔ آفتابی کو واقعی مار گیا ہے اس کو مارنے والی تمام کنیزوں کا تعلق خانزادہ کے محل سے ہے۔ اس کے بعد میں نے بات کو وہیں ختم کر دیا۔"

"ہمیں کیوں نہیں اطلاع دی گئی؟" امیر تیمور نے فوراً اس کی بات پکڑ لی۔

سرائے خانم ذہین اور سمجھدار تھی، فوراً بولی:

"میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ایک معمولی بات کو شاہ تاتار کے کانوں تک پہنچا کر ان کی اہم معروفیات میں مخل ہوں۔"

"لیکن ہم ایسی باتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔" تیمور تیوریاں چڑھا کر بولا:

"ہم شاہی محلات میں اس قسم کی بے ہودگیاں پسند نہیں کرتے۔ کل مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہو۔ مزید ہوئی تو ہم خانزادہ کو بھی طلب کر لیں گے۔"

"میں شاہ تاتار سے درگزر کرنے کی درخواست کرتی ہوں۔" سرائے خانم اوپری دل سے بولی:

"میں نے آفتابی سے کہہ دیا ہے کہ وہ اس واقعہ کی تشہیر اور تشریح نہ کرے۔ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ کنیز ہونے کے

باوجود سلطنت کی بیوی ایک فریق کی حیثیت میں پیش ہو۔ یہ شاہی خاندان کی بیگمات کے وقار، مرتبے اور شان کے خلاف ہے۔"

امیر تیمور نے اس کی ایک نہ سنی اور جب سرائے خانم کے پاس سے اٹھا تو حکم دیا:

"خانزادہ کو اطلاع دی جائے کہ وہ اپنی کنیز چاندنی اور دوسری ان تمام کنیزوں کو ہمارے سامنے پیش کرے جنہوں نے آفتابی کو مارنے میں حصہ لیا ہے۔"

○

یہ خبر جب خانزادہ کے محل میں پہنچی تو وہاں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ ہر کنیز کو اپنی موت نظر آنے لگی۔ سب چاندنی کو ملامت کرنے لگیں۔ شہزادی خانزادہ بھی پریشان ہو گئی۔

سرائے خانم نے اپنے طور پر امیر کو اس جھگڑے کی تفصیل بڑی احتیاط سے بتائی تھی تاکہ خانزادہ پر الزام نہ آئے لیکن خانزادہ کو اس کی کنیزوں نے آ کر بتایا کہ سرائے خانم نے امیر کے کان بھرے ہیں اور وہ سخت برہم ہیں۔ اس معاملے میں وہ خود کو سرائے خانم سے پہلے ہی کمتر سمجھتی تھی۔ اب اسے خطرہ ہوا کہ وہ کہیں امیر کی نظروں سے نہ گر جائے۔

"کم بخت! میں نے یہ کب کہا تھا کہ تو آفتابی کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دے۔" خانزادہ نے چاندنی کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

"کل تیرا جو حشر ہو گا سو ہو گا لیکن امیر کی نظروں میں، میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاؤں گی۔"

"شہزادی بیگم! آپ تو یونہی ڈری جا رہی ہیں۔" چاندنی بڑی بے خوفی سے بولی:

"میں نے اور میری ساتھیوں نے آفتابی کی مرمت کی ہے۔ سب کی طرف سے میں امیر کو جواب دوں گی۔"

شہزادی نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔ پوچھا:

"آخر تو امیر سے کیا کہے گی؟ مجھے بھی تو بتا۔"

"اس بات کا مزہ تو آپ کو کل ہی آئے گا۔" چاندنی مسکرا کر بولی:

"لیکن آپ کا حکم ہے تو بتائے دیتی ہوں۔ جب امیر مجھ سے پوچھیں گے کہ تو نے آفتابی کو کیوں مارا تو امیر سے کہوں گی کہ اے شاہ تاتار! آپ آفتابی سے دریافت فرمائیں کہ یہ ہمارے محل کے صدر دروازے پر کیا کرتی تھی اور جس وقت ہم نے اس کی پٹائی کی تو یہ کس کے قریب بیٹھی تھی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کچھ سوچنے کے بعد بولی:

"چاندنی، بلا تو تُو نے بڑے پتے کی کہی ہے مگر آغاقی بڑی چالاک ہے۔ اگر وہ کہہ دے کہ رام کے پاس کسی کا پیغام لے کر گئی تھی، پھر تو کیا کرے گی؟"

"شہزادی صاحبہ! آغاقی کو یہ جواب سوچے گا ہی نہیں۔" چاندنی نے جواب دیا:

"اور اگر اس نے یہی جواب دیا تو میں داروغہ کے تمام ساتھیوں کو پیش کر دوں گی جو امیر کے گواہی دیں گے کہ آغاقی روزانہ داروغہ سے ملنے آتی ہے اور دونوں گھنٹوں ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔ آغاقی کو سولی پر چڑھوا دے گی۔"

"خدا کرے ایسا ہو۔"

شہزادی نے اطمینان کا سانس لیا:

"مگر دیکھ چاندنی! میرا نام اس جھگڑے میں بالکل نہ آنے پائے۔ تمام کنیزوں کو اچھی طرح سمجھا دے۔"

دوسری کنیزیں غور سے چاندنی کی باتیں سن رہی تھیں۔ شہزادی کو مطمئن دیکھ کر انہیں بھی کچھ اطمینان ہوا۔ کاشغر کچھ کم ہو گیا۔

○

جس وقت خانزادہ کے باپ آقا صوفی نے امیر تیمور کے سامنے ہتھیار ڈال کر قلعہ کی چابیاں تیمور کی تھیں، اس وقت خوارزم والوں کو اپنی شکست کے باوجود یہ طمانیت تھی کہ خوارزم کی حکومت انہی کے ہاتھوں میں رہے گی کیونکہ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ خوارزم کی شہزادی خانزادہ کی شادی امیر تیمور کے بیٹے جہانگیر سے ہو گی۔ اس پر عمل بھی کیا اور خانزادہ کو بھوبنا کر سمرقند لے آیا۔

شہزادہ جہانگیر چونکہ ولی عہد سلطنت تھا اس لیے خوارزم کے سرداروں اور امیروں کو امید تھی کہ جہانگیر اور اولاد و ملک تتار کے تخت و تاج کی وارث ہو گی۔ اس طرح خانزادہ سے رشتہ داری کے ناتے وہ حکومت میں حصہ ان کا یہ خیال ایک حد تک درست بھی تھا کیونکہ تیمور کے بعد جہانگیر اور اس کے بعد اس کی اولاد ہی کو وراثت میں اولیت حاصل ہوتی لیکن نہ تو قدرت کے معاملوں میں کوئی دخل دے سکتا ہے اور نہ شخصی حکومتوں میں کی پابندی ممکن ہے۔ بادشاہت میں تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل ہوا کرتا تھا۔ ادھر اب تک جہانگیر کے

نہیں ہوئی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ خوارزم کے سرداروں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔

خوارزم کا صدر مقام اور گنج، سمرقند سے کافی فاصلے پر تھا۔ راستے میں سرخ ریگستان کا ناقابل عبور خطہ تھا آمد و رفت کی بھی صعوبتیں تھیں۔ پھر خوارزم کے ترکمان بڑے مغرور، خود سر اور شورہ پشت واقع ہوئے تھے۔ ان کا قبیلہ چار اقوام تاتاریوں میں سب سے بڑا قبیلہ تھا اور ترکمان سواروں کی تعداد بھی سب سے زیادہ تھی۔

ایسی ہی کچھ باتیں تھیں جنہوں نے خوارزم کے ترکمانوں کو ایک بار پھر تیمور کے سامنے کھڑا کر دیا۔ آقا صوفی نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ سرکشی اور شورش سے باز نہ آئے۔ آقا صوفی نے مجبور ہو کر چند سرداروں کو گرفتار کر لیا۔ اس سے خوارزم میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور آقا صوفی کو قلعہ بند ہو کر اپنی مدافعت کرنا پڑی۔ آقا نے قاصد کے ذریعے امیر تیمور کو اطلاع دی اور مدد کی درخواست کی۔

تیمور اس طرح کی بغاوتوں سے بہت چڑا کرتا تھا۔ اس نے فوراً لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لشکر کو شہزادے جہانگیر کی کمان میں روانہ کرے گا کیونکہ خوارزم کا علاقہ اس نے جہانگیر کو جاگیر کے طور پر دے دیا تھا اور اس کا رسمی طور پر اعلان بھی ہو گیا تھا۔

ابھی یہ لشکر روانہ نہ ہو پایا تھا کہ خوارزم کا ایک اور قاصد سمرقند پہنچا۔ اس نے بتایا کہ صدر مقام اور گنج کے قلعہ پر باغی سرداروں کا دباؤ بڑھ گیا ہے اور اگر کوئی مدد نہ پہنچی تو نہ معلوم کیا ہو جائے۔

تیمور ابھی کوئی اور فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ خوارزم سے قاصدوں کے آنے کا تانتا بندھ گیا۔ روز ایک قاصد سمرقند پہنچتا اور مدد کی درخواست کرتا۔ آقا صوفی نے تو یہاں تک کہلوایا تھا کہ اگر امیر خود لشکر لے کر تشریف نہ لائے تو قلعہ ان سے نکل جائے گا۔

تیمور کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ خود اور گنج جا کر باغیوں کا قلع قمع کرے۔ تیمور نے سمرقند کی حکومت فرزند جہانگیر کے حوالے کی اور ایک زبردست لشکر لے کر اور گنج کی طرف چلا۔

امیر تیمور نے اور گنج کی مہم پر جانے کا اعلان اس شب کو کیا جس کی صبح کو اس کے سامنے آغاقی کا مقدمہ پیش ہونا تھا۔ اس طرح عمل میں کسی اور کو خوشی ہوئی ہو یا نہ لیکن خانزادہ کی کنیزیں امیر تیمور کے خوارزم چلے جانے سے بہت خوش ہوئیں۔ چاندنی نے انہیں اطمینان تو دلا دیا تھا کہ وہ انہیں امیر تیمور کے عتاب سے بچا لے گی لیکن وہ بہت خوف زدہ تھیں اور امیر تیمور کے جانے سے کچھ دنوں کے لیے ٹل گیا تھا۔

خوارزم جانے والا راستہ بڑا دشوار گزار تھا لیکن امیر تیمور ان راستوں کا کامیاب عادی ہو گیا تھا۔ اس نے الموت کا راستہ پہلے بھی دو بار عبور کیا تھا۔ ایک بار تو اپنی جد و جہد کے آغاز میں جب اس کے پاس ایک مریل گھوڑا اور ایک کمزور اونٹ تھا۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ گھوڑے پر اس نے اپنی وفادار بیوی الجائی اور ننھے جہانگیر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بٹھایا تھا اور خود اونٹ کی مہار پکڑے پیدل چل رہا تھا۔

دوسری بار اس نے خوارزم کا یہ راستہ تاتاریوں کے امیر کی حیثیت سے طے کیا تھا اور خوارزم اس کے قدموں میں آگیا تھا۔ اب تیمور نے خوارزم جانے کے کچھ آسان راستے بھی دریافت کر لیے تھے اور انہی راستوں سے وہ اپنے لشکر کو لیے جا رہا تھا۔

امیر تیمور ابھی اترگنج سے ایک منزل دور تھا کہ خوارزم کے باغی جی چھوڑ بیٹھے۔ وہ تیمور کی آمد سے گھبرائے کہ قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔

تیمور کو ان پر سخت غصہ تھا۔ اس نے اترگنج پہنچتے ہی باغیوں پر حملہ کر دیا۔ امیر کا لشکر تھکا ماندہ تھا اور وہ دفاعی جنگ لڑ رہے تھے لیکن تیمور کا عزم جوان تھا۔ اس میں جذبہ و جوش تھا۔ لشکر کو اس پر کامل اعتماد تھا۔ باغی پہلے ہی حملے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ تیمور نے باغیوں کا خوارزم کی سرحد تک تعاقب کیا۔ جنگلوں میں مار بھگایا۔

ترکمانوں کے کئی سردار گرفتار کر لیے گئے جنہیں تیمور اپنے ساتھ سمرقند لے آیا۔ تیمور نے سمرقند واپس آ کر قلعے کی فصیلوں کو اور مضبوط کیا اور آق صوفی کی مدد کے لیے ایک لشکر چھوڑ دیا۔

امیر تیمور کی یہ مہم مختصر تھی۔ ترکمانوں نے صرف ایک ہی ہلہ جم کر مقابلہ کیا تھا پھر جس تیمور کو سمرقند واپس آنے میں ایک ماہ لگ گیا۔ پھر جب تیمور رفیع کے ڈیکنے بجاتا سمرقند واپس آیا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ وہ کئی سرداروں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کا اثر سمرقند والوں پر اچھا پڑا۔ استقبال کرنے والوں میں بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ انہوں نے خوارزم کے سرداروں کو پابہ زنجیر دیکھا تو ان پر رعب پڑا۔ جغتائی قبیلہ کا بڑا سردار امیر حسین بھی تھا۔ اس کے حشر کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ اگر انہوں نے کبھی تیمور کے خلاف تلوار اٹھائی تو ان کا بھی یہی انجام ہوگا۔

ترکمان سرداروں میں بعض سردار خانزادہ کے بہت قریبی رشتے دار تھے لیکن تیمور نے ان سے کوئی رعایت نہ کی۔ انہیں عام قیدیوں کی طرح طوق و سلاسل پہنا دیا گیا۔

تیموری سرداروں نے سمرقند کی سرحد پر اس کا شاندار استقبال کیا اور جلوس کی شکل میں شہر کے دروازے تک اس کے ساتھ آئے۔ شہر دروازے پر شاہی خاندان کے سبھی لوگ درجہ بدرجہ کھڑے تھے۔ خاندان کی خواتین، جہانگیر، سرائے خانم سب نے اس کا پُرجوش استقبال کیا۔ محلات کی کنیزیں اور غلام طلائی سکے نچھاور کر رہے تھے۔ تماشے پیٹے جا رہے تھے۔ ہر طرف خوشی کا ایک عجب سماں تھا لیکن تیمور کی بے چین نگاہیں استقبال کرنے والوں میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

اسے خانزادہ نظر نہ آئی تو اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

وہ گھوڑے سے اترا اور بڑی برہمی سے جہانگیر کو مخاطب کیا:

"شہزادی نظر نہیں آتی جہانگیر!"

جہانگیر نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر نظریں جھکا لیں۔

"جواب دو جہانگیر۔"

تیمور کا مزاج بگڑ گیا:

"کیا اسے صدمہ ہے کہ ہم نے خوارزمیوں کی سرکشی کو کیوں ختم کیا؟"

"یہ بات نہیں، ابا حضور!" شہزادہ گھبرا کر بولا۔ لیکن وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے خانزادہ کی عدم شرکت کا کوئی جواز پیش نہیں کیا۔

"شہزادے!" تیمور گرجا۔

"جاؤ اور خانزادہ سے کہہ دو کہ باغی ہماری نظر میں صرف باغی ہے خواہ وہ ہمارا بیٹا جہانگیر کیوں نہ ہو۔ اسے یہ بھی اطلاع دے دو کہ ہم اس کے تمام باغی رشتے دار قید کر کے لائے ہیں کل انہیں قتل کیا جائے گا۔ اور خانزادہ یہ منظر دیکھنے کے لیے موجود ہو گی۔ یہ ہمارا حکم ہے۔"

تیمور کو اس قدر غصہ آگیا تھا کہ اس نے کسی اور سے بات نہیں کی اور اندر کی طرف چلا۔ وہ دو سیڑھیاں طے کر پایا تھا کہ کسی طرف سے آواز آئی:

"عالی جاہ۔ کنیز کو عرضِ حال کی اجازت دی جائے۔"

تیمور نے پلٹ کر دیکھا۔ خانزادہ کی کنیز چاندنی سر جھکائے کھڑی تھی۔ تیمور نے اسے گھور کے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کی لیکن محلات میں تو بے شمار کنیزیں تھیں۔ وہ کس کس کو پہچانتا۔ سرائے خانم نے یہ موقع غنیمت جانا اور بڑھ کے مگر مؤدبانہ انداز میں کہا:

"اے امیر۔ یہ خانزادہ کی کنیزِ خاص چاندنی ہے۔"

"اوہ۔ تو یہ ہے وہ چاندنی جس نے شاہ رخ کی کھلائی کو پیٹا تھا؟" تیمور سیڑھیوں پر گھوم کر کھڑا ہو گیا۔

"اے شاہِ تاتار۔ میرا مقدمہ ابھی تک آپ کے حضور پیش نہیں ہوا۔ میں اپنی صفائی پیش کرنے کو تیار ہوں لیکن....."

چاندنی ایک طویل سانس لے کر بڑی جرأت سے بولی:

"لیکن اس وقت شہزادی خوارزم کی صفائی پیش کرنا چاہتی ہوں۔"

"گستاخ کنیز۔" تیمور کی برہمی انتہا کو پہنچ گئی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو نے ہمارے قدم روکے ہیں۔ بغیر اجازت کے ہمیں مخاطب کرنے کی گستاخی کی ہے۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ تیری زبان تراش دی جائے تاکہ آئندہ کوئی تمہارے سامنے اس طرح گستاخی نہ کر سکے۔"

"کنیز، شاہِ تاتار کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتی ہے۔"

چاندنی نے جیسے سر پہ کفن باندھ لیا تھا:

"لیکن زبان کے تراشے جانے سے پہلے کنیز وہ بات کہہ دینا چاہتی ہے جس کے اظہار سے زبانیں جھجکتے ہیں۔ اے امیرِ عالی مقام! آپ کی بہو اور ولی عہد بہادر کی شریکِ حیات شہزادی خوارزم سخت شدید بیماری ہے۔ بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ بستر سے اٹھ کر شاہِ محترم کے استقبال کر سکیں۔"

شہزادی کی بیماری کی خبر سے امیر تیمور کا غصہ یک دم ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے پہلے شہزادے کو اور پھر مرائے خانم کو گھورتے ہوئے بولا:

"مرائے خانم! ہم یہ کیا سن رہے ہیں؟"

"امیرِ محترم!" مرائے خانم گھبرا کر بولی:

"یقین کیجیے کہ مجھے شہزادی کی بیماری کی مطلق خبر نہیں۔ شہزادی پہلے شاہ رخ کو دیکھنے آیا کرتی تھیں مہم پر جانے کے بعد انہوں نے میرے محل میں آنا چھوڑ دیا ہے۔ پھر بھی اگر مجھے شہزادی کی بیماری کی اطلاع انہیں ضرور دیکھنے جاتی۔"

شہزادی نے اپنی بیماری پر خود پردہ ڈال رکھا تھا۔ اس نے تمام کنیزوں کو خبردار کر دیا تھا کہ اس کے بارے میں ملکہ کے محل تک کوئی اطلاع نہ جانے پائے۔ شہزادے جہانگیر کو بھی اس نے تاکید کر دی امیر کی واپسی کے وقت انہیں بیماری کی اطلاع نہ دے۔

دراصل اس نے ایک خاص مصلحت کی بنا پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب امیر کو اس کی بیماری کی اطلاع کسی سے ملے گی اور وہ اسے دیکھنے آئے گا تو وہ خود اس راز پر سے پردہ اٹھائے گی لیکن امیر نے خاتون کی عدم موجودگی کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور فوراً تحقیقات شروع کر دی۔ شہزادے سے سوال تذبذب میں پڑ گیا لیکن چاندنی نے بات بگڑتے دیکھی تو شہزادہ کی صفائی پیش کی۔

مرائے خانم۔" امیر نے ترش لہجے میں کہا:

"ہمیں تمہاری بے خبری اور شہزادی کی طرف سے عدم توجہی پر افسوس ہے۔ کم از کم تم ہمیں ضرور اطلاع اس حالت میں جبکہ شہزادی شدید علیل ہے۔"

"امیرِ محترم۔ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔" مرائے خانم نے تکدر سے گریہ کیا:

"جہاں تک امیر کو اطلاع دینے کا تعلق ہے تو اس کے لیے عرض ہے کہ اگر میں بیماری سے باخبر بھی ہوتی تو بھی آپ تک نہ پہنچنے دیتی، کیونکہ امیر کا یہ عام حکم ہے کہ کسی مہم کے دوران انہیں کوئی بھی ایسی خبر نہ دی جائے جس سے ان کا ذہن کسی انتشار میں مبتلا ہو جائے۔"

تیمور نے واقعی یہ سخت حکم دے رکھا تھا کہ جنگ کے دوران اگر اس کا کوئی قریبی عزیز بھی انتقال کر جائے تو اس کی اطلاع نہ دی جائے۔ چنانچہ جس وقت وہ شمال کے جنگلوں کے مقابلے میں پیاسا ہو کر شہر سمرقند پہنچا تو اسے پہلی بار اس کی چہیتی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ البتہ کنیز کی بیماری اور وفات کی اطلاع امیر تیمور کو نہیں بھیجی گئی تھی۔

اب امیر تیمور نے پھر چاندنی کی طرف دیکھا اور حکم دیا:

"جا اور اپنی شہزادی کو اطلاع دے کہ ہم سب سے پہلے اس کے محل میں عیادت کے لیے آ رہے ہیں۔"

چاندنی خوش ہو کر آداب بجا لائی۔ پھر فوراً بولی:

"کنیز امید رکھتی ہے کہ شاہِ تاتار اپنے پہلے حکم پر لشکرِ تاتار فرمائیں گے۔"

تیمور مسکرا دیا۔ بولا:

"چاندنی! تو اپنی شہزادی سے زیادہ حاضر جواب ہے۔ ہم نے تیرا قصور معاف کیا۔ شہزادی کو اطلاع پہنچا دے۔"

شہزادی خوارزم کی حاضر جوابی تمام مخلوقات میں مشہور تھی۔ وہ امیر تیمور کو بھی فوراً جواب دے دیتی تھی اور تیمور کبھی کبھی اس کی شوخ گفتاری کو نظر انداز کر دیتا تھا۔

امیر تیمور شہزادے جہانگیر اور مرائے خانم کو ساتھ لیے خانزادہ کی خواب گاہ پر پہنچا۔ دعا اس کی منظر خواب گاہ کے دروازے پر پڑی۔ وہاں طلائی حروف میں لکھا ہوا ایک طغرا آویزاں تھا۔ اس نے دروازے میں قدم رکھا تو کچھ عجیب قسم کی بھینی بھینی خوشبو محسوس ہوئی۔ خانزادہ کی کنیزیں اس کی مہری کو گھیرے ہوئے تھیں۔ کچھ عمر رسیدہ خواتین بھی خواب گاہ میں تھیں۔

شہزادی مہری سے سر ٹیکے، آنکھوں کے سامنے آستین بند کیے بیٹھی تھی۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر غلافت کی ہلکی سی پلاہٹ کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی۔ بال کھلے تھے اور دوپٹہ ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔

امیر کو اندر آتے دیکھ کر سراسیمہ کھڑی چاندنی نے فوراً شہزادی کے بکھرے بال سمیٹے۔ دوپٹہ درست کیا اور منہ سے اس کے کان میں کہا:

"شاہِ تاتار خواب گاہ میں داخل ہو چکے ہیں۔"

شہزادی نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ سلام کے لیے ہاتھ اٹھایا اور اسی طرح کسمساتی جیسے تعظیم کے لیے اٹھنا چاہتی ہو۔ شہزادی کی نقاہت اس کی بیماری ظاہر کر رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیمور نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اٹھنے سے منع کیا:

"اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ تم بہت کمزور معلوم ہو رہی ہو۔"

شہزادی کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔

"کس کا علاج ہو رہا ہے شہزادے؟" تیمور نے جہانگیر کی طرف گھومتے ہوئے پوچھا۔

"جی..... وہ..... اباحضور..... دراصل....." شہزادے کی سمجھ میں نہ آرہا تھا جواب دے۔

اسی وقت شہزادی نے زور کی سانس لی۔ پھر اسے اچھو ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا جی اوتے ہو جائے گا۔ کنیزیں ادھر اُدھر بھاگیں اور چاندی کے آفتابے اور اگالدان لے آئیں۔

سرائے خانم کی نظر مغل خانزادہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا دل زور زور سے دھک دھک اسے شہزادی کی بیماری کا علم ہو چکا تھا۔

"سرائے خانم!" امیر فکرمند ہو کر بولا:

"شہزادی تو بہت بیمار معلوم ہوتی ہے۔"

سرائے خانم نے امیر کے کانوں کے پاس منہ لے جا کر کہا:

"مبارک ہو امیر۔ خانزادہ کی گود ہری ہونے والی ہے۔"

امیر تیمور اس انکشاف پر اچھل پڑا۔ جب سے شہزادہ شاہ رخ پیدا ہوا تھا، امیر تیمور کو جہانگیر دامن گیر تھا۔ وہ اس وقت خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا۔

"شہزادی بیٹی!" تیمور جذبات سے بے قابو ہو گیا:

"ہم بے حد خوش ہوئے ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ....."

"شاہِ تاتار۔" خانزادہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ وہ اپنی روایتی شوخی سے بولی:

"خدا کا شکر ادا کرنے کا بہتر بن طریقہ یہ ہے کہ اس کی راہ میں صدقہ دیا جائے اور خیرات بانٹی جائے کی ضرورت پوری کی جائے۔ مصیبت زدوں کو مصیبت سے نجات ملے۔"

"یہ سب کچھ ہوگا شہزادی بیٹی۔"

تیمور مسرت سے کھلا جا رہا تھا:

"اس کے علاوہ بھی کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ ہم تمہاری ہر آرزو پوری کریں گے۔"

شہزادی کی ہمت بندھی۔ اس نے فوراً کہا:

"اے امیر! فاتح کو چاہیے کہ وہ امیر و غریب، شاہ و گدا، ہر ایک کو بخش دے اور اگر وہ غلطی کریں تو عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف کر دے۔ اس لیے کہ اگر کوئی معافی کی درخواست پیش کرے تو پھر وہ دشمن نہیں رہتا۔ فاتح کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ جب کوئی چیز کسی کو بخش دے تو پھر اس کے بدلے کوئی اور چیز کی خواہش نہ کرے کیونکہ وہ کسی فرد کی دوستی اور تعاون کا محتاج نہیں ہوتا۔ فاتح سے بڑا کوئی نہیں بلکہ لوگ اس سے کمتر ہوتے ہیں اس لیے فاتح کو کسی ایک دشمن پر عتاب نازل نہیں کرنا چاہیے۔"

امیر تیمور، شہزادی کے ایک ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بولا:

"اے دانا شہزادی! ہمیں اپنے اور جہانگیر کے انتخاب پر فخر ہے۔ ہم تمہارا مطلب پا گئے۔ درخواست قبول کی جائے ہے۔ ترکانوں پر رحم ہوگا..... اور تمہارے رشتے دار رہا کر دیے جائیں گے اور انہیں انعام و اکرام دیکر خوارزم بھیج دیا جائے گا۔"

"اے امیر۔" شہزادی اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی:

"کاش میں مر جھکا کر خلوصِ دل سے آپ کا شکریہ ادا کر سکتی۔"

"نہیں آرام اور صرف آرام کی ضرورت ہے۔"

تیمور چلنے کے لیے تیار ہوا:

"ہم پھر تمہیں دیکھنے آئیں گے۔"

○

ترکانوں کی بغاوت کچلنے کے بعد امیر تیمور پورے اور ادا النہر کا بلا شرکتِ غیرے امیر اور بادشاہ ہو گیا کسی کی جرأت نہ تھی کہ تیمور کے سامنے زبان کھولے یا اس کی حکم عدولی کرے۔ سلطنت ہرات کو فتح کرنے سے اس کی سلطنت جنوب میں کافی دور تک پھیل گئی تھی لیکن ابھی تک تیمور نے اپنے علاقے سے باہر قدم نہیں نکالے تھے۔ وہ صلح پسند تھا۔ قدرت نے اسے دنیا دی..... آسائشوں سے پوری طرح نوازا۔ اس کی ذاتی زندگی بھی قابلِ رشک تھی۔ اس نے اپنی بیوی الجائی خاتون سے بے حد محبت کی تھی۔ اس کی وفات کے بعد تیمور نے اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کیا تھا لیکن سرائے خانم نے اس خلا کو جلد ہی پورا کر دیا۔ شہزادہ جہانگیر اس کا ولی عہد تھا اور تیمور کی تمام تر موجودگی کے زمانے میں پورے وقار کے ساتھ انتظامی امور سرانجام دیتا تھا۔ جہانگیر کو اپنا دربار لگانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طبل اور علم رکھنے کی اجازت تھی۔

امیر تیمور کو اگر کوئی فکر تھی تو جہانگیر کی تھی۔ شہزادے کی شادی کو جوں جوں زمانہ گزر رہا تھا، جہانگیر کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی آرزو تھی، خانزادہ کے بطن سے جہانگیر کی اولاد نرینہ پیدا ہو تاکہ وہ جہانگیر کی جا قدرت نے اس کی یہ آرزو بھی پوری کر دی۔

خانزادہ نے ایک خوبصورت بچے کو جنم دیا۔

اس بچے کی پیدائش پر سمرقند میں جو جشن منایا گیا اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نصف آبادی اسے مبارک باد دینے سرخ رنگستان کو پار کر کے پہنچی۔ تیمور نے خانزادہ کے قدر خاطر مدارات کی کہ وہ عیش عیش کر اٹھے۔ یہاں تک کہ خوارزم سے آنے والوں کو فرداً فرداً خلعتیں دی گئیں۔ طلائی سکوں سے بھری ایک ایک تھیلی بھی دی گئی۔

تیمور نے اپنے پوتے کا نام پیر محمد رکھا۔ پیر محمد کی پیدائش پر سب ہی خوش تھے لیکن ہوتے ہی محافظ سازشوں میں اضافہ ہو گیا۔ خانزادہ کا احساس محرومی ختم ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر مقابلے پر آ گئی۔ دونوں محلات میں کشیدگی اس قدر بڑھی کہ کنیزوں اور غلاموں کی بھی ایک دوسرے آمد و رفت بند ہو گئی۔ خانزادہ کی کنیز چاندنی اور سرائے خانم کی کنیز آفتابی میں ہر وقت ٹھنی رہتی۔ نیچا دکھانے میں مصروف رہتیں۔

آخر سرائے خانم کو بھی خانزادہ کے مرتبے کا احساس کرنا پڑا۔ اب وہ کوشش کرتی کہ کوئی بات کے کانوں تک بات پہنچے۔

امیر تیمور اپنے نئے سمرقند میں مست تھا۔ یہاں شہتوت کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ پانی افزا خوش و خرم اور چاق و چوبند رہتے تھے۔ دریا پر بند باندھ کر اونچی جگہ ایک جھیل بنائی گئی تھی۔ اور میٹھا پانی سیسے کے نلوں کے ذریعے سمرقند کے محلوں کو پہنچایا جاتا تھا۔

تیمور جب خنگ اوغن (سنہری گھوڑا) پر سوار ہو کر خیابانوں سے گزرتا تو لوگ راستے میں کھڑے ہو جاتے۔ اس کے اردگرد امیر اور وزیر صبا رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر چلتے۔ امیر کی شان و شوکت اور اس کے سرداروں کی آن بان دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑتے۔ نماز کے بعد باہری محراب کے نیچے اونچی منزل پر کھڑا ہوتا تو علماء اس کی تعریف کرتے، دعائیں دیتے اور ثنا

پڑھتے۔ اسی وقت اور عروج حاصل ہوا جب اس کے ہاں دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ امیر نے اس بچے کا نام سلطان محمد رکھا۔ شہزادہ اب جہانگیر کے دو ولی عہدوں کی ماں بن گئی تھی۔

ایک وقت تھا کہ سرائے خانم سے ملنے کے لیے خانزادہ جایا کرتی تھی اور اب اس وقت خانزادہ کی ڈیوڑھی جاں تھی کہ اگر کسی محفل میں سرائے خانم کا سامنا ہو جاتا تو منہ پھیر کر نکل جاتی۔ وہ سرائے خانم کو سلام کرنا بھی بھول جاتی تھی۔

امیر تیمور کو سرائے خانم اور خانزادہ کے اختلاف کا علم تھا لیکن اس کے خیال میں یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے کیونکہ امیر اور بادشاہ وہ خود تھا اور مقدمہ اسی کے سامنے پیش ہونا تھا لیکن ایسے کا ایک طویل زمانے تک نوبت نہ آئی۔

تیمور کا اب سمرقند میں کم ہی قیام رہتا۔ وہ لشکر لے کر شمال اور شمال مغرب کی طرف نکل جاتا۔ اس کا قول تھا کہ حملہ آور سے محفوظ رکھنے کا بہترین جنگی اصول یہ ہے کہ دشمن کی سرحدوں پر حملے کرتے رہو تاکہ اسے اپنی سرحدوں پر مجبور ہونا پڑے اور حملہ کرنے کا وہ تصور بھی نہ کر سکے۔

جب وہ مہم پر ہوتا تو ساندنی سوار یا سرحدی محافظ قاصد بن کر سمرقند پہنچتے رہتے اور اپنے امیر کے بیان کر کے محلوں کو گرماتے تھے۔ اگر تیمور کو کوئی نیا ملک فتح کرنا تو وہ بے شمار تازہ دم جنگ سمرقند بھیجتا تھا۔ ہوتا کہ وہ مغرب میں خراسان کی تاریخی شاہراہ پر چل پڑتا۔ نیشاپور اور مشہد کی زیارت گاہوں سے گزر کر (کیسپین) کے کنارے پہنچ جاتا۔ اس کے کنارے کنارے گھنے جنگل تھے جہاں ہزاروں سال سے آباد تھے۔ یہ وحشی اکثر خوارزم کی سرحدوں میں گھس آتے اور قیامت برپا کر دیتے۔ یہ بت پرست تھے اور لڑائی کے علاوہ ان کا گوشت بڑی رغبت اور لذت سے کھاتے تھے۔ خوارزم والوں کو ان کے حملوں کے لیے بڑے انتظامات کرنے پڑتے پھر بھی ان کا داؤ چل جاتا۔ اور وہ کسی نہ کسی سرحدی قصبے میں گھس کر تباہی و بربادی کر دیتے۔

یہ قبیلے "سُرخ برداری قوم" کے نام سے مشہور تھے اور خود کو شمال مغربی بادشاہوں کا رشتے دار بتاتے تھے۔ پھر سمرقند میں ایک ساندنی سوار قاصد آیا اور اس نے وہیں سے چلا چلا کر کہنا شروع کیا:

"اسلام کے امیر کا اقبال بلند ہو۔ وحشی سُرخ برداری قوم کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ان کے تمام سردار گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔ ان کے سروں کا مینار بنایا گیا۔"

خوارزم والوں نے ان کے خاتمے پر جشن منایا۔ سمرقند والے بھی اس بات کے قصے سنا کرتے تھے۔ انہیں بھی ان کے اطمینان ہوا۔ اس طرح تیمور نے بلاد شمال کے جتہ مغلوں (چغتائی) کے خلاف فوج کشی کی۔ تیمور کی شمالی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معمات کے بارے میں تفصیلی حالات کہیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ وہ ہر سال مغلوں پر حملہ کرتا اور انہیں شمال کی
میں دور دور تک پسپا کرتا رہتا تھا۔ جتہ مغلوں کا زور ان پیہم حملوں سے ٹوٹتا رہا۔ تیمور کا مغلوں سے مقابلہ
کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ مغلوں کا آخری بادشاہ یا خانِ اعظم تھا۔ اس نے تیمور کی یلغار کو روکنے کی کوشش کی لیکن
زبردست شکست ہوئی۔ اور اسے اپنا صدر مقام یعنی حصار امالیق بھی چھوڑنا پڑا۔ اور اس نے بھاگ کر صحرا میں
پناہ حاصل کی۔

یہ وہی علاقہ تھا جہاں سے ڈیڑھ سو سال پہلے چنگیز خان ہلاکت و بربریت کا طوفان بن کر اٹھا تھا اور
جس علاقے سے منقلی تھے انہیں پھر اسی جگہ واپس آنا پڑا۔ اور انہیں واپس کرنے والا تاتار کا امیر تیمور تھا
رگوں میں خود بھی مغلوں کا بعض قبیلوں کا خون دوڑ رہا تھا۔

امیر تیمور جس وقت مغلوں کو صحرائے گوبی کی طرف پسپا کر رہا تھا تو اس نے سمرقند میں اس فتح کی اطلاع
پھر جب اسے مغلوں پر مکمل فتح حاصل ہوئی تو اس نے اپنا خاص قاصد شہزادے جہانگیر کے پاس بھیجا۔ یہ سفر
ہزار میل کا سفر طے کر کے سمرقند پہنچا، تو لوگوں نے اسے گھیر لیا لیکن وہ سیدھا ولی عہد کے محل پر آیا اور اس
اطلاع کرائی۔ جہانگیر فوراً اس سے ملنے آیا اور اسے بڑی عزت سے بٹھایا۔

قاصد نے سلام کے بعد جہانگیر کو امیر تیمور کا پیغام دیا۔ اس نے کہا:

"اے ولی عہد سلطنتِ تاتار۔ میرے آقا امیر تیمور نے پیغام دیا ہے کہ پہلے ہم نے جتہ مغلوں کی طاقت
چنگاریاں بجھائی تھیں لیکن اب ان کی آگ کو ہمیشہ کے لیے سرد کر دیا ہے۔ ہم نے اس خاکستر میں ایک چنگا
نہیں چھوڑی۔"

جہانگیر ان دنوں بیمار تھا اور طبیب نے چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا لیکن اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ
کے قاصد کو محل میں بلا کر باپ کا پیغام سنے۔ جہانگیر نے بڑے تحمل سے امیر کا پیغام سنا اور قاصد کو انعام
نے سمرقند میں جشنِ عام کا اعلان کرایا۔ اس نے حکم دیا کہ یہ جشن اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اب
واپس نہیں آجاتے کیونکہ قاصد نے یہ بھی بتایا تھا کہ امیر اب واپسی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

جشن کا آغاز ہو گیا۔

سب کا خیال تھا کہ امیر ہفتے عشرے میں واپس آجائیں گے لیکن ان دنوں ایک ہزار میل کا راستہ
آسان کام نہیں تھا۔ ادھر جشن جاری تھا اُدھر تیمور، شاہراہ حنفا پر ایک ہزار میل کا سفر طے کرتا ہوا واپس آ
مغلوں پر مکمل فتح حاصل ہوئی تھی اس لیے وہ بہت خوش تھا اور راستے میں شکار سے دل بہلاتا آ رہا تھا۔ یہ
کا عظیم فتح تھی لیکن اس فتح کی اسے بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔

مرقند امیر تیمور کے امرا نے اپنے فاتح کا سمرقند کے بیرونی باغوں میں استقبال کیا مگر ان کے
ے اور زبانیں گنگ ہو گئی تھیں
استقبال کرنے والے امرای پیشوائی امیر سیف الدین کر رہا تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے امیر تیمور کی طرف
ل کے پیچھے تمام بڑے بڑے سردار تھے اور ان سب نے اپنے کپڑوں پر خاک ڈال رکھی تھی۔ امیر
ے قریب پہنچ کر گھوڑے کی رکاب تھام لی۔
نوجوان زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے پہلو میں ایک درد سا محسوس
ے سیاہ کپڑوں میں ملبوس امیروں پر نظر دوڑائی۔ اس کے دانت ایک نامعلوم خوف سے بھنچ گئے۔ آخر
یور کو مخاطب کیا اور سیف الدین کو مخاطب کیا:
"تم خوف زدہ ہو؟"
یور کی آواز لرز رہی تھی:
"ابو سیف الدین بولو..... بولو..... خوف مت کھاؤ۔"
"میں خوف زدہ نہیں ہوں امیر!"
سیف الدین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:
"شہزادہ جہانگیر جوانی کی بہاریں بھی نہ دیکھ سکا اور ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔"
سب دستور اور خود امیر کے اعلان کے مطابق شہزادے کی بیماری کی خبر امیر کو نہیں بھیجی گئی تھی۔ شہزادہ
سخت بیمار ہوا اور تیمور کے سمرقند واپس آنے سے صرف چند روز پہلے انتقال کر گیا۔
یور کو محسوس ہوا کہ اس نے شمالی مہم میں جو کچھ حاصل کیا تھا اس سے زیادہ اس نے کھو دیا ہے۔ ہر شخص
یا باپ ابھائی یا شوہر ہوتا ہے۔ امیر تیمور کتنا ہی بڑا فاتح کیوں نہ ہو لیکن آخر وہ بھی باپ تھا۔ اسے جہانگیر
ال کا بہت صدمہ ہوا لیکن اس نے اس صدمے پر قابو پا لیا اور صرف چند لمحوں کی خاموشی کے بعد امیر
کو حکم دیا:
"گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔"
امیر تیمور نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ فوج کو شہزادے کی جواں مرگی کا علم ہو چکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ
داخل ہوئی، سب کے چہرے پھیکے اور دل رو رہے تھے۔
یور نے جہانگیر کے نقارے اور طبل منگوا کر تڑوا دیے تاکہ اس کے بیٹے کی موت کے بعد کوئی اور
ا سکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر جہانگیر کی بیوہ شہزادی خانزادہ اپنے دونوں بچوں کو لے کر آئی۔
امیر تیمور نے ماتمی لباس میں غمزدہ شہزادی کو دیکھا تو اس کے منہ سے ایک ہلکی سی سسکی نکل گئی۔ نظریں نیچی کر لیں۔
شہزادہ بولی اور نہ امیر تیمور نے کچھ کہا۔ وہ بولتے بھی تو کیا۔ ان کے پاس کہنے کو کیا رہ گیا تھا!

خاقانِ مشرق

بیس گاڑیاں، سو گھوڑے اور دس اونٹ، وہ قیمت تھی جو چشمانیہ خاتون کے باپ نے خود مقرر کی تھی اور شمال و روس شہزادے پارس خان نے اس قیمت کو بے چون و چراں تسلیم کرتے ہوئے اس کی ادائیگی کا وعدہ بھی کر لیکن شہزادہ اب بھی بے چین تھا۔
"چشمانیہ!"
شہزادہ پارس نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا:
"یہ دس دن مجھے دس سال معلوم ہو رہے ہیں۔ میں اب جدائی برداشت نہیں کر سکتا!"
"جدائی ....." خوش جمال چشمانیہ مسکرائی۔
وہ بھی گھوڑے سے اتر گئی اور بولی:
"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ اسے جدائی کیوں کہہ رہے ہیں!"
"چشمانیہ! تم نہیں سمجھ سکتیں۔" شہزادہ جذباتی ہو گیا:
"اس طرح کا ساتھ جدائی سے بھی زیادہ کربناک ہے۔ میں تمہارے پاس ہوتے ہوئے بھی خود کو تم سے دور محسوس کرتا ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج شام واپسی پر میں اس سلسلے میں تمہارے باپ سے بات کروں گا۔"
سر نے زین میں اڑسی ہوئی لپیٹنے کی چادر کھینچ کر زمین پر بچھا دی۔
"نہیں شہزادے۔" چشمانیہ گھبرا گئی:
"رات طے ہو چکی ہے آپ کو اس کی پابندی کرنی چاہیے۔ میرے باپ نے آپ سے انکار تو نہیں کیا۔" چشمانیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چادر کے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔

"یہ تو ٹھیک ہے چشمانیہ" شہزادہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا:
"لیکن بیس دن گزرنے کے باوجود کوئی بھی تمہاری قیمت میں اضافہ نہیں کر سکا۔ میں تو اور بھی زیادہ دینے
تیار ہوں۔ پھر تم میرے حوالے کیوں نہیں کی جاتیں۔"

"مجھے معلوم ہے شہزادے۔" چشمانیہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا:
"آپ شاہی علاقوں کے خاقان کے ولی عہد ہیں۔ یہ قیمت آپ کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن ہمارا
رسم و رواج سے محبت کرتے ہیں۔ ہم اس کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔"

"مگر میں کب کہتا ہوں کہ تم اپنے رسم و رواج کو چھوڑ دو۔" شہزادے نے الجھتے ہوئے کہا:
"میں خود کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر آپ میرے باپ سے کیا کہیں گے؟" چشمانیہ نے اسے برق پاش نظروں سے دیکھا۔

"میں ان سے کہوں گا..... میں کہوں گا....."

شہزادہ اس کی عزرائی آنکھوں میں کھو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ پھر ذرا سنبھل کر بولا:
"میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" چشمانیہ تیز لہجے میں بولی:
"ابھی مقررہ وقت میں دس دن باقی ہیں اور آپ نے بول کا سامان بھی ادا نہیں کیا۔ اگر میرے غریب
نے آپ کے رعب میں آ کر مجھے رخصت کر دیا تو ہمارے پرانے رسموں کے تانے بانے بکھر جائیں گے۔ دور
طعنے دیں گے کہ ملک شمال کا شہزادہ چشمانیہ کو زبردستی اٹھا کے لے گیا۔ میں یہ بے شرمی برداشت نہیں کر سکوں
یہ طعنے مجھ سے نہیں جائیں گے۔ مجھے آپ سے اس ظلم کی امید نہیں شہزادے۔" چشمانیہ کی آنکھوں میں آ
سائے تیر گئے۔

"گھبراؤ نہیں چشمانیہ۔" شہزادہ چشمانیہ کو غمگین دیکھ کر پریشان ہو گیا:
"اگر تمہارے خیال میں یہ ظلم ہے تو میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا جس سے تم یا تمہارے قبیلے کی
یہ بات یقیناً افسوسناک ہے کہ لوگ میری زبان کا اعتبار نہیں کرتے۔"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں شہزادے۔"
چشمانیہ نے ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں کو بڑی مشکل سے روکا:
"میں جانتی ہوں کہ آپ کے مقابلے پر کوئی نہیں آئے گا اور اگر کوئی دعوے دار کھڑا بھی ہوا تو میرا بھائی

ہی ہوگا۔ میں آپ کو دل سے اپنا شوہر تسلیم کر چکی ہوں۔ اب میرا مرنا جینا آپ کے ساتھ ہے۔"
"میں بھی تمہارا شکر گزار ہوں چشمانیہ۔" شہزادے نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:
"تم نے مجھے اپنا سمجھا ہے تو تم بھی میری ہو۔ میں تمہیں جان دے کے بھی حاصل کروں گا۔"

⊙

وسطی ایشیا کی اس وسیع اور ویران سطح مرتفع کی دوشیزاؤں کی عام قیمت دو گاڑیوں یا دس گھوڑوں سے
زیادہ ادا نہ کی جاتی تھی۔ چشمانیہ نے بھی ایک غریب قبیلے میں آنکھ کھولی تھی اور جوان ہونے پر وہ بھی اسی قیمت کی مستحق تھی
لیکن اس غریب لڑکی نے شہزادیوں جیسی شکل و صورت پائی تھی۔ اس کا سراپا دستِ قدرت کا تراشا شہکار تھا۔ حسن و
جمال کی اس خوبی کے علاوہ چشمانیہ کا رجحان بچپن ہی سے رقص و موسیقی کی طرف تھا اور ان دونوں فنون میں اس نے
جوان ہونے سے پہلے ہی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس کے والدین کو اس پر بجا طور سے ناز تھا۔ اس کے باپ نے اعلان کر
رکھا تھا کہ چشمانیہ کو بیوی بنانے کا قصد صرف وہ شخص کرے جس میں ایک شہزادی خریدنے کی ہمت ہو اور منہ مانگی قیمت
ادا کر سکے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی شادی کے پیغامات یعنی اس کی قیمت لگنا شروع ہو جاتی تھی لیکن چشمانیہ کے لیے
ابھی تک کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ دور و نزدیک کے قبیلوں میں سے کسی نے بھی چشمانیہ کے باپ سے اس کی قیمت پوچھنے
کی ہمت نہیں کی تھی۔ حالانکہ اسے بالغ ہوئے کئی ماہ گزر چکے تھے۔ چشمانیہ ہر دل کی دھڑکن اور آرزو تھی لیکن وہ
سارے حسرت بھری نظروں سے دیکھنے کے اس کی قیمت پوچھنے کی بھی ہمت نہ کرتے تھے۔

جب اس طرح کئی ماہ گزر گئے تو قبیلے کے بزرگوں کو اس کی فکر ہوئی۔ آخر بزرگوں نے چشمانیہ کے باپ کو مجبور
کیا کہ وہ اپنی حسین بیٹی کی جسے عام طور پر شہزادی کہا جاتا تھا، خود ہی قیمت مقرر کرے تاکہ اس کی تشہیر کر کے چشمانیہ
کو کسی کے حوالے کیا جا سکے۔

پھر چشمانیہ کے باپ نے اس کی قیمت بیس گاڑیاں، سو گھوڑے اور دس اونٹ مقرر کی اور یہ شرط بھی
لگا دی کہ یہ کم از کم قیمت ہے اور اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔
عام لڑکیوں کی قیمت کا فیصلہ ایک ہفتے میں ہو جایا کرتا تھا لیکن چشمانیہ کے باپ نے یہ مدت ایک ماہ مقرر
کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چشمانیہ کی قیمت کا اعلان ہوا تو تمام آرزومندوں کی تمناؤں پر اوس پڑ گئی۔ ان کے خیال میں چشمانیہ رقاصہ اور جاذب نظر دوشیزہ کی یہ قیمت بھی کم تھی لیکن اس کی ادائیگی سوائے کسی بڑے سردار یا بادشاہ کے کسی کے بس میں نہیں تھی۔ سو گھوڑوں اور دس اونٹوں کا تو شاید کوئی قبیلہ انتظام کر لیتا لیکن بیس گاڑیوں کے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وسط ایشیا میں شمال سے جنوب اور جنوب مغرب تک پھیلے ہوئے یہ مغل قبائل خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ نہ گھر بناتے تھے اور نہ بستیاں آباد کرتے تھے بلکہ چراگاہوں کی تلاش میں نقل مکانی کرتے رہتے اور ان کی بستیاں بیشتر وقت متحرک رہتیں۔ یہ اپنے گھر بیل گاڑیوں پر بناتے۔ ہر بیل گاڑی بیس فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہوتی تھی۔ بائیس بائیس بیل اس گاڑی کو کھینچتے تھے۔ گاڑی کے اوپر بانسوں کا ڈھانچہ تیار کر کے اس پر سفید نمدہ چڑھا جاتا تھا۔ ہر مغل اس گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ گھر یعنی گاڑی چلتی رہتی اور چولہا جلتا تیار ہوتا رہتا۔ انہی گاڑیوں پر مغلوں کی چوبی گنبد نما مسجدیں بھی بار ہوتی تھیں۔

یہ مغل اپنی تمام تر وحشی جبلتوں اور قدیم رسموں کی پابندی کے باوجود مسلمان تھے۔ کہیں قیام کرتے تو ان زمین پہ اتارتے اور نماز ادا کرتے تھے۔ امیر تیمور نے تو لکڑی کی اتنی بڑی مسجد بنوائی تھی جسے کئی حصوں میں کے بہت سی گاڑیوں پر رکھا جاتا تھا۔ اس کی یہ مسجد ہر معرکے میں اس کے ساتھ رہتی تھی۔ جب اس مسجد کے حصے جوڑ کر زمین پر رکھے جاتے تو اس مسجد میں کئی سو آدمی بیک وقت نماز ادا کرتے تھے۔

چشمانیہ کے باپ نے جو بیس گاڑیاں طلب کی تھیں اس سے اس کی مراد ایسی متحرک گھر تھے۔ ظاہر ہے بیس گھروں کی تیاری کسی معمولی آدمی کے اختیار میں نہیں تھی لیکن پھر ایک دن ایسا ہوا کہ چشمانیہ کا خریدار اس کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔

یہ تھا مغلوں کے نیلے اور سفید غول کے خاقان ارس خان کا نوجوان بیٹا پارس خان۔ خاقان ارس علداری شمال میں برفستان تک پھیلی ہوئی تھی۔

یہ روس کے ایشیائی علاقے خابیر یا کا وہ خطہ ہے جسے پرانے زمانے میں "سرزمین عجائب" کہا جاتا ایشیا کا یہ علاقہ ہمیشہ سے ناقابل تسخیر کہا جاتا ہے اور آج بھی روس سے ٹکرانے والی ہر طاقت اس خطے بعد بے بس ہو جاتی ہے۔

خاقان ارس خان کی جنوبی سرحد کریمیا سے ملتی تھی۔ کریمیا کا حاکم بھی ایک مغل شہزادہ توقتمش تھا۔ تو بدخو اور ظالم تھا۔ ارس خان اور توقتمش میں ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا۔ شہزادہ پارس خان نے جب باپ سے جھ میں شکار کھیلنے کی اجازت مانگی تو ارس خان نے صاف انکار کر دیا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں شہزادے اور تو

ہو جائے لیکن شہزادہ بضد رہا اور ارس خان کو مجبور ہو کر اجازت دینا پڑی۔ احتیاط کے طور پر شہزادے کے ساتھ پچاس سوار کر دیے۔

شہزادہ پارس خان جنوبی علاقے میں دور تک چلا گیا۔ خاقان نے اسے نصیحت کی تھی کہ کریمیا کے علاقے میں داخل نہ ہونا اور توقتمش کا سامنا ہو جائے تو جھگڑے سے گریز کرنا لیکن جوان خون بزرگوں کی نصیحت کب مانتا ہے شہزادہ شکار کھیلتا ہوا کریمیا کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ چونکہ سرحدیں نہ تو قدرتی تھیں اور نہ کوئی اور شناخت موجود تھی اس لیے شہزادے یا اس کے ساتھیوں کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کریمیا کے علاقے میں پہنچ چکے ہیں۔

اس اجلی کی طرح اس زمانے میں شہر اور بستیاں آباد نہیں تھیں جن سے شناخت ہو سکے۔ مغل قبائل کے ذل گھر ایک جگہ دو چار ماہ قیام کرتے پھر چارے کی تلاش میں ادھر ادھر ہو جاتے

چشمانیہ کے پڑاؤ پر پہنچتے ہی اس کے کان میں چشمانیہ کے حسن و جمال کی بھنک پڑی۔ شہزادے کو اشتیاق پیدا ہوا اور وہ چشمانیہ کے پڑاؤ میں پہنچ گیا۔

خیمے والوں کو جب معلوم ہوا کہ یہ خاقان ارس خان کا بیٹا ہے تو انہوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ شہزادے کو خواہش پر اسے چشمانیہ کے باپ کے خیمے پر پہنچا دیا گیا۔ چشمانیہ اس وقت باہر تھی۔ پردے کا رواج نہیں چشمانیہ کسی سہیلی سے مل کر آ رہی تھی۔ اس نے خیمے کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان کو گھوڑے سے اترتے ہوئے ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ نسوانی حجاب نے اسے اجازت نہ دی کہ خیمے میں جائے۔ وہ وہیں سے سہیلی کے ہاں واپس چلی گئی۔

اس کی سہیلی بہت شوخ اور سمجھدار تھی۔ چشمانیہ کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر بھانپ گئی کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ اس نے چشمانیہ کو چھیڑا مگر کریدا لیکن چشمانیہ نہ کھلی اور بات ٹال گئی۔ اسے سہیلی کے پاس بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری کہ باپ کا بلاوا آ گیا۔

شہزادے نے رسمی گفتگو کے بعد چشمانیہ کو دیکھنے کی خواہش کی۔ چشمانیہ کے باپ کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے اپنے لیے کسی ایسے ہی شہزادے کا خواب دیکھا تھا اور اب وہی شہزادہ اس سے چشمانیہ کو دیکھنے کی درخواست کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شہزادے کو چشمانیہ پسند آ گئی تو نہ صرف مالا مال ہو جائے گا بلکہ اس کی بیٹی ولی عہد کے گھر پہنچ کر اسے ہم چشموں میں ایک عظیم مقام عطا کر دے گی۔ اس نے فوراً چشمانیہ کو تلاش کرایا اور اسے خیمے میں بھیجنے کا حکم دیا۔

اس تلاش کے دوران پڑاؤ میں یہ بات پھیل گئی کہ خاقان ارس خان کا بیٹا چشمانیہ کا آرزومند ہے۔ پڑاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تمام دوشیزاؤں کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ بعض نے اس کی قسمت پر رشک کیا لیکن بیشتر رو سکے اٹھیں۔

تلاش کرنے والی عورت نے چشمانیہ کے پاس پہنچ کر اسے بھی آگاہ کر دیا۔ چشمانیہ کی سہیلی اس بہت خوش ہوئی۔ اس نے چشمانیہ کا ہاتھ سنگھار خود اپنے ہاتھ سے کیا اور اپنا ایک خوبصورت ہو ڑا پہنا کر خود اس کو خیمے کی طرف لے چلی جہاں اس کا عظیم الشان خریدار خیمے کے دروازے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

پھر چشمانیہ شعلہ جوالہ بنی، نظریں نیچی کیے، لجاتی شرماتی خیمے میں داخل ہوئی۔ شہزادے کی اس پر وہ اس حسن مجسم کو دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس کی نظریں چشمانیہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ سہیلی نے چشمانیہ کو شہزادے کے مقابل بٹھا دیا اور شہزادے کی محویت کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

شہزادہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر تھا۔ اس کی نظریں حسن کے پیکر پر قربان ہو رہی تھیں اور دل نکلنا چاہتا تھا۔

"عالی نسب شہزادے۔ یہ ہے میری میٹھی چشمانیہ۔" چشمانیہ کے باپ نے دھیمی آواز میں کہا:

"چشمانیہ رقص و موسیقی میں بھی اپنا جواب آپ ہے۔"

شہزادہ چونک پڑا۔ جیسے کسی گہرے خواب سے اسے جھنجھوڑ کر بیدار کیا گیا ہو۔ اس نے پہلے باپ کو دیکھا۔ پھر چشمانیہ کو خواب ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"مجھے منظور ہے محترم بزرگ!"

چشمانیہ کی سہیلی کا دل کھل اٹھا۔ اس نے جھک کر چشمانیہ سے سرگوشی کی۔ چشمانیہ نے جھکے ہوئے نظریں اٹھائیں۔ یہ نظریں شہزادے کی بے تاب و بے قرار نظروں سے ٹکرائیں اور خود بخود جھک گئیں۔

"بیس گاڑیاں، سو گھوڑے اور دس اونٹ شہزادے کو منظور ہیں۔" اس کے باپ نے پوچھا۔ وہ ہر بات پہلے ہی واضح اور صاف کر لینا چاہتا تھا۔

"ہاں محترم۔ مجھے سب کچھ منظور ہے۔" شہزادے نے چشمانیہ کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"تو مجھے بھی منظور ہے۔"

چشمانیہ کے باپ نے بھی رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن فوراً ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے شہزادے۔ اگر ایک ماہ کے اندر اس قیمت سے زیادہ ادا کرنے والا کوئی دوسرا عاشق آیا تو چشمانیہ کو شہزادے بہادر کے ساتھ رخصت کر دیا جائے گا۔"

"میں اس سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر بھی تیار ہوں۔" شہزادے نے فوراً اعلان کیا:

"آپ رخصتی کا اعلان کریں۔ جتنی قیمت چاہیں گے وہ ادا کر دی جائے گی۔"

شہزادے بہادر نے چشمانیہ کے باپ سے اور وضاحت کی:

"رسم کے مطابق میں اپنی مقرر کی ہوئی قیمت کو بڑھا نہیں سکتا۔ اس میں کوئی دوسرا ہی اضافہ کر سکتا ہے۔ میں نے اس قیمت کو منظور کر لیا ہے۔ اس لیے اس میں شہزادے آپ بھی کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ چونکہ فروخت کی مدت ایک ماہ مقرر ہوئی ہے اس لیے شہزادہ محترم ایک ماہ تک ہم آپ کی مہمان نوازی کا فخر حاصل کریں گے اور اس عرصے میں شہزادے، مطلوبہ چیزیں بھی مہیا کر لیں گے۔"

چشمانیہ کے باپ نے گفت گو کے تمام دروازے بند کر دیے تھے۔ شہزادے کو سوائے خاموشی اختیار کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ پھر بھی اس نے چشمانیہ سے ملنے جلنے اور سیر و تفریح کی اجازت حاصل کر لی۔ شہزادے پارس نے اسی وقت اپنے باپ کے پاس ایک تیز رفتار قاصد روانہ کیا تاکہ وہ چشمانیہ کے ساتھ اپنی شادی کی رسمی اجازت حاصل کر لے۔ اس قاصد کو شہزادے نے ایک اور خط دیا جس میں مطلوبہ چیزوں کے علاوہ دوسرے سامان عشرت کی ایک طویل فہرست تھی۔ یہ خط اس نے قریب کے ایک سردار کو پہنچانے کا حکم دیا تاکہ باپ کی اجازت کے ساتھ ہی تمام سامان اس تک پہنچ جائے اور وہ چشمانیہ کو شاہانہ انداز میں رخصت کرا کے اپنے ساتھ لے جائے۔

چشمانیہ سے وہ رات کے سوا ہر وقت ملاقات کر سکتا تھا لیکن چشمانیہ سے ہر ملاقات اس کے دل کی بے چینی میں اضافہ کر دیتی تھی۔ قاصد کو گئے ہوئے یہ بیسواں دن تھا کہ شہزادہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور اس نے چشمانیہ سے اظہار کر دیا۔ وہ اس کے باپ سے مل کر فوری رخصتی کی درخواست کرے گا لیکن کچھ دار چشمانیہ نے اسے دلیلوں سے قائل کر کے اس ارادے سے باز رکھا اور جب وہ سیر سے واپس آئے تو شہزادہ پرسکون تھا اور چشمانیہ اپنی کامیابی پر خوش تھی۔ چشمانیہ اپنی سہیلی کے ذریعے سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتی تھی۔ صبح کی ملاقات کی تفصیل سن کر اس کی سہیلی شہزادے کی بے چینی پر زور زور سے ہنسی۔

چشمانیہ اور شہزادے پارس خان کے درمیان اور تلخ اور شیریں گفت گو کے چوتھے روز شہزادے کا منگوایا ہوا تمام سامان شمال سے آ گیا۔ اس نے صرف بیس گاڑیاں منگوائی تھیں لیکن مشفق باپ نے چالیس گاڑیاں بھیج دی تھیں۔ اسی طرح گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ شادی اور رخصتی کے لیے بھی خاقان نے بہت سامان بھیجا تھا اور شہزادے کو تاکید کر دی تھی کہ بیوی کو شاندار طریقے سے رخصت کرائے اور اس کا ڈولا پوری شان و شوکت اور شاہانہ انداز سے سلجوقی کی حدود میں خاقان کے مستقر تک لایا جائے۔

سامان کے ساتھ خاقان نے ایک سو مزید سواروں کو بھی روانہ کیا تھا کیونکہ شہزادے کے قاصد نے چشمانیہ کے باپ کے جگر نشاں ہونے کی خبر دی تھی۔ وہی سرحدی پٹی تھی اور خاقان کے خیال میں وہی متنازعہ علاقہ تھا۔ نیلے اور سفید غزال کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاقان اُرس خان کا مرتبہ تو قتمش جیسے علاقائی حاکم سے بہت بلند تھا لیکن تو قتمش اور مغلوں کے خاقانِ اعظم [illegible] میں قریبی رشتہ داری ہونے کی وجہ سے تو قتمش کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور اُرس خان سے ہمدردی کا دعویٰ [illegible]

چشمانیہ کے باپ کی ایک ماہ کی مدت ختم ہونے میں ایک ہفتے سے بھی کم عرصہ باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے [illegible] نے چشمانیہ کی قیمت ادا کرنے کی پیش کش کی تو چشمانیہ کے باپ نے بلا تکلف اسے قبول کر لیا اور شمال سے آئے [illegible] سامان اس کے حوالے کر دیا گیا۔

بظاہر اب شادی میں کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ دونوں طرف شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور پڑاؤ کے ہر [illegible] خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

چشمانیہ کو اس سامان میں سب سے زیادہ گھوڑے پسند آئے۔ یہ گھوڑے نہایت اعلیٰ نسل کے تھے۔ ان [illegible] گھوڑے رفتار کے لحاظ سے تیز ترین سمجھے جاتے تھے۔ ہر گھوڑا نئے ساز سے آراستہ تھا۔ چشمانیہ ایک اچھی شہسوار [illegible] یہ فن بھی اس نے دل لگا کر سیکھا تھا۔ اس نے اپنی خاص سواری کے لیے ایک گھوڑا پسند کیا اور اس گھوڑے پر [illegible] وہ شہزادے پارس خان کے ساتھ سیر کو جانے لگی۔

مشہور ہے کہ تقدیر نہ چاہے تو تدبیر کی تمام کوششیں دھری رہ جاتی ہیں۔ چشمانیہ کی قسمت میں صرف [illegible] باقی تھے کہ ایک نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ شہزادے کو اس پڑاؤ پر ٹھہرے ہوئے ایک مہینہ ہونے والا تھا۔ خاقان [illegible] کے بیٹے کا پانچ سو سواروں کے ساتھ سرحدی علاقے میں اتنے طویل عرصے تک پڑاؤ ڈالے رکھنا [illegible] کریمیا کے حاکم تو قتمش کو نہ پہنچتی۔

خبر دینے والے نے اپنی کارکردگی کے اظہار کے لیے اس اطلاع میں خوب نمک مرچ لگایا اور تو قتمش [illegible] دیا کہ شہزادے پارس نے کریمیا کے سرحدی علاقے میں ایک بڑے قطعے پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ کریمیا میں مزید [illegible] کی تیاریاں کر رہا ہے۔

تو قتمش تو شمالی خاقان کے پہلے ہی خلاف تھا۔ اس خبر کو سن کر وہ بھڑک اٹھا اور فوراً دو ہزار کا لشکر [illegible] سرحد کی طرف چل پڑا۔

تو قتمش دو ہزار سواروں کے ساتھ جس وقت شہزادے کے پڑاؤ کے سامنے خیمہ زن ہوا تو معنی خانہ بدوشوں [illegible] خیموں میں تہلکہ مچ گیا۔ سب کو اپنی اپنی جانوں کی فکر پڑ گئی۔ شادی کی پُر کیف اور خوش گوار فضا پر جنگ کے [illegible] چھا گئے۔ اور شادیانوں کی آواز کے بجائے جنگی بگل کا انتظار ہونے لگا۔

تو قتمش کو وہاں پہنچتے ہی شہزادے اور چشمانیہ کی ہونے والی شادی کی پوری تفصیل معلوم ہو گئی۔ [illegible] کو تو ایک طرف رکھ دیا اور ایک قاصد کے ذریعے شہزادے کو اطلاع بھیجی کہ اس نے کریمیا کی حدود میں [illegible]

[illegible] ہے کی خلاف ورزی کی ہے اس لیے شہزادے کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ فوراً کریمیا کی حدود سے باہر [illegible] دے۔

شہزادہ اس لشکر کو دیکھ کر پہلے ہی گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے کوئی سخت جواب دینے کے بجائے نرم رویہ اختیار [illegible] جواب میں صرف یہ کہلوایا کہ اسے علم نہیں تھا کہ یہ علاقہ کریمیا کی حدود میں ہے ورنہ وہ ہرگز یہاں نہ ٹھہرتا۔ اس کے [illegible] اس نے تو قتمش سے یہ درخواست کی کہ اسے صرف دو دن کی مہلت دی جائے تاکہ وہ چشمانیہ سے شادی کر کے [illegible] رخصت کرا سکے۔

تو قتمش تو شہزادے کو نیچا دکھانے پر تُلا ہوا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادے کے ساتھ صرف پانچ سو سوار [illegible] اس نے فوراً چشمانیہ کے باپ کو اپنے خیمے میں طلب کیا اور اسے چشمانیہ کی قیمت سے دوگنا سامان ادا کرنے کی پیش کش [illegible] چشمانیہ کا باپ لالچی ہونے کے علاوہ گرگِ باراں دیدہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ انکار کی صورت میں تو قتمش زبردستی چشمانیہ [illegible] حاصل کر لے گا اس لیے اس نے تو قتمش کی پیش کش بغیر حیل وحجت تسلیم کر لی۔ اور تو قتمش کے حکم پر پڑاؤ میں جا کر [illegible] کر دیا کہ اس نے شہزادے پارس کے ساتھ اپنی بیٹی کا رشتہ منسوخ کر کے تو قتمش کے ساتھ اس کا رشتہ منظور کر [illegible] ہے کیونکہ تو قتمش نے چشمانیہ کی قیمت دوگنی کر دی ہے۔

شہزادے نے یہ اعلان سنا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ اپنے ملک سے دور تھا اس لیے [illegible] کے سلسلے میں وہ تو قتمش کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یہ بھی علم ہو گیا کہ یہ حرکت تو قتمش نے اسے زک دینے [illegible] کی ہے۔

اس کا دل ٹوٹ گیا۔ پھر ایک آخری کوشش کے طور پر اس نے ایک بڑا عجیب اور قطعی دانشمندانہ قدم اٹھایا۔ ان [illegible] میں تمام دن گزر گیا تھا۔ شام ہوتے ہی شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کے ساتھیوں نے خیال کیا کہ شاید وہ چشمانیہ [illegible] کے باپ سے ملنے جا رہا ہے اس لیے انہوں نے اس کی کوئی فکر نہیں کی۔

شہزادے نے اپنے گھوڑے کا رخ چشمانیہ کے خیمے کی طرف کیا۔ وہ اس کے خیمے کے قریب بھی پہنچ گیا لیکن [illegible] نے یہ دیکھا کہ چشمانیہ کے خیمے پر تو قتمش کے مسلح سوار پہرہ دے رہے ہیں تو اس نے اپنا گھوڑا روک کر ایک [illegible] کے لیے کچھ سوچا پھر گھوڑا گھما کر تو قتمش کے پڑاؤ کی طرف چل پڑا۔ پتہ نہیں یہ شہزادہ پارس کی غیر معمولی جرأت تھی یا [illegible] کا بے پناہ مجت۔ ابھی اسے دشمن کے خیمے کی طرف کشاں کشاں لیے جا رہی تھی مگر اس کے اس اقدام کو مصلحت یا [illegible] ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔

تو قتمش کو جب شہزادے پارس خان کے اپنے خیمے پر تنہا اور بے دھڑک آنے کی اطلاع پہنچائی گئی تو وہ گھبرا [illegible] کے دل ہی دل میں شہزادے کی جرأت کی داد بھی دی۔ تو قتمش کچھ ایسا متاثر اور مرعوب ہوا کہ دل نہ چاہتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے باوجود اس نے خیمے سے نکل کر اس کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ لے کر خیمے میں واپس آیا۔ اس نے اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا:

شہزادے پارس کے تو دل کو لگی ہوئی تھی، اس نے بغیر کسی تمہید کے معذرتانہ لہجے میں کہا:

"اے حاکم کریمیا! شہزادہ توقمش!! میں آپ کے پاس معذرت پیش کرنے آیا ہوں۔"

شہزادے پارس: توقمش مسکرایا:

"آپ کی زبان سے معذرت کا لفظ سن کر تعجب سا ہوتا ہے۔ مغلوں کی روایت ہے کہ وہ کسی سے معذرت کرنے کے بجائے اپنے کارنامے کا جواب پوچھ کر دیتے ہیں۔ میں آپ کو ایک بہادر جوان سمجھتا تھا لیکن آپ تو میرے سامنے کی طرح حاضر ہوئے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ مغل اپنے مجرم کو معاف نہیں کیا کرتے۔"

توقمش نے شہزادے کے بزدلی کا طعنہ دیا تھا اور صاف الفاظ میں مجرم کہا تھا لیکن شہزادے نے کا ثبوت دیا اور ذلت کی پروا نہ کرتے ہوئے نرمی سے بولا:

"معزز توقمش! میرے خیال میں اسے بہادر ہرگز نہیں کہا جا سکتا جو اپنی بھول یا غلطی کو صحیح کے لیے تلوار کا سہارا لے۔ یقیناً یہ میری غلطی تھی کہ میں بغیر تحقیق کے کریمیا کے علاقے میں داخل ہوا۔ نیت نیک تھی۔"

"شہزادے پارس!" توقمش ایک دم تیز ہو گیا:

"کسی کے علاقے میں پانچ سو سے زیادہ سواروں کو لے کر نہایت خاموشی کے ساتھ داخل ہونا اسے بھول تو اس وقت کہا جا سکتا تھا جب آپ غلطی کا احساس کر کے فوراً واپس چلے جاتے۔ کیا آپ کو نزنگ آدو سمجھ لیا ہے کہ ایک ماہ سے میرے علاقے میں رنگ رلیاں منا رہے ہیں؟"

"نہیں محترم توقمش۔" شہزادے پارس نے غصے کو پوری سختی سے دباتے ہوئے کہا:

"میں نے شرافت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ چشمانیہ کو میں نے باقاعدہ قیمت ادا کر کے خرید رنگ رلیوں کا نام نہیں دیا جا سکتا۔"

"بس شہزادے خاموش ہو جائیے۔" توقمش قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا:

"چشمانیہ کا نام آپ نہ لیجیے۔ اس کا رشتہ مجھ سے طے ہو چکا ہے۔"

"محترم توقمش!"

شہزادے پارس کا لہجہ ذرا تیز ہوا:

"میں نہیں چاہتا کہ ایک عورت کے لیے ہمارے درمیان کشیدگی پیدا ہو۔ چشمانیہ کو پہلے میں نے خریدا ہے اور

قیمت ادا کر دی ہے۔ میں اس سلسلے میں شہزادے توقمش سے بھی درخواست کرنے پر آمادہ ہوں۔ چشمانیہ میں دینے کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں اس لیے آپ براہِ کرم ہمارے درمیان نہ آئیے اور اپنا دعویٰ واپس لے لیجیے۔ یہ آپ کا مجھ پر ایسا احسان ہو گا جسے میں عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔"

شہزادے پارس نے منت و خوشامد کا انداز اختیار کیا تھا اور اپنی محبت کا حوالہ بھی دیا تھا لیکن توقمش کا دل نہ پسیجا۔ وہ پہلے جیسے تلخ لہجے میں بولا:

"شہزادے پارس! چشمانیہ بکاؤ مال ہے جو بڑی بولی دے گا اس کی وہ کنیز بن جائے گی۔ میں نے دگنی قیمت دی ہے۔ اس پر میرا حق ہے۔ میں اپنے حق سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔"

"اے حاکم کریمیا۔ آپ یہ تو غور کریں کہ چشمانیہ پہلے ہی فروخت ہو چکی ہے۔ اس کے باپ نے مجھ سے اس کی قیمت وصول کر لی ہے۔"

پارس نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی:

"چشمانیہ کے باپ کو قیمت وصول کرنے کے بعد اسے دوبارہ فروخت کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

"حق کیوں نہیں ہے شہزادے پارس۔"

توقمش غرایا:

"چشمانیہ کے فروخت کی مدت ایک ماہ مقرر ہوئی تھی۔ میں نے مدت ختم ہونے سے دو دن پیشتر اس کا سودا کیا۔ اب آپ بااختیار ہے۔"

شہزادہ پارس بھی آخر مغل تھا۔ اس کی رگوں میں بھی نیلے اور سفید غول کے خاقان کا خون دوڑ رہا تھا۔ آخر الامر کو منظور کرتا سا سے بھی غصہ آ گیا اور تلخی سے بولا:

"حاکم کریمیا۔ آپ اپنے دو ہزار سواروں کے زور پر مجھے مرعوب کر کے اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ بھی سوچتے کہ میں خود چل کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ حالانکہ میں خاقانِ شرق و غرب کا داماد ہوں۔ اگر چشمانیہ کی ضد بڑھا کر اسے حاصل کرنا ہے تو میں اسے آپ سے چار گنی قیمت دے کر خرید نا چاہتا ہوں۔ میں تو رفعِ شر کے لیے ایسا کر رہا ہوں ورنہ چشمانیہ پر میرا پہلا حق ہے اور....."

"پارس....."

توقمش نے چیخ کر اس کی بات کاٹ دی:

"تم چار گنا قیمت دے سکتے ہو تو میں آٹھ گنا قیمت کی بولی دیتا ہوں۔ میں نہ تم سے ہٹتا ہوں اور نہ تمہارے [illegible] تمہارے باپ نے تو میرا معاملہ دبا رکھا ہے۔ اگر تحقیق کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیلے اور سفید غول میں میرے مغلوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔"

پارس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ تو قتمش کی اس بے ہودہ گفتگو سے وہ اس قدر چراغ پا ہوا کہ ہاتھ بھی بے ساختہ اپنی تلوار پر گیا۔

تو قتمش اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے بھی خود کو مدافعت اور حملے کے لیے تیار کر لیا۔ پارس کو فوراً وقت کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ اس نے تلوار سے ہاتھ ہٹا لیا اور نرمی سے بولا:

"حاکم کریمیا۔ اس طرح قیمت بڑھانے سے سوائے چشتانیہ کے لالچی باپ کے اور کسی کو فائدہ نہیں ہوگا۔ کون فیصلہ کرے گا کہ کس کی قیمت زیادہ ہے اور وہ اسے ادا بھی کر سکتا ہے۔"

"اس کا فیصلہ بہت آسان ہے شہزادے۔" تو قتمش نے ہلکا سا لیکن خوف ناک قہقہہ لگایا۔

"وہ آسان فیصلہ بیان کیجئے۔ شاید وہ مجھے بھی قابلِ تسلیم ہو۔" شہزادے نے بھی احترام اور شائستگی کا دامن نہ چھوڑا۔ اس کا لہجہ غصے سے پاک تھا۔

"بہادروں کا ہر اہم فیصلہ نوکِ تلوار سے ہوا کرتا ہے۔"

تو قتمش نے زانو پر رکھی تلوار کو ذرا سا بلند کیا:

"تلوار کھینچو۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔"

"ہاں حاکم کریمیا۔ آپ نے درست فرمایا۔" شہزادہ نرمی سے پرسکون لہجے میں بولا:

"بے شک بہادر اسی طرح اپنے ذاتی معاملات نمٹایا کرتے ہیں لیکن سوچنا یہ ہے کہ آخر اس کا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک مارا جائے گا۔ اگر آپ میرے ہاتھ سے قتل ہوئے تو یہ مغلوں عظیم بہادر سردار کی موت ہوگی جس کے لیے میں قطعی تیار نہیں۔ اگر میں مارا گیا تو میرے ساتھ ہزاروں کا خون بہے گا۔ میرا باپ ارس خان پورے کریمیا کو روند کے رکھ دے گا۔ مغلوں کا کوئی غول آپ کی حاجا نہیں نکلے گا اور آپ کو خود اپنی سرزمین پر کسی جگہ پناہ نہیں ملے گی۔"

"پارس۔ تم اپنی بزدلی کا جواز دلیلوں میں تلاش کر رہے ہو۔"

"اور مجھے آپکی ناعاقبت اندیشی کا شکوہ ہے۔"

شہزادے پارس کو یقین ہو گیا کہ تو قتمش کسی طور بھی مصالحت پر آمادہ نہیں اور اگر اس سے زبان کی گئی تو سوائے بدمزگی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور خیمے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا:

"امید ہے کہ حاکم کریمیا اس ناگوار ملاقات کو بھولنے کی کوشش کریں گے اور اپنی تلوار کو کسی

نے آرزو کرنے کے لیے محفوظ رکھیں گے۔"

لیکن مجھے....."

لیکن کی ضرورت نہیں معزز تو قتمش....."

شہزادے نے اس کی بات کاٹ دی:

میں آپ سے مزید کوئی معذرت نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی رعایت کا خواہاں ہوں۔ میں نے اپنے مقام پہنچ کر آپ سے درخواست کی اور کچھ مراعات کا خواہش مند ہوا لیکن آپ نے میری ہر بات اور ہر کی۔ اس لیے میری دور اندیشی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں صبح کو پہلی کرن پھوٹنے سے پہلے ہی آپ کا علاقہ واپس چلا جاؤں۔"

ٹھیک ہے۔"

تو قتمش نے غرور سے گردن اکڑا لی:

میں صبح کو اپنے علاقے میں تمہارا کوئی آدمی نہیں دیکھنا چاہتا۔ تمہیں صرف آج کی رات مہلت دی جا سکتی ہے۔"

حاکم کریمیا مطمئن رہیں۔" شہزادے نے لاپروائی سے کہا:

"جانے جو زبان سے کہا ہے اسے پورا کروں گا۔"

سنو پارس خان۔ ایک اور بات ذہن نشین کر لو۔" تو قتمش نے آواز دے کر کہا۔

شہزادہ پارس خیمے کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر تو قتمش کو دیکھا اور طنزیہ لہجے میں

کوئی اور نیا حکم ہو تو وہ بھی سنا دیجیے۔ میں اسے بھی بسر و چشم بجا لاؤں گا۔"

حکم نہیں بلکہ تمہاری بھلائی کی بات ہے۔" تو قتمش نے جواب دیا:

اگر تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں چشتانیہ کا ذرا سا بھی خیال ہو تو اسے کھرچ پھینکو۔ اگر اسے حاصل بخشش کی تو نقصان اٹھاؤ گے۔ شاید تم نہیں جانتے کہ میں اپنے دشمنوں کو نہیں بخشا کرتا۔"

ضرورت کا بھی کیا نرالا نظام ہے۔"

شہزادہ ہنسا۔ پھر بولا:

اپنے دشمن کو بخشا نہیں کرتے اور میں دشمنوں کو معاف کر دینے کا عادی ہوں۔ چشتانیہ کے سلسلے میں یہی کہا جا

اگر شہزادے نے دوسرے شہزادے سے محبت کی بھیک مانگی مگر وہ سراسر شہزادہ اس کی خالی جھولی نہ بھر

فرمایا ہے کہ بہادروں کا ہر اہم فیصلہ تلوار سے ہوا کرتا ہے۔ اگر چشتانیہ کی خواہش ہوتی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ تلوار میرے ہاتھ میں دیکھیں گے۔"

شہزادہ پارس چلا گیا اور تو قتمش اس عجیب و غریب دشمن کے بارے میں سوچنے لگا۔

پہلے تو اسے یہی خیال ہوا کہ شہزادہ پارس بزدل ہے لیکن شہزادے نے زم لہجے میں جس دا جواب دیے تھے وہ اس کی شجاعت اور بہادری کا کھلا ہوا ثبوت تھے۔ یہاں تک کہ شہزادے نے کا نام بھی بتایا تھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ پچھلا نہیں بیٹھے گا اور اپنی توہین کا بدلہ لینے آئے گا۔ یہ نے شہزادے کی دلیری کو پھر بھی تسلیم نہ کیا۔

اس نے خیمے کے ہلتے ہوئے پردے پر نفرت سے نظر ڈالی اور پھر ایک زوردار قہقہہ بلند کا مذاق اڑا رہا ہو یا پھر اپنی کامیابی پر نازاں ہو۔

⊙

حاکم کریمیا تو قتمش کے آنے سے قبل خیموں میں پہلے ہی ہلچل مچ گئی تھی۔ شہزادہ پارس وہاں تھا۔ اس کے پاس لشکر تو نہ تھا لیکن پانچ سو سوار بھی بہت ہوتے ہیں۔ پھر جب تو قتمش نے پار خیمے لگتے تو پڑاؤ ایک میدانِ جنگ کی صورت اختیار کر گیا۔

شہزادہ پارس اور حاکم کریمیا کے درمیان نامہ و پیام بھی جنگی نوعیت کے ہوئے۔ پھر جب تو قتمش نے طلب کیا تو یہ بات مشہور ہو گئی کہ پارس خان اور تو قتمش میں چشمانیہ کے لیے جھگڑا خیمہ نشیں مغلوں کا اندازہ ٹھیک ہی تھا۔ تو قتمش نے چشمانیہ کے باپ کو مجبور کر دیا کہ وہ چشمانیہ کا فیصلہ کرے۔ حالانکہ شہزادے نے مطلوبہ چیزیں بھی اس کے حوالے کر دی تھیں اور تو قتمش نے صرف زبا کہا تھا کہ یہ وہ جو کہا جاتا ہے کہ بندھا ہوا مار کھاتا ہے، یہی بات چشمانیہ کے باپ پر صادق آئی۔ چشمانیہ تو ہاتھ سے جاتی ہی، ساتھ میں پورے قبیلے پر آفت آجاتی۔ شہزادے پارس سے اس نے لی تھی..... گئی ہوئی چیزوں کی واپسی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس لیے اس نے تو قتمش کی زبانی قبو کر لیا اور اس کے حکم پر پارس سے رشتہ توڑ کر تو قتمش سے رشتہ جوڑ دیا۔

چشمانیہ کے باپ کی اس عہد شکنی کو قبیلے کے بعض غیور اور سمجھ دار لوگوں نے پسند نہ کیا تو قتمش کے چنگل سے پھنسے ہوئے تھے۔ حالات یہ بھی ظاہر کر رہے تھے کہ اگر پارس اور تو قتمش میں جنگ

ہو گا۔ ان باتوں کو سوچتے ہوئے چشمانیہ کے باپ کو کسی نے نہ تو ٹوکا اور نہ مخالفت کی لیکن اس غریب چشمانیہ پر قیامت گزر گئی۔

چشمانیہ ایک سیدھی سادی لڑکی تھی۔ وہ ایک اچھی رقاصہ بھی تھی لیکن اس کا رقص عام طور سے خانہ بدوش یک عدد دراتا تھا۔ وہ نہ پڑھی لکھی تھی اور نہ ہی ملکوں کی پروردہ تھی۔ اس کی سہیلیاں بھی اسی کی طرح الھڑ اور چشمانیہ نے لیلیٰ و قیس اور شیریں و فرہاد کے قصے کبھی بھی ترتیب سے نہ سنے تھے کہ عشق و محبت کے محسوس کرتی۔ اس نے تو بس شہزادے پارس کو گھوڑے سے اترتے دیکھا تھا۔ شہزادہ اسے اچھا لگا ہوا اور وہ شہزادے پارس کے ساتھ گھومنے پھرنے لگی۔ اس نے اب تک نہ تو عشق کی چوٹ کھائی تھی کی منزل سے گزری تھی۔

لیکن جب تو قتمش کے حکم سے اس کے خیمے پر پہرہ لگ گیا اور اس کے باپ نے شہزادہ پارس سے ملنے سے سختی روا دیا تو اس کے دل میں محبت کی آگ ایکدم بھڑک اٹھی اور اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ عشق کا درد کیسا ہوتا فراق کے کہتے ہیں۔

چشمانیہ کی بہت کم سہیلیاں تھیں۔ ان میں سے بھی صرف یاسو ایسی تھی جس پر وہ اعتماد کر کے اسے اپنا راز تی۔ یاسو کو بھی چشمانیہ سے بہت پیار تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسے چشمانیہ سے عشق تھا۔ اسی نے چشمانیہ عار کیا تھا اور اپنے کپڑے پہنا کر شہزادے پارس سے ملانے لے گئی تھی ورنہ اس کی بعض سہیلیاں تو اس خبر لی تھیں کہ چشمانیہ کو دیکھنے کے لیے خاقانِ مشرق و مغرب کے بیٹے نے طلب کیا ہے۔

"کیا ہوا گیا یاسو؟" چشمانیہ، یاسو کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھتے ہی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی..... اور رونے لگی۔

سیدھی ہو کر بیٹھو چشمانیہ۔" یاسو اسے پرے ہٹاتے ہوئے بولی:

اس طرح ٹسوے بہانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ تجھے کچھ پتہ بھی ہے کہ باہر کیا ہوا ہے؟"

یاسو کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ چشمانیہ سہم کر دور جا بیٹھی۔ پھر افسردگی سے بولی:

ہاں مجھے معلوم ہے میرے باپ نے میرا رشتہ شہزادے سے توڑ دیا ہے۔"

رشتہ توڑا ہی نہیں بلکہ تیرا رشتہ کریمیا کے حاکم سے جوڑنے کا اعلان بھی کیا ہے۔" یاسو نے

ہاں میں نے یہ اعلان سنا ہے۔ مجھی سے تو پریشان ہوں۔"

چشمانیہ نے سسکی لی: "میں تیرے پاس آنے والی تھی لیکن اب تو مجھے باہر نکلتے ڈر لگتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تیرے پاس تو آ بھی نہیں سکتی تھی۔"

یاسو کچھ نرم پڑی:

"باہر جھانک کر دیکھ۔ تجھے خیمے میں قید کر دیا گیا ہے۔ تُو باہر نہیں نکل سکتی۔"

"مگر کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟" چشمانیہ نے گھبرا کر پوچھا:

"کریمیا کے سردار کا میں نے کیا بگاڑا ہے؟"

"وہ تجھے اپنی کنیز سمجھنے لگا ہے۔" یاسو منہ بنا کر بولی:

"بڑا آیا ہے سردار بن کر۔ ایک کوڑی ادا نہیں کی اور خواہ مخواہ تیرا مالک بن گیا۔ میں نے اسے ہشکل سے پورا بند رکھا ہے۔"

"میں..... میں..... اس سے شادی نہیں کروں گی۔" چشمانیہ نے ہکلاتے ہوئے کہا:

"میں نے شہزادے سے وعدہ کیا ہے۔ میں اس کے لیے زندہ رہوں گی اور....."

"کیا تجھے شہزادے سے واقعی اتنی محبت ہے؟" یاسو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں یاسو۔" چشمانیہ سنبھل کر بولی:

"اگر کسی اور نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کر دوں گی۔"

"تجھ میں اتنا حوصلہ ہے بھی؟" یاسو نے طنز کیا۔

"یاسو۔ تُو دیکھ لینا۔ میں جان سے گزر جاؤں گی لیکن سوائے شہزادے کے اور کسی کا منہ نہیں دیکھوں گی۔" چشمانیہ نے بڑی مستقل مزاجی سے کہا۔

"چشمانیہ۔ اگر تجھے شہزادے سے واقعی محبت ہے اور تجھ میں حوصلہ بھی ہے تو دھیان سے سن۔ میں تجھے بتاتی ہوں کہ باہر کیا کچھ ہوا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔"

یاسو نے ایک لمبا سانس لیا۔

چشمانیہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئی۔

"کریمیا کے حاکم نے یہاں پہنچتے ہی تیرے باپ کو بلوا بھیجا۔"

یاسو نے کہنا شروع کیا:

"اس نے حکم دیا کہ تیری نسبت شہزادے پارس سے توڑ کر اُس سے کر دی جائے۔ تیرا باپ لالچ میں آ گیا۔ شہزادے سے تیرا رشتہ ختم کر دیا اور دوسری طرف اس نے شہزادے پارس کو ایک آدمی کے ذریعے حکم بھیجا کہ وہ یہ علاقہ خالی کر کے اپنی حکومت میں چلا جائے۔ شہزادے اور حاکم کریمیا کے درمیان دیرینہ پیام آنے جانے

یہ فیصلہ ہوا لیکن اس دوران تیرے خیمے پر پہرہ لگ گیا اور تیرے باپ کو دوسری جگہ قید کر دیا گیا۔ میں پہرے کی ڈیوٹی میں تھی اس لیے تیرے پاس نہیں آ سکی۔ اب جو آئی ہوں تو اس پہرے دار سے ایک گھنٹہ جھک مجھ نے بھی خوب سنائی ہیں اسے۔ کہتا تھا کہ اس خیمے میں تو چشمانیہ کا باپ بھی نہیں جا سکتا مگر میں بھی اپنے باہر ہوں۔ میں آ کے وہی اوباب ہر وقت آتی جاتی رہوں گی۔ مجھے کوئی نہیں روکے گا۔"

چشمانیہ دم بخود بیٹھی سن رہی تھی۔

یاسو حاتی لینے کے لیے رکی تو اس نے پوچھا:

"کچھ شہزادے کے بارے میں بھی معلوم ہوا۔ وہ کیا کہتے ہیں؟"

"وہ..... وہ بھی شاید تیری طرح پریشان ہے۔"

یاسو مسکرائی:

"وہ پریشان ہو کر تیرے پاس آیا تھا۔"

"میرے پاس؟" چشمانیہ گھبرا کر بولی:

"نہیں۔ دھوکا ہوا ہے یاسو۔ یہاں تو صبح سے کوئی بھی نہیں آیا۔"

"تجھے پتہ نہیں چشمانیہ۔"

یاسو نے بتایا:

"شہزادہ جب کریمیا کے حاکم کی باتوں سے مایوس ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر تیرے خیمے پر آیا تھا لیکن خیمے پر پہرہ دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور گھوڑا موڑ کر کریمیا کے حاکم کے پاس چلا گیا۔"

"کس کے پاس؟"

چشمانیہ پریشان ہو گئی:

"کیا شہزادے، حاکم کریمیا کے پاس گئے ہیں؟"

"ہاں ہاں۔ اسی بندر کے پاس گئے تھے۔" یاسو نے جواب دیا:

"خیمے کے قریب ہی کھڑی کریمیا کے سواروں سے باتیں کر رہی تھی۔ شہزادے جب کریمیا کے حاکم سے ملاقات کر کے واپس آئے تو تھکے تھکے اور پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ وہ خاموشی سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے پڑاؤ کی طرف چلے گئے۔"

"اسے اب کیا ہو گیا یاسو؟" چشمانیہ کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"کیا باتیں ہوئیں وہاں۔ کہیں جنگ نہ ہو جائے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باتوں کا تو میں پتہ نہیں لگا سکی۔"

یاسو نے انکار میں سر ہلایا:

"میں نے سوچا تھا کہ شہزادہ جب واپس آئے گا تو اس سے ملنے کی کوشش کروں گی لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ ایک تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے۔ پھر شہزادے نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی گھوڑا بھگا دی تھی۔"

"پھر کیسے معلوم کیا جائے کیا ہونے والا ہے، کون بتائے گا؟" چشمانیہ کو پسینے لگ گئے۔ اس کا دل سے دھڑکنے لگا۔

"ابھی تو کچھ پتہ نہیں لگ سکتا۔ ہاں رات ہو جانے دو تو میں شہزادے کے پاس جاؤں گی۔" یاسو نے دلیری سے کہا:

"اب تو اپنے دل کا حال بتا۔ تو کیا چاہتی ہے؟"

"میں کیا چاہتی ہوں یاسو۔ تو مجھ سے پوچھتی ہے؟"

چشمانیہ تیز تیز سانسیں لینے لگی:

"معلوم نہیں یہ بندر کہاں سے آ کے مر گیا۔ دو دن اور نہ آتا تو اس کا کیا بگڑتا۔ میں اپنے گھر لگ جاتی!"

"ان باتوں کو چھوڑ۔ یہ بتا کہ تو کرنا کیا چاہتی ہے؟"

یاسو نے اسے جھڑکا:

"ابھی تو شہزادہ یہیں ہے۔ کل کلاں وہ واپس چلا گیا تو عمر بھر روتی رہے گی۔ پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔"

"تو میں کیا کروں؟"

چشمانیہ انگلیاں چٹخانے لگی:

"تو ہی بتا میں کیا کروں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ بس..... کسی طرح اڑ کر پارس کے پاس پہنچ جاؤں۔"

"تو اس کے پاس جانا چاہتی ہے؟"

"ہاں..... مگر....."

"مگر وگر نہیں، صرف ہاں یا نہیں میں جواب دے۔"

"ہاں۔ اگر وہ مجھے لینے آ گیا تو میں انکار نہیں کروں گی۔"

"اگر وہ یہاں نہ آ سکا تو پھر....."

"پھر کیا..... پھر میں کیا کروں گی؟"

"تجھے وہاں جانا ہوگا۔"

"بھاگ کر....."

چشمانیہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے:

"نہیں یاسو۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ تمام قبیلے میں بدنام ہو جاؤں گی۔ میرے باپ کی ناک کٹ جائے گی۔"

"تیرے باپ نے عہد شکنی کر کے اپنی ناک تو پہلے ہی کٹوا لی ہے۔" یاسو غصے سے بولی:

"پورے قبیلے والے لعنت بھیج رہے ہیں اس پر۔ وہ تو کہتے ہیں کہ اگر کریمیا کا حاکم نہ آیا ہوتا اور تیرا باپ اس طرح وعدہ خلافی کرتا تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے تیرا ہاتھ شہزادے کے ہاتھ میں دے دیتے۔ پورا قبیلہ شہزادے کی طرف ہے مگر خوف کی وجہ سے خاموش ہیں۔ کریمیا کے حاکم کے پاس دو ہزار ہیں۔ کون مقابلہ کر سکتا ہے؟"

چشمانیہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"کن خیالوں میں کھو گئی ہو؟"

یاسو نے اسے چونکایا:

"میں یہ نہیں کہتی کہ تو اسی وقت شہزادے کے پاس چلی جا۔ ابھی تو مجھے شہزادے کا حال معلوم کرنا ہے۔ آخر اس کا کیا ارادہ ہے۔ ہاں اگر ایسا موقع آ گیا تو پھر شہزادہ کو حاصل کرنے کی یہی صورت ہوگی۔ تیرے خیمے پر پہرہ ہے، شہزادہ یہاں نہیں آ سکتا۔ فوراً جنگ شروع ہو جائے گی۔"

"مگر میں بھی تو باہر نہیں جا سکتی۔" چشمانیہ پریشانی سے بولی:

"پہرے دار مجھے کب جانے دیں گے۔"

"اس کی تو فکر نہ کر..... بس اپنا دل مضبوط کر لے۔"

پھر یاسو نے اس سے سرگوشیوں میں کچھ کہا۔ چشمانیہ اس دوران کبھی سر ہلاتی اور کبھی آنکھیں پھیلا کر تعجب کا اظہار کرتی رہی۔

سرگوشیوں کے بعد یاسو اٹھ کر خیمے سے باہر چلی گئی اور چشمانیہ پھر سوچ میں کھو گئی۔

رات کو یاسو لوگوں کی نظریں بچاتی شہزادے کے پڑاؤ میں پہنچ گئی۔ شہزادے نے دل برداشتہ ہو کر سامان بندھوا شروع کر دیا تھا۔ آدھے سے زیادہ خیمے اکھاڑے جا چکے تھے اور سامان گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا۔

شہزادے کو خبر کی گئی کہ چشمانیہ کی سہیلی یاسو آپ سے ملنا چاہتی ہے تو وہ خود خبر دینے والے کے ساتھ جا کر یاسو کو ایک خیمے میں لے جا کر بٹھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شہزادے بہادر"۔

یاسو نے فوراً بات شروع کر دی:

"مجھے نہیں معلوم کہ کربیا کے حاکم اور آپ کے درمیان کیا بات ہوئی لیکن خیمے اکھاڑے جانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ واپس جا رہے ہیں"۔

"ہاں یاسو"۔ شہزادہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا:

"میں نے تو تمتش سے مصالحت کی بہت کوشش کی۔ میں نے اپنے وقار کی بھی پروا نہیں کی۔ خوشامد سے بھی دریغ نہ کیا لیکن وہ مغرور دو ہزار سواروں پر پھولا ہوا ہے۔ اس نے میری ایک نہ مانی اور مجھے رات کے اندر اندر اپنی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا ہے"۔

"مگر شہزادے بہادر۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی"۔

یاسو نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا:

"یہ تو کوئی دوستی اور محبت نہ ہوئی۔ آپ چشمانیہ کو بے یار و مددگار چھوڑے جا رہے ہیں۔ کیا یہی عہد و پیمان ہوئے تھے آپ دونوں میں؟"

"کیا کروں یاسو۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں"۔ شہزادے نے افسردگی سے کہا:

"میں تو تمتش سے وہ بدلہ لوں گا کہ دنیا دیکھے گی۔ وہ میرے ہاتھ سے بچ نہ سکے گا"۔

"شہزادے۔ آپ تو بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں"۔ یاسو جل کر بولی:

"کربیا کا حاکم جب چشمانیہ کو اپنی لونڈی بنا لے گا تو پھر آپ لاکھ کچھ کرتے رہیں، سب بے کار ہوگا۔ سانپ نکل جائے تو پھر لکیر پیٹنے سے کیا حاصل ہوگا؟"

"میری مجبوری بھی دیکھو یاسو"۔

شہزادے کی آواز گہرے غم میں ڈوبی ہوئی تھی:

"میرا اکیلا معاملہ ہوتا تو میں لڑ بھڑ کے مر جاتا لیکن پانچ سو سواروں کو دو ہزار سے لڑا دینا مورت کو دفن دینا ہے۔ ایک بھی زندہ نہیں بچ سکے گا"۔

"تو پھر یوں کہیے کہ آپ کو چشمانیہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی"۔

یاسو نے تیوریاں چڑھا لیں:

"اسے آپ کھلونا سمجھ کے کھیل رہے تھے۔ ذرا سی مصیبت پڑی تو پیٹھ دکھا کر چل دیے"۔

شہزادہ بڑا عاجز بندہ ہوا۔ بولا:

"اچھا یہ بتاؤ چشمانیہ کیا چاہتی ہے؟ اگر وہ کہتی ہے کہ میں تو تمتش سے جنگ کروں تو میں اپنی آن کی قسم کھاتا ہوں کہ اسی وقت تو تمتش پر حملہ کر دوں گا اور چشمانیہ پر ثابت کر دوں گا کہ میں اس سے وفادار ہوں"۔

"چشمانیہ یہ ہرگز نہیں چاہے گی کہ آپ ایک بے کار سی جنگ کر کے خود کو اور اپنے سواروں کو ہلاکت میں ڈال دیں"۔

یاسو نے مستقل مزاجی اور سنجیدگی سے کہنا شروع کیا:

"وہ تو آپ کی اور آپ کے سواروں کی زندگی کی خواہشمند ہے۔ آپ ایسا قدم اٹھائیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔

"یاسو۔ تم سمجھتی ہو کہ میں نے کوشش نہیں کی؟" شہزادہ بڑے کرب سے بولا:

"یقین کرو کہ میں نے تو تمتش کو رام کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اب صرف جنگ ہی رہ جاتا ہے اور اس کے لیے بھی میں تیار ہوں"۔

"شہزادے بہادر۔ ابھی وقت ہے۔ آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے"۔

یاسو شہزادے کی طرف سے بالکل مطمئن ہونے کے بعد مطلب پر آئی:

"آپ تیار ہوں تو یہ سنسنی جنگ کے بغیر بھی حل ہو سکتا ہے۔ بس ذرا ہمت کی ضرورت ہے"۔

"میں ہر طرح تیار ہوں یاسو"۔ شہزادے نے بے چینی سے کہا:

"چشمانیہ کے لیے میں ہر قدم اٹھا سکتا ہوں"۔

"شہزادے بہادر۔ آپ کا سامان بندھ رہا ہے۔ رات کے کسی بھی پہر آپ کوچ کر سکتے ہیں"۔ یاسو کہتے کہتے رکی اور اس نے شمع کی روشنی میں شہزادے کو غور سے دیکھا۔

"رکو مت یاسو۔ میں سن رہا ہوں"۔ شہزادہ اضطراب سے بولا۔

"میرا مطلب ہے جہاں آغا سامان لے جا رہے ہیں وہاں اس میں ایک سامان کا اور اضافہ کر لیجیے"۔

"میں سمجھ نہیں سکا یاسو"۔ شہزادے نے الجھتے ہوئے پوچھا:

"تم کس سامان بھیجنا چاہتی ہو؟ کتنا وزن ہے اس کا؟"

شہزادے۔ چشمانیہ کا وزن کچھ زیادہ نہیں"۔

یاسو نے زیر لب تبسم کیا:

"اسے تو آپ اپنے گھوڑے پر پشت کے ساتھ بھی بٹھا سکتے ہیں"۔

"کیا چشمانیہ.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے کا منہ حیرت سے کھل گیا:

"کیا وہ اپنے باپ کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہے؟"

"شہزادے بہادر۔ باپ کا گھر تو ہر بیٹی کو ایک نہ ایک دن چھوڑنا پڑتا ہے"۔ یاسو نے سنجیدگی سے کہا۔ "کبھی خوشی اور کبھی آج جیسے حالات کی مجبوری سے۔ آپ کو شاید پتہ نہیں کہ چشمانیہ کے باپ کو ایک الگ خیمے میں قید کر دیا گیا ہے۔ اسے چشمانیہ سے ملنے کی بھی اجازت نہیں۔ پھر ایسے چھوڑنے نہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

شہزادے کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اسے اس کام میں بڑے خطرات نظر آ رہے تھے لیکن چشمانیہ پیکر اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا جو شہزادے کو ہر خطرے سے لاپروا کر رہا تھا۔ یاسو نے بات ختم کی تو اس نے ایک سدھے کا اظہار کیا:

"یاسو۔ تم جانتی ہو کہ چشمانیہ کے خیمے پر پہرہ ہے۔ اگر وہاں سے نکلتے ہوئے کچھ گڑبڑ ہو گئی اور چشمانیہ کو نقصان پہنچا تو کیا ہو گا؟"

"شہزادے۔ دل میں وسوسوں کو جگہ نہ دیجیے"۔ یاسو اطمینان سے بولی:

"خطرہ تو ہر کام میں ہوتا ہے اور بہادروں کا کام ہی خطرات سے کھیلنا ہے۔ آپ بس چشمانیہ کو ساتھ لے جانے کی حامی بھر لیجیے اور باقی باتیں قسمت پر چھوڑ دیجیے۔"

"بس تیا۔ ہوں یاسو"۔

شہزادے نے فیصلے کا اعلان کر دیا:

"چشمانیہ کے بغیر میری زندگی بھی ادھوری ہے"۔

"آپ بس وقت کو چک کے لیے تیار ہو جائیں گے"۔ یاسو نے پوچھا۔ وہ چاہتی تھی صحیح وقت معلوم ہو جائے تاکہ وہ اپنا اگلا قدم بھی اس کے مطابق اٹھائے۔

"زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے"۔ شہزادے نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"چشمانیہ کے لیے ایک الگ گھوڑا تیار رکھیے گا"۔ یاسو نے اسے تاکید کی:

"چشمانیہ اچھی شہسوار ہے۔ پھر بھی سفر کے دوران آپ اسے اپنے سے آگے رکھیے گا"۔

شہزادے نے سر ہلا کر یاسو کو مطمئن کر دیا۔

یاسو اٹھلاتی ہوئی چشمانیہ کے خیمے میں پہنچی۔ یاسو اور پہرے داروں میں پہلے تکرار ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے چوں چرا نہیں کیا۔ چشمانیہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے یاسو کو دیکھا۔ یاسو نے جواب دینے کے بجائے مسکرا کر سر ہلایا۔ چشمانیہ کا دھڑکتا ہوا دل اپنی فطری رفتار پر آ گیا۔

یاسو نے اپنے کپڑے اتار کر چشمانیہ کو پہنا دیے اور چشمانیہ کا ایک جوڑا نکال کر خود پہن لیا۔ اس کام کے دوران وہ آہستہ آہستہ چشمانیہ کو وہ باتیں بھی بتاتی رہی جو اس کے اور شہزادے پارس کے درمیان ہوئی تھیں۔

چشمانیہ اپنی سہیلی کی بڑی احسانمند تھی اور بار بار کبھی اس کے ہاتھ اور کبھی محبت سے اس کا منہ چوم لیتی تھی۔ یاسو کے مطابق جب ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تو یاسو نے چشمانیہ کو باہر جانے کا اشارا کیا۔ چشمانیہ بہادر اور مخلص سہیلی سے گلے ملی اور پھر بسم اللہ کہہ کر خیمے سے قدم نکالا۔ باہر نکلتے وقت اس کے پیر لرز رہے تھے لیکن اس نے فوراً پیروں پر قابو پا لیا اور قدم جما کے چلنے لگی۔ یاسو پردے سے لگی کھڑی تھی اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ پھر صرف ایک شمع ٹمٹما رہی تھی۔ چشمانیہ کے بدن پر یاسو کے کپڑے تھے۔ کسی پہریدار کو شبہ نہیں ہوا اور چشمانیہ صرف دو گز کے فاصلے سے پہریدار کے پاس سے بے جھجک نکل گئی۔ آگے اندھیرا تھا۔ یہ اندھیرا ہی چشمانیہ کا پردہ اور مددگار بن گیا۔ وہ شہزادے کے پڑاؤ کو جانے والے ہر موڑ اور راستے سے واقف تھی۔ منزل تک پہنچنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

شہزادہ پارس روانگی کے لیے بالکل تیار تھا۔ تمام خیمے ڈیرے بار کیے جا چکے تھے۔ ہر طرف تاریکی پھیلی تھی۔ اسی اندھیرے میں چشمانیہ سامان کی گاڑیوں کے پاس سے گزرتی ہوئی شہزادے کے قریب پہنچ گئی لیکن تاریکی کی وجہ سے شہزادہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔

چشمانیہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ایک گاڑی کے پاس ایک آدمی شمع لیے کھڑا تھا اور اس کی ہلکی روشنی میں گاڑی پر سامان لادا جا رہا تھا۔ چشمانیہ اس کی طرف بڑھی۔ اسے سب ہی پہچانتے تھے لیکن اس وقت وہ کپڑے پہنے ہوئے تھی جنہیں وہ دو گھنٹے پہلے اس کی سہیلی شہزادے سے ملنے آئی تھی۔ شہزادے کے آدمیوں نے ٹمٹماتی روشنی میں چشمانیہ کو دیکھا تو انہیں گمان ہوا کہ وہ چشمانیہ کی سہیلی یاسو ہے۔

ان میں سے ایک آدمی بھاگتا ہوا شہزادے کے پاس گیا اور آہستہ سے کہا:

"شہزادے بہادر۔ وہی عورت پھر آئی ہے"۔

"کون عورت؟" شہزادہ بے پہچانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے قدم رک گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہی عورت شہزادے۔" اُن کی سہیلی "آدمی چشمانیہ کا نام لیتے ہوئے ہچکچایا۔

"چشمانیہ کی سہیلی یاسو۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔" شہزادے کا دل دھک سے رہ گیا۔

"جی ہاں۔ وہی دربارہ آئی ہے۔"

شہزادہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا۔

چشمانیہ گاڑی سے ہٹ کر قدرے تاریکی میں کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے شہزادے کو آتے دیکھا تو لپکتی شمع کے پاس آ گئی۔

شہزادے کی نظر اس پر پڑی تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

"ارے تم۔۔۔۔"

اور وہ جلدی سے شمع اور چشمانیہ کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا:

"یہاں روشنی ہے۔ تم گاڑی کے پیچھے ہو جاؤ۔" شہزادے نے سرگوشی کی۔

شہزادے نے بیاحتیاطی اس لیے برتی کہ اگر تو قتمش کا کوئی آدمی اس کی روانگی دیکھنے کہیں چھپا ہو تو وہ چشمانیہ کو نہ دیکھ سکے۔

چشمانیہ گاڑی کے پیچھے ہو گئی۔ شہزادہ بھی وہیں پہنچ گیا۔ بولا:

"چشمانیہ! میں تو گھبرا گیا تھا۔ میرے آدمی نے مجھے خبر دی تھی کہ یاسو دوبارہ آئی ہے۔"

"میں یاسو کے کپڑے پہن کر آئی ہوں۔" چشمانیہ نے آہستہ سے کہا:

"میں سمجھ گئی تھی کہ انہیں مجھ پر یاسو کا شبہ ہوا ہے لیکن مجھے انہیں بتانا اور اپنی شناخت کرانا مناسب نہ معلوم ہوا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔" شہزادے نے بھی آواز دبا کر کہا:

"میں تمہیں اسی لیے اندھیرے میں لے آیا ہوں۔ اب بتاؤ کیا ارادہ ہے؟"

"آپ میری مرضی پوچھ رہے ہیں۔" چشمانیہ لرزتے لہجے میں بولی:

"میں تو اپنی دنیا اجاڑ کے آپ کے پاس آ گئی ہوں، جو حکم دیں گے بجا لاؤں گی۔"

"گھبراؤ نہیں چشمانیہ۔" شہزادے نے سنجیدگی سے کہا:

"میں نے تم کو اپنا کہا ہے۔ تم میری ہو۔ میں تمہاری نیک نامی اور صداقت میں اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔"

"ایسا نہ کہیے شہزادے۔ یہ بدشگونی کے الفاظ ہیں۔" چشمانیہ نے اسے بزرگانہ نصیحت کی۔

"اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔"

شہزادہ اس کو ساتھ لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ جہاں دو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ شہزادے کے کئی سردار بھی وہاں

تمہارے لیے اگلا گھوڑا تیار کرا دیا گیا ہے۔" شہزادے نے کہا:

اگر یہ ہو تو میرے ساتھ گھوڑے پر بھی سفر کر سکتی ہو۔"

نہیں شہزادے۔"

چشمانیہ نے انکار کر دیا:

لیے اگلے گھوڑے پر سفر کرنا زیادہ پسند ہے۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں آپ سے پیچھے نہیں رہوں گی۔"

چشمانیہ! تم تو سب سے آگے رہو گی۔"

شہزادے نے سہارا دے کر اسے گھوڑے پر سوار کرایا:

یاسو نے کہا تھا کہ تمہیں آگے ہی رکھا جائے۔"

ں کی ضرورت نہیں۔"

چشمانیہ سنبھل کر بیٹھ گئی:

ھوڑے گھڑسواری میں اناڑی سمجھتی ہے اس لیے کہہ دیا ہو گا۔ میں آپ کے گھوڑے سے گھوڑا ملا کر

زادے پاس کا خیال ٹھیک تھا۔ تو قتمش نے اپنے ایک آدمی کو شہزادے کے پارس کے پڑاؤ پر بھیجا تھا کہ وہ ت تک موجود رہے جب تک شہزادہ پڑاؤ سے چلا نہیں جاتا۔ تو قتمش کا آدمی شہزادے کے پڑاؤ کے قریب چھپ گیا تھا۔

زادے نے تو قتمش کے پاس سے آتے ہی روانگی کا حکم دے دیا تھا اور جب کھڑا شروع ہو گئے تھے، تو قتمش یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اندھیرا پھیل گیا تو پڑاؤ کے ذرا اور قریب آ گیا۔ سامان لادنے کے لیے شمعیں روشن کی گئی تھیں لیکن جوں جوں کام نمٹتا گیا شمعیں بھی گل ہوتی گئیں۔ آخر شہزادے کے خیمے کی لالٹین بجھ گئی اور سامان سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں کھڑکھڑاتی اور شور مچاتی شمال کی طرف چل پڑیں۔

ر کا آدمی پھر بھی وہاں اس وقت تک کھڑا رہا جب تک اس کے کانوں میں گاڑیوں کے شور کی آواز آتی لطمینان کر لینے کے بعد کہ شہزادہ پارس پڑاؤ سے دور نکل گیا ہے اور اس کے واپس آنے کا کوئی ہے، وہ واپس تو قتمش کے پاس پہنچا۔

ر کر شہزادے کے واپس جانے کی اطلاع سے بڑی مسرت ہوئی۔ اس نے اپنے خیال میں شہزادے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوب ذلیل کیا تھا۔ اسے اب کوئی دھڑکا یا خوف نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے اس نے حکم دیا کہ چشمانیہ کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔

اس نے چشمانیہ کے حسن و جمال اور رقص کی بہت تعریف سنی تھی۔ اس نے سوچا کہ شہزادے پارس کو شکست دینے کی خوشی میں کیوں نہ جشن منایا جائے اور اس بہانے چشمانیہ کے رقص کے کمال سے بھی محظوظ ہوا جائے۔ اسے اور کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے تو بس شہزادے کو شکست دینا تھی اور اس میں وہ کامیاب رہا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر چشمانیہ اس کے گلے پڑ ہی گئی تو وہ اسے اپنی کنیزوں میں داخل کر لے گا اور اس کی کنیزوں میں ایک کنیز کے اضافے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

تو قتمش کے چار ذاتی محافظ شمعیں اٹھائے ہوئے چشمانیہ کو لینے اس خیمے پر پہنچے جہاں وہ قید تھی۔ ان کی کوچشمانیہ کے خیمے پر پہرہ دینے والے سوار پہچانتے تھے۔ وہ شاہی محافظ ہونے کی وجہ سے ان کا مرتبہ سواروں سے بلند تھا۔ سواروں نے فوراً انہیں سلام کیا اور آنے کا سبب پوچھا۔ انہیں بتایا گیا کہ حاکم کریمیا نے چشمانیہ کو فوراً طلب کیا ہے۔ چشمانیہ کے پہریداروں کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ ان میں سے ایک شمع لیے ہوئے خیمے کے دروازے پر پہنچا اور تحکمانہ لہجے میں بولا:

"چشمانیہ باہر آؤ۔ حاکم کریمیا نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

ذرا دیر خاموشی رہی۔ پھر خیمے کا پردہ اٹھا اور یاسو باہر آئی۔ یاسو کو دیکھ کر پہرے دار گھبرا گیا۔ اس نے شمع کو چہرے کے بالکل قریب کر دیا اور اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

"کیا گھور گھور کر دیکھ رہے ہو۔ کیا میں کوئی تماشا ہوں؟" یاسو کمر پر ہاتھ رکھ کر کڑک کر بولی۔

"تم..... تم ہو..... مگر وہ..... وہ۔" پہریدار ہکلا گیا۔

"کیا تم..... وہ وہ..... لگائی ہے۔" یاسو دانت پیس کر گئی۔

حاکم کریمیا کے محافظ جو ذرا دور کھڑے تھے وہ یہ تُو تُو مَیں مَیں سن کر شمعیں لیے قریب آ گئے۔

"تم نہیں۔ چشمانیہ کو باہر بھیجو۔" پہرے دار نے سنبھل کر اپنی آواز میں رعب پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"چشمانیہ اندر نہیں ہے۔" یاسو نے بڑی ناپروائی سے جواب دیا۔

"اندر نہیں ہے تو پھر کہاں گئی؟"

"اپنے باپ کے پاس گئی ہے۔"

"تُو جھوٹ بول رہی ہے۔" پہریدار چیخ کر بولا۔ پھر شاہی محافظوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"صاحبو۔ یہ جھوٹی ہے۔ چشمانیہ اندر ہے۔ آپ اندر چل کر اسے پکڑ لیجیے۔"

...نظاں کی سمجھ میں تو کچھ نہ آیا۔ انہیں تو چشمانیہ چاہیے تھی۔ وہ بے دھڑک خیمے کے اندر گھس گئے۔ یاسو کا ...ا تھا۔ محافظوں نے خیمے کا سامان الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ تمام سامان خیمے میں بکھر گیا مگر چشمانیہ ...

...چشمانیہ چاہیے۔" ایک محافظ نے خیمے کے پہریداروں کو مخاطب کیا:

...شمانیہ جہاں سے بھی ہو پیدا کرو۔ ورنہ تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ یہ حاکم کریمیا کا حکم ہے۔"

...ے دار، کو یاسو کی خیمے میں موجودگی سے کچھ شبہ تو پڑ گیا تھا لیکن شبہ کے اظہار سے وہ خود مجرم بن جاتے۔ ...ظاں دیووں کا سہارا لینا شروع کیا۔

...ے دار نے یاسو کی گردن پکڑی اور چیخ کر بولا:

...تا چشمانیہ کو کہاں چھپایا ہے ورنہ میں تیرا گلا گھونٹ دوں گا۔"

...نے واقعی یاسو کا گلا دبانا شروع کر دیا تھا اور اس غریب کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ ایک محافظ کو ...گیا۔ اس نے دھکا دے کر اسے یاسو سے الگ کیا۔

...نیہ کہاں ہے لڑکی؟" محافظ نے نرمی سے پوچھا:

...چشمانیہ چاہیے۔ تجھے کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

...ہا تو رہی ہوں۔" یاسو گلا سہلاتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں بولی:

...خیمے میں بیٹھا کر باپ سے ملنے گئی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ حاکم کریمیا نے اسے باپ سے ملنے کی ...ہے۔ لیکن آئی ہی ہو گی۔ ذرا دیر کے لیے کہہ کر گئی ہے۔ یہ تو خوا مخواہ میرا گلا دبا رہے ہیں۔ شرم نہیں ...ا تو اٹھاتے ہوئے۔"

...سکیاں لینے لگی۔

...چشمانیہ کو فرار ہونے کا مشورہ دیا تھا تو جانتی تھی کہ جب بات کھلے گی تو ساری مصیبت اسی پر آئے گی ...سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں لیکن چشمانیہ کو فرار کرانے کا یہی طریقہ تھا کہ یاسو اسے اپنے کپڑے پہنا کر ...فرار کرے۔ اس نے یہ مصیبت خود مول لی تھی۔ وہ چشمانیہ کی عزیز ترین سہیلی تھی اور اسے دل سے ...اور اسے کے پڑاؤ سے گاڑیوں کی روانگی کا شور بھی سنا تھا اور اپنی کامیابی پر خوش بیٹھی تھی کہ وہ بلا ...صبح سے پہلے امکان نہیں تھا۔ وہ پھر بھی حوصلے سے کام لے رہی تھی اور گفت گو کو زیادہ سے زیادہ ...کوشش کر رہی تھی تاکہ شہزادہ اور چشمانیہ ان لوگوں کی پہنچ سے دور نکل جائیں۔

...سکیاں بھر چکی تو ایک محافظ نے پوچھا: "چشمانیہ کا باپ کہاں رہتا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سردار۔ مجھے کیا پتہ کہ اس کا باپ کہاں ہے؟"

یاسو نے انہیں اور الجھانے کی کوشش کی:

"اس کا گھر تو یہی خیمہ ہے۔ چشمانیہ اور اس کا باپ اسی میں رہتے تھے لیکن اسے آپ کے ا
تھا جب سے اس کا کوئی پتہ نہیں۔ ہم کو تو بس یہی معلوم ہے کہ چشمانیہ کے باپ نے آپ کے ا
چشمانیہ کو فروخت کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کے بادشاہ کے پاس ہو اور چشمانیہ اس سے ملنے وہیں گ

"یہ لڑکی بہت باتونی معلوم ہوتی ہے۔" ایک محافظ نے جھنجلا کر کہا:

"اس کے ساتھ سر کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چشمانیہ کے باپ کا پتہ لگاؤ اس کے پاس چلتے

ایک محافظ ان سے دور کھڑا تھا، قریب آ کر بولا:

"مجھے معلوم ہے اسے کس خیمے میں رکھا گیا ہے۔ میں نے کچھ دیر وہاں پہرہ دیا تھا۔ میں
پہنچا سکتا ہوں۔"

محافظ تمام پہرے داروں کو ساتھ لے کر چشمانیہ کے باپ کے خیمے کی طرف چل دیے۔

یاسو چیخ کر بولی:

"چشمانیہ مل جائے تو اس سے کہنا کہ جلدی واپس آ جائے۔ میں اکیلے بیٹھے بیٹھے گھبرا گئی ہوں
خیمے میں اکیلی ہے اور میرا بھائی بیمار ہے۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔"

"جہنم میں جا تو لڑکی!"

ایک محافظ کو غصہ آ گیا:

"تو نے تو بک بک کر کے دماغ چاٹ لیا ہے۔"

یاسو نے موقع غنیمت جانا اور اپنے خیمے کی طرف چل پڑی۔

چشمانیہ کے باپ کے خیمے میں ہنگامہ ہو گیا۔ اس کے خیمے پر سخت پہرہ لگا تھا۔ ایک محافظ
وہاں کے پہریداروں سے بڑے رعب سے کہا:

"چشمانیہ کو اندر سے بلاؤ۔ ہم اسے ساتھ لے جائیں گے۔"

"اندر سے کوئی باہر نہیں آ سکتا۔" ایک پہریدار نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"پھر ہم خود اندر جا کر اسے پکڑ لائیں گے۔"

"خیمے کے اندر بھی کوئی نہیں جا سکتا۔" پہریدار نے صاف انکار کر دیا۔

"ہم شاہی محافظ ہیں۔ کیا تم ہمیں پہچانتے نہیں؟"

پہریدار نے بھی تلخی سے جواب دیا:

"ہمیں حفاظت میں دیا گیا ہے اور کریمیا کے حاکم کا حکم ہے کہ ہم کوئی خیمے کے باہر آنے پائے ا
جانے دیا جائے۔ ہم اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں دے سکتے۔"

اور اس کے ساتھ آنے والے پہریدار تذبذب اور الجھن میں گرفتار ہو گئے۔ محافظوں میں ایک
نے خیمے کے محافظ کو سمجھانے کے لیے کہا:

"ہم اور تم دونوں ہی کریمیا کے حاکم کے نمک خوار ہیں۔ تمہیں اس خیمے کی حفاظت سپرد ہے اور
چشمانیہ کو لینے بھیجا ہے۔ ہم چشمانیہ کے خیمے پر گئے تھے۔ وہاں کے پہریداروں نے بتایا ہے کہ چشمانیہ
اس خیمے میں آئی ہے۔ یقین نہ ہو تو ان پہریداروں سے پوچھ لو۔"

بوڑھا آدمی نے چشمانیہ کے خیمے کے پہریداروں کی طرف اشارہ کیا:

"ہم اس بات کی تصدیق کریں گے کہ چشمانیہ اپنے باپ سے ملنے آئی ہے۔"

پہریدار بنا ہر اس عمر رسیدہ محافظ کی باتیں بڑے غور سے سننے لگے لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا
رہے۔

بعد عمر رسیدہ آدمی نے پوچھا:

"تم نے کیا فیصلہ کیا۔ امید ہے کہ تمہیں ہماری باتوں پر اعتبار آ گیا ہوگا۔ وقت بہت گزر چکا ہے حاکم ہمارا
انتظار کر رہے ہوں گے، تم ہمیں اندر جانے دو یا پھر آواز دے کر چشمانیہ کو بلا دو۔ ہم اس سے خود نمٹ لیں گے۔"

پہریداروں نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"بھائیو، کچھ تو جواب دو۔" عمر رسیدہ محافظ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا:

"ہم حاکم کا حکم ہے۔ ہم بھی حاکم کے حکم سے آئے ہیں۔"

"کیا جواب چاہتے ہیں آپ لوگ۔۔۔۔!" پہریدار ترشی سے بولا:

"حکم ہے کہ کوئی اندر جا سکتا ہے اور نہ باہر نکل سکتا ہے۔ جب تک حاکم خود ہمیں حکم نہ دے گا، ہم
اندر جانے دیں گے۔"

محافظوں کو غصہ آ گیا۔ انہیں یہ زعم تھا کہ وہ حاکم کریمیا تو تمتش کے ذاتی محافظ ہیں۔ انہیں چشمانیہ کے حاصل
کرنے کا حکم ملا ہے۔

"ہم زبردستی اندر جائیں گے۔" ایک محافظ نے تلوار کھینچ لی۔

دوسرے بھی اسی کی طرح مسلح تھے۔ وہ بھی تلواریں لے کر آگے بڑھے اور سب نے تلواریں نکال لیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پہریدار بولا:

"جس نے اندر جانے کی کوشش کی اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔"

دونوں طرف سے تلواریں بلند ہوئیں اور قریب تھا کہ وہ ٹکرا کر ایک دوسرے کا خون بہا دیتیں کہ محافظ نے ایک بار پھر دخل دیا۔ اس نے پہریداروں کو مخاطب کیا:

"جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی اپنی تلواریں نیام میں کر لو۔ یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں کہ مغل دوسرے مغل کا خون بہائے۔"

عمر رسیدہ مغل کی یہ بات سب کی سمجھ میں آئی۔ انہوں نے تلواریں نیام میں ڈال لیں۔

بوڑھے محافظ نے پوچھا:

"پہریدار دوستو۔ تمہارا اعتراض یہ ہے کہ حاکم کریما کے حکم کے بغیر تم کسی کو اندر جانے یا نکلنے کی اجازت دو گے؟"

"ہاں ہاں۔ بالکل یہی۔" ایک پہریدار نے کہا۔

"مگر یہ تو سوچو دوستو۔"

بوڑھے نے انہیں سمجھایا:

"حاکم کریما خود تو چل کے یہاں نہیں آئے گا۔ وہ کسی کے ذریعے اپنا حکم بھیجے گا۔ اب میں نے چشمانیہ کو لانے کا حکم دیا ہے۔ وہ اس خیمے میں موجود ہے۔ ہم اسے حاکم کریما کے حکم سے تم کچھ بھی کہو مگر ہم کسی کو اندر نہیں جانے دیں گے۔" پہریداروں نے ان کی ایک نہ سنی تیار ہو گئے۔

آخر بوڑھے محافظ نے پہریداروں کو ایک بات پر راضی کر لیا۔ طے یہ ہوا کہ ایک محافظ کے پاس جا کر حالات سے آگاہ کرے اور اگر حاکم اجازت دے تو محافظ چشمانیہ کے باپ کو پکڑ لیں۔

تو قتمش نے یہ باتیں سنیں تو غصے سے بھنا گیا۔ اس نے چیخ کر پوچھا:

"چشمانیہ کے خیمے پر پہرہ تھا پھر وہ باپ کے پاس کیسے پہنچ گئی؟"

"پتہ نہیں حاکم۔" ساتھ آنے والے محافظ نے کہا:

"پہرے داروں نے ہمیں بتایا ہے کہ چشمانیہ اپنے باپ سے ملنے گئی ہے اور اسے اجازت دی ہے۔"

کس نے اجازت دی ہے۔ کون کہتا ہے۔ اسے لاؤ میرے سامنے۔" تو قتمش شیر کی طرح غرایا۔

"اے حاکم! جو پہریدار چشمانیہ کے باپ کے خیمے پر کھڑے ہیں انہوں نے بتایا تھا۔" محافظ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ چشمانیہ کے خیمے پر اب کوئی پہرہ نہیں۔" تو قتمش نے چیخ کر پوچھا۔

"اے حاکم! ہم نے اس خیمے کی اچھی طرح تلاشی لی تھی۔"

محافظ نے اپنی کارکردگی بیان کرنا شروع کی:

"ایک ایک سامان الٹ دیا۔ صندوق بھی کھول کر دیکھ لیے۔ چشمانیہ وہاں نہیں تھی۔ اس کی سہیلی نے تصدیق کی کہ چشمانیہ اپنے باپ سے ملنے گئی ہے۔"

"کون سہیلی۔ کس کی سہیلی؟"

تو قتمش غصے میں بل کھاتا ہوا کھڑا ہو گیا:

"ہم نے حکم دیا تھا کہ چشمانیہ کو کسی سے نہ ملنے دیا جائے۔ پھر اس کی سہیلی اس کے پاس کیوں گئی اور چشمانیہ کو باپ کے پاس کیوں جانے دیا گیا۔ پہریداروں کو بلاؤ۔ ہم انہیں قتل کرا دیں گے۔"

محافظ گھبرا کے مڑا اور خیمے کے دروازے کی طرف چلا۔ تو قتمش کو کچھ خیال آیا۔ اس نے محافظ کو روک لیا:

"کیا تجھے یقین ہے کہ چشمانیہ اپنے باپ کے پاس ہے۔"

"سب یہی کہتے ہیں۔"

پھر محافظ نے اپنے ہاتھ آئے ہوئے پہریدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"یہ اس خیمے کا پہریدار ہے جہاں چشمانیہ کا باپ قید ہے۔ اسے معلوم ہو گا؟"

"کیا تم نے چشمانیہ کو خیمے کے اندر جاتے دیکھا تھا؟" . . . . تو قتمش نے پہریدار سے کڑکتی آواز میں پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے نہ تو چشمانیہ کو دیکھا ہے اور نہ اس کے باپ کو۔" پہریدار نے سادگی سے کہا:

"ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ اس خیمے کے اندر نہ کسی کو جانے دیا جائے اور نہ اندر سے کوئی باہر آ سکے۔ ہم اس حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اس وقت تک سوائے شاہی محافظوں کے اور کسی نے خیمے کے اندر جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں ہم محافظوں کو اندر جانے دیں گے۔"

"بے وقوف ہو۔"

تو قتمش مطمئن ہو کر بیٹھ گیا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کسی کمبخت کو یہ نہیں معلوم کہ چشمانیہ اپنے باپ کے خیمے میں ہے بھی یا نہیں اور پھر گدا اس بات پر
خیمے میں کسی کو جانے دیا جائے یا منع کر دیا جائے۔ جاؤ دور ہو جاؤ ہماری نظروں سے۔ چشمانیہ جہاں بھی ہو
لاؤ۔ ورنہ ایک ایک کا داغ درست کر دیا جائے گا اور ہاں۔ چشمانیہ کی سہیلی کو بھی پکڑ کر لے آؤ۔"

محافظ اور پہرے دار دونوں سر پہ پیر رکھ کے بھاگے۔ چشمانیہ کے باپ کے خیمے پر سب ان کی راہ
کر رہے تھے۔ انہیں حاکم کا حکم سنایا گیا تو ان کے حواس جاتے رہے۔ سب سے سب ایک ساتھ چیخ پڑے
چشمانیہ کا باپ ایک طرف پڑا اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا تھا۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ خیمے کے باہر بہت سے
موجود ہیں لیکن باہر جھانکنے اور صورت حال معلوم کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے منہ
نکالا تو کہیں کوئی اور مصیبت نہ کھڑی ہو جائے۔

مغلوں نے اندر جاتے ہی سامان الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ چشمانیہ کا باپ گھبرایا ہوا حیرت سے انہیں
اس خیمے میں کوئی سامان نہ تھا۔ پانچ منٹ میں پورے خیمے کی تلاشی ہو گئی۔ مغلوں کے ہاتھ چشمانیہ نہ آ سکی۔

ایک مغل نے بڑھ کر چشمانیہ کے باپ کی داڑھی پکڑ لی۔ غصے سے بولا:

"بتا بڈھے! چشمانیہ کو کہاں چھپایا ہے ورنہ تیری داڑھی اکھاڑ پھینکوں گا۔"

چشمانیہ کا باپ داڑھی کھینچے جانے سے چیخنے لگا:

"مجھے چھوڑ دو۔ میں نے چشمانیہ کو نہیں چھپایا۔ وہ تو اس خیمے میں آئی ہی نہیں۔ اسے تو تم نے گھر میں

"تو مکار ہے۔ جھوٹا ہے۔" ایک مغل گرجا:

"چشمانیہ کی سہیلی نے بتایا ہے کہ وہ تیرے پاس آئی ہے۔ کہاں ہے وہ۔ نکال اسے جہاں چھپایا ہے"

"مجھے نہیں پتہ۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

چشمانیہ کا باپ درد کی شدت سے چلانے لگا۔ پھر وہ اک دم چپ ہو گیا اور اس کا سر ڈھلک کر
والے کے ہاتھوں سے ٹکرایا۔ اس نے گھبرا کر داڑھی چھوڑ دی۔ اس کے ساتھ ہی چشمانیہ کا باپ ایک گھٹ
زمین پر گر پڑا۔

"کہیں مر تو نہیں گیا؟" ایک مغل بولا:

"اگر مر گیا تو حاکم کو کیا جواب دیں گے؟"

داڑھی پکڑنے والا مغل فوراً جھک کر اس کی سانس دیکھنے لگا۔ سانس آہستہ تھی مگر چل رہی تھی

"مرا نہیں۔ بے ہوش ہو گیا ہے۔"

مغل نے اطمینان کا سانس لیا۔

چشمانیہ اس خیمے میں بھی نہیں ملی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ ابھی تک محافظوں اور پہریداروں میں ان بن تھی۔ وہ
ے بولتے نہیں تھے لیکن مصیبت آئی تو سب کے سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور صلاح مشورہ کرنے لگے۔
دیا تھا کہ چشمانیہ کو جہاں اور جس طرح ہو سکے وہ پکڑ کے ان کے حوالے کرے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ
وں کے پورے پڑاؤ کی تلاشی لی جائے۔ ممکن ہے کہ چشمانیہ کسی خیمے میں چھپی ہوئی مل جائے۔

پورے جنوں ایک ساتھ جل گئیں۔ خانہ بدوشوں میں شور پڑ گیا۔ یہ لوگ ایک ایک خیمے میں گھستے اور سامان کو
کہ چشمانیہ کو ڈھونڈنے لگے۔ شاہی محافظ چشمانیہ کو نہ پہچانتے تھے۔ انہوں نے خانہ بدوشوں کی تمام لڑکیوں کو پکڑ کے
اکٹھا کر لیا۔ پھر پہریداروں سے ایک ایک کی شناخت کرائی۔ کئی لڑکیوں پر شبہ کیا گیا۔ انہیں خوب مارا پیٹا گیا کہ وہ
ہونے کا اقبال کر لیں۔ وہ لاچار پٹتی رہیں اور دہائیاں دیتی رہیں۔ لڑکیوں کے ماں باپ خوشامدیں کرتے تھے مگر
کا ایک نہ سنی۔ گھنٹوں انہیں مارتے رہے۔

یہ ہنگامہ رات گئے شروع ہوا تھا اور اب دن ہو گیا تھا لیکن محافظ اور پہرے دار اب تک تلاشی لینے اور مار پیٹ
میں مصروف تھے۔ ان کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ خالی ہاتھ کس منہ سے حاکم کے پاس جائیں۔ وہ اس لیے اور پریشان تھے
چشمانیہ کی سہیلی بھی کہیں غائب ہو گئی تھی۔ وہ مل جاتی تو شاید ان کی بپت ہو جاتی لیکن سہیلی تو اس طرح غائب ہوئی تھی
جیسے سر سے سینگ۔

○

یاسو کو چشمانیہ کے پاس گئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ جب وہ واپس پہنچی تو اس کی ماں نے اسے خوب ڈانٹا۔ یاسو نے
کچھ نہ بولا۔ بھائی کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بخار سے تپ رہا تھا۔ یاسو وید کے پاس سے دوا لانے کے لیے
اس نے منع کیا:

"رات کا وقت ہے وید سو گیا ہو گا۔"

"میں ابھی جاتی ہوں اور دوا لیتی آتی ہوں۔"

وید واقعی سونے کی تیاری کر رہا تھا مگر یاسو کو دیکھ کر رک گیا اور جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی چند گولیاں
والے کر دیں۔

گھر واپس آئی۔ بھائی کو پانی کے ساتھ دو گولیاں کھلائیں اور سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گویاں کھانے سے بھائی کا بخار کچھ کم ہو گیا۔ یاسو کی ماں ایک طرف کونے میں لیٹ گئی لیکن یاسو کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ طرح طرح کے خیالات اسے گھیرے ہوئے تھے۔ چشمانیہ کو روانہ کیے ہوئے اسے کئی گھنٹے ہو چکے تھے لیکن خطرہ ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ بات کسی حد تک کھل چکی تھی اور چشمانیہ کی تلاش جاری تھی۔

وہ انہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ باہر شور ہوا۔

اس نے خیمے سے جھانک کر دیکھا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس نے ایک آدمی سے اس افراتفری کی وجہ پوچھا تو معلوم ہوا کہ کریمیا کے حاکم نے تمام خیموں کی تلاشی کا حکم دیا ہے اور اس کے سپاہی خیموں کا سامان گرا پھینک رہے ہیں اور جوان لڑکیوں کو پکڑا جا رہا ہے۔

یاسو کو خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ پکڑی گئی تو خیر نہیں۔ وہ پلٹ کے خیمے میں آئی اور ایک سر پر ڈال کے باہر نکلی۔ پڑاؤ سے کچھ ہی دور اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں۔ یاسو نے ادھر ہی کا رخ کیا اور تیز تیز اٹھاتی ہوئی پہاڑیوں تک پہنچ گئی۔ وہ ایک اونچی جگہ بیٹھ گئی۔ یہاں سے پڑاؤ صاف نظر آ رہا تھا۔ سپاہی جلتی ہوئی مشعلیں دکھا دکھا کے دے رہے تھے۔

یاسو تمام رات پہاڑی پر بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ سویرا ہو گیا لیکن پڑاؤ میں جانے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔ دوپہر کے وقت اس نے دیکھا کہ کریمیا کے تمام سوار اس طرف جا رہے ہیں جدھر شہزادہ پارس اور اس کے ساتھی گئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ حاکم کریمیا شہزادے کے تعاقب میں جا رہا ہے۔

یاسو کو قدرے اطمینان ہوا۔ کیونکہ شہزادہ پارس اس وقت تک اتنا دور نکل چکا ہو گا کہ یہ لوگ اسے نہ پا سکیں گے۔

جب کریمیا کا لشکر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے پلٹ کر پڑاؤ کی طرف دیکھا۔ اسے اپنے بھی افراتفری نظر آئی۔ لوگ جلدی جلدی خیمے اکھاڑ رہے تھے اور سامان اونٹوں اور گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا۔

یاسو پہاڑی سے اتر کر سیدھی اپنے خیمے پر پہنچی۔ اس کی ماں یا تو اسے گالیاں دے رہی تھی یا اب دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ اس کی ماں نے بتایا کہ اس نے صبح کو یاسو کو خیمے میں موجود نہ پایا تو یہ خیال کیا کہ کسی مغل کے ساتھ بھاگ گئی ہے اس لیے وہ اسے گالیاں دے رہی تھی۔

یاسو کی ماں نے اسے یہ بھی بتایا کہ کریمیا کا حاکم شمال میں خانان سے جنگ کرنے گیا ہے اور ہم لوگ یہاں سے کسی اور جگہ لے جا رہے ہیں تاکہ اس جنگ سے محفوظ رہیں۔

یاسو کا باپ مر چکا تھا اور اس کا چچا ان ماں بیٹے اور بیٹی کی پرورش کر رہا تھا۔ وہ اپنا سامان گاڑی پر لاد رہا تھا جب فارغ ہوا تو بیوہ بھاوج کے پاس آیا۔ یاسو نے چچا کی مدد سے اپنا سامان باندھا اور گاڑی پر لاد کر

یہاں تاتار خیمیں تو سردار نے عورتوں کو گاڑیوں میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ مرد کچھ پیدل کچھ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور پھر یہ قافلہ اپنے روایتی سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کا رخ شمال یا جنوب کی طرف ہونے کے بجائے مغرب کو تھا۔

ان کے سردار نے اعلان کرا دیا تھا کہ مغلوں میں خانہ جنگی شروع ہونے والی ہے اس لیے عام راستوں سے ہٹ کر مغرب کی طرف سفر کیا جا رہا ہے تاکہ قافلہ جنگ کی ہلاکتوں سے محفوظ رہے۔

○

حاکم کریمیا تو تفتش کو چشمانیہ کی زیادہ فکر نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے چشمانیہ کے باپ کو مجبور کر کے چشمانیہ کو اپنے حق میں فیصلہ کرایا ہے اس لیے چشمانیہ کا ناراض ہو کر کہیں چھپ جانا ایک فطری ردعمل تھا چونکہ اب شہزادہ پارس واپس جا چکا تھا اور چشمانیہ کا باپ بھی قید میں تھا اس لیے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا کہ شہزادہ اس وقت گرفتار نہ ہو سکی تو اسے دو دن میں آسانی تلاش کر لیا جائے گا۔ اس نے یاسو کی گرفتاری کا حکم بھی دے دیا۔

خیال یہی تھا کہ یاسو کو اگر چشمانیہ کے بارے میں کچھ بھی علم ہے تو وہ حاکم کریمیا کے سامنے جھوٹ نہ بول سکے گی اور اس کے ذریعے سے چشمانیہ کو پکڑا جا سکے گا۔

تفتش سونے کے لیے چلا گیا مگر طبیعت کچھ بے چین سی تھی اس لیے اسے دیر تک نیند نہ آ سکی۔ رات کے پچھلے پہر میں وہ سویا تو صبح کو دیر سے آنکھ کھلی۔ اس نے سب سے پہلے چشمانیہ کے بارے میں پوچھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ خانہ بدوشوں کے تمام خیموں میں اسے تلاش کر لیا گیا لیکن وہ نہیں مل سکی۔ اس کے ساتھ ہی جب یہ بھی بتایا گیا کہ چشمانیہ کی سہیلی یاسو بھی رات سے غائب ہے تو وہ غصے سے جل اٹھا۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ چشمانیہ اور یاسو دونوں کسی سازش کے تحت پڑاؤ سے غائب ہوئی ہیں اور شہزادے نے اسے روانگی کا فریب دے کر چشمانیہ کو اغوا کر لیا ہے۔

زیادہ غور کرنے پر اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ شہزادے نے اپنے سواروں کو روانہ کر دیا ہو گا اور خود پڑاؤ کے پاس چھپ گیا ہو گا اور موقع پاتے ہی چشمانیہ اور اس کی سہیلی کو لے گیا ہو گا۔ اس نے اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ چشمانیہ ابھی زیادہ دور نہ جا سکے گی اور اگر اس کا پیچھا کیا جائے تو اسے آسانی کے ساتھ پکڑا جا سکے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توقتمش غصے سے جلا بھنا خیمے سے باہر آیا اور اس نے فوراً روانگی کا حکم دیا۔ حکم دے کر وہ خود فوراً پچاس سواروں کو ساتھ لے کر شمالی راستے پر چل پڑا۔ اور حکم دیتا گیا کہ اس کا لشکر تیار ہو کر اس کے پیچھے آئے۔ توقتمش بڑی تیزی سے گھوڑا اڑاتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ شہزادے کی روانگی کے دوران تقریباً دس گھنٹے کا فرق تھا اور دس گھنٹے میں شہزادہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہو گا۔

شہزادہ پارس اپنی محبوبہ چشمانیہ کو لے کر خود بھی اتنی ہی تیزی سے چلا تھا بلکہ تعاقب کے خطرے کے پیش نظر اس کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔ اس نے سامان کی گاڑیوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا اور برق رفتاری سے اپنے علاقے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے شہزادہ دشمن کی سرحد سے نکل کر اپنے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ یہاں اسے اپنے بھی شمال سے آتے ہوئے ملے۔ ان سواروں کو اس کے باپ خاقان ارسن خان نے یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ بہو کے استقبال کے لیے خود بھی ایک لشکر لے کر جنوب کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔

اس اطلاع سے شہزادے کو بڑا اطمینان ہوا لیکن اس کی چھٹی حس ابھی تک خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے پڑاؤ کرنے کے بجائے اپنا سفر اسی تیز رفتاری سے جاری رکھا اور دوپہر ڈھلنے تک مسلسل سفر کیا۔ لیکن اب اس نے محسوس کیا کہ گھوڑے مسلسل سفر کرنے سے تھک چکے ہیں اور انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ اس کا دل تو نہ چاہتا تھا لیکن اسے مجبور ہو کر پڑاؤ کا حکم دینا پڑا۔

سامان پیچھے رہ گیا تھا اس لیے انہیں درختوں کے سائے میں ٹھہرنا پڑا۔ گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ شہزادہ پارس اور چشمانیہ قریب کے اس چشمے کے کنارے آ بیٹھے اور خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ شہزادہ اور چشمانیہ دونوں بہت خوش تھے۔ دونوں کو اطمینان تھا کہ وہ خطرے سے دور نکل آئے ہیں اور اب ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔

شہزادہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ چشمانیہ خوشی سے کھلی جا رہی تھی۔ اسے اپنا قبیلہ چھوڑنے کا کوئی غم نہیں تھا کیونکہ اب وہ خاقانِ شرق و غرب کی بہو اور ولی عہدِ سلطنت کی بیوی بننے والی تھی۔ اسے اپنے باپ کا بھی خیال آیا تھا اس نے چشمانیہ کو توقتمش کے حوالے کرنے کا جو اعلان کیا تھا اس سے وہ بہت دلبرداشتہ تھی اور اسے اپنے

پاپ اور وعدہ خلافی پر بہت افسوس تھا۔

شام کے وقت سامان کی گاڑیاں پہنچ گئیں۔ خیمے نصب کر دیے گئے۔ سب سے پہلے شہزادے کا خیمہ لگایا گیا۔ یہ دونوں خیمے میں آ گئے۔

پڑاؤ میں جلدی جلدی کھانا تیار کیا گیا۔ صبح سے کسی نے کچھ نہ کھایا تھا اس لیے سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ شاید ہی کھانا کھانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس کے لیے یہ کھانا نیا تھا۔ شہزادہ کھانے کے دوران ہر کھانے کی تعریف کرتا جاتا اور چشمانیہ مزے لے لے کر کھاتی رہی۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ پھر باتیں کرنے لگے۔ ادھر اُدھر کی باتیں۔ ضروری اور غیر ضروری باتیں۔ بے سر و پیر کی اڑانے والی باتیں۔ دونوں کے چہرے مسرت سے چمک رہے تھے۔ چشمانیہ کی روشن آنکھوں اور فطری حیا پر قربان ہوا جا رہا تھا۔

اسی وقت باہر سے کچھ کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ شہزادے کے خیمے پر دو محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ اس نے آواز دے کر اندر بلایا۔

محافظ اندر آیا اور جھک کر آداب پیش کیا۔

"یہ شور کیسا ہے؟" شہزادے نے ناگوار لہجے میں پوچھا۔

"سامنے دوسرا خیمہ نصب کیا جا رہا ہے۔" محافظ نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

"دوسرا خیمہ کس کے لیے؟" شہزادے نے حیرت سے دریافت کیا۔

"ہمارے خیمے کے پاس دوسرا خیمہ کیوں لگایا جا رہا ہے؟"

"وہ خیمہ آپ ہی کے لیے نصب ہو رہا ہے شہزادے بہادر۔"

"مگر ہم نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔"

"شہزادے بہادر۔ یہ حکم لشکر کے مولانا نے دیا ہے۔"

"مگر کیوں؟" شہزادہ بھنّا کے کھڑا ہو گیا۔

"شہزادے بہادر۔ اس کا تو مجھے علم نہیں۔" محافظ مؤدب سے بولا۔

"مولانا نے حکم دیا ہے شہزادے کے لیے دوسرا خیمہ لگایا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ دوسرے خیمے میں تشریف لے جائیں۔"

"نہیں نہیں۔" شہزادہ ترشی سے بولا۔

"دوسرے خیمے کی ضرورت نہیں۔ جا کر کہہ دو کہ ہم اسی خیمے میں رہیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محافظ سر جھکا کر واپس ہونے لگا۔ دو قدم چلا تھا کہ چشمانیہ کی آواز آئی:

"ٹھہرو محافظ۔"

چشمانیہ بھی کھڑی ہو گئی:

"خیمہ لگنے دو اور مولانا کو اطلاع کرا دو کہ شہزادے دوسرے خیمے میں ہی رات گزاریں گے۔ یہ بات تم طرف سے مولانا سے بڑے ادب سے کہنا۔"

محافظ قدم پیچھے ہٹا کر باہر نکل گیا۔

"چشمانیہ۔" محافظ کے جانے کے بعد شہزادے نے کہا:

"یہ تم نے کیوں کہا۔ میں اسی خیمے میں رہوں گا۔ آخر اس میں حرج کیا ہے؟"

"اگر حرج نہ ہوتا تو مولانا کیوں حکم دیتے؟"

اور چشمانیہ نے شرما کر نظریں نیچی کر لیں۔

"ہاں ہاں۔"

شہزادہ بوکھلا گیا:

"لیکن حکم دینے سے پہلے انہیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔"

"اللہ اور رسول کے حکم کے سامنے بادشاہوں کی مرضی بھی نہیں چلا کرتی۔" چشمانیہ سنجیدگی سے بولی:

"میں اور آپ اس وقت تک ایک دوسرے کے لیے غیر ہیں۔ ہمیں الگ الگ خیموں میں رہنا چاہیے۔"

"لیکن ہم ایک ہی خیمے میں رہیں گے۔ اسی خیمے میں۔۔۔۔" شہزادے نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

چشمانیہ نے گھبرا کر شہزادے کو دیکھا:

"شہزادے۔ آپ۔۔۔۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

پھر شہزادے کے غصے سے گھورتی ہوئی بولی:

"یہ ٹھیک ہے کہ میں اپنی مرضی سے آپ کے ساتھ آئی ہوں مجھے آپ سے بے انتہا محبت ہے لیکن مجبور نہیں۔"

یہ کہتے ہوئے چشمانیہ نے کپڑوں میں چھپا ہوا خنجر کھینچ کے نکالا اور اسے شمع کی روشنی میں چمکاتی شہزادے سے بولی:

"اگر آپ نے اس خیمے میں رہنے کی کوشش کی تو میں قسم کھاتی ہوں کہ اس خنجر کو خون سے آلودہ کر دوں گی۔ خواہ وہ خون میرے ہی دل کا کیوں نہ ہو۔"

شہزادہ ایک لمحہ حیرت بھری نظروں سے چشمانیہ کو دیکھنے کے بعد مسکرایا:

"شاباش چشمانیہ۔ مغل عورتوں کو اسی طرح اپنی حفاظت کرنی چاہیے۔ اطمینان رکھو۔ خدا اور رسولؐ کے حکم کی میں پابندی کروں گا۔ مولانا کو بھی میں ناراض نہ ہونے دوں گا لیکن رات اس خیمے ہی میں بسر کروں گا۔ تنہا نہیں۔۔۔۔ میرے ساتھ یہیں رہو گی۔"

چشمانیہ کی تیوریاں چڑھ گئیں:

"شہزادے!" وہ تند لہجے میں چیخ کر بولی:

"آپ نے یہ غلطی کی تو یقین کیجیے کہ میں اس خنجر کو اپنے دل میں اتار لوں گی۔"

"اس کی ضرورت پیش نہ آئے گی چشمانیہ۔"

شہزادہ اب مسکرا رہا تھا اور چشمانیہ کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

شہزادے نے ایک بار پھر محافظ کو آواز دی۔ چشمانیہ نے فوراً خنجر چھپا لیا۔ شہزادے نے محافظ سے کہا:

"چشمانیہ کا حکم منسوخ کیا جاتا ہے۔ دوسرا خیمہ ہرگز نہ لگایا جائے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے چشمانیہ کو شرارت بھری نظروں سے دیکھا۔ چشمانیہ کی آنکھوں کی چنگاریاں شعلوں میں بدل گئی تھیں۔

شہزادے نے بڑی لاپروائی سے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور بولا:

"ایک حکم اور ہے۔"

محافظ واپس ہونے کے لیے مڑ چکا تھا۔ اس کے قدم رک گئے۔ وہ گھوم کر کھڑا ہو گیا:

"وہ حکم یہ ہے۔"

شہزادے نے کنکھیوں سے چشمانیہ کو دیکھا:

"حکم یہ ہے کہ مولانا سے درخواست کی جائے کہ وہ چند معززین کو اپنے ساتھ لے کر اس خیمے میں تشریف لائیں۔ اور چشمانیہ کا نکاح اسی وقت ہو گا اور ہم دونوں اسی خیمے میں رات بسر کریں گے۔"

چشمانیہ اور محافظ کے منہ حیرت سے ایک ساتھ کھل گئے۔

محافظ چلا گیا تو شہزادے بلدس نے پلٹ کر چشمانیہ کو دیکھا۔ مسکرا کر بولا:

"کہو چشمانیہ۔ اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔ خنجر کو کسی اہم وقت کے لیے سنبھال کر رکھ لو۔"

"شہزادے!"

چشمانیہ کی آواز شدتِ جذبات سے رندھ گئی۔ اس نے خنجر کپڑوں میں چھپا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شہزادے نہیں۔ اب میں تمہارا پارس ہوں۔"

شہزادے نے اسے چھیڑا:

"تمہارا حکم ہو تو اپنے لیے دوسرا خیمہ نصب کروالوں؟"

چشمانیہ نے لاجواب ہو کر سر جھکا لیا۔

○

چنگیز خان کے خاندان کی وہ شاخ جو سب سے پہلے مسلمان ہوئی اور سنہری مغول کہلائی تھی۔ اس مغول کا بانی باتو یا خاقان جوجی تھا جو چنگیز خان کا بیٹا تھا لیکن چنگیز خان کے دوسرے بیٹے اسے اپنا بھائی تسلیم نہ کرتے تھے چنگیز خان نے دفعِ شر کے لیے جوجی خان کو اپنے عروج کے زمانہ میں مغربی ایشیا کا صحرائی علاقہ دے کر اپنی دوسری اولاد سے ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا تھا۔ جوجی کی اولاد نے اس ویران صحرا میں اپنی ایک الگ حکومت قائم کر لی جو شمال میں ٹنڈرا اور جنوب میں بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ اسود کے شمال تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی طرح وسطی ایشیا کے مشرق و مغرب میں مغلوں کی دو زبردست حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ دونوں کے الگ الگ بادشاہ (خاقان) ہوتے۔ مشرقی حکومت کا خاقان قراقرم میں رہتا تھا اور مغربی خاقان نے اپنا صدر مقام دریائے وائگا کے مشرقی کنارے پر بنایا تھا چونکہ اسے جوجی کے بیٹے باتو خان نے آباد کیا تھا اس لیے اس کا نام سرائے باتو مشہور ہو گیا۔

سرائے باتو کوئی شہر نہ تھا بلکہ ایک خیمہ بستی تھی جس کے گرد ایک کچا احاطہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ لوگ مکان بنانے کے قائل نہ تھے اور خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے۔ خاقان باتو خان کے خیمے کے اوپر شناخت کے لیے سنہری پرچم لگا دیے گئے تھے اس لیے مغلوں کی یہ شاخ یا قبیلہ سنہری مغول کہلاتا تھا۔ جب باتو خان کا چچیرا بھائی برقائی خان اپنے ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ مسلمان ہوا تو مغلوں میں بڑی تیزی سے اسلام پھیلا۔

ارس خان اور توقتمش اسی سنہری مغول سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا موجودہ خاقانِ اعظم ممائی چنگیزی تھا جو سرائے باتو میں رہتا تھا۔ ارس خان تمام شمالی علاقوں کا حاکم تھا اور اس نے بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ خاقان ممائی خان نے خوش ہو کر ارس خان کو خاقانِ شرق و غرب کا خطاب دیا تھا۔ شہزادہ توقتمش، ممائی خان کا بہت قریبی عزیز تھا۔ اس لیے کریمیا کی حکومت تھی مگر وہ ارس خان کے علاقے کا بھی دعوے دار تھا کیونکہ ارس خان کے علاقے میں توقتمش کے قبیلے کی کثیر تعداد رہتی تھی۔ ارس خان اور توقتمش کی سرحدیں بھی ملی ہوئی تھیں اس لیے یہ جھگڑا اور بڑھ گیا تھا اور کچھ

قریب بھی ہو جاتی تھی۔

توقتمش پچاس سواروں کے ساتھ بڑے جوش و خروش سے شہزادے پارس کے تعاقب میں آ رہا تھا۔ دوپہر سے قبل ہی وہ کریمیا کی حد سے نکل کر ارس خان کے علاقے میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کا نائب اس کے گھوڑے لے گھوڑا مار کر چل رہا تھا۔ اس نے توقتمش کو بتایا کہ وہ دشمن کے علاقے میں آ گیا ہے اس لیے رفتار کم کر کے لشکر کے پہنچنے کا انتظار کرے لیکن توقتمش کو شہزادے پر سخت غصہ تھا اور جلد از جلد وہ اس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اس لیے نہ اس نے گھوڑا روکا اور نہ رفتار کم کی۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اندھیرا پھیلنے پر اسے مجبوراً رکنا پڑا۔ پھر بھی اپنے اس خیال سے کہ شہزادے پارس نے بھی رات ہو جانے کی وجہ سے ضرور کہیں قیام کیا ہو گا، اپنے دو سوار بھیج دیے تاکہ وہ یہ معلوم کریں کہ پارس خان اس سے کتنے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔

اس تدبیر سے تو قتمش کو یہ فائدہ ہوا کہ اس کے جاسوس سوار، شہزادے کے پڑاؤ تک نصف شب کے قریب پہنچ گئے۔ کیونکہ توقتمش کی تیز رفتاری کی وجہ سے دونوں پڑاؤ میں نصف منزل سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ اس کے سوار اچھی طرح دیکھ بھال کر کے اپنے پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے اور صبح کے وقت توقتمش کے پاس پہنچ گئے۔

توقتمش کا باقی لشکر بھی رات کو اس سے آ ملا تھا۔ خوش قسمتی سے توقتمش کے لشکر میں ایک ہزار سواروں کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب توقتمش دو ہزار سوار لے کر شہزادے پارس کو روکنے کے لیے کریمیا کی سرحد پر جا رہا تھا تو احتیاط کے طور پر یہ حکم دے گیا تھا کہ ایک ہزار سوار اس کی کمک کے لیے روانہ کر دیے جائیں۔ اگر پارس سے جنگ ہو جائے تو وہ اسے آسانی سے شکست دے سکے۔ یہ ایک ہزار سوار کریمیا کی سرحد پر اس وقت پہنچے جب توقتمش کا لشکر روانہ ہونے والا تھا۔ پس یہ سوار بھی ساتھ ہو لیے۔ اس طرح توقتمش کے پاس پہنچنے والے لشکر کی تعداد تین ہزار ہو گئی۔

صبح کے وقت جب اس کے جاسوس سواروں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ شہزادہ پارس یہاں سے صرف نصف فرسخ کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ اس وقت ارس خان کی سرحد کے قریب تھا۔ تین ہزار کے لشکر نے اسے تمام خطرات سے بے پروا کر دیا۔ اس نے فوراً روانگی کا حکم دے دیا۔ تجربہ کار سالاروں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور اسے سمجھایا کہ دشمن کے علاقے میں اتنا گھس کر حملہ کرنا عقلمندی نہیں۔ اگر لشکر گھیرے میں بھی آ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ پسپائی اختیار کرنی پڑی تو کریمیا کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے لشکر تباہ ہو جائے گا مگر توقتمش نے کسی کی ایک نہ سنی اور لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔

○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے پارس کے پڑاؤ میں بالکل سکون تھا۔ لوگ رات کو اطمینان سے سوئے تھے اور صبح آرام سے اٹھے تھے۔

شہزادے پارس نے رات کو چشمانیہ سے عقد کر لیا تھا۔ اسی خیمے میں نکاح ہوا تھا اور وہی خیمہ حجلۂ عروسی بنا گیا تھا۔ شہزادے نے نکاح کے بعد ایک مختصر سی ضیافت بھی کر دی تھی۔ پھر لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا کر سو گئے صبح کو شہزادے کو ایک نہایت پُرمسرت خبر سنائی گئی۔

وہ ابھی سو کے اٹھا تھا کہ ایک تیز رفتار قاصد شمال سے اس کے پڑاؤ پر پہنچا اور فوراً شہزادے سے ملنے کی درخواست کی۔ شہزادے نے اس سے فوراً ملاقات کی۔ کیونکہ شمال سے خبر لانے والا صرف اس کے باپ ہو سکتا تھا۔

اس کا خیال صحیح نکلا۔ قاصد نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ خاقانِ شرق و غرب ارس خان معہ ایک لاکھ کے اپنی بہو یعنی چشمانیہ کے استقبال کو آ رہا ہے اور وہ آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا۔

اس خبر سے شہزادہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے قاصد کو انعام دے کر رخصت کیا اور چشمانیہ کے پاس جا کر یہ خوشخبری سنائی۔ چشمانیہ کی خوشی کی بھی انتہا نہ رہی۔ اس کی اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی خاقانِ شرق و غرب اس کے استقبال کو آ رہا تھا۔

پڑاؤ میں بھی اس خبر سے مسرت کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ اپنے خاقان کو خوش آمدید کہنے کی تیاری کرنے لگے۔

دوپہر کے وقت چشمانیہ اور پارس خیمے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے باہر سے گھوڑا دوڑانے کی آواز آئی۔ پارس گھبرا گیا۔ وہ کھانا چھوڑ کر باہر نکلا۔ سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ خیمے کے پاس آ کر رکا۔ گھوڑے سے کودا اور پھولی ہوئی سانس کے درمیان بولا:

"شہزادے بہادر۔ جنوب۔ . . . جنوب سے بہت سے سوار ادھر آ رہے ہیں۔"

"سوار؟"

شہزادے کا ماتھا ٹھنکا اور چیخ کر بولا:

"سب کو تیار ہونے کا حکم دو۔"

اتنا کہہ کر شہزادہ تیزی سے اندر گیا اور جسم پر ہتھیار لگانے لگا:

"وہ لوگ آ گئے چشمانیہ۔"

اس نے چشمانیہ کو خطرے سے آگاہ کیا:

"میں جا رہا ہوں۔ تم بھی تیار ہو کر آ جاؤ۔"

شہزادہ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

چشمانیہ سمجھ گئی کہ جس مصیبت سے نکل کر وہ بھاگی تھی وہ مصیبت پھر نازل ہو گئی۔ اس نے شہزادے سے صبح پہنچنا نہیں ذرا خاقان کی طرف کوچ کرنا چاہیے لیکن شہزادے نے اسی جگہ ٹھہر کر خاقان کو خوش آمدید کہنے کا فیصلہ

"کاش۔ ہم صبح کو آگے بڑھ گئے ہوتے۔" اس نے سوچا اور جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔

اس نے زمرد کے بالوں کو ایک رومال سے کس کر باندھ لیا۔ ایک سینہ بند جیسا زرہ میں پڑا تھا اسے بھی پہن لیا۔ خنجر کمر میں ہر وقت رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں تلوار پکڑی اور دوسرے میں نیزہ سنبھالتی ہوئی باہر نکلی۔ اس کا گھوڑا باہر کھڑا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ تلوار کمر میں لگائی اور نیزہ تانے آگے بڑھی۔

حاکم کریمیا توقمش اپنے تین ہزار سواروں کے ساتھ آ پہنچا تھا۔ وہ لشکر کے آگے آگے تھا۔ شہزادے نے بھی اپنے پانچ سو سواروں کی صفیں ترتیب دے لی تھیں۔ توقمش اور اس کے لشکر نے دور ہی سے تیر اندازی شروع کر دیے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ شہزادے نے بھی تیروں کا جواب تیروں سے دیا مگر آگے بڑھنے سے گریز کیا۔

توقمش کا لشکر بڑھتا ہوا پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ تیر کمان بیکار ہو گئے۔ نیزے اور تلواریں نکل آئیں۔ تلوار سے تلوار ٹکرائی اور نیزہ، نیزے سے بھڑ گیا۔ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا۔ نعرے بلند ہو رہے تھے اور شور و غل سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ چشمانیہ بڑی ہوش مندی سے شہزادے پارس کے شانہ بشانہ مقابلے میں مصروف تھی۔

ایک طرف تین ہزار کا لشکر اور دوسری طرف صرف پانچ سو سوار۔ ایک اور پانچ کا مقابلہ تھا لیکن شہزادے کے سپاہی کی طرح اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ شہزادے پارس کو انہوں نے اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔ چشمانیہ اب شہزادے کی پشت کی طرف آ گئی تھی تاکہ پشت پر ہونے والے حملے کو روکے۔

جب لڑائی طول کھینچنے لگی اور توقمش نے دیکھا کہ پارس کے سواروں کے قدم نہیں اکھڑے تو اس نے دو ہزار سواروں کو ادھر چھوڑا اور ایک ہزار سواروں کے ساتھ پیچھے ہٹا۔ پیچھے آ کر اس نے ایک لمبا چکر کاٹا اور پھر شہزادے پارس کی پچھلی سمت نمودار ہوا۔ ادھر چشمانیہ موجود تھی۔ اس نے جو توقمش کو لشکر سمیت پیچھے سے آتے دیکھا تو چلا کر شہزادے کو اس خطرے سے آگاہ کیا لیکن شہزادہ سامنے کی طرف الجھا ہوا تھا۔ اسے پلٹ کر دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چشمانیہ گھوڑا بڑھا کر شہزادے کے نائب کے پاس پہنچی۔ وہ کچھ دور ایک سو سواروں کا جتھا لیے دشمن کو روکے کھڑا تھا۔

چشمانیہ نے اسے بتایا کہ پشت کی طرف سے حملہ ہو رہا ہے اس کا انتظام کرو۔ نائب اپنے سواروں کو لے کر پلٹا۔ اور آگے بڑھ کر حملے کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس کے سوار کچھ نہ کر سکے اور پسپا ہو کر شہزادے کے قریب پہنچ گئے۔ اب شہزادہ تقریباً چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ شہزادے کے نائب نے اسے میدان سے نکلنے کا مشورہ دیا۔ پتہ نہیں شہزادے نے میدان چھوڑنے سے انکار کر دیا' یا اسے اتنا موقع ہی نہ مل سکا اور وہ دشمن میں گھرتا چلا گیا۔ تو قمتش بار بار شہزادے پر یلغار کر رہا تھا مگر شہزادے کے جانثار اسے بچا رہے تھے۔

چشمانیہ اپنی اور شہزادے دونوں کی حفاظت کر رہی تھی۔ پھر کسی طرف سے ایک نیزہ آیا اور وہ چشمانیہ کے گھوڑے کی ران میں آدھا ہو گیا۔ گھوڑا بڑے وحشیانہ انداز میں اچھلا۔ چشمانیہ اچھی شہسوار نہ ہوتی تو گر پڑتی وہ مضبوطی سے گھوڑے پر بیٹھی رہی۔ گھوڑا ایک دو بار اچھلنے کے بعد تیزی سے ایک طرف بھاگا اور دشمن کے گھیرے کو توڑتا ہوا بجلی کی طرح نکل گیا۔ وہ بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ نیزہ اب تک اس کی ران میں اٹکا ہوا تھا۔ چشمانیہ نے راسیں ڈھیلی کر دی تھیں کیونکہ اس وقت گھوڑے کو روکنا اسے اور غصہ دلاتا تھا اور وہ غصے میں آ کر چشمانیہ کو گرا سکتا تھا۔

زخمی گھوڑا چشمانیہ کو لیے ہوئے پڑاؤ کے قریب جو اب میدانِ جنگ بنا ہوا تھا' ایک پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اس کی رفتار اب سست ہو گئی تھی۔ شاید وہ تھک گیا تھا یا پھر نیزے کی تکلیف نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ ایک جگہ رک گیا۔ چشمانیہ گھوڑے سے کود کر الگ کھڑی ہو گئی۔

اس پہاڑی کے نیچے جنگ ہو رہی تھی اور میدانِ جنگ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ چشمانیہ نے ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہو کر میدان پر نظر ڈالی۔ اس طرف دیکھتے ہی چشمانیہ کا سر چکرانے لگا۔ آنکھیں بند ہونے لگیں اگر وہ چٹان کو پکڑ نہ لیتی تو نیچے گر کر ختم ہو جاتی۔

چشمانیہ نے چند لمحوں بعد آنکھیں کھولیں۔ خود کو سنبھالا اور پھر جھک کر نیچے نظر دوڑائی۔ اس کا خون رگوں میں جمنے لگا۔

دشمن کا ایک سوار اس کے محبوب شوہر شہزادے پارس کا سر نیزے پر اٹھائے ایک دائرے میں چکر لگا رہا تھا۔ دشمن کے تمام سوار اس کے گرد اکٹھا تھے اور فتح کے نعرے لگا رہے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہیں سے کود کر جان دے دے لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ اس کے جان دینے سے شہزادہ زندہ تو نہ ہو سکتا تھا۔ پھر اس طرح جان دینا سراسر خودکشی تھی اور مغل خودکشی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اس نے ارادہ کیا کہ تمام سوار کھینچ کر دشمن پر ہلہ

بول دیتا ایک طرح کی خودکشی تھی۔

چشمانیہ کی آنکھیں خشک تھیں اور طرح طرح کے خیالات نے اسے گھیر رکھا تھا۔ وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر رہی تھی۔ اسی وقت جیسے کسی نے سرگوشی کی:

"انتقام..... انتقام..... جان دینے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اپنے محبوب کی روح کو سکون پہنچانا ہے تو زندہ رہ اور خود کو توقمتش سے انتقام لینے کے لیے تیار کر.....!"

چشمانیہ کے دل کو سکون سا آ گیا۔ اس کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہو گئی:

"میں زندہ رہوں گی..... شہزادے پارس کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے..... توقمتش سے انتقام کے لیے.....!"

نیچے فتح کے نعروں سے پورا میدان گونج رہا تھا۔ چشمانیہ کی نظریں میدان کی طرف تھیں لیکن وہ کچھ نہ دیکھ رہی تھی اور نہ کوئی آواز اس کے کان تک پہنچ رہی تھی۔ وہ گم صم کھڑی تھی تو وہ اپنے بارے میں ایک فیصلہ کر رہی تھی۔ زندگی گزارنے کا طریقہ سوچ رہی تھی۔ انتقام کی تدبیروں پر غور کر رہی تھی۔

پھر فتح کے اس شور میں ایک نیا شور بلند ہوا۔

چشمانیہ نے چونک کے دیکھا۔ شمال کی طرف سے ہزاروں سوار گھوڑے دوڑاتے اور نعرے لگاتے بھاگے آ رہے تھے۔ ان کے آگے نیلے اور سفید پرچم لہرا رہے تھے۔

"نیلے اور سفید پرچم۔ کہیں یہ نیلے اور سفید غول کا خاقان تو نہیں؟" چشمانیہ نے خود سے سوال کیا۔

اسی وقت اسے ایک سوار نظر آیا۔ اس کے سر پر نیلے اور سفید نمدے کا بنا ہوا ٹوپی نما ایک تاج تھا جس میں ہیرے اور جواہرات کی لڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

چشمانیہ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

اسی وقت توقمتش نے شہزادے پر حملہ کیا تو شہزادے کا ایک سوار فوراً" اڑتا ہوا شمال کی طرف چل دیا۔ یہ وہی تھا جس نے شہزادے کو خاقان کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

خاقان ارس خان کو بیٹے اور بہو سے ملنے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ وہ بغیر منزل کیے بڑھتا آ رہا تھا اور آج شام کے وقت پڑاؤ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ پھر جب میدانِ جنگ سے گئے ہوئے سوار نے اس کے پاس پہنچ کر یہ اطلاع دی کہ کیسل کے حاکم نے شہزادے کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا ہے تو اس نے اور اس کے لشکر نے راسیں ڈھیلی کر دیں۔ سوار گھوڑوں کو اڑا دیتے ہوئے تمام سے پہلے ہی شہزادے کے پڑاؤ پر پہنچ گئے مگر شہزادہ پارس اور خاقان کے آنے میں صرف چند ساعتوں کی دیر ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاقانِ مشرق و مغرب نے شہزادے کا سر نیزے پر چڑھا دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ تو قتمش کے سوائے مقابلے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اب مقابلہ برابر کا تھا۔ دونوں کے پاس تقریباً برابر برابر لشکر تھا۔ تو قتمش نے بھی صفیں درست کرنا شروع کر دیں لیکن ارس خان نے آتے ہی حملہ کر دیا۔ چشمانیہ اوپر سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اس کا بیٹھا دل ٹھہر گیا۔

ارس خان نے پہلے ہی حملے میں تو قتمش کے لشکر کو پیچھے دھکیل دیا۔ تو قتمش نے لشکر کے قدم جمانے کی بہت کوشش کی مگر ارس خان کی یلغار ایسی تھی کہ تو قتمش کا لشکر پیچھے، اور پیچھے ہی ہٹتا رہا۔ ارس خان سر کا بدلہ سر سے لینا چاہتا تھا اور بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا۔

تو قتمش مدافعتی جنگ پر مجبور ہو گیا۔ وہ برابر پسپا ہو رہا تھا۔ دونوں لشکر لڑتے ہوئے اس پڑاؤ سے جو ہے سمت دور نکل گئے۔ اور چشمانیہ کی نظروں سے بھی اوجھل ہو گئے۔

چشمانیہ کا دل بے چین ہو گیا۔ وہ تیزی سے پہاڑی کے نیچے آئی اور میدان میں اس جگہ آئی جہاں تو قتمش سوار شہزادے کا سر نیزے پر چڑھائے کھڑا تھا۔ ارس خان اور تو قتمش کی جنگ کے دوران شہزادے کا سر زمین گر گیا تھا۔ ابھی میدان میں روشنی تھی۔ چشمانیہ کو اپنے پیارے کا سر تلاش کرنے پر مل گیا۔ اس نے سر کو آنکھوں سے لگایا۔ بار بار چوما۔ آہیں بھریں۔ آنسو بہائے۔ شہزادے کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں انتظار جھلک رہا تھا۔

چشمانیہ نے پارس کا دھڑ بھی ڈھونڈ لیا۔ چشمانیہ اس دھڑ کو پشت پر لاد کر جھاڑیوں کے پاس لے گئی۔ اس نے سر کو دھڑ سے ملا کر رکھ دیا۔ پھر چاروں طرف پتھر رکھے اور اوپر جھاڑیاں ڈال دیں۔

یہ تھی ایک شہزادے کی قبر۔

جس کا باپ مشرق و مغرب کا خاقان تھا۔ پتھروں اور جھاڑیوں کی قبر۔ نہ پھول نہ خوشبو۔ مغلوں کے بہادر شہزادے کو کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ سوائے چشمانیہ کے کوئی اور آنسو بہانے والا بھی نہ تھا۔

چشمانیہ نے شہزادے کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر قسم کھائی:

"شہزادے۔ میرے محبوب! تیرا باپ انتقام لینے آ گیا ہے۔ وہ تو قتمش سے جنگ کر رہا ہے۔ اگر وہ تو قتمش کا سر لے کر واپس آیا تو میں خودکشی کا گناہ کر کے تیرے برابر لیٹ جاؤں گی اور اگر وہ خالی ہاتھ ملٹا تو میں زندہ رہوں گی اور اس وقت تک زندہ رہوں گی جب تک خود اسے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کر دیتی۔"

ارس خان کا لشکر واپس آنا شروع ہوا۔ تو قتمش شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسے پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔

خاقان ارس خان واپس آیا۔ اس کا سر غم سے جھکا جا رہا تھا۔ پورا لشکر اداس اور خاموش خاموش تھا۔ چشمانیہ قبر کے قریب ایک جھاڑی میں چھپ گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ارس خان صرف شکست دے سکا، وہ تو قتمش کو زمین پر نہیں اتار سکا۔

میدان میں پہنچتے ہی ارس خان نے شہزادے کے سر اور دھڑ کی تلاش شروع کرائی۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں مگر شہزادے کا سر اور دھڑ میدان میں کہیں نہ ملا۔ پھر اچانک ایک سپاہی کی نظر پتھر اور جھاڑیوں کے ڈھیر پر پڑی۔ اس نے جھاڑیاں ہٹائیں تو وہیں سے چیخ ماری۔ ارس خان اور دوسرے سردار بھاگ کے پہنچے۔ انہوں نے جھاڑیوں کے ڈھیر کے ساتھ سر ملا رکھا دیکھا تو بہت متعجب ہوئے۔ . . . . ارس خان غم سے نڈھال ہو رہا تھا۔ وہ زمین پر گیا اور جھک کر بیٹے کی پیشانی کو چوما۔

"ہم شہزادے کی لاش اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے"۔ خاقان نے غمگین آواز میں کہا۔

اس کے سرداروں کی سمجھ میں نہ آیا کہ خاقان نے اپنا ارادہ کیوں بدل دیا۔ کیونکہ طے یہ ہوا تھا کہ اگر شہزادے کی دفنا دی ہو گئی تو ساتھ لے جا کر شمال کے خاندانی قبرستان میں دفن کریں گے۔

خاقان زمین سے اٹھا اور کہا:

"شہزادہ معصوم اور بے گناہ تھا۔ اس کی قبر فرشتوں نے بنائی ہے۔ ہم اسے اس قبر سے کیسے نکال سکتے ہیں"۔

پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر کو لے کر شمال کی طرف چلا۔ گھوڑے کو ایڑ دینے سے پہلے اس نے قبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اے خاقانِ مشرق و مغرب کے بہادر بیٹے! تو قتمش اس وقت بچ کر نکل گیا ہے لیکن ہم کریمیا پر پوری قوت سے حملہ کریں گے اور تیرا قاتل دنیا کے جس گوشے میں بھی جائے گا ہم اس کا پیچھا کریں گے"۔

خاقان ارس خان چلا گیا۔ میدانِ جنگ پر خاموشی طاری تھی۔

چشمانیہ جھاڑیوں سے نکل کر قبر کے پاس آئی۔ تو قتمش کے مارے نہ جانے سے وہ کچھ مضمحل ہو گئی تھی لیکن جب شہزادے کی قبر پر پہنچی تو اس کی آنکھیں ایک نئے عزم سے چمک اٹھیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب نہ تو باپ کے پاس جائے گی اور نہ خاقانِ مشرق و مغرب کا سہارا ڈھونڈے گی بلکہ کریمیا جا کر تو قتمش سے بدلہ لے گی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ میدان میں سواروں کے مارے جانے کے بعد کتنے ہی گھوڑے آزاد پھر رہے تھے۔ چشمانیہ نے ایک گھوڑے کو پکڑا۔ شہزادے پارس کی قبر کو آخری بار دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر کریمیا کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف چل پڑی۔

چشمانیہ کو ڈر تھا کہ کہیں وہ راستے میں تومنش کے آدمیوں کے ہاتھ نہ پڑ جائے۔ اس لیے اس نے عام جانے والی شاہراہ سے ہٹ کر سفر اختیار کیا۔ وہ رات بھر اپنے خیال میں سڑک کے ساتھ ساتھ چلتی رہی لیکن جب سویرا ہوا تو سڑک کہیں نظر نہ آئی۔ وہ وسطا ایشیا کے ویرانوں میں راہ بھول چکی تھی۔ قدم قدم پر پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ اسے اپنی جان کی قطعی پروا نہ تھی لیکن وہ زندہ رہنا چاہتی تھی تاکہ شہزادے پارس کے خون کا بدلہ لے سکے۔ اس لیے وہ احتیاط سے سفر کر رہی تھی۔

اس احتیاط کے تحت وہ عام طور پر دن کے وقت کسی محفوظ جگہ چھپ جاتی اور رات ہوتے ہی چل پڑتی۔ پینے کی بھی اسے کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ میدان سے چلتے وقت اس نے خشک پھل وغیرہ خورجی میں بھر لیے تھے۔ راہ میں جہاں کہیں تازہ پھل مل جاتے ان سے ہی گزارہ کر لیتی۔

چشمانیہ کو اس احتیاط سے راتوں کو سفر کرتے ہوئے ایک ہفتے سے بھی زیادہ ہو گیا لیکن وہ نہ تو کریمیا پہنچی اور نہ اسے راستے میں کوئی قبیلہ ہی ملا۔ وہ اپنے خیال میں تو ہر رات جنوب کی طرف روانہ ہوتی لیکن قسمت نہ جانے اسے کہاں لیے جا رہی تھی۔ پھر اس نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا کہ وہ کدھر جا رہی ہے۔ وہ گھوڑے کو آزاد کر دیتی اور گھوڑے کا رخ جدھر ہو جاتا وہ ادھر ہی چل پڑتی۔

پندرہ راتوں کے سفر کے بعد ایک صبح وہ ایسی جگہ پہنچی جہاں کچے پکے مکانات کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ چشمانیہ کے لیے مٹی اور پتھر کے یہ مکانات تعجب خیز تھے۔ اس نے قصے کہانیوں میں سن رکھا تھا کہ دنیا کے بعض حصوں میں لوگ پتھر کے مکانات بنا کے رہتے ہیں اور ایک ہی جگہ رہتے ہوئے عمر گزار دیتے ہیں۔ قصے کہانیوں کی یہ باتیں آج ایک حقیقت بن کر اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

چشمانیہ بے دھڑک بستی میں پہنچ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ بستی کے مکانات مختلف ہیں تو لوگ بھی مختلف شکل کے ہوں گے لیکن ان کی صورتیں بھی اس کے قبیلے والوں جیسی تھیں۔ ان کی بولی بھی چشمانیہ کی بولی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

چشمانیہ نے عورتوں سے اس بستی کے بارے میں پوچھا۔ عورتیں اسے اپنے ایک بزرگ کے پاس لے گئیں۔ بزرگ کو معلوم ہوا کہ وہ راستہ بھٹک کر یہاں آ گئی ہے تو اس نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔

چشمانیہ نے کریمیا کے بارے میں دریافت کیا تو بزرگ نے بتایا کہ کریمیا کا علاقہ یہاں سے شمال مغرب میں کچھ فاصلہ پر ہے اور دریائے ڈنیپر کے قریب آ گئی ہے جو خوارزم کا صدر مقام ہے اور امیر تیمور کی عملداری میں شامل ہے۔ امیر تیمور کے نام پر چشمانیہ چونک پڑی۔ تیمور کی بہادری اور فتوحات کی کہانیاں شمالی ویرانوں تک پہنچ چکی ہیں۔

پھر چشمانیہ نے فوراً ہی ایک عجیب فیصلہ کیا۔ اس نے بزرگ سے کہا کہ وہ دراصل مغلوں کے خاقانِ مشرق و مغرب امیر اور شہزادہ پارس کی بیوہ ہے اور شکار کھیلتے ہوئے ادھر آ گئی ہے۔

بستی والے اس انکشاف پر پریشان ہو گئے۔ وہ ہاتھوں ہاتھ چشمانیہ کو اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ چشمانیہ نے سردار سے کہا کہ وہ امیر تیمور سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔

سردار نے اسے اورگنج پہنچوایا اور حاکمِ اورگنج نے بڑی عزت و احترام سے اسے سمرقند بھیجنے کا انتظام کیا۔ اس کے بعد چشمانیہ سمرقند پہنچ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصفہان کا قتل عام

"اے ملکِ تاتار کے سب سے بڑے بادشاہ! میں خاقان ارس خان کی بہو ہوں۔"

چشتانیہ اپنی درد بھری کہانی امیر تیمور کو سنا رہی تھی۔ تیمور کے برابر بڑی بیگم سرائے خانم بیٹھی تھی۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ چشتانیہ کا شوہر پارس خان جنگ میں مارا گیا ہے اور یہ بھٹکتی ہوئی ملکِ تاتار آ گئی ہے تو وہ اس پر بہت مہربان ہو گئی اور اسے اپنے محل میں کسی شاہی مہمان کی طرح رکھا۔

چشتانیہ سے ایک ہفتے تک تیمور یا سرائے خانم نے سوائے رسمی گفتگو کے اور کوئی بات نہیں کی۔ وہ اسے زیادہ سکون دینا چاہتے تھے تاکہ اس کا غم کچھ ہلکا ہو جائے۔

"اے مہربان بادشاہ!"

چشتانیہ نے پھر سے کہنا شروع کیا:

"میرے ملک میں آپ کا نام کوئی نہیں جانتا۔ وہاں تو لوگ آپ کو لنگڑے بادشاہ کے نام سے جانتے ہیں۔"

چشتانیہ ایک دم رک گئی۔ اسے احساس ہوا کہ تیمور کو لنگڑا کہہ کر اس نے اس کی توہین کی ہے۔ تیمور اور سرائے دونوں کے چہروں پر اس لفظ سے بے چینی اور ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ چشتانیہ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر سنبھل کر بولی:

"اے بادشاہ! میرے ملک والے آپ کو حقارت سے نہیں بلکہ انتہائی عزت سے یاد کرتے ہیں۔ ہم لوگ چشتانیہ میں آگ پیدا کر کے الاؤ سلگاتے ہیں تو بڑے بوڑھے آپ کے کارنامے قصے کہانیوں کی طرح بیان کرتے ہیں۔ جب میں چھوٹی سی تھی اور آپ کی جنگوں کا حال سنتی تھی تو میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اس بہادر بادشاہ کو دیکھوں جس

نے ٹکٹ دے کر انہیں ریت کے تودوں اور گیدڑوں کی سرزمین میں بھگا دیا۔"

چشتانیہ جاہلِ مطلق تھی لیکن اس نے تاتاریوں کی کچھ اس انداز سے تعریف کی کہ سرائے خانم اور تیمور کی بے چینی دور ہو گئی۔

تیمور نے دلچسپی سے پوچھا:

"تمہارا خاقان ہمارے بارے میں کیا خیالات رکھتا ہے؟"

"اے بادشاہ! ہم مغلوں کے دو گروہ ہیں اور ان کے دو خاقان ہیں۔"

چشتانیہ نے تفصیل سے بتانا شروع کیا:

"ہمارے سب سے بڑے خاقان کا نام ہلاکو خان ہے جو جنوب میں کسی دریا کے کنارے ایک بہت بڑے قلعے میں رہتا ہے۔ اس کا گروہ سنہری غول کہلاتا ہے اور وہ تمام مغلوں کا حاکم ہے۔ اس نے اپنی طرف سے شمالی علاقوں میں ایک خان مقرر کیا ہے جو خاقانِ شرق و غرب کہلاتا ہے۔ اس کا نام اُرس خان ہے۔ میں اسی کی بہو ہوں۔ میں ایک معمولی خانہ بدوش قبیلے کی عورت ہوں اس لیے یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ دونوں خاقان آپ کو کس طرح اور کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ مغلوں کا کوئی بڑا سردار ہمارے قبیلے کا مہمان ہوتا ہے۔ رات کو الاؤ کے گرد بیٹھ کر ہمارے بزرگ اس سے ملکِ تاتار اور وہاں کے بادشاہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ بڑی حقارت سے زمین پر تھوک کر کہتا ہے کہ ہم بادشاہ یا اور تو تاری ہماری رعایا ہے۔ ان کا ایک سردار ہے جس کا نام تیمور ہے اور وہ ..... وہ ماوراء النہر کا ایک معمولی سوار ہے۔"

..... لیکن ہمارے بزرگ اس کی باتوں کا اعتبار نہیں کرتے اور سرحد کا لینے ہیں کیونکہ وہ سوداگر جو آپ کے ملک سے ہمارے ملک میں پہنچتے ہیں، وہ آپ اور مغلوں کی جنگوں کا حال بڑی تفصیل سے سناتے ہیں تو حقائق کا پتہ چل جاتا ہے۔"

تیمور سمجھ گیا کہ چشتانیہ سچ کہہ رہی ہے۔ کیونکہ وہ جس صاف گوئی سے باتیں کر رہی ہے اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ تیمور خوش ہوتے ہوئے بولا:

"اس کا مطلب ہے عام مغل ہمارے خلاف نہیں ہیں؟"

"انہیں تو آپ سے اور آپ کے کارناموں سے محبت ہے۔" چشتانیہ نے فوراً ادب سے جواب دیا:

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ میرے قبیلے میں لڑکیوں کی خرید و فروخت کا عام رواج ہے۔ پکڑے ہوئے غلام بازاروں میں بکتے ہیں اور لڑکیوں کی فروخت گھر پر ہوتی ہے۔ باپ لڑکی کے جوان ہوتے ہی اعلان کرتا ہے اور سب سے زیادہ قیمت لگانے والے کے حوالے کر دیتا ہے۔

میرے قبیلے والوں کے سب سے مشہور اور باکمال خاصہ تھی اس لیے میرے باپ نے خود میری قیمت مقرر کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس قیمت پر خاقانِ شرق و غرب کے بیٹے پارس خان نے مجھے خرید لیا۔ ابھی ہمارا نکاح اور رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ کریمیا کا حاکم شہزادہ تقمتش بیچ میں آ کودا اور میرے باپ کو لالچ اور رعب دے کر مجھے دگنی قیمت پر خریدنے کا اعلان کر دیا۔ چونکہ میں نے شہزادے پارس کو دیکھ لیا تھا اور اسے پسند بھی کر لیا تھا اس لیے میں نے شہزادے پارس سے رابطہ قائم کیا اور اس کے پاس پہنچ کر اس سے نکاح کر لیا۔

حاکم کریمیا کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ شہزادے پارس پر حملہ کر دیا اور اس چڑیل نے میرا شوہر شہزادہ پارس۔۔۔۔" چشمانیہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"صبر کرو چشمانیہ۔" سرائے خانم نے تسلی دی:

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب یہ بتاؤ کہ ہم سے کیا چاہتی ہو؟ ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو تمہیں ہر طرح کا آرام پہنچائیں گے۔ خدا نے تمہیں اچھی صورت دی ہے۔ پھر تم ایک ماہر رقاصہ ہو جسے ہر مرد پسند کرے گا۔ اگر تم شاہی گھرانے کی خواہش مند ہو تو تم جس تاتاری سردار کو پسند کرو، اس سے تمہارا رشتہ کیا جا سکتا ہے۔"

"مہربان ملکہ۔۔۔۔" چشمانیہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی:

"اس وقت تو مجھے سوائے اس کے اور کوئی خواہش نہیں کہ کریمیا کے حاکم تقمتش سے انتقام لوں۔ میں عرض کر چکی ایک رات کی بیاہی تھی کہ اس ظالم نے تین ہزار سواروں کے ساتھ میرے شوہر پر حملہ کر دیا۔ ہمارے پاس صرف پانچ سو سوار تھے۔ وہ سب شہزادے پارس پر نثار ہو گئے اور شہزادے نے اپنی آن اور اپنے باپ کی شان خاطر گرفتار ہونے کے بجائے موت کو ہنسی خوشی گلے لگا لیا۔"

"دیکھو لڑکی۔۔۔۔" تیمور نے محبت سے سمجھایا:

"کیا شہزادے کے باپ ارس خان کو جسے تم خاقانِ مشرق و غرب کہتی ہو، اپنے بیٹے کی موت کی خبر نہیں ہوئی ہو گی۔ کیا تقمتش سے انتقام لینے کے لیے وہ تم سے زیادہ بے چین نہیں ہو گا؟"

"اے مہربان بادشاہ!" چشمانیہ نے سنبھل کر کہا:

"اس غم اور پریشانی نے میرے ہوش و حواس درست نہیں رہنے دیے۔ شہزادے کا باپ ارس خان مجھ سے زیادہ انتقام لینے کے لیے بے چین تھا اور اس نے انتقام لے بھی لیا۔"

"یعنی تقمتش مارا جا چکا ہے؟" تیمور چونک پڑا۔

"اے شاہِ تاتار! تقمتش مارا نہیں جا سکا۔" چشمانیہ افسردگی سے بولی:

"ارس خان اپنے لشکر کے ساتھ میرا ڈولا لینے ہماری خیمہ گاہ کی طرف آ رہا تھا۔ اسی دوران تقمتش نے ہم پر حملہ کر دیا مگر ارس خان کو آنے میں دیر ہو گئی۔ جب وہ میدان میں آیا تو اسے ایک نیزے پر اپنے بیٹے کا چڑھا ہوا سر

دیکھنا پڑا۔ اس نے شدت سے حملہ کیا اور دور تک تعاقب بھی کیا لیکن وہ ارس خان کے ہاتھ نہ آ سکا۔ پھر ارس خان نے بیٹے کی لاش پر کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ وہ تو تقمتش سے انتقام لے گا اور اس کا سر کاٹ کر اسی طرح نیزے پر سجائے گا۔"

"ارس خان بغیر انتقام لیے واپس چلا گیا؟" تیمور نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ہاں ہاں۔ وہ اپنی لشکر گاہ کو لوٹ گیا تاکہ مزید لشکر جمع کر کے کریمیا پر حملہ کر سکے۔" چشمانیہ نے درد بھری آواز میں جواب دیا:

"انتقام لینا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں اور شاہِ تاتار اور ملکۂ تاتار اس سلسلے میں میری رہنمائی کر سکیں تو میں تازندگی ان کی احسان مند رہوں گی۔"

"تم اپنے سسر ارس خان کے پاس بھی تو جا سکتی ہو۔" ملکہ سرائے خانم نے کہا:

"ہم تمہیں وہاں بھیجنے کا انتظام کر سکتے ہیں۔"

"ملکۂ تاتار کا شکریہ۔ لیکن میں ارس خان کے پاس نہیں جا سکتی۔"

"مگر کیوں؟" سرائے خانم نے حیرت سے پوچھا:

"تم ارس خان کے بیٹے کی جائز بیوی ہو۔ اسے تمہاری قدر کرنی چاہیے۔"

"نہیں ملکۂ تاتار۔" چشمانیہ نے یقین بھرے لہجے میں کہا:

"میں ارس خان کی بہو ضرور ہوں لیکن شہزادہ پارس کے قتل کی اصل وجہ بھی تو میں ہی ہوں۔ جھگڑا میری وجہ سے ہوا تھا۔ خطرہ ہے کہ ارس خان مجھے دیکھتے ہی قتل کرا دے گا۔ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں لیکن میں اس وقت تک نہیں مرنا چاہتی جب تک میرا انتقام پورا نہ ہو جائے۔"

امیر تیمور جو کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے سر اٹھا کر کہا:

"دیکھو لڑکی یہ ایک دوسرے ملک کا معاملہ ہے۔ ہم محض تمہارے لیے مغلوں کے معاملات میں مداخلت نہیں دے سکتے۔ پھر یہ دو امیروں کا ذاتی جھگڑا تھا۔ ارس خان ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیچک خان! اسے خاقان تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس نے اب تک تو تقمتش سے اپنے بیٹے کا حساب برابر کر لیا ہو گا کیونکہ ہم تاتاریوں اور مغلوں کی روایت ہے کہ مرد وہ ہے جو اپنے ہم قوم کے قاتل کے ساتھ آسمان تلے نہ سوئے۔"

چشمانیہ دل شکستہ ہو گئی۔ تیمور نے اسے صاف جواب دے دیا تھا۔ امی کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو چھلک آئے۔ سرائے خانم کو بھی تیمور کی یہ صاف گوئی کچھ زیادہ پسند نہ آئی:

"امیر! کیا آپ شاہِ تاتار ہوتے ہوئے اس مظلوم کی جھولی میں ہمدردی کے دو بول بھی نہیں ڈال سکتے؟"۔۔۔۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرائے خانم نے کچھ اس لہجے میں کہا کہ تیمور متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"لڑکی! کاش ہم تمہارے آنسو پونچھ سکتے۔ ہم وعدہ تو نہیں کرتے لیکن تم یہ امید رکھو کہ جب بھی کوئی موقع آیا ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔"

"خدا آپ کو اور آپ کی مہربان ملکہ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔" چشمانیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"میرے لیے یہ امید ہی کافی ہے۔ میں اس امید پر اپنی پوری زندگی گزار دوں گی۔"

امیر تیمور کے جاسوس شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ سفید اور سنہرے غول کے قصوں سے آشنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے چنگیز خان کے منجھلے بیٹے چغتائی خان کے خانوادے کی طاقت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ سیمکو بھی سنہرے غول کا خاقان دریائے وارگا کے کنارے اپنے قلعے میں موجود ہے اور وہ اتنا طاقتور ہے کہ پورا مشرقی یورپ اسے خراج دیتا ہے۔

امیر تیمور نے اس معاملے میں کبھی اتنی سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا جتنا سنجیدہ وہ چشمانیہ کی روداد سننے کے بعد ہوا تھا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ سنہری غول کسی بھی وقت اس کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔

○

امیر تیمور کی تسلی و تشفی اور ملکہ سرائے خانم کے محبت بھرے سلوک نے چشمانیہ کا غم بہت کم کر دیا۔ سرائے خانم نے چشمانیہ کو سمرقند اور دوسرے مقامات کی سیر کرائی۔ چشمانیہ کے لیے وہاں کی ہر چیز نئی اور عجوبہ تھی۔ سرائے خانم کی صحبت میں رہ کر اس کی طبیعت سنبھل گئی اور اس نے زندگی کی دلچسپیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

امیر تیمور نے چشمانیہ کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اپنی داستان کسی اور کو نہ سنائے۔ محل والوں کو صرف یہ معلوم تھا کہ چشمانیہ ایک عالی مرتبت مغل شہزادی ہے اور اپنے خسر ارس خان سے خفا ہو کر یہاں پناہ گزین ہوئی ہے۔

چشمانیہ کو سمرقند میں رہتے ہوئے دو ماہ سے زیادہ گزر گئے تھے۔ ایک دن امیر تیمور اپنے سرداروں سے مل کر محل میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک غلام نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ خوارزم کے حاکم کا قاصد ایک خاص پیغام لایا ہے۔

خوارزم سرحدی علاقہ تھا اور اس کی سرحدیں سنہرے غول سے ملتی تھیں۔ تیمور نے فوراً قاصد کو بلا لیا۔ خوارزم کے قاصد نے ایک لفافہ پیش کیا۔

امیر خط پڑھ کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کیا پیغام بھیجا ہے حاکم نے؟" کچھ دیر بعد تیمور نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔

قاصد نے بڑے ادب سے کہا:

"لکھا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس خط کا جواب لے کر خوارزم پہنچایا جائے۔"

تیمور نے ایک لمبی سانس لی:

"نہیں معلوم ہے اس خط میں کیا لکھا ہے؟"

"نہیں امیر....."

قاصد گھبرا گیا: "مجھے تو صرف خط پہنچانے اور جواب لانے کا حکم ہے۔"

"نہیں یہ تو ضرور معلوم ہو گا کہ حاکم خوارزم کے پاس کوئی اہم آدمی ٹھہرا ہوا ہے؟" امیر تیمور نے مزید تحقیق کی۔

قاصد کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"جی ہاں امیر..... ایک ترکستانی سردار اس کے پاس آیا ہے۔ شاید ان کا دوست ہے۔ انہوں نے اسے اپنے قلعے میں ٹھہرایا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

تیمور نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا:

"کل یہیں مہمان خانے میں ٹھہرو۔ تمہیں خط کا جواب مل جائے گا۔"

قاصد سلام کر کے رخصت ہو گیا تو امیر تیمور نے خط کو دوبارہ پڑھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر مسکرا کے سر سے خفیف سا جھٹک دیا۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا اور سرائے خانم کی طرف چل دیا۔

سرائے خانم اپنے کمرے میں موجود تھی۔ اس نے دروازے کے باہر تیمور کو خوش آمدید کہا اور تیمور کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تیمور فطرتاً سنجیدہ تھا۔ جب سے اس کی پہلی بیوی الجائی خاتون کا انتقال ہوا تھا وہ کچھ زیادہ ہی سنجیدہ رہتا تھا پھر جب اس کے بڑے بیٹے جہانگیر نے عین جوانی میں دنیا سے منہ موڑ لیا تو اس کی رہی سہی شگفتگی بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس وقت تیمور برابر مسکرائے جا رہا تھا:

"ہم تمہیں اس وقت ایک ایسی خبر سنائیں گے کہ تم پھڑک اٹھو گی۔"

"ارشاد فرمائیے امیر۔" سرائے خانم بھی مسکرائی:

"میرے کان خبر سننے کے لیے بے چین ہیں۔"

"وہ لڑکی....." امیر نے باہر کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا:

"جو اس خان کی بہو کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہو گی۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی طبیعت سمرقند میں لگ گئی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سرائے خانم! کیا یہ قدرت کی ستم ظریفی نہیں کہ دو دشمن ایک جگہ جمع ہو جائیں؟"

تیمور کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

"مجھے ہم کل تک ظالم سمجھتے تھے وہ آج مظلوم بن کر ہمارے پاس آیا ہے۔"

"میں امیر کو مسکراتے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔" سرائے خانم نے دانشمندی سے تیمور کی بات ہوئے بھی سلسلۂ کلام جاری رکھنے کی کوشش کی۔

"ہم تمہاری محبت کی قدر کرتے ہیں سرائے خانم۔" تیمور خوش ہو کر بولا:

"تم ایک مزاج داں اور سمجھ دار عورت ہو۔ تمہیں موقع محل کے مطابق بات کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ بہرحال یہ کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ ہم نے ستہ مغلوں کی طاقت کو ختم کر دیا ہے۔ ہم پر حکومت کرنے والے مستقر یعنی حصار امالیق چھوڑ کر منگولیا کے ریگستان سے بھی دور بھاگ چکے ہیں لیکن چنگیز خان کی ایک مضبوط شاخ سنہرا غول کہا جاتا ہے اب تک ہماری سرحدوں پر ایک مستقل خطرہ بنی کھڑی ہے۔ ہم اپنی سرحدوں کو مضبوط کیے بغیر فتوحات کا سلسلہ کسی اور طرف نہیں بڑھا سکتے۔"

"امیر درست فرما رہے ہیں۔" سرائے خانم نے تیمور کی بات نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کی تائید کی۔

"سرائے خانم! تقدیر کبھی کبھی عجیب طرح کے گل کھلاتی ہے۔"

تیمور کے دل میں امڈتے ہوئے جذبات اسے آج بہت کچھ اگلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ رازداری کا پابند تھا لیکن اس وقت رازکی باتیں بھی اس کی زبان سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ وہ بولا:

"ارس خان کی ہوس کے سر قلم آنے سے کم از کم ہمیں یہ احساس ضرور ہوا تھا کہ ایک عظیم طاقت ہم سے برسرِ موجود ہے۔ اس احساس نے ہمیں ایک نامعلوم پریشانی میں الجھا دیا تھا۔ ہم اس خطرے کو دور کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے اور اب یہ خطرہ خود بخود دور ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ تمغاری خان مغل لڑکی کے شوہر کا قاتل ارس خان کے ہاتھوں شکست کھا کر ہماری حدود میں آ گیا ہے اور اس نے پناہ کی درخواست کی ہے۔"

"امیر کا مطلب ہے....." سرائے خانم یاد کرتے ہوئے بولی:

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے چغتائیہ نے اس کا نام تقشش بتایا تھا۔ کیا وہی شخص آپ کے پاس آیا ہے؟"

"ہاں سرائے خانم۔" تیمور نے سنجیدگی سے کہا:

"اس کا نام تو تقشش ہی ہے۔ خوارزم کے قلعدار نے ایک خفیہ خط کے ذریعے ہمیں اطلاع دی ہے کہ گریبا حاکم شہزادہ تو قتمش اور مغلوں کے شمالی خاقان ارس خان کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ تو قتمش کو اس جنگ میں زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ جان بچا کر خوارزم پہنچا ہے۔ ارس خان نے تو قتمش کا ہماری سرحد تک پیچھا کیا ہے۔

ہمارے قلعدار کے ذریعے ہم سے پناہ طلب کر رہا ہے۔ اگر ہم نے پناہ نہ دی تو وہ کسی اور طرف چلا جائے گا۔"

سرائے خانم بڑی صاحبِ تدبیر عورت تھی۔ وہ غور سے تیمور کی باتیں سن رہی تھی۔ تیمور کے خاموش ہوتے ہی بولی:

"تو قتمش کا شکست کھا کر پناہ کی درخواست کرنا امیرِ تاتار کی کامیابی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے بشرطیکہ امیر کی [illegible] اس مسئلے پر غور کرنے کی دعوت دے۔"

"بہت خوب سرائے خانم۔" تیمور مسکرایا:

"اب تم ہمیں مشورے بھی دینے لگیں۔"

"ہرگز نہیں امیر....." سرائے خانم نے فوراً بات پلٹ دی:

"میری کیا مجال۔ میں نے تو صرف ایک اندازہ لگایا تھا۔ اسے امیر میری بے عقلی کہہ سکتے ہیں۔" سرائے خانم گھبرا گئی کہیں تیمور ہتھے سے نہ اکھڑ جائے۔ اس کے تمام مرد اس معاملے میں بہت محتاط رہتے تھے اور جب تک امیر تیمور خود ان سے مشورہ طلب نہ کرتا وہ اپنی زبانیں بند رکھتے تھے۔

تیمور نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا:

"ہمیں تمہارا مشورہ ناگوار نہیں گزرا کیونکہ ہم نے خود بھی ان خطوط پر غور کیا ہے۔ تمہیں تو ہم اطلاع دینے اس لیے رکے تھے کہ چغتائیہ تو قتمش کی سخت دشمن ہے۔ تم اسے اچھی طرح سمجھا دینا کہ تو قتمش جب تک ہماری پناہ میں رہے وہ سے الجھے یا اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ فی الحال تو تم تو قتمش کے آنے کی اسے اطلاع بھی نہ

"آپ اطمینان رکھیں۔ ایسا ہی ہوگا امیر۔" سرائے خانم نے کہا:

"ایلچی چغتائیہ کو اس کی خبر ہی نہیں ہو پائے گی۔ اگر اسے معلوم ہو بھی گیا تو میں اس پر یہ واضح کر دوں گی کہ حسین [illegible] امیر تیمور کی پناہ میں ہے اسی طرح تو قتمش بھی امیر کی پناہ میں آ گیا ہے اور امیر اپنی پناہ میں آنے والوں کی جان [illegible] محفوظ ہوتا ہے۔"

امیر تیمور نے خوارزم کے قلعدار کو جواب بھیجا تو قاصد کے ساتھ اپنا ایک سوار بھی بھیج دیا تاکہ وہ تو قتمش کو عزت [illegible] کے ساتھ سمرقند لے آئے۔ امیر نے تو قتمش کو یقین دلایا کہ وہ پناہ دینے کے ساتھ ساتھ اس کی حتی الامکان [illegible] کرے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو قتمش کے لیے اس کی سرزمین تنگ ہو گئی۔ وہ بھٹکتا ہوا خوارزم آ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تیمور اسے
نہ دے گا کیونکہ مغل، تاتاریوں کو حقیر اور اپنے سے کمتر سمجھتے تھے اور امیر تیمور کو لنگڑا تاتاری کہتے تھے لیکن جب تیمور نے
بھیجے ہوئے سردار نے اسے ادب سے سلام کر کے کہا:

"امیر تیمور آپ سے ملاقات کے مشتاق ہیں اور آپ سمرقند کو اپنا گھر سمجھ کر فوراً چلیے۔"

تو قتمش بہت خوش ہوا۔ خوارزم کے قلعہ دار نے سواروں کا ایک دستہ بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح قتمش
شان سے سمرقند پہنچا۔

امیر تیمور نے قتمش کو سمرقند سے باہر ٹھہرانے کا انتظام کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ قتمش کی آمد سے زیادہ
لوگ واقف ہوں۔ اس کے علاوہ قتمش سے گفتگو کر کے وہ یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ مغلوں کا یہ شہزادہ کس
تک اس کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔

قتمش کو جب قلعے سے باہر ایک حویلی میں اتارا گیا تو اسے کچھ خطرہ محسوس ہوا لیکن چند ہی گھنٹوں کے
امیر تیمور کا پیغام پہنچا کہ وہ بہ نفسِ نفیس کل کسی وقت اس سے ملاقات کے لیے آئیں گے۔

دوسرے روز دوپہر کے بعد امیر تیمور تنہا اس سے ملنے آیا۔ مغل شہزادے نے امیر تیمور کو دیکھا۔ اس تیمور
جس نے بلادِ شمال کے مغلوں کو دور صحراؤں اور ریگستانوں میں مار بھگایا تھا۔ قتمش پر اس خیال ہی سے کہ
ایک فاتح بادشاہ ہے، رعب پڑ گیا اور وہ تیمور سے اس قدر ادب سے ملا جیسے تیمور اس کا خاقانِ اعظم مائی خان ہو
بھی شفقت سے ملا اور اسے بیٹا اور چچوٹا بھائی کہہ کر مخاطب کیا۔

دونوں میں گفتگو شروع ہوئی۔ امیر تیمور اس کے بارے میں چشمانیہ سے بہت کچھ سن چکا تھا لیکن اب
تو قتمش کا بیان بھی سننا چاہتا تھا تاکہ چشمانیہ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق یا تردید ہو سکے اور وہ قتمش کے مزاج سے
بھی واقف ہو جائے۔

امیر تیمور بلا کا قیافہ شناس تھا۔ اس نے قتمش کے چہرے سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ شخص متلون مزاج
ہے اور ایسے شخص پر مشکل ہی سے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ قتمش نے پہلے ہی قدم پر تیمور کو فریب دینے کی کوشش کی
اس نے اپنی داستان کا آغاز اس طرح کیا:

"اے شاہِ تاتار۔ میری اور ارس خان کی پرانی دشمنی ہے کیونکہ جس علاقے کا ارس خان حاکم ہے وہاں میرے
قبیلے کے زیادہ لوگ آباد ہیں لہٰذا اس پر میرا حق ہے۔ چونکہ خاقانِ اعظم مائی خان ایک کمزور خاقان ہے اور وہ ارس خان
سے خوف کھاتا ہے اس لیے اس نے شمال مشرق کا ایک بڑا علاقہ دے کر اسے خاقانِ مشرق و مغرب کا خطاب بھی
کر دیا ہے۔ خاقان مائی خان نے میری حق تلفی کی۔ میں پھر بھی خاموش رہا لیکن ابھی کچھ عرصہ پہلے ارس خان کا بیٹا

[illegible] کے بغیر میرے علاقے میں لشکر لے کر آ گیا۔ ارس خان کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی۔ میں اپنے علاقے سے
[illegible] نہ پہنچ سکی اس لیے مجھے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ارس خان اس قدر ظالم ہے کہ اس نے مجھے شکست
ہی اکتفا نہ کی بلکہ میرے پورے ملک یعنی کو روند کر رکھ دیا۔ میں شکست سے پریشان ہو کر پسپا ہوتا رہا۔
[illegible] ایدین ٹوٹ گئیں تو میں نے آپ کے دامن میں پناہ حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور خوارزم پہنچ گیا۔"

امیر تیمور تحمل سے اس کی روداد سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو تیمور نے کہا:

"مغل شہزادے۔ ہم تمہیں پناہ دے چکے ہیں اور پناہ میں آئے ہوئے آدمی کی عزت کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔
ہمیں اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ تم نے ارس خان اور اپنی جنگ کے بارے میں یہ باتیں قصداً ہم سے
چھپائی ہیں۔"

قتمش گھبرا کے تیمور کا منہ دیکھنے لگا۔ پھر ڈرتے ڈرتے بولا:

"شاہِ تاتار! میں آپ کے قبضے میں ہوں۔ آپ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں لیکن میں یہی کہوں گا کہ
آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔"

"شہزادے۔ تم بھول رہے ہو۔" امیر نے سنجیدگی سے کہا:

"تم ہمارے قبضے میں نہیں پناہ میں ہو اور پناہ میں آئے ہوئے آدمی سے ہم کسی قسم کی سختی نہیں کر سکتے۔ تمہاری
[illegible] وقت تک خطرہ نہیں جب تک تمہاری طرف سے کسی قسم کی غداری کا اظہار نہیں ہوتا۔ ہم تو صرف یہ پوچھنا چاہتے
[illegible] کے بیٹے پر کیا گزری جو تمہاری حدود میں داخل ہو گیا تھا؟"

"شاہِ محترم!" قتمش نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا:

"میں نے اپنی روداد مختصر طور پر بیان کی تھی۔ اس لیے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ارس خان کے بیٹے سے میری جنگ
میرے ہاتھوں ہوا کیونکہ اسی دوران اس کا باپ آ گیا اور مجھے شکست کھا کر آپ کے پاس پناہ گزیں
[illegible]

[illegible] معلوم ہوا ہے کہ تمہارے اور ارس خان کے بیٹے کے درمیان ایک عورت پر جھگڑا ہوا تھا۔"
کہتے ہوئے تو قتمش کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

قتمش کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ اطلاع تیمور تک کیسے پہنچی۔ اس نے خود کو سنبھالا
[illegible] اطلاع درست ہے۔ شہزادہ پارس میرے علاقے سے ایک عورت کو لے گیا تھا۔ مجھے یہ بات ناگوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو قتمش....." تیمور کا لہجہ سخت ہو گیا:

"شہزادے پارس نے لڑکی کے باپ کو اس کی قیمت ادا کر دی تھی۔ پھر تمہیں لڑکی واپس لینے کا کیا حق تھا"

تو قتمش کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

تیمور نے نرمی سے کہا:

"تو قتمش۔ یاد رکھو کہ وہ بادشاہ یا امیر اپنی سلطنت کو اسی وقت تک قابو میں رکھ سکتا ہے، جب وہ اپنی سرحدوں کے باہر کے حالات سے پوری طرح واقف رہتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم سمرقند میں بیٹھے ہیں اور ہمیں اپنی سرحدوں پر رونما ہونے والے واقعات کا علم نہیں۔ ہمیں تمہاری اور ارس خان کی کے تمام حالات معلوم ہیں۔ ہم نے تمہیں آنکھیں بند کر کے پناہ نہیں دی۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ سمندر غول سمرقند میں موجودگی برداشت نہیں کرے گا اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہوگا، وہ بھی تم جانتے ہو۔"

"شاہِ تاتار آپ واقعی ایک عظیم حکمران ہیں"۔ تو قتمش کو اعتراف کرنا پڑا:

"ہم مغلوں نے آپ کی طاقت اور بیدار مغزی کا غلط اندازہ لگایا تھا"

"بہرحال تم ہمیں بعض خامیوں کے باوجود عزیز ہو۔"

تیمور نے اسے تسلی دی:

"ہم نے تمہیں مدد دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ پورا کیا جائے گا"۔

"میں آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں"۔ تو قتمش نے لاچاری سے کہا:

"میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا اور مجھے آپ کی غلامی پر ہمیشہ فخر رہے گا"۔

امیر تیمور اپنے مہمان کو تسلی دے کر واپس آ گیا مگر اس کی بے چینیاں بڑھ گئیں۔ اس لیے نہیں کہ غول سے خوفزدہ تھا بلکہ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ تو قتمش سے کس طرح کام لے کیونکہ وہ سمندر غول سے خلاف پہل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

○

امیر تیمور نے بلادِ شمال کے خانِ اعظم کو شکست دے کر ان کی طاقت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا تھا اس کوشش میں شمالی پہاڑوں کی مضبوط دیوار پار کر کے آگے بڑھ گیا اور اس کے قبضے میں ایشیا کی وہ

جہاں کے ذریعے ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک زمانے سے تجارت ہوتی چلی آ رہی تھی۔ تیمور نے شمال کے راستے دے کر وہ راستہ بند کر دیا تھا جو کبھی ترک، ہن اور چنگیز خان کی اولاد آئے دن وسطی ایشیا پر حملے کیا کرتی تھی۔

مغلوں کی طاقت اگرچہ ٹوٹ چکی تھی لیکن سمندر غول کی بے پناہ طاقت اب بھی تیمور کے لیے ایک خطرہ بنی ہوئی تھی سمندر غول کا یہ علاقہ تیمور کی سلطنت کے شمال اور مغرب کی جانب واقع تھا۔ سمندر غول اور خاص کر خاقان ارس خان کے زیر اثر مغل ٹنڈرا کے برف پوش میدانوں میں گھومتے رہتے تھے ان میں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور حاکم بھی مسلمان تھے۔ جب یہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ایک پورا شہر حرکت میں آ گیا ہے۔ امیروں کے پاس دو دو سو گاڑیاں ہوتیں۔ یہ گاڑیاں اتنی بڑی ہوتی تھیں جن میں ایک پورا گھر آرام سے رہتا اور کھانا بھی اپنی گاڑیوں میں پکایا جاتا۔ سفر کے دوران ان گاڑیوں کو ایک دوسری سے باندھ دیا جاتا تھا۔ ہر ایک گاڑی بان پچاس پچاس گاڑیوں کو چلاتا تھا۔

ان حکمران مغل خاندانوں کے علاوہ سمندر غول میں شمالی علاقے کے مختلف مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ یورپ کے جہاں گرد (جپسی) اور جپسی آٹی کی بھی کافی تعداد موجود تھی۔ جہاں ایک طرف مسلمانوں کی چوبی مسجدیں بڑی پابندی سے نظر آتیں وہاں ملاؤں کے ساتھ بت پرستوں کے شامان بھی مکر میں بت لٹکائے نظر آتے۔ ان میں بیویوں کا رواج تھا اور بیواؤں کی شادی کا رواج نہیں تھا۔

سمندر غول کے یہ مغل، تاتاریوں کے چچیرے بھائی تھے۔ وہی ترچھی آنکھیں، چھدری داڑھیاں اور طبعی مزاج۔ یہ مغل ان روسیوں سے زیادہ سفاک تھے جن سے یہ خراج وصول کرتے تھے۔ یہ لوگ سکے بھی ڈھالتے تھے ان کے ذریعے روسی خراج ادا کر سکیں۔ مغل کاغذ بھی بناتے تھے اور روسیوں سے اس پر معاہدے لکھے جاتے تھے۔ ایشیا اور یورپ کا سیاسی توازن ان کے ہاتھ میں تھا۔

سمندر غول نے روسیوں سے صرف ایک بار شکست کھائی تھی لیکن پھر اس نے اس قدر زبردست انتقام لیا تھا کہ سمندر غول سے بغاوت کرنے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔ امیر تیمور کو اسی سمندر غول سے سابقہ پڑنے والا تھا۔ خان کا کردار بربریت میں چنگیز خان سے کسی طرح کم نہیں تھا۔

سمندر غول نے تو قتمش سے ملاقات کے بعد جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور کسی اہم موقع کا متلاشی تھا۔ تو قتمش کے آنے کی خبر کو پہلے تو پوشیدہ رکھا گیا لیکن جب ایک تیموری لشکر میں جنگی تیاریاں شروع ہوئیں تو خان کو ان کے تجسس میں اضافہ ہوتا گیا۔

سمندر غول نے رازداری ختم کر دی اور تو قتمش کو سمرقند کے قلعے میں آنے اور گھومنے پھرنے کی اجازت دیدی تاکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمرقندیوں اور تیموری لشکر کے لیے تو قتمش کی ذات اجنبی نہ رہے۔

امیر تیمور کو وہ موقع یا قدرت کا اشارہ جلد ہی مل گیا جس کا وہ بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ تیمور اپنی تیاریوں میں مصروف تھا کہ خاقان ارس خان کا قاصد سمرقند پہنچ گیا۔

تیمور نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ ارس خان، شہزادہ تو قتمش کا سمرقند میں قیام برداشت نہیں کرے گا اور واپسی کا مطالبہ کرے گا۔

تیمور نے ارس خان کے قاصد سے فوراً ملاقات نہیں کی بلکہ اسے مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ دراصل تیمور یہ چاہتا تھا کہ قاصد شہزادہ تو قتمش کی وہ شان و شوکت دیکھ لے جو اسے تیمور نے عطا کی تھی۔ امیر تیمور کے حکم سے شہزادے اور تاتاری امیروں کا بیش قیمت لباس دیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ پوری شان و شوکت کے ساتھ سمرقند کے باہر سیر کو آئے۔

تیمور نے درپردہ ایک مردار کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ ارس خان کے قاصد کو سمرقند کی سیر کے بہانے لے جائے اور اسے کسی ایسی جگہ کھڑا کر دے جہاں سے وہ تو قتمش کی شاہانہ سواری کا نظارا کر سکے۔ ان کے سامنے اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا کہ تو قتمش کی سیر کے دوران بازاروں میں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہو اور وہ شہزادے کا زور شور سے خوش آمدید کہیں اور اس کے حق میں نعرے لگائیں۔

دوسرے دن بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ پورا سمرقند تو قتمش کے استقبال کرنے کے لیے اس وقت تک چشمانیہ کو تو قتمش کے سمرقند پہنچنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب محلات میں یہ خبر اڑی کہ آج کسی اجنبی کا شہزادہ سمرقند کی سیر کو آنے والا ہے تو کنیزوں اور غلاموں نے بھی شہزادے کو دیکھنے کی اجازت چاہی۔ ملکہ مراثے خانم کی کنیزوں نے ملکہ کو مجبور کیا کہ وہ بھی آج سمرقند کی سیر کو چلے تاکہ کنیزیں بھی مغل شہزادے کو دیکھ سکیں۔ ملکہ آمادہ ہو گئی۔

چشمانیہ نے جب سے مغل شہزادے کی آمد کے بارے میں سنا تھا وہ ایک الجھن میں گرفتار تھی۔ اس الجھن میں نہیں آ رہا تھا کہ مغلوں کا کون سا شہزادہ سمرقند آ سکتا ہے جبکہ مغلوں کے تمام سردار تیمور کو "تیمور لنگ" کہہ کر سیاہ کرتے ہیں۔ اس نے بھی مراثے خانم کے ساتھ جانے کی درخواست کی۔ مراثے خانم نے ایک طویل مسکراہٹ کے بعد مسکرا کر ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ اُس وقت مراثے خانم کی مسکراہٹ بڑی پُراسرار تھی جسے چشمانیہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ہٹو بچو۔ مغل شہزادے کی سواری آتی ہے۔"

دو نقیب پرچم اٹھائے، آوازیں لگاتے سمرقند کی شاہراہ پر نمودار ہوئے۔ نقیبوں کے پیچھے تاتاری

[illegible] نقارے سجی ہوئی گاڑیوں پر رکھے تھے۔ نقاروں پر چوٹ پڑ رہی تھی اور طبل کی آواز سے فضا گونج رہی [illegible] پھر دو سو گھڑ سواروں کا دستہ نمودار ہوا۔ تاتاری بانکے سوار بڑے سلیقے سے درست، چار چار کی قطاروں میں گھوڑے [illegible] اٹھائے آتے دکھائی دیے۔ آخر میں مغل شہزادے کی سواری تھی۔ خلعتِ فاخرہ میں ملبوس، سر پر زرنگار چھتر [illegible] کیے ہوئے، دائیں بائیں محافظ سوار، پشت پر کنیزیں اور غلام، پھولوں کی بارش کرتے آ رہے تھے۔ شہزادے کی سواری نصف شاہراہ طے کر چکی تو نقیبوں نے ایک ایسا نعرہ بلند کیا جس پر کچھ لوگ چونک پڑے۔ ایک [illegible] نے پرچم سر سے بلند کر کے نعرہ لگایا:

"خوش آمدید مغل خاقانِ شرق و غرب تو قتمش خان۔"

یہ نعرہ بلند ہوتے ہی چشمانیہ نے گھبرا کر گردن گاڑی سے باہر کی طرف نکال دی۔ وہ ملکہ مراثے خانم کے ساتھ گاڑی میں سوار ایک بلند مقام سے اس سواری کو بڑی بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔ تو قتمش کا نام سن کر ایک لمحے کے لیے تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر وہ گھبرا کر باہر دیکھنے لگی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے شوہر [illegible] جس سے انتقام لینے کی اس نے قسم کھائی تھی، وہ اس کے اتنے قریب اور اس شان سے نمودار ہو گا۔ اس کی [illegible] تو قتمش پر جمی ہوئی تھیں جس کی سواری اس سے صرف دس قدم دور سے گزر رہی تھی۔ تو قتمش غرور سے سر [illegible] گھوڑے پر بیٹھا تھا۔

چشمانیہ کے ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ پیدا ہوئی اور دل بیٹھنے لگا۔ اس نے سر گھما کر ملکہ کو دیکھا۔ ملکہ مراثے خانم [illegible] سے تو قتمش کی سواری کا جلوس دیکھ رہی تھی لیکن اس نے چشمانیہ کی بے چینی اور گھبراہٹ بھی محسوس [illegible] اس طرح بیٹھی تھی جیسے اسے کسی بات یا کسی ردِ عمل کا علم نہ ہو۔

چشمانیہ سے ضبط نہ ہو سکا تو اس نے ڈوبتی آواز میں کہا:

"ملکہ تاتار.....؟ اس کا گلا خشک ہو گیا۔

"ہاں چشمانیہ..... کہو۔" ملکہ نے بغیر چشمانیہ کی طرف دیکھے کہا۔

"ملکہ تاتار....."

چشمانیہ نے پوری طاقت ہونٹوں پر جمع کر کے کہا مگر وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کا سر چکرانے لگا اور [illegible] شدت سے سر گاڑی پر بے ہوش ہو گئی۔

[illegible] نے چشمانیہ سے اسی قسم کے ردِ عمل کی توقع تھی اس لیے خود ادا پسی کا حکم دیا اور چشمانیہ کو لے کر محل میں [illegible]

[illegible] تو قتمش کے اس شاہانہ جلوس کا ارس خان کے قاصد پر تقریباً انتہائی شدید ردِ عمل ہوا۔ قاصد کو تیمور کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک سردار قصداً یہ جلوس دیکھنے نہ آیا تھا۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ تیمور نے توقمش کا خاندان اجاڑ کر ارس خان کو شریفانہ جواب دیا تھا تو قمش کی ایسی آؤ بھگت کے بعد یہ کس طرح ممکن تھا کہ تیمور اسے ارس کے حوالے کر دے۔ اسے تیمور پر غصہ بھی آ رہا تھا کیونکہ اس نے توقمش کے لیے خاقانِ مشرق و مغرب کا فرمان ارس خان کی سرامر تی میں تھی۔

قاصد جلوس گزرنے کے دوران دانت کٹکٹاتا رہا اور دل ہی دل میں تاؤ کھاتا رہا۔ اسے پیغام دینے سے ہی تیمور کا جواب مل گیا تھا لیکن وہ پیغام دیے بغیر واپس نہیں جا سکتا تھا۔

○

چشمانیہ کو محل پہنچتے پہنچتے ہوش آ گیا تھا۔ وہ چپ چپ سی گاڑی سے اتری اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کسی نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور کوئی بات نہ کی۔

جب چشمانیہ کے حواس بجا ہوئے تو ملکہ سرائے خانم کے پاس آئی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیال ہو رہے تھے اور مختلف قسم کے وسوسوں نے اسے گھیر لیا تھا۔

چشمانیہ، ملکہ کے پاس جا کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ گفتگو کا آغاز کیسے کرے۔ ملکہ کو اس کے دلی جذبات کا اندازہ تھا لیکن وہ چاہتی تھی کہ چشمانیہ خود بات کرے۔

"آپ کیسی طبیعت ہے؟" ملکہ نے خاموشی سے اکتا کر پوچھ ہی لیا۔

"شکر ہے۔"

چشمانیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی:

"خدا اپنے بندے کو جس حال میں رکھے، بندے کو اس کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے۔"

"چشمانیہ!" ملکہ نرمی سے بولی:

"تمہیں ہم سے شکایت پیدا ہوئی ہے لیکن تم حالات کا تجزیہ کرو گی تو تمہاری یہ شکایت خود ہی ہو جائے گی۔"

"ملکہ تاتار!" چشمانیہ نے سسکی بھر کر کہا:

"میں آپ سے کیا شکایت کر سکتی ہوں۔ تقدیر میں جو ہو گا وہ تو دیکھنا ہی پڑے گا۔ کاش میں اپنے

[illegible] دیکھنے نہ جاتی۔"

سرائے خانم نے محبت سے کہا:

"ہو چکا اس پر پچھتانا بیکار ہے۔ قدرت کس سے کیا کام لینا چاہتی ہے اس کا کسی کو علم نہیں۔ آج [illegible] کے اس عروج پر تمہارا دل کڑھتا ہو گا لیکن کل کیا ہو گا اس کا کسی کو پتہ نہیں۔"

"ملکہ تاتار..... کیا آپ کو علم تھا کہ توقمش یہاں آ رہا ہے؟" چشمانیہ کو جیسے بھولا ہوا سوال یاد آ گیا۔

"ہاں چشمانیہ....." ملکہ سرائے خانم نے نرم لہجے میں کہا:

"امیر نے ہمیں منع کر دیا تھا۔ وہ تمہاری دل آزاری نہیں چاہتے تھے..... مگر جب تم نے جلوس دیکھنے کی [illegible] ہم انکار نہ کر سکے۔"

"ملکہ تاتار کی باتیں میری سمجھ سے بہت بلند ہیں۔" چشمانیہ نے الجھتے ہوئے کہا:

"اگر امیر میرے دشمن کی یوں عزت افزائی کرنا چاہتے تھے تو پھر محمد غریب کو اپنے پاس کیوں لیا۔ ظالم [illegible] کو دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا تھا اور دل چاہا تھا کہ اس کے سینے میں اپنا خنجر اتار دوں۔"

"نادان لڑکی....." سرائے خانم نے ذرا سختی سے کہا:

"تمہارے لیے یہ سوچنا بھی جرم ہے۔ توقمش بھی امیر تیمور کی پناہ میں ہے اور امیر اپنی پناہ میں آنے والے [illegible] کی ٹیڑھی نظر بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو اگر تم نے ایسی غلطی کرنے کی کوشش کی تو امیر کے [illegible] دوستی!"

"ملکہ تاتار!" چشمانیہ رونے لگی اور بڑی دکھی آواز میں بولی:

"خدا کے لیے مجھے یہ تو سمجھائیے کہ یہ کون سا دستور ہے کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو ایک ہی دامن میں پناہ ملے۔ [illegible] ایک ہی درخت کے سائے تلے کیسے گزر سکتے ہیں۔"

"ایسا ممکن ہے اور اس کی مثال تم اور توقمش ہو۔"

ملکہ نے اسے سمجھایا:

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ امیر نے تمہیں پناہ دی تھی تو اس کی وجہ صرف انسانی ہمدردی تھی اور توقمش [illegible] امیر کی سیاسی مصلحت اور ملکی ضرورت ہے۔ حکومت کو اپنی الگ مصلحتیں ہوتی ہیں۔ کبھی میدان میں دشمن کے [illegible] کو گوارا اتارنا پڑتا ہے تو کبھی اسی دشمن کو سینے سے لگایا جاتا ہے۔ امیر کو تمہارے کرب کا احساس ہے لیکن [illegible] توقمش کو بھی پناہ دینے پر مجبور تھے۔ تاہم تمہیں ملکہ مند نہیں ہونا چاہیے۔"

"اور توقمش کو معلوم ہے کہ میں آپ کے قدموں میں موجود ہوں۔" چشمانیہ کو ایک اور سوال یاد آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہرگز نہیں"۔ ملکہ نے اسے تسلی دی:

"اگر اسے علم ہو جاتے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ بات تو قتمش بھی جانتا ہے کہ امیر تیمور کی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔"

ملکہ سرائے خانم کا جواب اس قدر واضح تھا کہ چغتائیہ کو مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے خود کو ان کے حوالے کر دیا..... اور تقدیر پر شاکر ہو کے بیٹھ گئی۔

○

دوسرے دن امیر تیمور نے اوس خان کے قاصد کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ دربار میں تاتاریوں کے بڑے تمام سردار موجود تھے۔ تیمور بعض اہم فیصلوں کے وقت دربار میں صوفیائے کرام اور علمائے دین کو بھی اس وقت وہاں کئی صوفی اور عالم بھی دکھائی دے رہے تھے۔

تیمور روایتی تمدے کی مسند پر بڑی تمکنت سے بیٹھا تھا۔ مغل شہزادے قتمش کو اس نے اپنا کرا اپنی پشت پر کھڑا کیا تھا تاکہ قاصد پر یہ واضح ہو جائے کہ امیر تیمور کے دل میں اب تک مغلوں کی عزت وہ مغلوں کو بادشاہ تو سمجھتا ہے لیکن اب ان کی جگہ شاہی مسند نہیں بلکہ امیر تیمور کی پشت پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کرنا اور دربار تیمور کی شان بڑھانا ہے۔

خاقان اوس خان، کے قاصد کو دربار میں سرداروں کے درمیان کھڑے ہونے کی اجازت دی گئی۔ یاں سناٹا تھا۔

امیر تیمور نے قاصد کو مخاطب کیا:

"اے مغل حاکم اوس خان کے قاصد..... ہم تجھے تیموری دربار میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آگے تو وہ پیغام پیش کر، جو مغل حاکم نے ہمیں بھیجا ہے۔"

قاصد نے تیمور کی نظروں سے نظریں ملائیں لیکن مرعوب ہو گیا اور نظریں نیچی کرتے ہوئے بولا:

"خاقان کا پیغام زبانی ہے۔ بیان کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"اجازت ہے۔ پیغام سب حاضرین دربار کے سامنے سنایا جائے۔" تیمور مسند پر پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

قاصد نے دربار پر طائرانہ نظر ڈالی۔ پھر پوری آواز سے گرج کر کہا:

"اے تیمور لنگ.....!"

قاصد کی زبان سے یہ الفاظ نکلنا تھے کہ دربار میں ایک ساتھ کئی تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ تاتاری سرداروں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔ پتلیاں چڑھ گئیں اور سر گوشیوں کی سرسراہٹ یوں بلند ہوئی جیسے کسی نے شہد کی مکھیوں کو چھیڑ دیا ہو۔ اور وہ بھنبھناتی ہوئی کسی تنگ جگہ گھس آئی ہوں مگر تیمور کے چہرے پہ ایک شکن تک نہیں تھی۔ وہ اس تحقیر آمیز خطاب پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

قاصد نے کہنے کو تو توہین خطابت میں "تیمور کو" "تیمور لنگ" کہہ دیا لیکن تاتاری سرداروں کے بگڑتے تیور اور نیام سے جھانکتی ہوئی تلواریں دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ وہ بجائے آگے کچھ کہنے کے، چپ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

ایک مغل سردار آگے بڑھ کر بولا:

"اے امیر تاتار! مجھے اجازت دی جائے کہ اس گستاخ کا سر قلم کر دوں۔"

تیمور نے سردار کو جواب دینے کے بجائے سر گھما کر صوفیائے کرام اور علمائے دین کی طرف دیکھا اور متانت سے کہا:

"اے دین اسلام کے فقیہو! اگر کسی ملک کا قاصد گستاخی پر آمادہ ہو جو کہ ہمارے خیال میں گستاخی نہیں ہے تو اس کے بارے میں شرع کیا کہتی ہے؟"

"اے امیر تاتار!" ایک عالم نے جواب دیا:

"قاصد کسی ملک اور کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلامی روایات کے تحت وہ صرف قاصد ہے۔ اس کی کسی بات کا انتظام یا انداز گفتگو پر نہ تو گرفت کی جا سکتی ہے اور نہ سزا دی جا سکتی ہے۔"

اسی وقت تیمور دربار میں موجود مغل سردار بیان آگے بڑھا۔ یہ نوجوان بڑا جوشیلا تھا اور جتہ مغلوں کے خاقان کے سپہ سالار بیک جک کا بیٹا تھا جس وقت مغلوں کو شکست ہوئی تھی تو بیک جک گرفتار ہو کر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ تیمور نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے دشمن کے سپہ سالار کی جان بخشی کی تھی۔ بیک جک اس سلوک سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ مغل لشکر میں جانے کی بجائے وہ تیمور کا ملازم ہو گیا تھا۔ بیان نے یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ دربار کے بعد اب خود بھی تیموری لشکر میں ایک اعلیٰ سردار کی حیثیت سے ملازم تھا۔ اس نے سر جھکا کر بھاری آواز میں کہا:

"اے شاہِ تاتار اور امیرِ عالم! میں نہیں جانتا کہ تاتاریوں میں گستاخ قاصدوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے لیکن میں مغل ہوں اور مغل اپنے بادشاہ کی توہین کسی کی زبان سے بھی نہیں سن سکتے۔ اگر تاتاری سرداروں کو اس گستاخ قاصد کا سر قلم کرنے میں ہچکچاہٹ ہے تو مجھے اجازت دی جائے۔ میں اپنے خنجر سے اس کی زبان تراشوں گا تاکہ دوبارہ کسی خان میں آئندہ کوئی گستاخی نہ کر سکے۔"

تیمور نے اسے اشارے سے روک دیا اور قاصد سے بولا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارس خان کا قاصد اپنا پیام جاری رکھے اور ہماری ناراضگی کی قطعی پروا نہ کرتے ہوئے پیغام کے الفاظ دہرائے جو ارس خان کی زبان سے ادا ہوئے تھے:

قاصد نے متحمل کر کہنا شروع کیا:

"میرے خاقان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو ان الفاظ میں پیغام دوں..... اے تیمور لنگ! اے جو حاکم شرق و غرب اور سنہرے مغول، نیلے مغول اور سفید مغول کا خاقان ہے، تو قتمش نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا اور تمہارے پاس پناہ لی ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"اے علمائے کرام!" تیمور نے علماء کو مخاطب کیا:

"پناہ میں آئے ہوئے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟"

"پناہ میں آیا ہوا شخص پناہ دینے والے کے لیے اس کی جان سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔" ایک عالم دین نے فوراً جواب دیا:

"شرافت، دوستی اور مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا کہ پناہ میں آئے ہوئے شخص کو کسی دشمن یا باغی کے حوالے کر دیا جائے۔"

تیمور ایک لمحے تک خاموش رہا۔ اس نے سر جھکا کر کچھ سوچا۔ شاید وہ جواب کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ اس نے بڑے وقار سے پہلے اپنے سرداروں کو مخاطب کیا:

"اے سلطنتِ تیموریہ کے وفادارو! تمہیں یہ بات ناگوار گزری کہ ارس خان نے تمہارے امیر کو 'تیمور لنگ' کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ تمہارا غم و غصہ اپنی جگہ۔ لیکن یقین کرو کہ میں اس طرح کے خطاب سے خوش ہوتا ہوں۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے، مجھے یہ علم ہو جاتا ہے کہ ابھی میری مملکت کے اردگرد ایسے خود سر لوگ موجود ہیں جو میری توہین اور تحقیر برسرِ عام کرنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے، جب مجھے کوئی 'تیمور لنگ' کہتا ہے تو مجھے اپنے آباؤ اجداد کا یہ قول یاد آ جاتا ہے کہ بہادروں کی اصل جگہ محلاتِ شاہی نہیں بلکہ گھوڑے کی پیٹھ اور میدانِ جنگ اور بہادروں کی مردانگی رحم کی کر مسکرانا اور زخم پہنچا کر خوش ہونا ہے۔"

تیمور ذرا دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے قاصد کی طرف دیکھ کر کہا:

"اے ارس خان کے سفیر! تم نے دیکھ لیا کہ شہزادہ قتمش ہمارے ساتھ ہے اور اس وقت ہماری پناہ میں ہے اور ہم اس معصوم شہزادے کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ شہزادے کو ہم نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ جاؤ اور ارس خان کو کہہ دو کہ ہم نے اس کا پیغام سن لیا ہے اور پورا تاتاری لشکر معصوم شہزادے کی حفاظت کرے گا۔ ہم اسے ظلم سے بچائیں گے۔ ارس خان سے یہ بھی کہنا کہ اس نے تاتاریوں کو جنگ کے لیے للکارا ہے تو تاتاری للکار

دعوت دیتے ہیں۔"

تیمور کے اعلان سے دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سرداروں نے نعرے بلند کرنا شروع کر دیے اور قاصد کے جاتے ہی جنگی تیاریوں میں اضافہ کر دیا گیا۔

رات گزر چکی تھی۔ تیمور کو سنہرے مغول سے جلد یا بدیر جنگ تو کرنا ہی تھی۔ قتمش کی آمد نے اس جنگ کو قریب کر دیا تھا۔ تیمور نے قتمش کو سرحد کے دو قلعے دیے۔ یہ قلعے اس نے حصہ مغلوں سے چھینے تھے۔ قتمش کے ساتھ کے مطابق تاتاری سپاہ اور افسر دیے گئے..... بے شمار زر و جواہر کے علاوہ اس کے لیے ہتھیاروں کی اور گھوڑوں بھیجوں حتیٰ کہ نقارہ، طبل اور علم کا بھی انتظام کر دیا گیا۔

شہزادے تو قتمش کا لشکر کیل کانٹے سے درست ہو گیا تو تیمور نے اسے شمال کی طرف بڑھنے اور قسمت آزمائی کی اجازت دے دی۔ تمام بڑے بڑے تاتاری سردار شہزادے کو الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔

قتمش بے حد خوش تھا۔ وہ بڑی شان سے گھوڑے پر سوار ہوا مگر گھوڑے پر بیٹھتے ہی کچھ ایسا مغرور ہوا کہ اس نے تیمور کو الوداعی سلام بھی نہیں کیا اور لشکر لے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تیمور نے اس کی اس گستاخی کو بدحواسی پر محمول کیا اور خاموش رہا۔

○

خاقان ارس خان کو تیمور کا جواب پہنچ چکا تھا اور وہ تیار ہو کر تاتاری سرحدوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قتمش کی خاقان کے لشکر سے جلد ہی مڈبھیڑ ہو گئی۔ ارس خان کے لشکر کے حصے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے بھی قتمش کو شکست دے چکے تھے۔

قتمش کو ارس خان سے اس قدر جلد جنگ ہونے کا خیال ہی نہ تھا۔ وہ ارس خان کو اپنے سر پر دیکھ کر اور اپنے تاتاری لشکر کو ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن قتمش کو اپنی پہلی شکست کا خیال آ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ ارس خان کے ہاتھوں مارا جائے۔ اس لیے دباؤ پڑتے ہی اس نے پسپائی اختیار کی۔ قتمش کے اردگرد تاتاری سرداروں نے مشورہ دیا کہ اگر ہم اسی طرح پسپا ہوتے رہے تو ہماری شکست یقینی ہے، اس سے انجام کر مقابلہ کرنا چاہیے لیکن قتمش دشمنوں سے اس قدر مرعوب ہو گیا تھا کہ وہ قدم نہ جما سکا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے سیر تک آ گیا۔ یہاں کچھ دیر تاتاریوں اور مغلوں میں زبردست مقابلہ ہوا لیکن قتمش کی غلط حکمت عملی کی وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تاتاری لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔

توقتمش شکست کھا کر سمرقند آیا تو امیر تیمور نے اس سے باز پرس کرنے کے بجائے اس کی دلجوئی کی۔ تاتاری سرداروں نے امیر تیمور سے شکایت کی کہ توقتمش تاتاری لشکر کی سرداری کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اس لیے اس کے بجائے کسی تاتاری کو سپہ سالار بنا کر بھیجا جائے لیکن امیر تیمور کو توقتمش کی شکست و فتح کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ اس نے تو مغلوں کے خلاف ایک طرح کی آزمائشی جنگ کا آغاز کیا تھا۔ اس جنگ کے ذریعے وہ ارس خان کی طاقت کا اندازہ کرنا چاہتا تھا تاکہ جب خود میدان میں اترے تو پوری طرح تیار ہو اور ارس خان کی طاقت کا پہلے ہی وار میں خاتمہ کر دے۔

امیر تیمور نے شہزادہ توقتمش کو ایک اور موقع دیا۔ اس کے لیے پہلے سے زیادہ لشکر کا انتظام کیا گیا۔ تیمور کے دل میں کچھ ہی ہو لیکن وہ توقتمش پر بے حد مہربان نظر آتا تھا۔ دراصل وہ سانپ کو دشمن کی لاٹھی سے مارنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد مغلوں کو مغلوں سے لڑانا تھا اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔

توقتمش خان اور ارس خان کی پہلی جنگ کے وقت کئی مغل قبائل توقتمش سے آملے۔ اور وہ توقتمش کی طرف سے ارس خان سے لڑے تھے۔ پھر جب وہ شکست کھا کر واپس آیا تو بہت سے مغل سوار اس کے ساتھ تھے۔ تیمور نے توقتمش کے لشکر کے لیے مرحد پر خیمے لگوائے تاکہ توقتمش کا ساتھ دینے والے مغل وہاں تک پہنچ کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ جب توقتمش نے دوسری بار دریائے سیحوں کو عبور کیا تو اس کے ساتھ کئی ہزار مغل سوار بھی ہو گئے۔

امیر تیمور نے شکست خوردہ توقتمش کو اس دفعہ بھی پہلے جیسی شان و شوکت اور اہتمام سے رخصت کیا اور اسے یہاں تک اعزاز بخشا کہ اپنا خاص گھوڑا توقتمش کو سواری کے لیے دیدیا۔

توقتمش نے جب دریا عبور کیا تو اس کا خیال تھا کہ ارس خان کا لشکر دوسری جانب موجود ہوگا لیکن وہاں ارس خان کے لشکر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ارس خان نے گو کہ توقتمش کو شکست دے دی تھی لیکن اس مختصر جنگ سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تاتاری، روسیوں اور مغربی یورپ کے سواروں سے کہیں زیادہ چست چالاک اور بہادر ہیں۔ پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ ممکن ہے توقتمش کے عقب میں تیمور کسی بڑے لشکر کے ساتھ موجود ہو۔ اس لیے وہ اپنی کامیابی کے بعد پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے دریائے سیحوں سے کئی منزل دور اپنی خیمہ گاہ قائم کی تھی اور وہاں ٹھہر کر مزید لشکر جمع کر رہا تھا۔

توقتمش ڈرتا ڈرتا کر شمال کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ اس کی اس بڑھی ہوئی احتیاط پر، جسے تاتاری بزدلی سے تعبیر کرتے تھے، تاتاری سردار دل ہی دل میں ہنستے تھے مگر کوئی اعتراض نہ کر سکتے تھے کیونکہ تیمور نے توقتمش کو سپہ سالار مقرر کیا تھا اور تاتاری سرداروں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔

توقتمش چوروں کی طرح دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔۔۔۔ پھر ایک دن جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ ارس خان اپنے لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح بڑھتا چلا آرہا ہے۔ توقتمش نے فوراً پیش قدمی روک دی اور ارس خان کے لشکر کے مقابلے کے لیے مورچہ بندی شروع کر دی۔۔۔۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو تلاش کر کے کوئی اچھا سا میدان منتخب کر سکتا تھا جہاں مورچہ بندی کرتا۔

توقتمش سے دوسری غلطی یہ ہوئی کہ جب ارس خان کا لشکر اس کے سامنے پہنچا تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ تاتاری سردار نے ارس خان کے تھکے ہوئے لشکر پر فوراً حملہ کرنے کی درخواست کی لیکن توقتمش شاید مدافعتی جنگ کا فیصلہ کر چکا تھا اس نے لشکر کو مورچوں سے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ دشمن کو آرام کرنے کا موقع مل گیا۔ رات کو سرداروں نے شب خون مارنے کا مشورہ دیا لیکن وہ اس پر بھی رضامند نہ ہوا۔

۔۔۔۔ پھر جب صبح ہوئی تو توقتمش، دشمن کی صف بندی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ارس خان اس دفعہ پہلے سے بہت زیادہ لشکر کے ساتھ مقابل ہوا تھا۔ توقتمش کی ساری مورچہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔۔۔۔ ارس خان کا ٹڈی دل لشکر تاتاریوں پر آپڑا۔ تاتاریوں نے اس آندھی کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ توقتمش نے بھی اس دفعہ بڑی بہادری سے لڑا۔ اس کے جسم پر کئی زخم آئے مگر اس نے میدان نہ چھوڑا۔

ارس خان کے خاص دستوں نے توقتمش کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہر بار ان کا گھیرا توڑ کر نکل گیا۔ ارس خان نے اعلان کیا تھا کہ توقتمش کو زندہ پکڑا جائے تاکہ وہ اپنے بیٹے کے قاتل کو مقتول شہزادے کے سر پر لے جا کر سولی پر چڑھائے لیکن ارس خان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔

جب توقتمش لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گیا اور اسے گھوڑے پر بیٹھنا مشکل ہو گیا تو اس نے تیمور کے جنگی گھوڑے کی پیٹھ پر سر رکھ دیا اور اس کی باگیں چھوڑ کر ایال سے چمٹ گیا۔ سمجھدار گھوڑے نے اپنے سوار کی حالت کا اندازہ لگا لیا اور مغلوں پر جا پڑا۔ جو توقتمش کو گھیرے ہوئے تھے۔ مغل سوار گھبرا کر ایک طرف ہٹنے کے لیے ادھر اُدھر ہوئے اور گھوڑا تیر کی طرح ان کے درمیان سے نکل گیا۔ مغل سوار ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

توقتمش کو ارس خان کے ہاتھوں دوبارہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے میدان سے نکلتے ہی تاتاری لشکر نے بھی گھوڑے اٹھا دیا۔۔۔۔ ارس خان نے اب بھی احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ اس نے اپنے لشکر کو تعاقب سے روک دیا اور خود اڑتا اڑتا اسی جگہ واپس پہنچ گیا جہاں سے چل کر وہ توقتمش کے مقابلے پر آیا تھا۔

ادھر توقتمش جس وقت میدان سے نکلا تو سہ پہر تھی۔ گھوڑا اپنے سوار کے لیے شام تک بھاگتا رہا۔ جنگی گھوڑے بڑے سمجھدار ہوتے ہیں۔ انہیں اس بات کا بھی ادراک ہوتا ہے کہ شکست کی صورت میں انہیں کدھر اور کہاں واپس جانا ہے۔ گھوڑا دریائے سیحوں پار کر کے شمال کی طرف بڑھا تھا۔۔۔۔ اندھیرا ہو جانے کے باوجود وہ کہیں نہ رکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور صبح کے قریب بھوکا پیاسا دریائے سیر کے کنارے پہنچ گیا۔

پھر جب گھوڑا رکا اور تقمش کی نظر دریائے سیر پر پڑی تو وہ گھوڑے کی سمجھداری پر حیران رہ گیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے دریا پار کر کے وہ جنوب کی طرف روانہ ہوا تھا۔

تقمش گھوڑے سے اترا۔ اس نے گھوڑے کے سر اور پیٹھ پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ گھوڑے نے ہنہنا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ تقمش نے اسے چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ . . . . اور خود اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ جس کپڑے کی پٹی سے اس نے مرہم پٹی کی تھی اس کا کچھ حصہ بچا ہوا تھا۔ اس سے اس نے گھوڑے کی زخمی ٹانگ پر مرہم پٹی کی۔ پھر گھوڑے سے فارغ ہوا تو گھوڑا بھی گھاس چر کر اور پانی پی کر تازہ دم ہو گیا تھا۔ تقمش کو اب اپنے پکڑے جانے کا اندیشہ نہ تھا اس لیے وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دریا پار کر کے تاتاری علاقے میں پہنچ گیا۔

وہاں پہنچ کر ایک نئے خیال نے اسے پریشان کرنا شروع کر دیا۔

تقمش کی پہلی شکست کے سلسلے میں تیمور نے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی تھی لیکن تاتاری سردار اس سے اور اس کی غلط حکمت عملی کی شکایت کی تھی۔ تقمش کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس دوسری شکست پر تیمور اس سے ضرور باز پرس کرے گا اور پتہ نہیں، اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ پہلے اس نے دریا پار کر کے سمرقند جانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب وہ تیمور کے سامنے جانا۔ تمام مثبت باتیں محسوس ہو رہی تھیں۔ بہرحال اس نے ارس خان کے مقابلے میں بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ آخری وقت تک میدان نہیں چھوڑا تھا لیکن بعض تاتاری سردار اس سے ناراض تھے اور وہ تیمور کے سامنے اس کی شکست کو گھٹا کر اور اس کی غلطیوں کو بڑھا کر پیش کر سکتے تھے۔ ان حالات اور خیالات نے اس کے قدم روک دیے اور وہ سمرقند کا سفر ملتوی کر کے گھوڑے سے اتر پڑا۔

تقمش کے زخموں کی تکلیف تو کچھ کم ہو گئی تھی لیکن راستے کی تھکن سے جسم چور چور تھا۔ اس نے کچھ کھانا غذا اور تازہ پھل کھا کر پیٹ بھر لیا تھا لیکن اس کا دماغ سخت پریشان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کدھر جائے؟

آخر اس نے گھوڑے کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود ایک سایہ دار درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر۔ غم و اندوہ تھکن اور نیند کے غلبے نے اس پر ایسا حملہ کیا کہ وہ اسی حالت میں سو گیا اور ایسی گہری نیند سویا کہ دوپہر ڈھلے تک ہوش نہ آیا۔

یہ وہ وقت تھا کہ تاتاری لشکر کے شکست خوردہ امرا دو دو چار چار کر کے دریائے سیر کے کنارے پہنچ رہے تھے۔ ان سواروں کو شکست سے زیادہ تقمش کے غائب ہونے کی فکر تھی۔ میدان جنگ میں جو سوار تقمش کے قریب لڑ رہے تھے ان میں ایک سوار ان لوگوں میں موجود تھا۔ اس کا بیان تھا کہ اس نے تقمش کو زخم کھا کر گھوڑے پر جھکتے دیکھا تھا۔ . . . پھر گھوڑا اسے لے کر میدان سے نکل گیا تھا۔ اس سے سواروں کو یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ جب گھوڑا اسے لے کر میدان سے نکلا گیا تو پھر اس کے پکڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"ہمارے امیر کا گھوڑا ہے۔" ایک سوار نے کہا۔

"ہمارے امیر پر خدا کی رحمت ہے اس لیے ان کا گھوڑا بھی سب سے زیادہ تیز رفتار ہے۔"

پھر کیا عجب کہ وہ اس دریا پر ہم سے پہلے پہنچ گیا ہو۔" ایک بوڑھے پراس سردار نے خیال ظاہر کیا۔

"ٹھیک ہے۔" دوسرے نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ وہ دریا پار کر کے سمرقند کی طرف گیا ہے اس لیے ہمیں بھی سمرقند چلنا چاہیے۔"

یہ سب سوار بوڑھے پراس کے پیچھے پیچھے دریا پار کرنے لگے۔ بوڑھا پراس سب سے آگے تھا اچانک اس کی نظر ایک طرف اٹھی اور وہ خوشی سے چلایا:

"امیر کا اقبال بلند ہو۔ اس کا گھوڑا وہ چر رہا ہے۔"

گھوڑا دریا سے کچھ دور بڑے اطمینان سے ہری ہری گھاس چرنے میں مصروف تھا۔ وہ سب گھوڑے کے نزدیک آئے اور اس کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ گھوڑا چند لمحوں تک ان کی طرف دیکھتا رہا پھر ہنہناتا ہوا ایک طرف کو بھاگا۔ پراس آنے والے سب سواروں کے پیچھے ہو لیے۔

گھوڑا میدان پار کر کے جنگل میں داخل ہوا اور اس درخت کے نیچے پہنچ گیا جہاں تقمش گہری نیند میں مبتلا تھا۔

"شہزادہ تقمش . . . . سپہ سالار!" پراس سردار نے اسے بڑے ادب سے آواز دی۔

تقمش ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا:

"ارے . . . . تم . . . ." یہ کہتے ہوئے اس نے خجالت سے سر جھکا لیا۔

"شہزادے! دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

بوڑھے پراس نے اسے تسلی دی:

"ہم نے امیر کی مغرور کو فتح نافرمانی کی ہے۔ بھی ہمیں دوسری بار شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔"

تقمش کے زخموں میں بھی تکلیف تھی لیکن وہ خود کو سنبھال کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا:

"یہ امیر کی نافرمانی نہیں بلکہ ہماری اپنی غلطی ہے۔ بہرحال اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ میں تمہارا ہر مشورہ مانوں گا [illegible] ہے تو بھی میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"نہیں شہزادے!" پراس سردار سر ہلاتے ہوئے بولا:

"آپ نے شکست کھائی ہے۔ ہم امیر کے سامنے اس کا اعتراف کریں گے۔ آپ ہمارے ساتھ سمرقند واپس چلیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں کس منہ سے امیر کا سامنا کروں گا۔" توقتمش بڑے کرب سے بولا۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ میں میدان ہی میں قتل کر دیا گیا ہوتا۔"

"آپ نے دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی شہزادے"۔ برلاس سردار نے متانت سے کہا۔

"ہم دربار میں اس کی شہادت دیں گے۔ امیر کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتے وہ آپ کو معاف کر دیں گے۔ وہ صرف بزدلوں اور میدان سے بھاگنے والوں کو معاف نہیں کرتے۔۔۔۔ اور انہیں سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتے۔"

○

شہزادہ توقتمش نے سمرقند پہنچ کر بھی تین روز تک امیر تیمور کا سامنا نہیں کیا۔ تیمور کو مسعود نکالہ شہزادہ نے توقتمش کے حوصلے پست کر دیے ہیں۔ اس نے بھی توقتمش کو نہیں بلوایا۔ اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ جب ایک ہفتے کے بعد توقتمش کی شرمندگی ذرا کم ہوئی اور اس کے زخم بھی بھر گئے تو وہ دربار میں گیا۔

تیمور نے اسے سابقہ مرتبے پر رکھا اور شکست کے بارے میں بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ تیمور کو اپنے سرداروں سے شہزادے کی بہادری اور شجاعت کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں توقتمش کے لیے اب بھی جیسی محبت اور مروت موجود تھی۔

توقتمش کے لیے کریمیا کی سرزمین دیارِ غیر ہو گئی اور اس کی بازیابی سے ناامید ہو گیا۔ اس نے یہی غنیمت سمرقند میں رہ کر زندگی کے باقی ایام تاتاریوں کی پناہ میں گزار دے۔ اس دوران اس کا چشمانیہ سے کئی بار آمنا وہ چشمانیہ کو نہیں پہچانتا تھا لیکن چشمانیہ اپنے محبوب شوہر کے قاتل کو کس طرح بھول سکتی تھی۔ وہ جب توقتمش کو تو جوشِ انتقام سے لپک اٹھتی۔۔۔۔ مگر جلد ہی وہ اپنے جذبات پر قابو پا لیتی۔ اسے سرائے خانم کی تنبیہ تاکید یاد آجاتی۔۔۔۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی جس کی وجہ سے وہ اس پناہ گاہ سے بھی محروم ہو جائے۔

پھر جلد ہی مغلوں کے سنہرے غول میں ایک انقلاب برپا ہوا۔ توقتمش کی قسمت نے یکایک پلٹا کھایا۔ اس کی طاقت ور دشمن خاقانِ شرق و غرب ارس خان کا انتقال ہو گیا۔

اس اطلاع نے توقتمش کو قسمت آزمائی کا ایک سنہرا موقع دیا۔ اس نے تیمور سے کریمیا جانے کی اجازت مانگی۔

رنے اسے غیر مشروط طور پر اجازت دے دی۔

توقتمش جلد از جلد کریمیا پہنچنا چاہتا تھا۔ تیمور نے احتیاط کے طور پر اس کے ساتھ دس تاتاری سوار کر دیے زاقتمش کو اقتدار حاصل ہو جائے تو یہ سوار اسے، امیر تیمور اور اس کے احسانات کی یاد دلاتے رہیں۔

منہرے غول میں ارس خان کے مرنے سے ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا پہلے ہی توقتمش کے ہاتھوں خاب اس کے سوا کوئی دوسری اولاد نہیں تھی۔ خاقانِ شرق و غرب کی جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس علاقے دہ سپہ سالار کھڑے ہو گئے۔ فیصلہ سنہرے غول کے خاقانِ اعظم مانگی خان کو کرنا تھا۔ اس فیصلے میں اسے یہ دشواری تھی کہ ارس خان کے علاقے میں شہزادہ توقتمش کے قبیلے کے لوگ زیادہ آباد تھے اور وہ توقتمش کے علاوہ کسی اور تسلیم کرنے پر رضامند نہ تھے۔

مانگی خان اگرچہ توقتمش کا قریبی عزیز تھا لیکن توقتمش نے ارس خان کے بیٹے کو بلاوجہ قتل کر کے جو فتنہ اٹھایا تھا سے وہ توقتمش کے خلاف ہو گیا تھا۔۔۔۔ پھر وہ دوبارہ ارس خان کے مقابلے پر تاتاری لشکر لے کر ں نے مانگی خان کو توقتمش سے اور زیادہ برگشتہ کر دیا تھا۔

مانگی خان ابھی اپنے مرکز سرائے باتو میں بیٹھا اس جانشینی کے مسئلے پر اپنے سرداروں سے مشورہ کر رہا تھا کہ شہزادہ ڑی خاموشی سے کریمیا میں داخل ہوا۔

وہ ایک اندھیری رات تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ توقتمش بے دھڑک کریمیا کی سرحدی چوکی میں داخل ہوں پر مشتمل یہ چوکی ارس خان نے قائم کی تھی۔ چوکی کے مغل محافظ آگ کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے روں کی ٹاپیں سن کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کون ہے؟" ایک محافظ نے تلوار کھینچ کر آواز لگائی۔

توقتمش کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ اس نے بغیر رکے جواب دیا:

ڈالی کریمیا شہزادہ توقتمش۔"

شہزادے کا نام سن کر محافظوں کے ہاتھوں میں تلواریں کانپنے لگیں۔ توقتمش آگ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ تم نیزے سے دیکھ رہے تھے۔ توقتمش تلوار بلند کیے بڑی شان سے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ پھر اس کی بارعب

دوست یا دشمن؟۔۔۔۔ جنگ یا امن؟۔۔۔۔ جواب دو۔"

تم آپ کے سامنے ہتھیار کیسے اٹھا سکتے ہیں؟" ایک محافظ نے سر جھکا کر کہا اور تلوار زمین پر پھینک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے محافظوں نے بھی تلواریں پھینک دیں۔ توقتمش نے تلوار نیام میں ڈالی اور مسکراتا ہوا گھوڑے سے اتر۔ تاتاری سوار بھی آگ کے قریب پہنچ چکے تھے اور مغل محافظ انہیں تیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"ان سے خطرہ نہیں۔ یہ دوست ہیں"۔ توقتمش نے مغل محافظوں کی نظروں پڑھتے ہوئے کہا:

"انہیں ایک خیمے میں ٹھہراؤ"۔

تاتاری سواروں کے لیے ایک خیمہ خالی کر دیا گیا۔ انہوں نے گھوڑے قریب ہی باندھ دیے اور خود خیمے میں چلے گئے۔

توقتمش کے آنے کی خبر پوری چوکی میں پھیل گئی۔ خیموں میں سونے والے محافظ بھی جاگ پڑے اور شہزادے کو خوش آمدید کہنے کے لیے اس کے گرد جمع ہو گئے۔

ارس خان نے کریمیا پر قبضہ کرنے کے بعد وہیں کے ایک سردار کو کریمیا کا عارضی حاکم بنا دیا تھا۔ اس نے بھی کریمیا کے فوجی محافظوں کی خدمات اتاکا دے رہے تھے۔ پرانے آقا کو اپنے درمیان دیکھ کر وہ بہت خوش ہو رہے تھے۔ وہ شہزادے کو ایک بڑے خیمے میں لے گئے اور پھر وہاں باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

توقتمش کے ساتھ آنے والے تاتاری سوار خیمے میں بیٹھے بڑی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ انہوں نے شہزادے کے بڑے خیمے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ۔ ۔ ۔ پھر بھی شہزادے کے خیمے سے بلند ہونے والے قہقہوں کی آوازیں وہاں تک پہنچ رہی تھیں۔ جنہیں سن کر انہیں زیادہ تاؤ آ رہا تھا۔ رات کا کھانا انہوں نے اکیلا کھایا تھا۔ حالانکہ ان کے پاس سوکھی خشک غذا موجود تھی لیکن توقتمش نے انہیں روک دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ چوکی پر پہنچ کر شاندار کھانا کھائیں گے اور اب شہزادہ اپنوں میں پہنچ کر تاتاری سواروں کو بالکل فراموش کر چکا تھا۔ آدھی رات گزر جانے کے باوجود انہیں اب تک کھانا نہیں بھیجا گیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ پھر انہوں نے مجبور ہو کر توقتمش کے کھانے پر لعنت بھیجی اور ایک ساتھی کو باہر بھیجا کہ وہ خورجیوں میں کھانے کو جو کچھ موجود ہو لے آئے۔

ایک تاتاری خیمے سے باہر نکلا۔ انہوں نے گھوڑے ابھی نہیں کھولے تھے۔ سب سامان ان پر لدا تھا۔ وہ گھوڑے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ توقتمش کے خیمے سے ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ اس قہقہے میں بہت سے لوگوں کی آوازیں شامل تھیں۔

تاتاری کو توقتمش کی اس بے مروتی اور لاپروائی پر سخت غصہ آیا۔ وہ خورجیوں سے کھانا نکالنے کے بجائے توقتمش کے خیمے کی طرف بڑھا۔

مغل محافظوں کے تمام خیمے اسے خالی معلوم ہوئے۔ وہ سمجھ گیا کہ تمام محافظ شہزادے کے خیمے میں خوشیاں منا رہے ہیں۔

چاروں احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا توقتمش کے خیمے کے پاس پہنچ گیا۔ خیمے کا پردہ اٹھا ہوا تھا اور خیمہ درجنوں مشعلوں کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ محافظ، شہزادے کے گرد گھیرے بیٹھے تھے۔ یہ یہ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ کوئی بکرے کی ٹانگ بھنبھوڑ رہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ اور کوئی گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے چبا رہا تھا۔

تاتاری خیمے کی پشت پر پہنچ گیا۔ خیمے میں خاموشی تھی۔ ۔ ۔ ۔ سب کھانے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر بعد محافظ کی آواز سنائی دی۔ وہ توقتمش سے کہہ رہا تھا:

"آقا! تاتاریوں نے آپ کا کتنا ہی ساتھ دیا ہو لیکن مغل ان کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتے"۔

"ایسا ہی ہونا چاہیے"۔ توقتمش نے اطمینان سے جواب دیا:

"ہمیں خود تاتاریوں سے نفرت ہے لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ جب تک ہم پوری طرح طاقت حاصل نہ کر لیں۔ تب تک تاتاریوں سے دوستی رکھیں"۔

"میں آقا کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں"۔ محافظ نے کہا:

"لیکن کریمیا اور تمام علاقوں پر آپ اسی وقت قابو پا سکتے ہیں جب مغل قبائل آپ سے تعاون کریں"۔

"اگر تعاون نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟" توقتمش سخت لہجے میں بولا:

"کیا ہم کریمیا کے حاکم نہیں۔ کیا ہماری رگوں میں مغل خون موجود نہیں؟"

"یہ درست ہے آقا!" محافظ نے جواب دیا:

"لیکن میری درخواست ہے کہ آپ کوئی ایسا تجربہ نہ کریں۔ مغل، تاتاریوں کے خلاف ہیں۔ آپ ان تاتاری سواروں کو لے کر آگے بڑھیں گے تو کریمیا کے مغل بھڑک اٹھیں گے۔ سمرقند میں پناہ حاصل کرنے سے آپ کے حامی ہو گئے ہیں"۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر توقتمش بولا:

"پھر تمہارا کیا مشورہ ہے؟ ہمیں مغلوں کا تعاون تو ہر صورت میں حاصل کرنا ہے"۔

"آقا میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟" محافظ نے انکسار سے کہا:

"میرے خیال میں اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم تاتاریوں کو ساتھ لے جانے کی بجائے صرف ان کے سرداروں پر مشتمل کر کے آگے بڑھیں۔ تاتاریوں کے سر دیکھ کر مغل بہت خوش ہوں گے اور آپ کا ساتھ دینے پر تیار ہو جائیں گے"۔

تاتاری سوار کو ایسا لگا جیسے خیمے کے پیچھے کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا، اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو قتمش کا جواب بھی سنا اور ذرا پیچھے ہٹ کر اپنے خیمے کی طرف بھاگا۔ . . . . وہ ملہنیتا کا نشتا پہچانتے ہی اس کے ساتھی گھبرا گئے۔

"بھاگو بھاگو۔ . . . . جلدی بھاگو۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

"کیوں . . . کیا ہوا۔ خیر تو ہے؟" اس کے ساتھیوں نے ہر طرف سے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ

"وہ . . . . مغل ہمیں قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ سب کو مار دیں گے۔" تاتاری نے

سنبھالتے ہوئے کہا۔ . . . اور پھر تیزی سے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔

دوسرے ہی لمحے تمام تاتاری اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر کریمیا سے جلد از جلد نکل جانے کے گھوڑے بھگائے چلے جا رہے تھے۔ تاتاری جس راستے سے کریمیا میں داخل ہوئے تھے، وہ اس سے تھے مگر رات کا وقت، پھر گھنا جنگل، پتہ نہیں وہ کدھر سے کدھر نکل گئے۔ اس پر تم ہی دیر بعد انہیں اپنے پیچھے گھوڑے بھاگتے ہوئے محسوس ہوئے۔ . . . . انہیں یقین ہو گیا کہ مغل ان رہے ہیں۔ اس سے ان پر اور بدحواسی طاری ہو گئی۔ اور وہ زیادہ اندھا دھند بھاگنے لگے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ٹکڑیوں میں بٹ گئے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ . . . . پھر وہ اور انہیں اپنی سرحد قریب دکھائی دی تو ان کی جان میں جان آئی مگر سرحد پر پہنچنے والوں کی تعداد گھٹ گئی تھی۔ . . . . باقی پانچ کا پتہ نہ تھا کہ کہاں گئے اور ان پر کیا بیتی۔ دن چڑھے تک انہوں نے ان کا انتظار کیا۔ پھر مایوس ہو کر سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے۔

○

تیمور کو تو قتمش کی بڑی فکر تھی کیونکہ وہ مغل شہزادہ، جنگی بساط کا ایک اہم مہرہ تھا۔ اس نے اپنے کو آگے بڑھا کر ارس خان کو شہ دی تھی مگر یہ چال الٹی ہو گئی۔

کریمیا سے واپس آنے والے پانچوں سواروں نے جب کریمیا کی پہلی چوکی پر رونما ہونے والے حال بتایا تو تیمور سناٹے میں آ گیا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ تو قتمش اس سے بے وفائی

تیمور نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے ایک سوار سے پوچھا:

"تم میں سے کون تو قتمش کے خیمے پر گیا تھا اور اس نے وہاں کیا سنا۔ کیا تو قتمش نے

کم اپنی زبان سے دیا تھا؟"

سواروں کے پاس تیمور کے سوالوں کا کوئی اطمینان بخش جواب نہ تھا۔ پہلے انہوں نے ایک دوسرے کا منہ

یا پھر ان میں سے ایک جرأت کر کے بولا:

"اے امیر۔ ہم آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ وہ سوار جس نے تو قتمش کے خیمے پر پہنچ کر، اس کی

بتائی تھیں، اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ہمارے پانچ سوار جو کریمیا سے واپس نہیں آ سکے، ان میں وہ

تھا۔"

"بے وقوفو۔" تیمور چڑ کر بولا:

"تم نے کم از کم اس کی پوری بات تو سنی ہوتی۔ ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو اور اس نے غلط مطلب نکالا ہو۔"

"امیر۔ ہم سے یہ غلطی ہو گئی۔" ایک نے مسکین صورت بنا کر کہا:

"وہ گھبرایا ہوا آیا اور بولا کہ جلدی بھاگو۔ تو قتمش نے ہمارے بارے میں قتل کا حکم دیدیا ہے۔"

"اور تم لوگ بغیر تصدیق کیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ احمق!"

تیمور کو غصہ آ گیا: "جاؤ اور باقی سواروں کا انتظار کرو۔ جب وہ واپس آ جائیں تو ہمیں اطلاع دینا۔"

تاتاری سوار خاموشی سے واپس چلے گئے۔

. . . . ہفتہ، پندرہ دن، مہینہ گزر گیا مگر باقی پانچ سوار واپس نہیں آئے۔ . . . . وہ واپس آتے بھی کیسے؟ تاتاری مغلوں نے پکڑ کر ختم کر دیا تھا۔ تیمور نے اس واقعے کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ تاتاری لوگوں کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ تو قتمش کی طرف سے بے فکر ہو کر بحر خزر کی طرف چلا گیا۔ وہاں کچھ قبائل نے شورش کر رکھی تھی۔ انہیں سزا دینے کے لیے خود تیمور لشکر لے کر گیا تھا۔ راستے میں اسے اطلاع ملی کہ تو قتمش نے ارس خان کے علاقے پر قبضہ کر کے خاقانِ شرق و غرب کا لقب اختیار کر لیا ہے۔

پھر جب وہ بحر خزر کی شورش ختم کرنے میں مصروف تھا تو اسے بتایا گیا کہ تو قتمش نے مغلوں کے خاقانِ اعظم خان کو شکست دے کر اسے راستے سے ہٹا دیا ہے اور تمام مغلوں اور سنہرے غول کا خاقانِ اعظم بن بیٹھا ہے۔ اس خبر سے اطمینان ہوا۔ . . . اس نے سوچا کہ تو قتمش کے خاقان ہو جانے کے بعد سنہرے غول سے کسی فوری کا اندیشہ نہیں رہا۔ وہ خوارزم کے صدر مقام اور گنج میں دو مہینے اطمینان سے مقیم رہا۔ وہ اس عرصے کو ہمیشہ کے لیے روانہ ہونا چاہتا تھا۔

○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر تیمور کی یہ محض خوش فہمی تھی۔ توقتمش نے کریمیا واپس جاتے ہی احسان، مروت اور دوستی کے تمام رشتے توڑ دیے تھے۔ اس نے کریمیا کے مغلوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے تیموری سواروں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ سمرقند میں سے پانچ اپنی جانیں بچا کر سمرقند پہنچ گئے تھے لیکن وہ تیمور کو توقتمش کا اصل چہرہ دکھلانے پر رہے تھے۔

توقتمش جب سمرقند میں مقیم تھا تو اسے تاتاریوں کے عالی شان محلات اور خوبصورت خیمے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس نے سمرقند میں زر و جواہر کے دریا بہتے دیکھے تھے۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اسے اقتدار مل گیا تو سمرقند کی دولت اپنے ویرانوں میں سمیٹ لے جائے گا۔ پھر سمرقند سے غزل کا خاقان ہوتے ہی اس نے اپنے فیصلے کو حقیقت میں بدلنے کی کوشش شروع کر دی۔

اس نے اعلان کیا:

"تاتاری سلطنت، سمرقند غزل کے لیے بیشتر کا ناسور ہے۔ میں اس کا خاتمہ کر دوں گا۔"

"خاقان! آپ مغلوں کے آقا ہیں۔" اس کا ایک سردار دبی زبان سے بولا:

"لیکن تیمور نے برے وقت میں آپ کو پناہ دی تھی۔ تاتاری لشکر آپ کی کمان میں دے دیا تھا۔ اس کے بڑے احسانات ہیں۔"

توقتمش نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا:

"تم نادان ہو۔ تیمور نے میری مدد نہیں کی۔ اس نے مجھے اس خان کے مقابلے پر بھیج کر جوا کھیلا تھا، وہ ذریعے مغل علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ میں اس کے لشکر کے ذریعے اس خان کو شکست نہ دے سکا۔ نے سمرقند غزل کی بادشاہت اپنے آدمیوں کے تعاون سے حاصل کی ہے۔ اس کا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔"

"پھر بھی میرے آقا!" مغل سردار نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن توقتمش نے اسے ڈانٹا:

"تم نہیں جانتے مغل حکومت کے لیے تاتاریوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ ایک نیام میں دو تلواریں اور ایک ملک دو بادشاہ کیسے رہ سکتے ہیں؟"

توقتمش، مغلوں کا ایک بڑا لشکر لے کر دریائے سیر پار کر آیا۔ اب وہ تاتاریوں کے علاقے میں تھا اور اس نے قتل و غارت کا طوفان برپا کر دیا تھا۔ تاتاریوں کے سرحدی تحلعہ داروں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ تیمور کا خسر امیر حسین اس علاقے میں موجود تھا۔ وہ لشکر لے کر بڑھا۔ توقتمش سے ایک سخت معرکہ ہوا لیکن امیر حسین بھی اس طوفان کو روک سکا۔ وہ بڑی بے جگری سے لڑا لیکن زخمی ہو کر پسپا ہو گیا۔ توقتمش بخارا کے مضافات تک پہنچ گیا۔ اس نے آبادیاں تہس نہس کر دیں اور بڑے محل کو آگ لگا دی۔

تیمور اس وقت خوارزم کے مرکز اورگنج میں مقیم تھا۔ ایک شام ایک شخص اس کے پاس لایا گیا جو بے حد کمزور اور

"اے امیر!" اس نے نحیف آواز میں کہا:

"احسان فراموش توقتمش تاتاری علاقوں میں قیامت برپا کر رہا ہے۔ آبادیاں ویران ہو گئی ہیں اور بخارا کے میں آگ بھڑک رہی ہے۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" تیمور نے پوچھا۔

"میں دس روز پہلے سمرقند سے چلا تھا۔" سوار نے اٹک اٹک کر بتایا۔

"دس روز....." تیمور نے حیرت سے پوچھا۔ کیونکہ وہاں سے سمرقند کا فاصلہ نو سو میل تھا۔

"جی ہاں۔ اگر میں زخمی نہ ہوتا اور میرے پانچ گھوڑے راستے میں نہ مر گئے ہوتے تو میں کل ہی یہاں پہنچ جاتا۔" اس شخص نے سہارے سے بیٹھتے ہوئے کہا:

"امیر! جلد کوئی قدم اٹھائیں۔ وہ نمک حرام، سمرقند سے صرف چند منزلیں دور ہے۔"

"مجھے احساس ہے بہادر جوان۔"

تیمور نے گھوڑا لانے کا اشارہ کیا۔ اس کا غلام بھاگ کر گھوڑا لایا۔ تیمور گھوڑے پر سوار ہوا اور مشرق کی طرف رخ کر کے بولا:

"اے بخارا اور سمرقند کی بستیو! تیمور قسم کھاتا ہے کہ جب تک مغل لشکر کو وہ تاتاری علاقوں سے مار کر بھگا نہیں دے گا، گھوڑے کی رکاب سے پیر نہیں نکالے گا۔"

..... اور تیمور نے یہ قسم پوری کی۔

توقتمش تاتاری علاقوں کو پامال کرتا ہوا بڑی تیزی سے سمرقند کی طرف بڑھا لیکن تیمور کی تیز رفتاری نے اسے بے بس کر دیا۔ توقتمش ابھی سمرقند سے دو منزلیں دور تھا کہ تیمور اپنے چند جانثاروں کے ساتھ سمرقند پہنچ گیا۔ اس کا لشکر دوسرے دن پہنچا۔

تیمور کے سمرقند پہنچنے کی خبر نے توقتمش کے قدم روک دیے اور وہ جس تیزی سے حملہ آور ہوا تھا، اسی تیزی سے دریائے سیر عبور کر کے شمالی علاقوں میں غائب ہو گیا۔ بخارا، سمرقند بچ گیا۔ مغل واپس جا چکے تھے لیکن مغلوں کے اس حملے نے تیمور کے دشمنوں کے لیے راہیں کھول دیں۔

بلادِ شمال کے جتہ مغل، جنہیں تیمور حصار المالیق سے آگے تک بھگا آیا تھا، مشرقی دروں میں پھر نمودار ہوئے اور چغتائی کی بہو خانزادہ کے صوفی رشتہ داروں نے بھی بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ تیمور کو چومکھی لڑائی کا سامنا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس سے بھی خراب حالات سے دوچار ہو چکا تھا اس لیے ذرا بھی ہراساں نہ ہوا۔ اس نے لشکر کا ایک حصہ کو شمالی دروں سے نکالنے کے لیے بھیجا اور دوسرا حصہ خوارزم کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ صوفیوں کی بغاوت کو ختم کر دے۔

تیمور ابھی ان انتظامات سے فارغ ہوا تھا کہ توقتمش ایک بار پھر ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سیر کے میں داخل ہوا۔ اس وقت شدید سردی پڑ رہی تھی اور تیمور کے پاس فوج کا صرف تیسرا حصہ تھا۔ سمرقند سے شمال کی طرف دعوت دیتا تھا۔ تیمور کو کرنا تو اپنی مرضی تھی لیکن وہ سرداروں سے مشورہ ضرور کرتا تھا:

"ہمارے نواحی علاقوں میں توقتمش کا لشکر گھس آیا ہے۔ تمہارے خیال میں ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے" نے اپنے سرداروں کی رائے معلوم کرنے کے لیے کہا۔

"اے امیر۔ حالات کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم وقتی طور پر جنوب کی جانب پسپائی اختیار کریں اور موسم بدلتے ہی مغلوں پر جا پڑیں"۔ یہ ایک تاتاری سردار کا بڑا معقول مشورہ تھا۔

تیمور نے اس مشورے پر کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے دوسرے سرداروں کی طرف دیکھا جیسے رائے طلب کر رہا ہو۔ اس نے تیمور کو اپنی طرف مخاطب دیکھ کر کہا:

"اے امیر۔ اس سخت سردی میں اگر امیر پسند فرمائیں تو سمرقند میں قلعہ بند ہو کر دفاعی جنگ کر سکتے موسم ٹھیک ہوتے ہی ہم مغلوں کو مار بھگائیں گے۔ ہمارے پاس فوج کا تیسرا حصہ ہے۔ مغلوں سے مقابلے کے لیے پورے لشکر کی ضرورت ہے۔ ہمیں باقی فوج کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے"۔

یہ رائے بھی کچھ ایسی غیر معقول نہ تھی لیکن تیمور پر اس کا شدید ردِ عمل ہوا:

"انتظار....." تیمور شیر کی طرح گرجا:

"کس بات کا انتظار..... ہماری آبادیاں پامال ہو رہی ہیں۔ محلات میں آگ لگائی جا رہی ہے اور تم ہو انتظار کرو..... نہ ہم جنوب کی طرف پسپا ہوں گے اور نہ ہی چوڑیاں پہن کر قلعے میں بیٹھیں گے۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی نواحی بستیوں کو دشمن کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟"

تیمور کے عزم کے سامنے اس کے سرداروں نے سر خم کر دیے۔ وہ اس تہائی لشکر کو ساتھ لے کر سیر کی طرف چل وقت برفباری ہو رہی تھی اور سرد ہوائیں چل رہی تھیں مگر تیمور نے موسم کی سختی کی پروا نہ کی راستے میں اتنی خلل بعض جگہ گھوڑے پیٹ تک دھنس جاتے تھے۔

تیمور اس عالم میں پرچم بلند کیے توقتمش کی اگلی چوکیوں تک پہنچ گیا اور زوردار حملہ کر کے مغلوں کے قلب پہنچ گیا۔ توقتمش گھبرا گیا۔ اسے خیال ہوا کہ کہیں وہ گھیرے میں نہ آ جائے اس لیے اس نے فوراً پسپائی

تیمور نے اپنے چند دستے مغلوں کے تعاقب میں لگا دیے اور باقی فوج کے ساتھ وہ خوارزم کی طرف چل پڑا۔ خوارزم کے صوفیوں کی یہ تیسری بغاوت تھی۔ وہاں پہلے سے جنگ ہو رہی تھی۔ تیمور نے پہنچتے ہی ایک بڑا حملہ کر کے صوفیوں کے قدم اکھاڑ دیے اور اورگنج کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

وہاں سے فارغ ہو کر اس نے جتہ مغلوں کی خبر لی جو شمالی دروں میں اودھم مچاتے ہوئے تھے۔ تیمور نے سمرقند کا اعلان کیا کہ وہ سنہری غول کے علاقوں میں داخل ہو کر توقتمش سے فیصلہ کن جنگ کرے گا۔

تیمور نے اس جنگ کے لیے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ چشمانیہ کو جب سے توقتمش کی احسان فراموشی تاری علاقوں پر یورش کی خبر ملی تھی وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اگر وہ توقتمش سے نے سکی تو تیمور اس کی یہ آرزو ضرور پوری کرے گا۔ کیونکہ سرائے خانم نے اسے بتایا تھا کہ امیر تیمور احسان فراموش امیروں اور سرداروں کو کبھی معاف نہیں کرتا اور جب تک ان کا سر قلم نہیں کرتا چین سے نہیں بیٹھتا۔ لیے موت توقتمش کا مقدر بن گئی ہے۔

چشمانیہ نے سرائے خانم سے بڑی امیدوں سے پوچھا:

"کیا اس جنگ کے دوران ملکہ تاتار بھی امیر تیمور کے ساتھ ہوں گی؟"

دراصل چشمانیہ کو وطن کی یاد بہت ستا رہی تھی۔ اسے سمرقند میں ہر آرام اور آسائش مہیا تھی۔ وہ ملکہ سرائے خانم ہیلی بن گئی تھی لیکن سمرقند کے عالی شان محلات میں اسے گھٹن سی محسوس ہوتی تھی۔ وہ آزاد اور کھلی فضاؤں کی رہ تھی۔

ملکہ کو چشمانیہ کے دلی جذبات کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے ہنس کر کہا:

"اس بارے میں کچھ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا لیکن امیر کا یہ طریقہ ہے کہ جب وہ کسی طویل جنگ پر جاتے تو عام طور پر خواتین ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ابھی تک امیر نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے"۔

"ملکۂ عالم..... اگر آپ....." چشمانیہ کی زبان پر حرفِ مدعا آیا لیکن وہ اس خیال سے چپ ہو گئی کہ ملکہ کو اس کی بات ناگوار نہ گزرے۔

"فکر نہ کرو چشمانیہ....." ملکہ نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر امیر کے ساتھ جرم ثابت ہی گیا تو تم بھی جا سکو گی۔ تمہیں یقیناً اپنے ملک کی یاد ستا رہی ہو گی، ہم تمہارے لیے اجازت حاصل کر لیں گے۔"

اور چشمانیہ ..... "ملکۂ عالم" کہہ کر اس کے قدموں میں جھک گئی۔

لشکر تیار ہو گیا تو امیر تیمور نے سرائے خانم کو اطلاع بھجوائی کہ وہ اپنی تیاری کرے، ملکہ نے چشمانیہ کو بغیر اسے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کر لی اور جب لشکر روانہ ہوا تو چشمانیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

○

سنہری غول کا علاقہ اپنی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت سے آج بھی اسی اہمیت کا حامل ہے جیسا تیمور کے زمانے میں تھا۔ وسطی روس، ٹنڈرا اور سائبیریا کے علاقے تو ہمیشہ سے ناقابلِ تسخیر رہے ہیں۔ تیمور کے چار بعد مشہور فاتح اور جنرل نپولین بوناپارٹ نے اس علاقے میں قدم رکھا وہ ماسکو تک پہنچ گیا تھا لیکن وہ برف باری نے اس کے لشکرِ عظمیٰ کو تباہ کر کے رکھ دیا پھر ۱۹۴۱ء میں ہیٹلر اعظم کے حکم سے خیوہ اور زیر و زبر کرنے کے لیے روسی لشکر بھیجا گیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ لشکر کا سالار شہزادہ بکوویچ صحرا میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ لشکر کا بیشتر حصہ بھوک و پیاس کی وجہ سے موت کا لقمہ بن گیا۔ اس کے سو سال بعد کاؤنٹ پیروفسکی نے کرنل قم (مرخ رنگستان) اور غیر آباد پہاڑوں میں داخل ہوا۔ گو کہ اس فوج کے لیے پانی کا کافی ذخیرہ کیا گیا تھا مگر اس مہم کے دس ہزار اونٹ، دس ہزار باربرداری کی گاڑیاں اور لشکر کا زیادہ حصہ ان محرا میں دفن ہو گیا۔ یہی علاقہ سنہری غول کی جنگ و تاز کے میدان تھے جن پر وہ صدیوں سے بلاشرکتِ غیرے حکومت کر رہا تھا اور تیمور بڑی جواں مردی سے انہیں آبلو آباد کے اس ممکن سے بے دخل کرنے جا رہا تھا۔

دریائے سیر تک کا علاقہ تیمور اور اس کے لشکر کا دیکھا بھالا تھا۔ تیمور بڑے اطمینان سے کدہ قراقا پہنچ گیا اور سلسلۂ کوہ کے تمام مغل علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

توقتمش کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ تیمور ایک لشکرِ جرار کے ساتھ اس کے قلعوں کو تہ و بالا کر رہا ہے تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ بجائے جنگ کے اس نے مکاری کا راستہ اختیار کیا۔

اس نے تیمور کے پاس سفارت صلح کے لیے بھیجی اور بیش قیمت تحائف کا نذرانہ روانہ کیا۔ ان تحا

ائی نسل کے گھوڑے اور ایک شکرا قابلِ ذکر ہے۔ اس شکرے کی آنکھوں پر جو پٹی بندھی تھی اس پر بیش قیمت زیں لگی ہوئی تھے۔

توقتمش کے ایلچی نے تحائف پیش کرنے کے بعد ہاتھ باندھ کر کہا:

"اے ملکِ تاتار کے عظیم المرتبت بادشاہ! ہمارے خاقان توقتمش نے آپ کے حضور پیغام بھیجا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں پر نادم اور شرمندہ ہیں اور آپ کے ساتھ صلح کے خواہش مند ہیں۔"

تیمور سمجھ گیا کہ یہ توقتمش کی نئی چال ہے مگر اس خیال سے وہ دل میں خوش ہوا کہ توقتمش پر اس کا رعب پڑ گیا ہے اور اس نے تیمور کی برتری تسلیم کر لی ہے۔ تیمور کے تھکے ماندے لشکر پر بھی اس کا اچھا اثر ہوا اور اس میں پہلے سے زیادہ جوش پیدا ہو گیا۔

تیمور ایک لمحہ سوچتا رہا پھر شیر کی طرح گرجا:

"توقتمش مکار، دغاباز اور احسان فراموش ہے۔ وہ ارس خان سے شکست کھا کر بھاگا تو ہم نے اسے پناہ دی، اپنا بیٹا بنایا، تاتاری سوار دیے۔ اس کے لیے اپنا خون بہایا لیکن طاقت حاصل ہوتے ہی اس نے آنکھیں پھیر لیں۔ ملک سے میری عدم موجودگی میں اس نے میرے علاقوں کو تاراج کیا۔ اب وہ جنگ سے کیوں کترا رہا ہے! ڈاور اس سے کہہ دو کہ تیمور کے قدم آگے بڑھ کر کبھی پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔ ہم فیصلہ کن جنگ کریں گے۔ ہاں، اگر وہ دل سے اپنی غلطیوں پر نادم ہے اور واقعی صلح چاہتا ہے تو اس سے کہو کہ ہم سے گفت گو کے لیے اپنے وزیرِ اعظم کو ہمارے پاس بھیجے۔"

توقتمش کا قاصد واپس چلا گیا۔ تیمور نے لشکر کو ایک ہفتے کے پڑاؤ کا حکم دیا۔ اس طرح وہ مغل وزیرِ اعظم کے آنے تک اپنے لشکر کو آرام دینا چاہتا تھا۔

ایک شام تیمور خیمے کے سامنے اپنے سرداروں کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے جاسوس مغلوں کے ایک خانہ بدوش قبیلے کو لشکر کے پڑاؤ سے ساز و سامان کے جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے تیمور کے پاس لے آئے۔ تیمور نے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جو مغل دکھائی دے اسے پکڑ کر پیش کیا جائے تاکہ وہ اس سے توقتمش کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔

ابھی تیمور ابھی ان خانہ بدوشوں سے بات بھی نہ کر پایا تھا کہ اس کی پشت پر ملکہ سرائے خانم کا خیمے کا پردہ اٹھا اور چشمانیہ چیختی ہوئی باہر نکلی۔ وہ "بابا۔ بابا" کہتی ہوئی خانہ بدوشوں کے پاس پہنچ گئی۔

چشمانیہ کو دیکھ کر ایک بوڑھا اس کی طرف بڑھا اور چشمانیہ دوڑ کر اس کے سینے سے چمٹ گئی۔ یہ چشمانیہ کا اپنا باپ تھا جس نے دو گنی قیمت پر اسے توقتمش کے ہاتھ فروخت کرنے کا اعلان کیا تھا۔ چشمانیہ کو اپنے باپ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صدا نہ نکلتی تھیں لیکن جب ملکہ کے خیمے کے اندر سے اس کی نظر اپنے قبیلے والوں اور باپ پر پڑی تو اس کی محبت کے فطری جذبے کو دبانہ سکی اور بے تاب ہو کر باپ کے پاس آ گئی۔

چشمانیہ دیر تک باپ سے لپٹی روتی رہی۔ تیمور کو باپ بیٹی کے اس اتفاقیہ ملاپ سے بڑا آزار امیر تیمور نے بڑی نرمی سے چشمانیہ کو خیمے میں واپس جانے کا حکم دیا۔ چشمانیہ کے جانے کے بعد تیمور اس کے باپ سے پوچھا:

"ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ تم چشمانیہ کے باپ ہو اور یہ اسی کا قبیلہ ہے۔ تم اطمینان رکھو، ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تقتمش اس وقت کہاں ہے؟ یہ وہی شخص ہے جس نے بیٹی کا گھر اجاڑا ہے..... شہزادہ پارس کو تقتمش نے قتل کیا تھا....."

"مجھے معلوم ہے اے شہنشاہِ تاتار....." بوڑھے نے گھٹی آواز میں کہا:

"اس نے چشمانیہ کا گھر ہی نہیں اجاڑا بلکہ وہ میرے پورے قبیلے کا دشمن ہے۔ اس نے حکم دے رکھا ہم لوگوں کو جہاں دیکھا جائے فوراً قتل کر دیا جائے۔ ہم لوگ اس کے خوف سے جنگلوں اور صحراؤں میں چھپتے پھر تو تقتمش دو ہفتے پہلے یہاں سے دو منزل پر لشکر لیے پڑا تھا لیکن اب وہ شمال میں چلا گیا ہے۔ شاید صحرائے کبیر قبیلے میدانوں میں۔"

امیر تیمور کو یقین ہو گیا کہ اب اسے تو قتمش تک پہنچنے کے لیے ایک طویل اور خطرناک سفر اختیار کرنا پڑے اس نے سرائے خانم اور دیگر خواتین کو واپس جانے کا حکم دیا۔ چشمانیہ نے ملکہ کے توسط سے اپنے قبیلے میں جانے اجازت مانگی جسے تیمور نے منظور کر لیا۔ چشمانیہ رخصت ہوتے وقت سرائے خانم کے گلے لگ کر خوب روئی اور کے احسانات کا شکریہ ادا کیا۔

"چشمانیہ....." ملکہ نے اسے بزرگانہ نصیحت کی:

"اب تم اپنے قبیلے میں جا کر کسی معقول آدمی سے شادی کر لو۔ تمہارے غموں کا یہی علاج ہے۔ پوری اس موہوم امید پر تو نہیں گزاری جا سکتی۔"

"میں ملکہ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔" چشمانیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"لیکن یہ اس وقت ہو گا جب میں تو قتمش سے انتقام لے لوں گی۔"

"اس کے لیے تو تمہیں تاتاری لشکر کے ساتھ رہنا چاہیے۔" سرائے خانم نے اسے سمجھایا:

"امیر ایک نہ ایک دن اسے گرفتار کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہو گا ملکۂ عالیہ۔" چشمانیہ نے بڑے استقلال سے کہا:

"میں اپنے قبیلے کے ساتھ تاتاری لشکر کے قریب ہی رہوں گی اور امیر تقتمش کے بارے میں خبریں [illegible] دوں گی۔"

"خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔" ملکہ نے اپنی دعاؤں کے ساتھ چشمانیہ کو رخصت کر دیا۔

تیمور کے حکم پر چشمانیہ کے قبیلے والوں کو کئی خیمے دے دیے گئے تھے چشمانیہ قبیلے میں پہنچی تو اس کی نظر [illegible] پہلے اپنی عزیز سہیلی یاسو پر پڑی۔ دونوں سہیلیاں دوڑ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ قبیلے والوں نے اسے [illegible] دیر تک امیر تیمور اور سمرقند کے بارے میں پوچھتے رہے۔

یاسو اور چشمانیہ رات بھر باتیں کرتی رہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے حالات سے آگاہ کیا اور اس [illegible] ملاقات پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

○

اٹھارہ ہفتے کے جان لیوا سفر کے بعد امیر تیمور نے تقتمش کو جا لیا اس سفر کے دوران تیمور کے لشکر کو [illegible] کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ مغل اور تاتاری لشکر اس طرح لڑے، جیسے درندے [illegible] میں لڑتے ہیں۔ آخر تیمور کامیاب ہوا۔ اور تقتمش کئی ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ تیمور کو اس [illegible] زندہ بچ جانے کا افسوس ہوا لیکن اس نے بجائے تعاقب کرنے کے، مغلوں کے جنوبی علاقوں کو تاراج کرنا [illegible] کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے تقتمش کی طاقت کا خاتمہ کر دیا ہے اور وہ اب سر اٹھانے کی کوشش [illegible] کرے گا لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ تقتمش جلد ہی نیا لشکر لے کر ایک بار پھر سامنے آ گیا۔ اس بار بھی [illegible] جنگ ہوئی۔ تیمور نے اعلان کر دیا کہ جو تقتمش کا سر اتار کر لائے گا اسے تیمور کی طرف سے منہ مانگا [illegible] کر دیا جائے گا۔

دن بھر سخت جنگ کے بعد مغلوں کے قدم میدان میں نہ جم سکے اور انہوں نے میدان سے بھاگنا شروع [illegible] کر دیا۔

تاتاریوں کے لشکر میں مغل جوان بیان، بیگ جک کا بیٹا تھا۔ وہ گھوڑا اچکاتا ہوا تقتمش کی طرف چلا۔ [illegible] تقتمش کے گرد مغلوں نے حلقہ باندھ رکھا تھا۔ بیان خود بھی مغل تھا۔ اس نے حلقے کے قریب پہنچ کر جھکائی [illegible] تقتمش کے چند محافظ سوار اس کی طرف لپکے۔ بیان تیزی سے پلٹا اور اس جگہ سے اس حلقے میں داخل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گیا، جہاں سے سوار اس کی طرف بڑھے تھے۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔

بیان نے تو قمتش کے سر پر پہنچ کر بھرپور وار کیا۔ تو قمتش نے گھبرا کر بیان کا وار اپنی تلوار پر روک
رک تو گیا لیکن تو قمتش کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ تو قمتش کے ہوش اڑ گئے اور وہ گھوڑا گھما کر بھاگا۔ مگر بیان
اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہ دونوں میدان سے دور نکل آئے۔

بیان جب تو قمتش کے قریب پہنچا تو اسے محسوس ہوا کہ کوئی اور سوار بھی اس کے پیچھے آ رہا ہے لیکن
وقت نہیں تھا کہ وہ پلٹ کر دیکھتا۔ اگر وہ ایک لمحہ بھی ضائع کرتا تو تو قمتش اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ بیان
تو قمتش کے برابر پہنچ کر اس کے سر پر تلوار کا وار کیا لیکن تو قمتش مر بچا گیا اور تلوار گھوڑے کی پشت پر لگی۔ گھ
زخم کھا کر اس زور سے اچھلا کہ تو قمتش توازن برقرار نہ رکھ سکا اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ بیان گھوڑ
اور فوراً تلوار تو قمتش کی پشت میں داخل کر دی۔ تو قمتش کے جسم نے ایک ہلکا سا جھٹکا کھایا پھر ڈھیلا پڑ گیا۔

بیان اس کے جسم سے تلوار نکال رہا تھا کہ پشت سے آنے والا سوار اس کے پاس پہنچ گیا۔ بیان
پلٹ کر دیکھا۔ ایک خوب صورت لڑکی تیزی کے ساتھ گھوڑے سے اتری اور خنجر نکال کر تو قمتش کی لاش کی طرف

"لاش پر خنجر چلانا بزدلی ہے لڑکی!" بیان نے بڑے پیار سے کہا۔

لڑکی کے قدم رک گئے۔ اس نے بڑی حیرت سے بیان کو دیکھا:

"کیا یہ مر چکا ہے؟"

"ہاں۔"

بیان نے اثبات میں سر ہلایا:

"مگر تم کون ہو۔ اس سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"

"یہ..... یہ..... میری مانگ اجاڑنے والا..... میرے شوہر کا قاتل تھا۔"

اور اس خوبصورت لڑکی یعنی غمزدہ چشمانیہ کے ہاتھ سے خنجر گر گیا۔

"کاش! میں چند لمحے پہلے آئی ہوتی۔ میں نے اسے قتل کرنے کی قسم کھائی تھی۔"

ی مسکراہٹ آئی:

"تم اپنا انعام مانگو۔" تیمور نے آہستہ سے کہا۔

تیمور کے الفاظ ختم ہوئے تو بیان نے مجمع پر نظر دوڑائی۔ تاتاری سواروں نے تو قمتش کی لاش کو گھیر لیا تھا۔
ں کی نظریں ایک جگہ رکیں۔ اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ، اے امیر تاتار! یہ لڑکی مجھے انعام میں عطا کی جائے۔"

"کون چشمانیہ.....؟" تیمور نے حیران نظروں سے اُدھر دیکھا:

"ہم نے چشمانیہ تمہیں بخشی بشرطیکہ وہ راضی ہو۔"

اور..... چشمانیہ نے حیا سے اپنا سر جھکا لیا۔

تیمور کے سامنے سنہری غلاف کے سفاک ترین خاقان تو قمتش کی لاش پیش کی گئی۔ تیمور کے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصفہان کا قتلِ عام

اور پھر تیمور کا دوسرا بیٹا عمر شیخ، تیمور کے جنگی جنون کی بھینٹ چڑھ گیا۔

چنگیز خان کے بیٹے جوجی کے سنہری غول نے جو مضبوط حکومت قائم کی تھی، تیمور نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تیمور نے سنہری غول کے صدر مقام سرائے باتو پر حملہ کر کے خیموں اور لکڑی کے مکانوں کے اس شہر کو آگ لگوا دی اور شہر کھلے میدان میں سردی سے اکڑ اکڑ کر مر گئے۔

اس نے مغلوں کے جنوبی شہر استراخان کو بھی تاراج کیا۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کی اونچی فصیل برف کی اونچی دیوار تھی۔ اہلِ شہر اس پر پانی ڈالتے رہتے اور پانی برف میں تبدیل ہو کر فصیل کی بلندی بڑھاتا رہتا تھا لیکن تیمور کے سامنے برف کی یہ بلند و بالا فصیل پانی بن کر بہ گئی۔

پھر تیمور نے روس کے دارالسلطنت ماسکو کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ماسکو میں کہرام مچ گیا۔ روس کے عیسائی شہنشاہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ گرجوں کے گھنٹے بجنے لگے اور خداوند یسوع مسیح سے دعائیں مانگی جانے لگیں۔ حضرت مریم کا ایک مجسمہ اس وقت شمال کے برفانی شہر ویشائی گورود میں موجود تھا۔ شہنشاہ نے فوراً برفانی گاڑیاں حضرت مریم کے مجسمہ کو لانے کے لیے ویشائی گورود میں بھیج دیں۔

مجسمے کے آنے کی اطلاع ملی تو لوگوں نے سرحد پر پہنچ کر اس کا استقبال کیا اور جلوس کی شکل میں مجسمے کو ماسکو پہنچایا گیا۔ تمام عیسائی مع شہنشاہِ روس حضرت مریم کے مجسمے کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

"اے مادرِ خداوند۔ روس کو بچا لے"۔

ہر ایک زبان پر یہی دعا تھی۔

تیمور اپنا لشکر لے کر دریائے ڈان کے کنارے کنارے آگے تو بڑھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ ماسکو صرف زیرِ اثر ریاستوں کا ایک معمولی قصبہ ہے تو اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ تیمور نے ماسکو کا محاصرہ کیا تھا لیکن روسی یہی کہتے ہیں کہ ماسکو حضرت مریم کے مجسمے کی وجہ سے محفوظ رہا۔

بلادِ شمال کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد جب تیمور نے وطن واپسی کا ارادہ کیا تو اس نے بجائے سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بحرِ خزر کے مغرب کی طرف سے چکر کاٹ کر جانے کا فیصلہ کیا۔ اس راستے میں کوہستانِ قفقاز پڑتے تھے جن کے اونچے پہاڑی سلسلے تھے اور جنگلات اس قدر گھنے تھے کہ ان جنگلات کو کاٹ کر ایک سڑک نکالنا، یہ بات ناممکن معلوم ہوتی تھی لیکن تیمور کے آہنی ارادوں کے سامنے ہر بات ممکن تھی۔

یہاں تیمور کو جارجیا اور قفقاز کے وحشی قبیلوں سے کئی بار جنگ کرنی پڑی۔ اس نے کُلات اور تکریت کے ایرانی نسل قلعوں کو بھی مسمار کر کے رکھ دیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے تکریت کا وہی مشہور قلعہ تھا جس میں ڈیڑھ سو سال پہلے مسلمانوں کے عظیم فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی کی پیدائش ہوئی تھی۔ تکریت کا قلعہ فتح کرنے میں تیمور کو بڑی مشکل پیش آئی تھی۔

اب تیمور کی مملکت میں بلادِ شمال، خوارزم، بحیرۂ خزر اور کوہستانِ قفقاز شامل ہو گئے تھے۔ خراسان کی طرف شاہراہ دو ہزار دو سو میل تک اس کی مملکت سے گزرتی تھی لیکن تیمور کو یہ فتوحات بڑی مہنگی پڑیں۔ تیمور کی خاص فوج کے بہادروں کی تعداد بہت کم ہو چکی تھی۔ خطائی بہادر دریائے سیر کی جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ شیخ علی بہادر بھی، جو مغول کے ایک جاسوس کے خنجر کا نشانہ بن گیا تھا۔ تیمور کا امیر الامراء سیف الدین اور اس کا تیسرا بیٹا میران شاہ بھی مرتے بچے تھے اور کوہِ قفقاز سے گزرتے ہوئے تیمور کے منجھلے بیٹے عمر شیخ کو ایک ایسا تیر لگا جس نے اس کی جان لے کر ہی چھوڑی۔ عمر شیخ کے جسم سے تیر نکال لیا گیا لیکن زخم اس قدر کاری تھا کہ عمر شیخ جانبر نہ ہو سکا۔

عمر شیخ کا انتقال آماسیا کے راستے میں ایک پڑاؤ پر ہوا۔ ایک امیر نے ڈرتے ڈرتے تیمور کو اطلاع دی:

"بڑے شہزادے۔ جہانگیر نے منجھلے بھائی عمر شیخ کو جنت سے بلا دیا بھیجا اور عمر شیخ اس کے پاس چلا گیا"۔

تیمور کو ایک لمحے کے لیے سکتہ سا ہو گیا لیکن فوراً سنبھلا اور اونچی آواز میں بولا:

"خدا ہی۔ دیا تھا۔ اس نے واپس لے لیا تو پھر غم کیا؟"

تیمور نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ولی عہدِ سلطنت شہزادہ جہانگیر پہلے ہی مر چکا تھا۔ عمر شیخ تیمور کو بہت عزیز تھا۔ تیمور نے فیصلہ کیا کہ اپنے بعد اسی کو حکومت دے گا لیکن عمر شیخ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا۔

تیمور کچھ اداس اور دلبرداشتہ ہوا۔ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ کچھ دن آق سنجر میں آرام کرنے کے بعد سبزوار پہنچا اور قصرِ سفید میں قیام کیا۔ تیمور نے یہاں کوئی دربار نہیں لگایا۔ صرف مولانا زین الدین سے ملاقات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرانشاہ" تیمور رعب سے بولا:

"تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جہانگیر اور عمر شیخ کی وفات کے بعد ہم سلطنت تاتار کی ولی عہدی تمہیں تحفے کے طور پر پیش کر دیں گے۔ تاتاری رواج کے مطابق تم حقدار ضرور ہو لیکن تاتاریوں میں ایک مثل مشہور ہے کہ صرف وہی ہاتھ حکومت پکڑ سکتے ہیں جو تلوار پکڑنا جانتے ہوں۔ حقدار ہونے کے باوجود تمہیں خود کو ولی عہدی کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہارا حق تمہارا ہے کسی اور کے حوالے نہیں کرنا چاہتے۔ تم ہمارے بیٹوں کے مقابلے میں جس بہادری کا مظاہرہ کیا ہے اس کے صلے میں ہم تمہارا مرتبہ بڑھاتے ہیں۔ اب تم دس ہزار سواروں کے علاوہ ایک اور ولایت کی آمدنی کے مالک ہو گئے۔"

"امیر بابا!"

میران شاہ نے حیرت سے تیمور کو دیکھا۔ اسے اب تک یہی خیال تھا کہ تیمور اس سے ناراض ہے اور اس کا عہدہ گھٹائے گا لیکن جب تیمور نے اس کا عہدہ گھٹانے کے بجائے اس میں اضافہ کر دیا تو میران شاہ حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا:

"امیر بابا کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رہے۔ میں امیر بابا کی نوازشوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ دیکھو میران شاہ۔"

تیمور نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں:

"عمر شیخ کی لاش ہم اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے جگر کے اس ٹکڑے کو بھی جہانگیر کے ساتھ دفن کیا جائے۔ یہ کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے۔"

"بہتر ہے امیر بابا۔" میران شاہ اٹھتے ہوئے بولا:

"میں شہزادے بھائی کے مقبرے پر جانے ہی والا تھا۔"

تیمور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بہت مختصر گفتگو کرتا تھا۔ اگر وہ حکم دیتا تو بھی پتا تھا کہ اس پر فوراً عمل شروع ہو جائے گا۔ شہزادہ میران شاہ تیمور کی فطرت سے واقف تھا۔ اس نے تیمور کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور فوراً واپس آ گیا۔

تیمور نے اپنے بیٹوں کے مراتب کا تعین کر دیا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا جہانگیر جب تک زندہ رہا اسے بارہ ہزار سواروں کا علوفہ اور خوارزم کی سلطنت کی آمدنی ملتی رہی۔ علوفہ کے معنی خوراک کے ہوتے ہیں لیکن اس سے مراد تنخواہ بھی ہے۔ جہانگیر کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا تھا اس لیے اسے اپنا دربار لگانے کی بھی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ تیمور نے اسے طبل و نقارہ کی بھی اجازت دی اور علم بھی بخشا تھا لیکن جب اسے جہانگیر کے مرنے

کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد میں اعلان کر دیں کہ شہزادہ عمر شیخ کی تعزیت کے لیے لوگ اس کے پاس آئیں۔ تیمور کا یہ رویہ اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ اسے عمر شیخ کے مرنے کا بہت صدمہ ہوا تھا۔

اسی دن شام کو اس نے اپنے تیسرے بیٹے میران شاہ کو طلب کیا۔ میران شاہ بڑا خود سر شہزادہ تھا اور زیادہ رجحان عیش و عشرت کی طرف تھا لیکن میدانِ جنگ میں خصوصاً اس وقت جب تیمور لشکر کے ساتھ ہوتا وہ شجاعت دکھاتا تھا۔ توقتمش کے خلاف جنگ میں اس نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا تھا اور بری طرح زخمی ہوا تھا۔ تیمور کو میران شاہ کی عشرت پسندی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایک وقت وہ آئے گا جب خود ہی میران شاہ کو اپنا ولی عہد بنانا پڑے گا۔

تاتاریوں کے خود ساختہ قانون کے مطابق تاتاری امیر کے پہلے چار بیٹے ہی اس کے ولی عہد یا وارث ہو سکتے تھے۔ جہانگیر اور عمر شیخ کے بعد میران شاہ کا نمبر تھا۔ چوتھا بیٹا بی بی مگیم سرائے خانم کے بطن سے پیدا ہونے والا شاہ رخ تھا لیکن وہ ابھی چھوٹا تھا۔ اگر شاہ رخ جوان ہوتا تو تیمور یقیناً اسے میران شاہ پر ترجیح دیتا۔

میران شاہ آیا اور سلام کر کے خاموشی سے باپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ تیمور ذرا دیر اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا:

"میران شاہ۔ اگر تم یہ سوچ کر تم اس امیر کے بیٹے ہو جس سے بڑا فاتح اور امیر اس وقت روئے زمین پر نہیں تو تم حق بجانب ہو گے۔ بحیثیت ایک شہزادے کے عیش و عشرت کے تمام لوازمات تمہارے قدموں میں ہیں۔ ہر بات میں اعتدال لازم ہے۔ زیادہ آرام انسان کو کاہل بنا دیتا ہے۔ اس طرح شان و شوکت کی بے جا نمائش فضول خرچی اور خود سری کا اظہار ہوتا ہے۔"

"امیر بابا!" میران شاہ ادب سے بولا:

"مجھے معاف کر کے اصلاح کا موقع دیا جائے۔ میں نے ضرور ایسی غلطیاں کی ہوں گی جو امیر کے مزاج کی کا باعث ہوئیں۔ آئندہ میں احتیاط برتوں گا۔"

"عزیز بیٹے! ہم تمہارے جواب سے خوش ہوئے۔" تیمور نے اسے محبت سے دیکھا:

"ہم نے تمہیں تنبیہ کے لیے نہیں بلایا تھا اور نہ ہمارا رویہ سخت کسی خاص واقعے کی طرف تھا۔ ہم نے صرف نصیحت کے طور پر دو باتیں کی تھیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ تم نے ہماری باتیں غور سے سنیں اور گرہ میں باندھ لیں۔"

"امیر بابا اگر مجھے اس طرح نصیحت فرماتے رہے تو میرے تمام عیب دور ہو جائیں گے۔" میران شاہ نے فوراً کہا:

"دراصل امیر بابا کی بڑھتی ہوئی شفقت ہی نے مجھ میں خود سری پیدا کر دی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی اطلاع ملی تو اس نے جہانگیر کا طبل و نقارہ منگوا کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا تاکہ اس کا طبل و نقارہ کوئی شہزادہ استعمال نہ کر سکے۔

تیمور نے دوسرے بیٹے عمر شیخ کو دس ہزار کا علوفہ اور ایک ولایت دی تھی۔ میران شاہ کو نو ہزار اور ایک ولایت کی آمدنی ملتی تھی لیکن ان دونوں شہزادوں کو طبل و نقارہ بالعلم استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ تیمور نے میران شاہ کو ولی عہد بنانے کا اعلان تو نہ کیا لیکن بارہ ہزار کا علوفہ بخش کر درپردہ میران شاہ کو جتلانے کی کوشش کی کہ اگر اس نے اپنے عادات و اطوار درست کر لیے تو اسے ولی عہد بنا دیا جائے گا۔

شہزادہ میران شاہ قصرِ سفید کے بجائے اپنے احباب کے ساتھ شہر سبز کی ایک خوبصورت حویلی میں ٹھہرا تھا۔ اس نے قصرِ سفید محل میں تیمور کے ساتھ قیام کرنے سے گریز کیا کیونکہ باپ کی موجودگی میں اس کی سوئی سوئی رہتی تھی اس لیے وہ دوسری جگہ ٹھہرا تاکہ دوستوں کے ساتھ اطمینان اور آرام سے وقت گزارے اسے مشکل سے نیند آئی۔ وہ چاہتا تھا کہ تیمور کے حکم کی جلد از جلد تعمیل کر کے سرخروئی حاصل کرے۔

صبح ہوتے ہی اس نے چار سواروں کو ساتھ لیا۔ یہ چاروں اس کے رازدار یار تھے۔ تیمور نے جہانگیر کے شہر سبز میں بنوایا تھا۔ اس پر ایک گنبد تعمیر کیا گیا تھا۔ میران شاہ نے شہر سبز میں موجود تعمیر کے ماہرین کو کہہ دیا تھا کہ وہ جہانگیر کے مقبرے پر پہنچ جائیں۔

میران شاہ دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتا ہوا مقبرے پر پہنچا تو مقبرے کی چار دیواری کے بڑے پرانے بتایا گیا کہ جہانگیر کی بیوہ خانزادہ شوہر کے مزار پر فاتحہ کے لیے آئی ہوئی ہیں۔ خانزادہ کا نام سن کر میران چونک پڑا۔ خوارزم کی اس خوبصورت شہزادی کو اس نے صرف دو تین بار ہی دیکھا تھا اور جب بھی دیکھا تھا دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اسے اپنے بھائی کی قسمت پر بڑا رشک آیا تھا۔

مقبرے کے باہر پہرہ لگا ہوا تھا۔ اندر شہزادی کی درجنوں کنیزیں اور سہیلیاں گھومتی دکھائی دے رہی تھیں۔ میران شاہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر گھوڑے سے اترا۔ اپنے دوستوں اور ماہرینِ تعمیرات کو وہیں رکنے کا حکم دے کر چار دیواری کے اندر داخل ہو گیا۔

شہزادی خانزادہ نے حکم دے رکھا تھا کہ جب تک وہ مقبرے میں ہے، کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ پہریدار میران شاہ کو نہ روک سکے۔ میران شاہ شہزادہ ہی نہ تھا بلکہ عمر شیخ کے مرنے کے بعد اس کے ولی عہد ہونے کا یقین تھا۔ پہریدار سلام کر کے ایک طرف ہو گئے۔

ایک پہریدار نے شاید شہزادے کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے زور سے آواز لگائی:

"باادب شہزادہ میران شاہ، ولی عہد بہادر سلطنتِ تاتار قدم رنجہ فرما رہے ہیں۔"

شہزادہ میران شاہ اپنے اس نئے خطاب پر مسکرایا۔ مقبرے کے صحن میں چہل قدمی کرتی کنیزیں ٹھٹک کر رک گئیں۔ شہزادہ شاہانہ قدم اٹھاتا ہوا مقبرے کی طرف بڑھا۔

مقبرے کے باہر چاروں طرف سنگِ مرمر کا چوڑا چبوترہ بنا تھا اور سنگِ مرمر ہی کی چار سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ میران شاہ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ ایک جھماکا سا ہوا۔ ایک کوندا لپکا اور میران شاہ کی آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔

خوارزم کی شہزادی مقبرے سے برآمد ہوئی اور شہزادے کو دیکھ کر اس کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم رک گئے۔ خانزادہ سیاہ لباس میں تھی اور اس کا حسین چہرہ ان کپڑوں میں یوں دمک رہا تھا جیسے بدلی سے ایک دم چاند نکل آیا ہو۔

دونوں کی حیران نظریں ایک دوسرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ حیرت کا یہ عالم چند لمحے طاری رہا پھر شہزادی کو ہوش آیا۔ اس نے سر سے ڈھلکا ہوا آنچل فوراً سر پر ڈال لیا۔

"ولی عہد بہادر کی خدمت میں خانزادہ تسلیم پیش کرتی ہے۔" خانزادہ نے سر کو ذرا خم کر کے بڑے ادب سے شہزادہ میران شاہ کو سلام کیا۔

"شہزادی!" میران شاہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا:

"آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم ولی عہد ہیں؟" اور وہ سیڑھیاں چڑھ کر چبوترے پر پہنچ گیا۔

"شہزادے بہادر۔ مشک کی خوشبو ہر طرف خود ہی پھیل جاتی ہے۔" خانزادہ نے دزدیدہ نظروں سے شہزادہ کو دیکھا:

"آپ بغیر اجازت اور ہماری تاکید کے باوجود اندر تشریف لے آئے۔ ہم جانتے ہیں کہ سلطنتِ تیموریہ میں امیر تیمور کے سوا اگر کوئی ہمارے معاملات میں دخل دے یا ہمارے احکامات کی پروا نہ کرے تو وہ ولی عہد اور صرف ولی عہد ہی ہے۔ اس کے سوا کسی کو خانزادہ کے مزاج کے خلاف قدم اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔"

"محفوظ شہزادی۔" شہزادہ مسکرایا:

"ہم ابھی میران شاہ ہیں۔ سلطنت کے صرف ایک شہزادے۔ امیر بابا نے ہمارا مرتبہ ضرور بڑھا دیا ہے۔ اب تک ہم کو بارہ ہزار کا علوفہ اور ایک ولایت کے حقدار تھے لیکن آج سے بارہ ہزار کا علوفہ عطا کر دیا گیا۔"

"شہزادے نے خود ہی ہماری بات کی تصدیق کر دی۔" خانزادہ میران شاہ کو اسی طرح چور نظروں سے دیکھتی رہی:

"آپ جانتے ہیں بارہ ہزار کا علوفہ صرف ولی عہد سلطنت کے لیے مقرر ہے۔ شہزادے عمر کے بعد آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی اس مرتبے کے اہل تھے۔ ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم آپ کی خدمت میں دل و جان کی مبارک باد پیش کریں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ شہر سبز کے رہنے والوں نے شہزادے کی وفات کی خبر سنتے ہی آپ کو دل سے والی تسلیم کر لیا تھا۔"

شہزادے کو اس خبر سے واقعی خوشی ہوئی۔ اس نے ذرا شوخی سے کہا:

"شہزادی۔ ان باتوں کو چھوڑیے۔ ہم اپنا مرتبہ آپ سے بلند نہیں سمجھتے اور چاہتے ہیں کہ آپ سر اٹھا کر ہم سے بات کریں۔ آپ خوارزم کی عالی وقار شہزادی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قدرت نے آپ کو حسن کی شہزادی بھی بنایا ہے۔"

"شہزادے۔ آپ ہماری ہوگی کا مذاق اڑا رہے ہیں۔" خانزادہ نے بھاری پلکیں اٹھا کر میراں شاہ کو دیکھا تو گویا کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔

خانزادہ دو بچوں کی ماں تھی۔ شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ سلطان۔ اسے دو خوبصورت بچے خدا نے بھی دیے تھے۔ پھر وہ صرف اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی۔ میراں شاہ کی نظر سے ایسا حسن پہلے کبھی نہ گزرا تھا۔

خانزادہ کو جیسے ایک نئے خیال نے گھیر رکھا تھا۔ آخر وہ جیسے خیال میں بولی:

"شہزادے۔ اگر ہمیں آپ خانزادہ کہہ کر مخاطب کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات سے مسرت ہوگی۔" خانزادہ نے میراں شاہ کی حوصلہ افزائی کی۔

میراں شاہ نے خانزادہ کو غور سے دیکھا۔ شاید وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خانزادہ کے الفاظ میں کس حد تک خلوص اور صداقت ہے۔

"شہزادی۔ دراصل ہمیں بے جا تکلفات پسند نہیں۔ خانزادہ کہنے میں ہمیں کچھ اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے اور ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہم ایک ہوگو ارجیوہ سے نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی سے مخاطب ہیں جو ہمارے رعایا میں سے آگاہ ہے اور جسے آنسو بہانے کے بجائے دلوں پر حکومت کرنے کا ہنر آتا ہے۔"

"شہزادے۔" خانزادہ نے ٹھنڈی سانس لی:

"خوبصورت الفاظ سے دلجوئی بہار میں نہیں بدلا کرتیں اور نہ دل کے تاریک گوشے امید موہوم کے روشنی سے تابناک ہو سکتے ہیں۔" پھر وہ تیزی سے شہزادے کے پاس سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

"خانزادہ۔" شہزادے کی تھرائی اور جذبات میں ڈوبی آواز ابھری اور وہ بھی سیڑھیاں اتر گیا۔

"جی!" خانزادہ نے ہمدم رک کر گلوگیر آواز میں جواب دیا۔

"ہم دوسری ملاقات کے امیدوار ہیں۔" شہزادے نے دلی تمنا کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔

"بیکار ہے شہزادے۔" خانزادہ نے استقلال سے کہا:

"ریگ زاروں میں چشمے نہیں، سراب ہوتے ہیں۔ بگولوں کو پکڑنا کوئی عقلمندی نہیں۔"

خانزادہ۔ ایسا مت کہو۔" میراں شاہ بڑی نکہت سے بولا:

"ریت کے سمندر میں نخلستان بھی لہلہاتے ہیں اور صحرانوں کو مقید بھی کیا جا سکتا ہے۔"

شہزادے۔" خانزادہ نے بڑی بے بسی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔

"شہزادے نہیں۔ ہمیں میراں کہو خانزادہ۔" میراں شاہ نے دل کھول کر رکھ دیا۔

"ہم ولی عہد کے حضور میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔" خانزادہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی:

"ہاں اگر میراں کے بجائے صرف شاہ کہنے کی اجازت دی جائے تو۔۔۔۔"

"ہمیں تمہاری خاطر منظور ہے خانزادہ۔" میراں شاہ نے جواب دیا:

"تم جس نام سے چاہو ہمیں پکار سکتی ہو۔ اب تم جاؤ۔ ہم سے کب ملو گی؟"

"شاہ۔ یہ باتیں بہت قبل از وقت ہیں۔" خانزادہ نے خدشے کا اظہار کیا:

"ہمیں امیر کے عتاب سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔"

"اس کی بھی کوئی صورت نکال لی جائے گی۔" شہزادہ لاپروائی سے بولا:

"تم کہاں ٹھہری ہوئی ہو؟"

"خدا کے لیے ایسا غضب نہ کیجیے گا شاہ۔" خانزادہ گھبرا گئی:

"ہم نے یوگی کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کوئی نیا خواب دیکھنے سے پہلے ہمیں اپنا ذہن بدلنے کے لیے درکار ہوگا۔"

"ہم آج بہت مصروف ہیں۔" شہزادے نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی:

"امیر بابا نے حکم دیا ہے کہ شہزادے جہانگیر کی قبر چوڑی کرائی جائے۔ عمر شیخ کی لاش اس کے پہلو میں رکھی جائے گی۔ یہ کام ایک دو روز میں ختم ہو جائے گا۔"

"قبر کو کھولنا تو بڑی بے حرمتی کی بات ہے۔" خانزادہ کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔

"شہزادے۔ یہ امیر کا حکم ہے اور اس کی تعمیل ہونا ہے۔"

"نہیں۔" خانزادہ سر جھٹک کر بولی:

"ہمارے آپ سے ملاقات ہونا تھی۔ یہ بھی کتنا عجیب اتفاق ہے کہ ادھر ہم سمرقند سے شہر سبز پہنچے۔ اُدھر آپ بھی آ گئے۔ پھر ہماری پہلی ملاقات بھی کتنے عجیب ماحول میں ہوئی۔ اچھا خدا حافظ۔ شاہ!"

میراں شاہ نے بھی خدا حافظ کہا۔ اسے محسوس ہوا کہ خانزادہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خانزادہ چلنے لگی تو میراں شاہ بولا:

"ہم پھر ملیں گے خانزادہ"۔

"بشرطیکہ حالات نے اجازت دی"۔

خانزادہ احاطہ کا میدان پار کر کے دروازے پر پہنچی۔ اسے آتا دیکھ کر پہریداروں نے تمام لوگوں کو پردہ کرا دیا۔ خانزادہ کی کنیزیں اور سہیلیاں بھی اس کے ساتھ ہو آگئیں۔ انہیں لے جانے کے لیے سوار یا تھیں۔ خانزادہ اپنی گاڑی میں بیٹھی اور تمام گاڑیاں آگے پیچھے چلنے لگیں۔

شہزادہ میراں شاہ اس طاقت پر بڑا مسرور تھا۔ اس نے ماہرین کو اندر بلا کر امیر کے حکم سے گا سبد نے مل کر جہانگیر کی قبر کا معائنہ کیا اور قبر کو وسیع کرنے کا کام تھوڑی دیر بعد ہی شروع ہو گیا۔ میرا مقبرے کے میدان میں اپنے لیے ایک خیمہ نصب کرایا تاکہ وہ کام کی نگرانی کر سکے اور امیر تیمور کو اپنی مد دے سکے۔

جہانگیر کی قبر کو وسیع کر کے عمر شیخ کی میت کو اس کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ وہ منظر بڑا رقت آمیز امیر تیمور دونوں بیٹوں کی قبروں کی پائنتی کھڑا فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ بڑے حوصلے اور دل گردے کا ایک باوجود اس وقت ضبط کھو نے پر بھی اس کی آنکھیں اشک آلود ہو گئی تھیں۔ دائیں بائیں اس کے تمام بڑے ہاتھ اٹھائے فاتحہ میں شریک تھے۔ فضا میں افسردگی گھلی ہوئی تھی۔

ہر طرف خاموشی تھی لیکن یہ خاموشی اس وقت ٹوٹ جاتی جب کسی سردار کے منہ سے کوئی درد بھ نکل جاتی۔

فاتحہ کے بعد مولانا زین الدین نے تیمور کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے تپ تپایا۔ مولانا اس کے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ تیمور ایک ہلکی سی ٹھنڈی سانس لے کر گنبد سے باہر آ گیا۔ پھر یہ ہاتھی جلوس آہستہ ہو کر اپنے ٹھکانوں پر چلا گیا اور تیمور قصر سفید واپس آ گیا۔

اسی شام خانزادہ قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئی۔

تیمور کو معلوم ہو گیا تھا کہ خانزادہ سمرقند آئی ہوئی ہے۔ خانزادہ نے دو بار پہلے بھی بار یابی کی

تھی لیکن تیمور نے اسے روک دیا تھا۔ آج تیمور بہت زیادہ مضمحل تھا لیکن خانزادہ کی درخواست رد نہ کر سکا۔

خانزادہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس دبے دبے قدم رکھتی تیمور کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے جھک کر تعظیم پیش کی لیکن تیمور کی نظریں چھت پر لگی تھیں اور وہ خیالات میں گم تھا۔ اسے خانزادہ کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ خانزادہ دیر تک اس کے سامنے خاموش کھڑی رہی پھر خود ہی تیمور کے خیالات کا سلسلہ کسی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ اس کی نظر خانزادہ پر پڑی تو چونک اٹھا اور نرمی سے بولا:

"تم آ گئیں خانزادہ۔ کیوں کھڑی ہو؟ بیٹھ جاؤ"۔

خانزادہ دوزانو ہو کر اس کے سامنے قالین کے فرش پر بیٹھ گئی۔

"خانزادہ ہم نے تمہاری درخواست دو بار رد کی ہے"۔

تیمور کی بھاری آواز کرب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایک جملہ کہنے کے بعد تیمور رک کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا:

"ہم نہیں چاہتے تھے کہ تمہیں دیکھ کر اپنے ساتھ تمہارے غموں میں بھی اضافہ کریں"۔

"اے شاہِ تاتار!" خانزادہ پُروقار لہجے میں بولی:

"غم برداشت کرنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے۔ کنیز جانتی تھی کہ امیر کو جس طرح تاتاری لشکر، امرا و وزرا اور مفتوحہ علاقوں کو پوری طرح قابو میں رکھنے کی طاقت ہے۔ اس طرح شاہِ تاتار غموں کے پہاڑ کو بھی برداشت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ کنیز تو صرف اس وجہ سے حاضری دینا چاہتی تھی کہ امیر کو علم ہو جائے کہ افسردگی اور اندوہ کے اس طوفان میں وہ اکیلے نہیں بلکہ ایک بیوہ بھی ان کے قدموں میں موجود ہے"۔

"ایسا نہ کہو خانزادہ۔ تم ہمیں بہت عزیز ہو"۔

تیمور نے سر پر اس طرح پہلو بدلا جیسے کسی بوجھ تلے دبا جا رہا ہو:

"ہمیں تمہارے غم کا پورا احساس ہے۔ کاش ہم اس کا مداوا کر سکتے۔ ہم لوگوں کی نظر میں بااختیار ہیں لیکن حقیقت میں کس قدر بے اختیار اور عاجز ہیں یاد رکھو خانزادہ۔ انسان جہاں پر بے اختیار اور بے بس ہوتا ہے، وہیں سے خدائی کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ ہماری عاجزی ہی تو ہمیں خدا کے وجود کا یقین دلاتی ہے۔ اس کا علاج صرف صبر ہے اور ایسے موقعوں پر صبر کرنے والا ہی عظمتِ انسانی کا علم بردار کہا جاتا ہے"۔

خانزادہ کو تیمور کی زبان سے بے اختیار، بے اختیاری اور صبر کے فلسفے کی تشریح سن کر بڑا تعجب ہوا۔ وہ ہزاروں کا بادشاہ جس کی نظروں میں ہزاروں لاشوں کا تڑپنا کوئی معنی نہ رکھتا تھا، اس کا دل اپنے دو بیٹوں کی موت پر کتنا گداز ہو گیا تھا۔

"شاہِ تاتار درست فرماتے ہیں"۔ خانزادہ کو اس کے سوا کوئی جواب سجھ ہی نہ آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم سمرقند جا رہے ہیں۔ چاہو تو تم ہمارے ساتھ چل سکتی ہو۔" تیمور نے رسماً پوچھا:

"اگر شہر سبز میں رہنا چاہو تو ہمارے بعد یہاں منتقل ہو جانا۔ تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔"

"امیرِ محترم! کنیز سمرقند میں رہتے رہتے گھبرا گئی تھی۔ اس لیے کچھ دنوں کے واسطے یہاں آ گئی تھی۔" خانزادہ نے تیمور کا لہجہ نرم دیکھ کر کہا:

"سمرقند اور شہر سبز دونوں مقامات اب مجھے اجنبی اجنبی سے لگتے ہیں کیونکہ امیر عالی مقام سے باہر رہتے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو خانزادہ۔" تیمور بولا:

"ملکی ضروریات اور مصلحتیں ہمیں سمرقند میں زیادہ دن ٹھیرنے نہیں دیتیں۔ ہم جانتے ہیں کہ دارالسلطنت سے ہماری غیر حاضری ہمارے لواحقین کو شاق گزرتی ہے لیکن ہم مجبور ہیں۔"

"امیرِ محترم! اگر اجازت دی جائے تو کنیز کچھ دنوں کے لیے اُرگاؤں چلی جائے۔" خانزادہ نے موقع غنیمت کر فوراً کہا:

"اُرگاؤں میں اگرچہ اب کنیز کا کوئی قریبی عزیز موجود نہیں۔ پھر بھی وہاں سے کنیز کی بچپن کی یادیں وابستہ ہیں اگر امیر مناسب سمجھیں تو۔"

خانزادہ نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا تاکہ تیمور اس کی بات کو صدا نہ سمجھ بیٹھے۔ تیمور کا خیال فوراً اپنی دوسری بیوی سرائے خانم کی طرف گیا۔ اسے معلوم تھا کہ خانزادہ اور سرائے خانم میں آن بن رہتی ہے اور ہر ایک اپنے کو دوسرے سے برتر سمجھتی ہے۔ یہ بات بالکل صحیح تھی۔ تیمور نے خانزادہ کو بہت کافی اختیارات دے رکھے تھے۔ یہاں تک کہ اسے محل میں دربار لگانے کی بھی اجازت تھی۔ خانزادہ کے اخراجات پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ جس قدر چاہتی خرچ کر سکتی تھی۔ خانزادہ کو یہ مراعات اس وجہ سے دی گئی تھیں کہ وہ تیمور کے سب سے بڑے اور جیتے بیٹے کی بیوہ تھی۔

دوسری طرف سرائے خانم تھی۔ تیمور کی پہلی بیوی الجائی خاتون کے مرنے کے بعد سرائے خانم تیمور کی سرفہرست زوجہ بن کر آئی تھی۔ وہ ملکۂ عالم تھی اور اسے تمام بیگمات اور شاہی خاندان کی خواتین پر فوقیت حاصل تھی۔ سرائے خانم کی یہ اس وجہ سے اور بڑھ گئی تھی کہ اس نے تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے شہزادہ شاہ رُخ کو جنم دیا تھا۔ شاہ رخ تیمور کا چہیتا لڑکا تھا اور دستور کے مطابق وہ سلطنت کا وارث تھا کیونکہ بادشاہ کے پہلے چار بیٹوں کو وارث سمجھا جاتا تھا۔ سرائے خانم اور خانزادہ میں کئی بار جھگڑا ہو چکا تھا لیکن تیمور کے رعب کی وجہ سے اس نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی تھی۔ خانزادہ بااختیار ہونے کے باوجود احساسِ کمتری کا شکار تھی۔ سرائے خانم کی شان و شوکت اور آن بان دیکھ کر خانزادہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی۔ سرائے خانم جب شام کے وقت محل گشت کو نکلتی تو ایک درجن حبشی عورتیں اس کی قبا کا دامن اٹھائے چلتیں اور خوبصورت کنیزیں اس کی زرنگار کلاہ کے مرصع پروں کو سنبھالے رہتیں۔ تیمور کو نیلا رنگ بہت پسند تھا اس لیے

ایام قصرِ شاہی میں نیلی اینٹوں کے نئے نئے فرش بنواتی اور ان پر گردن بلند کر کے چہل قدمی کرتی تو خانزادہ کے پیر بھی اسی طرح چلنے لگتیں۔

ان باتوں سے تنگ آ کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سمرقند کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ اس لیے کہ اس کے دونوں بیٹے بڑے ہو رہے تھے اور اسے خطرہ تھا کہ تیمور کی آنکھ بند ہوتے ہی وراثت کا جھگڑا کھڑا ہو گا اور اسے اپنے لڑکوں کی وجہ سے مشکل ہو جائے گی۔ خوارزم میں اب بھی لوگ پرانے رشتوں کی بنا پر اس سے محبت کرتے تھے اور وہ خود کو وہاں سمرقند سے زیادہ محفوظ سمجھتی تھی۔

تیمور بھی ان باتوں سے بے خبر نہ تھا۔ خانزادہ کی درخواست پر اسے کچھ زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ وہ ذرا دیر سوچنے کے بعد بولا:

"خانزادہ۔ تمہاری درخواست قبول کی جاتی ہے لیکن تمہیں ایک قربانی دینا ہوگی۔ بظاہر یہ قربانی ہوگی لیکن مستقبل میں اس سے فائدہ پہنچے گا۔"

"امیرِ کنیز کی جان و مال کے مالک ہیں۔" خانزادہ نے بے جھجک کہا:

"کنیز کو کسی بھی قربانی میں عذر نہ ہوگا بلکہ امیر کے حکم کی تعمیل کرنا کنیز کے لیے باعثِ فخر ہوگا۔"

"تم ہمارے بہادر بیٹے کی بیوہ ہو خانزادہ۔" تیمور نے اسے دیکھا:

"ہمیں جہانگیر سے جس قدر محبت تھی کم و بیش اتنی ہی محبت ہمیں تم سے اور تمہاری اولاد شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ محمد سے ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ باپ کی موت انہیں احساسِ محرومی میں مبتلا کر دے اور وہ اپنا مستقبل نہ بنا سکیں۔ انہیں بہترین تربیت کی ضرورت ہے۔ تم عقلمند ہو ہمارا اشارہ سمجھ گئی ہو گی۔"

"نہیں امیرِ عالی مقام۔" خانزادہ نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا:

"اپنے بیٹے امیر کی محبت اور شفقت کی ضرورت کم نہ ہونے دے گی اور جوان ہونے کے بعد امیر کے احکامات کی بجا آوری میں اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔"

"ہم جانتے ہیں خانزادہ۔" تیمور نے مزید وضاحت کے لیے کہا:

"تم اپنے لڑکوں کے ساتھ علیحدہ رہ کر شہزادے وہ مقام حاصل نہ کر سکیں گے جس کی ہمیں آرزو ہے۔ تم خود تو اپنا مستقبل بنانے کی ذمہ داری اٹھا سکتی ہو لیکن ہم اس میں دخل دینا نہیں چاہتے لیکن شہزادوں کی نگہداشت اور تربیت تم

"امیرِ کنیز کو ان کی تربیت کے لیے کیا قدم اٹھانا ہوگا۔" خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا:

"شہزادوں کی بھلائی کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں اس سلسلے میں فکر کی ضرورت نہیں خانزادہ۔" تیمور نے کمال شفقت کا اظہار کیا:

"ہم چاہتے ہیں کہ دونوں شہزادے ہماری نگرانی میں فوجی اور غیر فوجی تربیت حاصل کریں۔ اگر تم خوشی سے شہزادوں کو ہمارے پاس چھوڑ دو یا تو ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہماری نظروں میں شاہ رخ مرزا اور تمہارے بیٹوں کا ایک ہی مقام ہوگا۔ انہیں یکساں طور پر فنونِ جنگ کی تربیت دی جائے گی۔ اب یہ ان کی کوشش اور صلاحیت ہوگی کہ کون کس پر سبقت لے جاتا ہے۔"

خانزادہ کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور اطمینان کا اور کیا مقام ہو سکتا تھا کہ تیمور اس کی اولاد کو اپنے بیٹے شاہ رخ مرزا کے برابر درجہ دے رہا تھا۔ خان زادہ نے اپنی مسرت چھپاتے ہوئے کہا:

"امیر کو خدا نے دنیا بھر میں سب سے زیادہ عقل اور فراست عطا کی ہے۔ امیر جو سوچتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے۔ کنیز کو فخر ہے کہ امیر اپنے مرحوم بیٹے کی اولاد کو اس قدر محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کنیز دونوں شہزادوں کو ہمیشہ کے لیے امیر کے حوالے کرتی ہے اور ان کی واپسی کا کبھی مطالبہ نہ کرے گی۔"

"شاباش خانزادہ۔" تیمور خوش ہو کر بولا:

"آج سے پیر محمد اور سلطان محمد ہمارے پاس مثل اپنی اولاد کے رہیں گے۔ ہم کچھ دنوں بعد ایک جا رہے ہیں۔ ہمارے واپس آنے پر تم جہاں جانا چاہو جا سکتی ہو۔ تمہارے اختیارات میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

تیمور کی بات ختم ہوئی تھی کہ ایک کنیز نے میراں شاہ کے آنے کی اطلاع دی۔ میراں شاہ کے نام پر تیمور چونکا۔ امیر نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا:

"شہزادے کو آنے کی اجازت ہے۔"

خانزادہ نے فوراً اپنا رخ ذرا سا دوسری طرف موڑ لیا۔

شہزادہ میراں شاہ نے داخل ہو کر تیمور کو سلام کیا پھر ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے شہزادے۔ کوئی اہم مسئلہ ہے؟" تیمور نے ذرا ترشی سے پوچھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں امیر بابا۔۔۔۔" میراں شاہ، تیمور کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا:

"میں تو صرف سلام کو حاضر ہوا تھا۔"

"سلام قبول ہوا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" تیمور نے بڑے روکھے پن سے کہا۔

میراں شاہ اور زیادہ گھبرا گیا۔ اور الٹے پیر واپس ہونے لگا۔ یہ میراں شاہ کی اپنی غلطی تھی۔ اسے یہ گیا تھا کہ امیر اور بڑی ہو شہزادی خانزادہ گفتگو کر رہے ہیں لیکن اس اطلاع کے باوجود اس نے قدم اجازت طلب کی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ خانزادہ کا دید ادا کرنا چاہتا ہو جس کی محبت اس کے دل میں

خانزادہ۔"

میراں شاہ باہر نکلنے والا تھا کہ تیمور نے آواز دی:

"شہزادے! اب تم آ ہی گئے ہو تو ان سے ملو۔ جانتے ہو یہ کون ہیں؟"

"جی۔ جی۔" میراں شاہ کی زبان سے اک دم نکل گیا۔ حالانکہ اسے خانزادہ کا پورا چہرہ نظر نہ آ رہا تھا:

"شاید یہ شہزادے جہانگیر بھائی کی بیوہ۔۔۔۔"

"شاید نہیں بلکہ یہ یقیناً وہی ہے۔" تیمور نے زور دے کر کہا:

"خان زادہ تمہاری بھابی ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ جب بھی ان سے سامنا ہو تو سلام کرنے میں پہل کرو اور احترام بالکل اسی طرح کیا کرو جیسے شہزادے کی عزت کرتے تھے۔"

"ایسا ہی ہوگا امیر بابا۔"

میراں شاہ نے جھک کر خانزادہ کو سلام کیا۔ ذرا دیر بعد اس نے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ امیر تیمور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میراں شاہ کو ٹھہرنے کا بہانہ مل گیا اور وہ چور نظروں سے بار بار خانزادہ کو دیکھنے لگا۔ خانزادہ کو اس کی یہ چھچھوری حرکت بہت ناگوار گزری۔ اگر شاہی دربار نہ ہوتا تو شاید وہ میراں شاہ کو للکار دیتی۔

"ہم عنقریب جا رہے ہیں۔" تیمور نے جیسے خود کلامی کی۔ وہ کسی سے بھی مخاطب نہ تھا۔ میراں شاہ اور خانزادہ خاموش رہے۔

"تم نے سنا شہزادے۔" تیمور نے کہا:

"ہم عنقریب جا رہے ہیں اور تم بحیرۂ خزر (کیسپین) کی طرف کوچ کرو گے۔۔۔۔ خوارزم کی ولایت تمہیں عطا کی ہے۔"

"مجھے کب جانا ہوگا امیر بابا؟" شہزادے کا سر غرور سے بلند ہو گیا۔

"کل شام تم یہاں نہیں ہو گے۔" تیمور نے اسے اعزاز بخش کر رخصت کر دیا۔

○

میراں شاہ باپ سے مل کر واپس آیا تو اس کے قدم زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ خوارزم کی ولایت بحیرۂ خزر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مشرق تک واقف تھی۔ یہ علاقہ اُس دور میں انتہائی خوشحال اور دولت سے مالا مال سمجھا جاتا تھا۔

خوارزم کی حکومت پہلے خانزادہ کے چچا یمین صوفی کے پاس تھی۔ تیمور نے اسے شکست دے کر اس پر قبضہ کیا اور اس ولایت کو اپنے بڑے بیٹے اور ولی عہد جہانگیر کے سپرد کر دیا۔ جب جہانگیر کا انتقال ہوا تو تیمور نے یہ ولایت عمر شیخ کے حوالے کر دی تھی لیکن وہ بھی مارا جا چکا تھا۔

اس مالدار ولایت پر میراں شاہ جس قدر بھی غرور کرتا وہ کم تھا۔ اس نے واپس جاتے ہی روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تیمور نے اگرچہ اس سے دوسرے دن شام تک روانہ ہونے کے لیے کہا تھا لیکن میراں شاہ جانتا تھا کہ یہ تیمور کا حکم ہے اور تیمور اپنی حکم عدولی کسی صورت میں برداشت نہ کرتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ صبح ہوتے ہی اپنی ولایت پر روانہ ہو جائے گا۔

پھر کسی چور دروازے سے خانزادہ کا خیال اس کے دل کے نہاں خانے میں اتر آیا۔ اس کی دوسری ملاقات تیمور کے دربار میں ہوئی تھی مگر اسے ملاقات کا نام مشکل ہی سے دیا جا سکتا تھا۔ وہ خانزادہ کی صرف ایک جھلک دیکھ سکا تھا۔ اس وقت اُس کے دل میں کچھ ایسی بے چینی پیدا ہوئی کہ وہ خانزادہ سے ملنے چل پڑا۔ خانزادہ جس حویلی میں ٹھہری ہوئی تھی اُس کا پتہ میراں شاہ کو معلوم ہو گیا تھا۔ شام کو دربار جاتے وقت وہ اس حویلی کے سامنے سے گزرا تھا۔ اگر اسے دربار جانے کی جلدی نہ ہوتی تو اسی وقت خانزادہ سے ملاقات کرتا۔

خانزادہ تھوڑی دیر پہلے ہی تیمور سے مل کر واپس آئی تھی۔ وہ اپنی سہیلیوں کو خوشی خوشی اس مفید ملاقات کی تفصیل بتا رہی تھی۔ ۔ ۔ ۔ آج تو اس نے میراں شاہ کو اپنے حسن جہاں تاب کی جھلک دکھا کر اس کے دل میں آگ سی لگا دی تھی۔ اسے میراں شاہ پسند نہ تھا لیکن مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میراں شاہ کو اپنے دام میں گرفتار رکھے اور ضرورت کے وقت اس سے کوئی اہم کام لے۔

اپنے دونوں بیٹوں کی طرف سے اسے جو فکر تھی اسے تیمور نے حل کر دیا تھا۔ شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ سلطان محمد کو تیمور نے اپنے سایۂ عاطفیت میں لے لیا تھا۔ جب پہلا شہزادہ پیر محمد پیدا ہوا تھا تو اس نے جہانگیر سے ہنس کر کہا تھا:

"اب بادشاہت میرے گھر میں رہے گی۔"

لیکن جہانگیر عین جوانی میں انتقال کر گیا اور خانزادہ کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا۔ شہزادوں کے تیمور کے زیر سایہ پرورش پانے سے اسے یہ امید ہو گئی تھی کہ اس کے بیٹے تیمور کی زندگی میں کم از کم ایسا مرتبہ پا لیں گے کہ تیمور کی وفات کے بعد خواہ کوئی بھی بادشاہ بنے، شہزادے اپنی اور خانزادہ کی حفاظت کر سکیں گے۔

خانزادہ سہیلیوں کو رخصت کر کے سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ کنیز نے اسے میراں شاہ کے آنے کی اطلاع دی۔ خانزادہ اس اطلاع سے بہت متوحش ہوئی۔ اسے خوف بھی محسوس ہوا۔ اور میراں شاہ پر غصہ بھی آیا۔ تیمور ابھی یہیں موجود تھا اگر اسے میراں شاہ کے اس کے پاس اتنی رات گئے آنے کی خبر ہو گئی تو پتہ نہیں کیا قیامت برپا ہو۔ اس میں خود اس کی غلطی تھی۔ اگر اس نے میراں شاہ کو پہلی ملاقات میں اس قدر بے تکلف ہونے کا موقع نہ دیا ہوتا تو وہ ایسی جرأت نہ کر سکتا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

میراں شاہ سے ملاقات نہ کرنے کا مطلب تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس کے ہاتھ سے نکل جاتا لیکن ملاقات میں خوف سدِ راہ تھا۔

بہت کچھ غور و فکر کے بعد آخر اسے ملاقات کا خطرہ مول لینا پڑا۔ اس نے کنیز کو حکم دیا:

"شہزادے کو مہمان خانے میں بٹھایا جائے۔"

کنیز کو ادھر بھیج کر اس نے دوسرا لباس پہنا۔ چہرے پر غازے کی تہ جمائی اور مٹی نوبیلی دلہن کی طرح سج بن کر ماں کے پاس گئی۔

میراں شاہ نے تو اسے ماتمی لباس میں ہی پسند کر لیا تھا۔ اب جو وہ سنگار کیے اور شعلہ جوالہ بنی اس کے سامنے پہنچی تو اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ خانزادہ کو دیکھ کر یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ اس کے دو بیٹے جوانی میں قدم رکھ چکے ہیں۔

میراں شاہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہا تھا اور خانزادہ سامنے کھڑی تبسم کی بجلیاں گرا رہی تھی۔ میراں شاہ بڑا حوصلہ ہوا اس نے خود ہی خانزادہ کو تعظیم پیش کی۔

خانزادہ شہزادے کو خوش آمدید کہتی ہے۔" خانزادہ مسکرا کر ذرا خم ہوئی۔ پھر سیدھے ہوتے ہوئے بولی:

خانزادہ جانتی ہے کہ وفا عہد بہادر جان پر کھیل کر ملاقات کے لیے آئے ہیں ورنہ امیر تیمور کی موجودگی میں اُس کے گھر کسی غیر عورت کے گھر اس طرح جانے کے انجام سے کون واقف نہیں۔ یہی سوچتے ہوئے خانزادہ نے بھی ہار گلے میں ڈال دی اور شہزادے کو خوش آمدید کہا۔"

خانزادہ، ہم حسین عورت کے ساتھ حسن کلام سے بھی آراستہ ہو۔" میراں شاہ نے سرمستی کے عالم میں کہا:

اس محبت کی سزا کے لیے اگر ہمیں سر بھی گنوانے پڑیں تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے آپ کو تکلیف دی۔ ۔ ۔ ۔ مگر ہم کیا کرتے۔ صبح ہوتے ہی ہم اپنی ولایت کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ ہم نے سفر سے پہلے ہم بارگاہِ حسن میں ایک بار حاضری دے لیں اور تجدید عہد بھی کرتے چلیں۔ خانزادہ! ہم یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ولاتے ہیں کہ میراں شاہ کے دل کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے اور ولایت کی سرزمین تمہاری قدمبوسی کے لیے بے چین رہے گی۔"

خانزادہ جواب دینے والی تھی کہ ایک کنیز نے اس کے کان میں کچھ کہا۔ خانزادہ کچھ پریشان ہوگئی۔ اس نے میراں شاہ سے کہا:

"ولی عہد شہزادے! جس خطرے کا امکان تھا وہ سر پر آ گیا۔ شہر سبز کے کوتوال نے شہزادے کے ہمراہیوں کے حدود سے پر دیکھ لی ہے اور شاید وہ آپ کی واپسی کا انتظار کر رہا ہے۔"

"مرسے کفن باندھنے والے ڈرا نہیں کرتے خانزادہ۔" میراں شاہ یہ کہتے ہوئے اٹھا:

"بہرحال ہم نہیں چاہتے کہ تم کسی عذاب میں مبتلا ہو۔ اس موہوم خطرے کا تدارک کر کے ہم ابھی واپس آتے ہیں۔"

میراں شاہ حویلی کے دروازے پر پہنچا۔ شہر سبز کا کوتوال واقعی گھوڑے پر سوار وہاں کھڑا تھا۔ میراں شاہ کو دیکھ کر وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور جھک کر آداب بجا لایا۔

"شاید تمہیں علم نہیں کہ صبح کو ہم اپنی ولایت کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔" میراں شاہ نے پُر رعب لہجے میں کوتوال کو مخاطب کیا:

"شہزادی خوارزم سے ہمارا جو رشتہ ہے اس سے تم واقف ہو۔ جانے سے پہلے ان سے ملاقات ضروری تھی۔ تمہیں فکر کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے اجازت ہے؟" کوتوال نے پھر آداب پیش کیا۔

"ہاں، تم جا سکتے ہو۔" میراں شاہ لاپروائی سے بولا۔

کوتوال نے باگ سنبھال کر رکاب میں پیر رکھا ہی تھا کہ میراں شاہ نے کہا:

"ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں آنے کی اطلاع امیر بابا کو نہ دی جائے۔"

"بہتر ہے شہزادے بہادر۔" کوتوال گھوڑے پر سوار ہوا:

"میری کیا مجال ہے کہ ولی عہد سلطنت تاتار کے حکم سے سرتابی کروں۔ میں ولی عہد شہزادے کے لطف پر ہمیشہ فخر کروں گا۔"

کوتوال چلا گیا۔ میراں شاہ نے واپس آ کر کہا:

"بلا آئی مگر بخیر و خوبی ٹل گئی۔ اب ہم اطمینان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"نہیں شہزادے!" خانزادہ نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا:

"اس ملاقات کو یہیں ختم کر دیجیے۔ زندگی ہے تو ہم کسی نہ کسی موڑ پر پھر ملیں گے۔"

میراں شاہ نے محسوس کیا کہ خانزادہ خوفزدہ ہو گئی ہے۔ ایسے ماحول میں کسی پُرلطف گفتگو کی امید بھی نہ تھی۔ اس نے کہا:

"ہم تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے لیکن ہم تمہارا انتظار کریں گے۔"

خانزادہ بھی شہزادے کو یقین دلاتی ہے کہ وہ ایک دن اور گنج ضرور پہنچے گی۔" خانزادہ نے پورے وثوق سے جواب دیا:

"لیکن اس دن کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دن سات روز بعد بھی آ سکتا ہے اور سات سال بعد بھی۔"

"اچھا خدا حافظ۔" شہزادہ واپس ہوا۔

"شب بخیر۔" خانزادہ نے شہزادے کو دروازے تک پہنچایا۔

○

میراں شاہ نے اور گنج پہنچ کر اپنی رنگین محفل جمائی۔ دولت کی افراط نے میراں شاہ کی دل بستگی کے ایسے ایسے سامان پیدا کیے کہ خانزادہ کا خیال اس کے ذہن سے ہوا کے ایک جھونکے کی طرح نکل گیا۔

شہر سبز سے چلتے وقت وہ خانزادہ کی محبت سے سرشار تھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ اور گنج پہنچتے ہی وہ خانزادہ کو اپنی ولایت میں لانے کے انتظامات کرے گا۔ میراں شاہ کو اگر دولت نہ بھی حاصل ہوتی تو بھی اس کے آرام و آسائش میں کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ تاتاری اپنے امیر سے اس قدر مرعوب تھے کہ تیمور کے علاوہ وہ اس کی اولاد کو بھی اپنا تاتار ولی نعمت سمجھتے تھے اور اس کے حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرتے تھے۔ بادشاہ کا مذہب، رعایا کے مذہب کے مطابق نہ تھا۔ لوگوں نے میراں شاہ کی رنگین مزاجی دیکھی تو خود بھی اس رنگ میں رنگ گئے۔

اس دوران خانزادہ نے ایک بار پوشیدہ طور پر اور گانڈ گئی اور اس نے کسی کے ذریعے میراں شاہ کو اور گانڈ میں موجودگی کی اطلاع دی تھی اور کئی دن تک میراں شاہ کے جواب کا انتظار کیا لیکن پتہ نہیں یہ اطلاع میراں شاہ کے کانوں تک پہنچی نہیں یا پھر وہ اپنی رنگ رلیوں میں کچھ اس طرح گھر گیا تھا کہ اسے اب خانزادہ کی ضرورت نہیں تھی۔ بیوہ کی پروا نہ رہی تھی۔

خانزادہ کو میراں شاہ کی غفلت یا اس کی طرف سے بے التفاتی سخت ناگوار گزری اور وہ بھی میراں شاہ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرح بھول گئی جیسے اس سے ملاقات ہی نہ ہوئی تھی۔

ملکہ سرائے خانم اپنی جگہ خوش تھی۔ اس کا بیٹا شاہرخ مرزا جوان ہو رہا تھا۔ یہ شہزادہ تیمور کے تمام پوتوں سے زیادہ نفیس الطبع اور رحمدل تھا۔ امورِ سلطنت سے زیادہ اس کا رجحان علم و ادب کی طرف تھا۔ خالی اوقات میں وہ کتابیں پڑھا کرتا۔ سرائے خانم کو بیٹے سے یہی شکایت تھی۔ یہ نہیں کہ شاہرخ مرزا میں بہادری کے جوہر نہ تھے۔ وہ شہزادے پیر محمد اور سلطان محمد سے شجاعت میں کسی طرح کم نہ تھا لیکن یہ تینوں ہم عمر تھے اس لیے ان میں میل، محبت اور دوستی بھی تھی۔ میدانِ جنگ میں ان کی راہیں بے شک بدل جاتیں اور وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور تیمور انہیں لڑتے دیکھ کر مسکرایا کرتا تھا۔

تیمور کو اب نہ سرائے خانم کی فکر تھی اور نہ خانزادہ کی پروا۔ اس نے اپنے عیاش بیٹے میران شاہ کی طرف بھی توجہ دینا چھوڑ دی تھی۔ پہلے اس کا یہی خیال تھا کہ اگر میران شاہ نے اپنی حالت درست کر لی تو وہ اسے ولی عہد بنا دے گا لیکن جب اس کے بیٹے شاہرخ مرزا اور پوتوں پیر محمد اور سلطان محمد نے اس کے ساتھ جنگ میں حصہ لینا شروع کر دیا تو اسے میران شاہ کی مطلق پروا نہ رہی۔ اس کے سامنے ولی عہدی کے تین نئے امیدوار آ گئے تھے جن میں سے ہر ایک اس مرتبے کا اہل تھا اور ہر جنگ میں ان کی اہلیت پرکھی جا رہی تھیں۔

تیمور نے بلادِ شمال کے جتہ خانِ اعظم اور سہری نول کے نوقان کی سرزمین کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ اب ان کا ٹھکانا ان کا آبائی وطن صحرائے گوبی یا منڈرا کے برفیلے میدانوں کے سوا اور کہیں نہ رہ گیا تھا۔

تیمور کے حوصلے بلند تھے۔ اس کا لشکر ایک لاکھ سے زیادہ سواروں پر مشتمل تھا جسے معروف اور قابو میں رکھنے کے لیے تیمور کو نئے جنگی میدانوں کی ضرورت تھی۔ اس نے جنوب اور جنوب مغرب کی طرف اب تک توجہ نہ کی تھی۔ اس کی جنوبی سرحدیں ہندوستان اور ایران سے ملتی تھیں۔ افغانستان کا علاقہ اس کے قبضے میں تھا۔ اس کے بعد ہندوکش کا پہاڑی سلسلہ تھا جس کے دوسری طرف ہندوستان واقع تھا۔ لیکن تیمور کو ہندوستان سے سوائے تجارت کے اور کوئی سروکار نہ تھا۔ ایران کی طرف مزور اس کی نظریں اٹھتی تھیں لیکن اس کی مملکت اور ایران کے درمیان ایک ہزار میل کا شورہ صحراؤں کا وسیع سلسلہ حائل تھا جس کو عبور کرنے کے لیے اسے کافی تیاری کی ضرورت تھی۔

ایران کبھی شوکت و سطوت کا مرکز رہا تھا۔ نوشیرواں، کیکاؤس اور خسرو پرویز کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔ زرتشت، مانی اور مزدک نے یہیں نئے نئے مذاہب کی تبلیغ کی تھی اور اوائلِ اسلام میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھوڑے اس کے میدانوں میں دوڑتے رہے تھے لیکن اب یہ ایک تباہ حال ملک تھا۔ ہلاکو خان کا ایلخانی خاندان بھی ایران پر ڈیڑھ سو سال تک حکومت کر کے اپنے آپ کو شراب ناب میں ڈبو کر ختم ہو چکا تھا۔ عظیم مسلم فرمانروا دلس کے تخت و تاج کے مالک ان کی نالائق اولاد تھی جو ملکی امور پر توجہ دینے کے بجائے اپنا سارا وقت لہو و لعب اور شراب

میں گنواتے تھے۔ ایران کی عظیم سلطنت ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی جن میں آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

تیمور کے دور میں ایران پر مظفر یہ کا قبضہ تھا اور وہاں کا بادشاہ جلال الدین شاہ شجاع تھا۔ اس کا اگرچہ فارس، کرمان، عراق، اصفہان اور شیراز تک محدود تھا لیکن وہ خود کو شہنشاہ کہلواتا تھا۔ تیمور کی فتوحات کا سنا تو شاہ شجاع نے فوراً دوستی کا ہاتھ تیمور کی طرف بڑھایا اور اسے ایک طویل خط لکھا۔

اس خط میں شاہِ ایران نے لکھا:

"جنہوں نے اس دنیا کو غور سے دیکھا وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنی ناپائدار ہے۔ عقلمند نہ اس کی فانی اشیاء کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نہ اس کے حسن اور لذتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ میرے اور آپ کے درمیان ایک عہد نامہ ہوا تھا (اس عہد نامے کی تفصیل کسی تاریخ میں نہیں ملتی)۔ اُس کے سلسلے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں آپ کی دوستی حاصل کر لینے کو ایک بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہوں اور میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ عہد نامہ میرے ہاتھ میں ہو تاکہ آپ مجھے عہد شکنی کا ذمے دار قرار نہ دیں۔ ترپن سال کی اس زندگی میں جو میں نے اس دنیائے آب و گل میں بسر کی، کونسا عیش ایسا تھا جس کی لذت میں نے نہیں چکھی، لیکن ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہو۔ بارگاہِ خداوندی میں میری دعا ہے کہ خدا اس بادشاہ (تیمور) کو سلامت رکھے جو سلیمان جیسا دانا اور سکندر جتنا عظیم ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ سے اپنے جگر گوشے زین العابدین کی سفارش کرنا ضروری نہیں۔ خدا سے آپ کے سایہ میں خوش و خرم رکھے۔ میں اسے خدا کے اور آپ کے سپرد کرتا ہوں اور اس بدگمانی کی گستاخی ہرگز نہیں کر سکتا کہ آپ اپنے عہد پر قائم نہ رہیں گے!"

تیمور ایران پر فوج کشی کا منصوبہ بنا چکا تھا اور اس نے بڑے رازدارانہ طریقے سے اس کی تیاریاں بھی مکمل کر لی تھیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کے اس خط نے اس پر بہت اثر کیا اور اس نے فوری حملے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

لیکن جب ۱۳۸۶ء میں شاہ شجاع کا انتقال ہو گیا اور ایران میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تو ایران فتح کرنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمنا پھر تیمور کے دل میں پیدا ہوئی۔ شاہ شجاع نے اپنے بیٹے زین العابدین کو اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر
تھا لیکن اس کے مرتے ہی اس کے دس بیٹے سلطنت کے دعویدار بن گئے۔ اصفہان پر زین العابدین کے ایک
سلطان ابوزید نے قبضہ کر لیا۔ دوسرا بھائی احمد بن شجاع کرمان پر قابض ہو گیا۔ تیسرے نے فارس دبا لیا۔ غرض
ہر ایک نے اپنی حکومت بنالی اور سکے بھی ڈھال لیے۔ یہ سب بھائی آلِ مظفر تھے لیکن ہر ایک دوسرے کے
پیاسا ہو رہا تھا۔

تیمور نے پھر بھی تحمل سے کام لیا۔ اس نے ہر شہزادے کے پاس الگ الگ اپنا سفیر بھیجا اور انہیں
کا حکم دیا۔ تیمور کی فتوحات اور لاؤ لشکر کا شہرہ پورے ایران میں پھیلا ہوا تھا۔ تمام شہزادے بھی اس سے خا
لیکن ہر ایک نے تیموری سفیر کو روک لیا اور یہ انتظار کرنے لگا کہ پہلے دوسرا بھائی اطاعت قبول کرے تاکہ
بدنامی کا پہلا داغ اس پر نہ لگ سکے۔ اس انتظار میں تیموری سفیر ایک طویل عرصے تک ایران کی مختلف ریا
ٹھہرے رہے۔

سفیر جب عرصہ تک جواب لے کر واپس نہ پہنچے تو تیمور کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا
میں تیمور نے ستر ہزار کے عظیم لشکر کے ساتھ جنوب کا رخ کیا۔ یہ لشکر ہزار ہزار کے ستر چھوٹے لشکروں پر مشتمل
باربرداری سے متعلق لوگ اس کے علاوہ تھے۔ تیمور نے ہزار میل کی مسافت اور شور کا صحرا بڑے سکون سے طے کیا اور اس
مضافات میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ایرانیوں کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ انہیں جیسے تیمور کے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی یا وہ تاتاری لشکر کو بارات
تھے۔ ان کے معمولات میں تیمور کے آنے سے کوئی فرق نہ پڑا۔ تیمور کو جگہ جگہ نیم برہنہ زائرین دھوپ سے بچتے نظر آئے
تیمور کے ان نیم قبائلی سرداروں کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر خچروں پر سوار ادھر ادھر گھوم
ان سرداروں کے سروں پر ان کے غلام چھتر کا سایہ کیے ہوئے تھے۔

اصفہان چند میل کے فاصلے پر تھا۔ تیمور کی جنگی تیاریاں بھی مکمل تھیں لیکن وہ جنگ کرنے پر آسانی سے نظر نہ آتا
شاہ شجاع کا حافظہ یاد تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر شہزادے اس کی اطاعت قبول کر لیں تو وہ انہیں سرزنش کر کے واپس
گا۔

اصفہان کے مضافات نے تو تیمور کی آمد کی کوئی پروا نہ کی لیکن جب یہ خبر اصفہان پہنچی تو لوگوں کے حواس
ہو گئے۔ اصفہان میں شاہ زین العابدین کا لالہ سید مظفر شمسی موجود تھا۔ اہلِ شہر اس کے پاس گئے اور اس سے التجا
سے بچانے کی درخواست کی۔ مظفر شمسی جانتا تھا کہ جو لشکر ایک ہزار میل کا ریتلا راستہ طے کر کے یہاں
خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتا اور شہر کو بچانے کی صرف یہی صورت ہے کہ تیمور کے سامنے اظہارِ اطاعت کے علاوہ

ابات کو پورا کیا جائے۔ مظفر شمسی گھوڑے پر سوار ہوا اور اصفہان کے چند امیروں کو ساتھ لے کر تیمور کی لشکر گاہ
پہنچا۔

تیمور اس وقت اپنے خیمے کے سامنے قالین کے فرش پر ایک مسند کے سہارے بیٹھا تھا اور اپنے سرداروں
اصفہان ہی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ اسے زین العابدین کے ماموں کے آنے کی خبر ملی تو اس نے اسے مع دیگر
راکے اسی وقت اپنے حضور میں طلب کر لیا۔ مظفر شمسی کو خیال تھا کہ اس پر تیمور ناراض ہو گا اور ممکن ہے کہ اس کی گرفتاری
حکم دے دے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تیمور خلافِ امید اس سے بڑی خوش دلی اور محبت سے ملا۔ اس نے مظفر شمسی
اپنے قریب ہی قالین پر بٹھا لیا۔ اور سوچنے لگا کہ بات کس طرح شروع کرے۔

تیمور نے اس کی پریشانی بھانپ لی۔ اس نے بغیر کسی تمہید کے بڑی بے تکلفی سے گفتگو کا آغاز کیا۔ اس
زبان سے کہا،

"شاہ شجاع ہمارا بھائی تھا اور زین العابدین کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے ہیں لیکن جب بیٹا نافرمانی کرے تو اس کی
سزا دینا ضروری ہو جاتی ہے۔"

"شاہِ تاتار درست فرماتے ہیں۔" مظفر شمسی نے بڑے سلیقے سے کہنا شروع کیا،
"اگر اولاد کی غلطیوں پر گرفت نہ کی جائے تو بُرے راستے پر چل پڑتی ہے۔ ہم اہلِ شہر شاہِ تاتار کی خدمت
اسی لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معافی مانگیں۔"

"ہمیں تم سے کوئی شکایت نہیں۔" تیمور صاف دلی سے بولا،
"مگر ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے سفیروں کو کیوں روکا گیا اور ہمیں اب تک اطاعت کی اطلاع کیوں
نہیں دی گئی؟"

"اے شاہِ تاتار!" مظفر شمسی نے بات بنانے کی کوشش کی،
"سمرقند کے تمام سفیروں کو شاہی مہمان خانوں میں ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کی خاطر و مدارات میں بھی کسی قسم کی کمی
نہیں کی گئی۔ ان کی واپسی میں دراصل تاخیر اس لیے ہوئی کہ تمام شہزادے یہ چاہتے تھے کہ شاہِ تاتار کو ایک متفقہ
رتبہ سفارت بھیجی جائے جو دربارِ سمرقند میں تحائف پیش کرے اور ہر شہزادے کی نمائندگی کرتے ہوئے اظہارِ
اطاعت کرے۔ اس نمائندہ سفارت کی تشکیل کے لیے تمام شہزادوں کو اطلاع دی جا چکی ہے۔ اس تاخیر کے لیے ہم بیحد
عذر خواہ ہیں اور معافی کی امید رکھتے ہیں۔"

"دیکھو مظفر!" تیمور نے اسے گھور کر دیکھا،
"ہمیں تمہارا یہی نام بتایا گیا ہے۔ ہاں مظفر! ہمیں اصفہان سے کوئی پرخاش نہیں۔ گنبدوں کے اس خوبصورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہر کو ہم تباہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہم اہلِ شہر کو امان دیتے ہیں لیکن تمہاری غلطی کے ازالہ کے لیے ہمیں یہ سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس لیے خراج ادا کرنا پڑے گا۔ خراج لیے بغیر لشکر واپس نہیں جائے گا۔"

سید مظفر شمی نے اپنے ساتھیوں پر ایک حارثانہ نظر ڈالی۔ انہوں نے مظفر کو تیمور سے معاملہ طے کرنے کا اختیار پہلے ہی دے دیا تھا۔ اس موقع پر بھی انہوں نے اشاروں کنایوں سے اس کی تصدیق کر دی۔

"اے شاہِ تاتار! ہم مطلوبہ خراج ادا کر دیں گے۔ اہلِ شہر کو امان دی جائے۔" سید مظفر نے تیمور کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

امیر تیمور نے اپنے ایک امیر کو اشارہ سے قریب بلایا۔

"مظفر سے خراج کی رقم طے کی جائے اور اس کی وصولی کا انتظام کیا جائے۔"

مظفر اور تیمور کے امیر کے درمیان خراج کا فوری تعین ہو گیا۔ اس نے جو رقم کہی مظفر نے اسے تسلیم کر لیا۔ پھر سید شمی نے تیمور سے درخواست کی:

"اے شاہِ تاتار۔ خراج کی رقم وصول کرنے کے لیے تاتاری لشکر کے سردار میرے ساتھ شہر میں بھیجے جائیں۔ اس طرح خراج کی وصولی میں آسانی بھی ہو گی اور کام بھی جلد نمٹ جائے گا۔"

تیمور نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اس نے اپنے ستر لشکروں میں سے ایک ایک کے سردار کو منتخب کیا اور حکم دیا کہ وہ ایک ایک محلے سے خراج کی وصولی کی نگرانی کریں۔

منتخب سردار سید شمی کے ساتھ اصفہان میں داخل ہوئے۔ اصفہان کے گرد ایک مضبوط فصیل تھی جس پر چاروں طرف بڑے بڑے دروازے لگے تھے۔ تیمور کے سرداروں کو خراج کی رقم وصول کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ اس خانہ جنگی کے زمانے میں لوگوں کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ خراج کی یہ رقم اصفہانیوں کے لیے اس بھیک سے بھی کم تھی جو وہ دوشالوں میں بیٹھے ہوئے بھکاریوں کو دے دیا کرتے تھے۔ انہیں اگر احساس تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ بے دینوں کو بھیک دے رہے تھے۔ ایرانیوں کو تاتاریوں سے سخت نفرت تھی اور وہ تاتاریوں کو بے دین سمجھتے تھے۔

دوسرے دن تیمور اصفہان کی سیر کو روانہ ہوا۔

پانچ ہزار مسلح سواروں کے جلو میں تیمور کا جلوس شہر میں داخل ہوا۔ سیر کا تو محض بہانہ تھا۔ تیمور اصل میں شہر کے تمام دروازوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اہلِ شہر قابو میں رہیں اور کوئی گڑبڑ نہ کر سکیں۔ اس نے شہر کے ہر دروازے پر اپنے ہزار ہزار سواروں کا پہرہ لگا دیا اور گھوم پھر کر اپنی لشکر گاہ میں واپس آ گیا۔

خراج وصول کرنے والے سرداروں نے شہر سے واپس آ کر اس کی خوبصورتی کا کچھ اس طرح ذکر کیا کہ لشکر کا ہر سپاہی اصفہان دیکھنے اور وہاں کی رنگینیوں سے لطف اٹھانے کے لیے بے چین ہو گیا۔ جو سوار کسی ضرورت سے شہر بھیجے جاتے

وہاں پہنچ کر لہو و لعب میں مشغول ہو جاتے اور کام ختم کرنے کے بعد بھی وہاں دیر تک ٹھہرے رہتے۔ بعض لشکریوں نے شہر جانے کے بہانے تراشنا شروع کر دیے۔ غرض یہ کہ اس رات شہر میں کئی ہزار تاتاری بازاروں میں گھوم رہے تھے یا قہوہ خانوں میں اطمینان سے بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔

شاہِ اہلِ شہر میں بالکل امن و سکون تھا لیکن کچھ راتیں گزرتے ہی اصفہان پر جو بیتی اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دہلی میں نادر شاہ درانی کے حکم سے جو قتلِ عام ہوا تھا کچھ اسی قسم کا واقعہ اصفہان میں بھی پیش آیا۔

کہتے ہیں، اصفہان کے ایک قہوہ خانے کے سامنے علی کچھ پابیاں نامی ایک نوجوان نمودار ہوا۔ یہ ذات کا لوہار تھا۔ بڑا نڈر اور جوشیلا تھا۔ وہ ایک اونچی جگہ کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا:

"مسلمانو! اٹھو!! اور بے دین تاتاریوں کو ختم کر دو۔ تمہارا مذہب خطرے میں ہے۔ تمہارا دین تباہ ہو رہا ہے۔ تاتاریوں نے دروازوں پر پہرہ لگا دیا ہے۔ تیمور تمہیں چاروں طرف سے گھیر کر ختم کر دے گا۔ تلوار بلند کرو اور قبل اس کے کہ تم قتل ہو جاؤ، تم اپنے قتل کرنے والوں کا خاتمہ کر دو۔ تاتاریوں کی تعداد قلعہ کے اندر بہت کم ہے۔ تم ان پر آسانی کے ساتھ قابو پا سکتے ہو۔"

علی کچھ پابیاں کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ ایرانیوں کو تاتاریوں سے پہلے ہی نفرت تھی۔ علی کچھ کی تقریر نے رہی سہی آگ لگا دی اور محلے محلے شور مچ گیا۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا:

"اٹھو مسلمانو! تمہارا دین خطرے میں ہے۔"

مسلمان خواہ کوئی ہو، کسی ذات، برادری یا گروہ سے تعلق رکھتا ہو، چاہے اس نے دینی فرائض کی کبھی پروا نہ کی ہو لیکن "دین و مذہب" کے نام پر وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر انجام سے بے خبر ہو کر آگ و خون کی ہولی کھیلنے سے دریغ نہیں کرتا۔

وہ ایرانی جو ذرا دیر پہلے ساغر بکف گل غپاڑہ مچاتے پھر رہے تھے، لمحوں میں مجاہد بن گئے۔ چنگ و رباب کی آوازیں بند ہو گئیں اور شمشیر و سناں کی جھنکار بلند ہوئی۔ ایرانیوں نے بغیر سوچے سمجھے تاتاریوں پر حملہ کر دیا۔ تاتاریوں کے تصور میں بھی نہ تھا کہ عشرت پسند ایرانی ان پر حملہ کر سکتے ہیں۔ ان میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ ان کی ٹولیاں چاروں طرف شہر میں گھوم رہی تھیں۔ ایرانی گروہ در گروہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاریوں نے بھی تلوار لے کر جہاں تک مقابلہ کرتے۔ وہ ایک ایک کر کے قتل ہونا شروع ہو گئے۔

شہر کے سنجیدہ لوگوں کو جب علم ہوا تو وہ اصفہان کے ابنائے سے کانپ اٹھے۔ جلالِ تیموری کا انہیں علم تھا۔ وہ جانتے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ نادان اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں اور تاتاری لشکر کو اطلاع ہوتے ہی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ عقلمند لوگ گھروں سے نکلے اور بپھرے ہوئے نوجوانوں کو سمجھانا شروع کیا لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ کسی نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرے۔ ان سے مایوس ہو کر بعض اصفہانیوں نے تاتاریوں کو اپنے گھر میں پناہ دی اور جب ان کا گھر گھیر لیا گیا تو وہ بلوائیوں کے سامنے سینہ سپر ہوئے لیکن خونریزی ایک بار شروع ہو جائے تو پھر اس کا روکنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

تاتاریوں نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ اصفہانیوں کو اس کا پہلے سے خیال تھا۔ انہوں نے بلوائیوں کے روپ میں ملبوس ہوتے ہی ان تاتاریوں پر حملہ کر دیا جنہیں تیمور نے شہر کے دروازوں پر متعین کیا تھا۔ وہاں تمام رات دست بدست لڑائی ہوتی رہی۔ شہر کے اندر والے تقریباً تمام تاتاری تہ تیغ کر دیے گئے۔

اصفہانیوں نے دروازوں کے تاتاریوں کو بھی قتل کر کے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ اس طرح اس رات تقریباً تین ہزار بے گناہ تاتاری محض ایک بے وقوف لوہار کی آواز پر قتل کر دیے گئے۔ صرف وہ چند تاتاری بچے جنہیں شہر کے شرفاء نے اپنے گھروں میں پناہ دی تھی۔

تیمور کی لشکر گاہ اصفہان کے مضافات میں تھی۔ اس بلوہ کی خبر رات میں تیمور تک نہ پہنچ سکی۔ کچھ تاتاری بچ کر لشکر گاہ میں پہنچ گئے تھے لیکن یہ وہ لشکری تھے جو بغرض اجازت اصفہان کی سیر کو گئے تھے۔ انہیں ڈر تھا اگر انہوں نے تیمور کو اصل حالات سے آگاہ کیا تو پہلے ان سے ہی باز پرس ہو گی۔ اس لیے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ یہ بات چھپنے والی کب تھی۔ صبح ہوتے ہی تیمور کو اس کی خبر مل گئی۔

تیمور کو جس قدر جلال آیا ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک طرف تین ہزار تاتاریوں کا قتل عام ہی تھا جو اسے مشتعل کرنے کے لیے کافی تھا کہ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا ایک جواں عزم امیر اور "بہادر" محمد بھی مارا گیا ہے۔ محمد مشہور تاتاری سردار حظائی بہادر کا بیٹا تھا۔

تیمور کو اس قدر طیش آیا کہ اس نے اصفہان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور سوائے عورتوں، بچوں اور ان کے تمام لوگوں کے قتل عام کی اجازت دے دی۔

سید مظفر شمسی چند امراء کے ساتھ اس رات تیمور کی خیمہ گاہ پر موجود تھا۔ اسے اصفہانیوں کی حماقت کا علم ہوا۔ اس نے سر پیٹ لیا۔ اور اصفہان کی بھیانک تباہی کا نقشہ اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ وہ اپنے امیر دوست کے پاس پہنچا۔ یہ سب لوگ سر کھولے اور گریباں چاک کیے اس کے سامنے گئے تھے۔ یہ فریادی کی صورت میں تھے۔ مظفر اور اس کے ساتھی تیمور کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

تیمور کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ زخمی شیر کی طرح ٹہل رہا تھا۔ وہ لنگڑا کر چلتا تھا لیکن اس وقت وہ اتنی تیزی سے خیمے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو اس کا لنگڑانا نظر نہ آتا تھا۔

تیمور نے مظفر شمسی کو دیکھ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ مظفر شمسی نے بولنے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے حلق سے نہ نکل سکی۔ کچھ دیر بعد تیمور نے پلٹ کر شمسی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔ پھر غرایا:

"مظفر ہم جانتے ہیں کہ اس میں تمہارا قصور نہیں لیکن ہمارے تین ہزار تاتاری"۔ تیمور نے غصے سے مٹھیاں بند کر لیں اور ہونٹ بھینچ لیے۔

"رحم اے شاہِ تاتار۔ بے گناہ شہریوں پر رحم کیجیے"۔ مظفر شمسی نے پوری طاقت جمع کر کے کہا۔

"رحم۔ بے گناہ!"

تیمور نے زہر خند کیا:

"تمہارے آدمیوں نے تاتاریوں کو قتل کرتے ہوئے ذرا بھی رحم نہ کیا۔ وہ بھی تو بے گناہ تھے۔ ان کا کیا ہوا تھا۔ ایک باغی کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ جب تک بلوائیوں کا خون اصفہان کے دروازوں سے باہر نکل کر بہتا۔ قتلِ عام جاری رہے گا"۔

"رحم شاہِ تاتار"۔ مظفر شمسی نے پھر ہمت کی:

"بلوائیوں اور باغیوں کو ضرور قتل کیا جائے۔ یہی ان کی سزا ہے لیکن شہریوں پر رحم کیا جائے۔ پُرامن شہریوں کو امان کیا جائے"۔

"نہیں مظفر" تیمور بگڑ کر بولا:

"ہمارے تاتاری بھی پُرامن تھے۔ جاؤ ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ"۔

سید مظفر شمسی اپنے آدمیوں کے ساتھ بے نیل و مرام واپس آ گیا۔

تیموری لشکر نے اصفہان کے دروازوں پر حملہ کر دیا۔ احمقوں نے تھوڑی دیر تو آگ کا کھیل کھیلا، شہر میں تاتاریوں کو قتل کر دیا۔ فصیل کے دروازے بھی بند کر لیے لیکن تیموری طوفان کو کون روک سکتا تھا۔ تیموری لشکر نے مغلوں کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ بحرِ خزر اور کوہ قاف کی وحشی قوموں کا غرور توڑ کے رکھ دیا تھا۔ اس سیلاب کو اصفہان کی معمولی فصیلیں کس طرح روک سکتی تھیں۔ ستر ہزار کے لشکر نے چاروں طرف سے یلغار کی تو اصفہان کی فصیل خاشاک کی طرح اڑ گئی۔ فصیل ٹوٹ گئی۔ دروازے اکھاڑ پھینکے گئے اور خونخوار تاتاریوں کا ریلا ہر طرف سے شہر میں ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُدھر تو شہر کی فصیلیں ٹوٹ رہی تھیں اور ادھر مظفر شمسی ایک بار پھر تیمور کے سامنے کھڑا گڑگڑا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ شہر کے جتنے آدمی بھی بچ سکیں وہ غنیمت ہے۔ آخر تیمور پر سید شمسی کی مسلسل التجا اور درخواست کا اثر ہوا۔ اس نے قتلِ عام کے حکم میں ذرا لچک پیدا کی اور نیا فرمان جاری کیا۔ اس فرمان کی رو سے شہر کے شرفاء معززین اور ان محلوں کے لوگوں کو امان دی گئی جہاں کوئی تاتاری قتل نہ ہوا تھا لیکن ساتھ ہی ایک سفاکانہ اضافہ بھی کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ہر تاتاری سپاہی ایک اصفہانی کا سر کاٹ کر حاضر کرے۔

تاتاری لشکر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ قتلِ عام شروع ہو گیا۔ انہیں اپنے تین ہزار تاتاروں کا انتقام لینا تھا۔ پھر تازہ حکم یہ تھا کہ ہر تاتاری ایک اصفہانی کا سر پیش کرے۔ اس لیے تیموری لشکر کو لوٹ مار سے زیادہ سر کاٹنے کی فکر پڑ گئی۔

اصفہان میں قصور وار تو ہزار دو ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ وہ مقابلے پر نکلے تھے اور پہلے ہی ہلّے میں ختم ہو گئے تھے۔ تیموری سرداروں نے حسبِ الحکم شرفاء اور امن پسند لوگوں کو بچانے کی کوشش ضرور کی ہوگی اور ان میں بہتوں کو بچا بھی لیا گیا ہوگا لیکن لشکر کو سروں کی تعداد پوری کرنی تھی چنانچہ تمام مصیبت نوتے اور بے گناہ شہر پر ٹوٹ آگئی۔ وہ روتے گڑگڑاتے، خوشامد کرتے لیکن کوئی سننے والا نہ تھا۔ نہ داد نہ فریاد۔ تاتاری قتلِ عام کرتے کرتے تھک گئے۔ ممکن ہے کہ بعض کے دلوں میں انسانیت اور رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا ہو۔ اس لیے سروں کی خرید و فروخت شروع ہو گئی جس کو سر حاصل نہ ہو سکا انہوں نے دوسروں سے سر خریدنا شروع کر دیے۔ یہ نہیں کہ شہر کی آبادی کم تھی اس وجہ سے قتل کرنے کے لیے آدمی دستیاب نہ ہوتے تھے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ لوگ جان بچانے کے لیے شہر سے بھاگ نکلے اور جنگلوں، پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے تھے۔

ایک متعصب انگریز مؤرخ کا بیان ہے کہ شروع میں ایک سر کی قیمت بیس ہزار دینار تھی جو گھٹتے گھٹتے ایک دینار تک پہنچ گئی۔

اس بیان میں سراسر مبالغہ ہے۔ دینار سونے کا سکّہ تھا اور تیمور کے لشکری اس قدر امیر کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ وہ ایک سر کی قیمت بیس ہزار دینار ادا کر سکیں۔

تیمور نے اگرچہ قتلِ عام کا حکم جذبۂ انتقام کے تحت دیا تھا لیکن یہ انتقام نہایت سنگین، ظالمانہ اور سفاکانہ تھا۔ دو سے دن جب سروں کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد ستر ہزار سے تجاوز کر گئی۔ تیمور کے لشکر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ تین ہزار کا انتقام ستر ہزار کو قتل کر کے پورا کرنا کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔ شاید تیمور کو اسی وجہ سے لرزندۂ جہاں اور سفاک کہا جاتا ہے۔

تیمور مسلمان تھا اور ایک مسلمان کو اس قدر سنگین بدلہ لینے کی مذہباً اجازت نہیں۔ حالانکہ اس دور میں

دوسرے مذاہب کے فاتح اس سے کہیں زیادہ سفاکی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ بلیک پرنس نے ملوگ کی تاراجی کے وقت لوگوں کو جس بے دردی سے قتل کیا، اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ڈنانٹ کے مقام پر برگنڈی چارلز انسانوں کا یوں شکار کرتا دکھائی دیتا ہے جیسے بھیڑیا، بکریوں کا شکار کرتا ہے۔ ہمارے انگریز آقاؤں نے تمام فرانسیسی قیدیوں کو محض اس وجہ سے قتل کرا دیا تھا کہ وہ آخری معرکے سے پہلے ان سے فارغ ہونا چاہتے تھے۔ اسی طرح صلیبی جنگ کے انگریز، جرمن اور فرانسیسی سورماؤں نے سربیائی اور ترک امیرانِ جنگ کا تکوبوس کی جنگ سے پہلے قتلِ عام کرایا تھا۔

تیمور سے پہلے بھی سروں کے مینار بنائے جاتے تھے۔ تیمور نے بھی ان بے گناہ مقتولین کے سروں کو پہلے مکانوں کی دیواروں پر نمائش کے لیے سجوایا۔ پھر شاہراہوں پر ان کے مینار بنوائے اور اس طرح اپنے غصے اور جوشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا۔

بلاشبہ تیمور دنیا کا عظیم ترین فاتح تھا لیکن اس کے دامن پر سفاکی کے جو سیاہ داغ ہیں ان داغوں میں اصفہان کا قتلِ عام بہت واضح نظر آتا ہے۔

اصفہان کے قتلِ عام کی خبر ایران میں پھیلی تو آلِ مظفر کانپ اٹھے۔ زین العابدین شاہِ ایران دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلا اور اپنے چچا زاد بھائی منصور بن مظفر کے پاس پناہ حاصل کرنے کے لیے شوستر پہنچا۔ منصور نے اسے پناہ دینے کے بجائے گرفتار کر لیا۔ اس نے زین العابدین پر الزام لگایا کہ اس نے تیموری لشکر کے خلاف ریشہ دوانیاں کی ہیں۔

زین العابدین کے دوسرے تمام بھائیوں نے فوراً اطاعت کا اعلان کر دیا۔ تیمور کو بتایا گیا کہ مظفری شہزادوں نے لوگوں پر بھاری محصول عاید کیے ہیں۔ اس نے رعایا کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے محصول گھٹا دیے۔ اس طرح عوام میں تیمور کے لیے پہلے جیسی نفرت باقی نہ رہی اور وہ اسے اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔

تیمور نے اصفہان سے شیراز کا رخ کیا۔

شیراز میں اس نے ایک بڑا دربار لگایا۔ تمام مظفری شہزادے اس دربار میں حاضر ہوئے اور تیمور کی اطاعت اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔ تیمور نے ان کی ریاستوں کو ختم کر دیا اور ہر ریاست کو سلطنتِ تاتار کا صوبہ بنا دیا۔ مظفری شہزادہ جس علاقے پر قابض تھا اسے وہاں کا صوبے دار مقرر کیا گیا جو کہ حاکمِ اعلیٰ امیر تیمور تھا۔ اس سلسلے میں تیمور نے ہر شہزادے کو صوبیداری کا سرکاری پروانہ عطا کیا۔ اس پروانے پر تیمور کی مہر ثبت کی گئی۔ تیمور کی ذاتی مہر سرخ رنگ سے لگائی جاتی تھی۔ مہر میں فارسی کے دو لفظ "راستی رستی" کندہ تھے جن کے معنی صداقت اُن کے ہیں۔ ان الفاظ سے تیمور کے مزاج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسے اپنی طاقت پر اعتماد تھا اور طاقت ہی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب سے بڑی صداقت سمجھتا تھا۔

شیراز بڑا تاریخی شہر ہے۔ علم و ادب کے لحاظ سے بھی اسے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ سعدی اور حافظ نے اس سرزمین میں علم و دانش کے چراغ جلائے تھے۔

جس وقت تیمور شیراز پہنچا، حافظ شیرازی شہر میں موجود تھے۔ ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور ان کے اشعار زبان زدِ عام تھے۔ تیمور کو شعر و شاعری سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی لیکن اس نے حافظ کا کلام اکثر لوگوں سے سنا تھا اور ان کے بہت سے اشعار تیمور کو زبانی یاد تھے۔

شیراز میں قیام کے دوران کسی نے تیمور کو بتایا کہ فارسی زبان کا عظیم شاعر شیراز میں موجود ہے۔ تیمور حافظ کے نام پر چونک اٹھا اور فوراً حافظ کو دربار میں طلب کر لیا۔ حکم حاکم کے مطابق حافظ کو تیمور کے دربار میں جانا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ حافظ بہت خوش پوش تھے اور اچھے سے اچھا لباس پہنتے تھے لیکن جب وہ دربارِ تیمور میں پہنچے تو ان کے جسم پر معمولی کپڑے تھے اور بظاہر وہ ایک غریب آدمی نظر آتے تھے۔

تیمور کو حافظ کی شاعری کس حد تک پسند تھی اس کا تو علم نہیں لیکن اسے حافظ کے ایک شعر پر سخت اعتراض تھا۔ پس جب حافظ سلام کے بعد تیمور کے سامنے مؤدب ہو کر کھڑے ہوئے تو تیمور نے تیوریوں پر بل ڈال کر پوچھا:

کیا یہ شعر تمہارا ہے؟

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ترجمہ: اگر میرا محبوب میری دلداری پر آمادہ ہو جائے تو میں اس کے رخسار پر چمکنے والے سیاہ تل پر سمرقند و بخارا کو نچھاور کر دوں۔

حافظ شیرازی کو تیمور لرزندۂ جہاں کی زبان سے اپنا شعر سن کر سخت حیرانی ہوئی۔ انہوں نے بڑی حیرت سے تیمور کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر ادب سے بولے:

"جی ہاں شہنشاہ! یہ شعر میرا ہی ہے۔"

تیمور بڑی تلخی سے بولا:

"سمرقند کو ہم نے سیکڑوں قیمتی جانیں گنوا کر بزورِ شمشیر حاصل کیا ہے اور اب دوسرے شہروں سے نوادرات لے جا کر اس کی خوبصورتی میں روز بروز چاند لگا رہے ہیں لیکن تم کہاں کے ایسے رئیس ہو کہ اس عظیم شہر کو شیراز کی کسی دو کوڑی کی چھوکری کو بخشے دے رہے ہو؟"

حافظ نے تیمور کے چہرے پر نظر ڈالی تو انہیں خفگی کے آثار نظر آئے۔ وہ بہت گھبرائے اور سمجھ گئے کہ اب ان کی جان بچنا مشکل ہے پھر بھی انہوں نے ہمت سے کام لیا اور ذرا توقف سے بولے:

"اے امیرِ تاتار اور شاہِ شاہاں! میری ان شاہ خرچیوں اور غلط بخشیوں ہی کا تو نتیجہ ہے کہ آج امیر کے دربار میں آنے کے لیے میرے پاس ڈھنگ کا کوئی لباس بھی باقی نہیں رہا اور ایک مفلس اور فقیر کی طرح حاضرِ دربار ہوا ہوں۔"

حافظ شیرازی کی ذہانت نے ان کی جان بچالی۔ ان کے اس برجستہ اور برمحل جواب سے تیمور بہت خوش ہوا اور غصہ کافور ہو گیا اور اس نے حافظ کو دربار سے انعام و اکرام دے کر بڑی عزت سے رخصت کیا حالانکہ تمام درباری حافظ شیرازی کی سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔

تیمور کی شکل و صورت اور کردار بڑا متاثر کن ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ تیمور دراز قامت تھا۔ اس کی پیشانی بلند اور چوڑا تھا۔ وہ جتنا بہادر تھا، طاقت کے لحاظ سے بھی اتنا ہی زور آور تھا۔ اس کی رنگت سنکھری اور جلد گوری تھی شانے اور اعضا مضبوط اور انگلیاں قوی تھیں۔ داڑھی لمبی تھی اور ہتھیلیاں خشک رہتی تھیں۔ آواز میں گونج اور گرج تھی۔ پچاس سال کی عمر کے بعد بھی وہ جوان نظر آتا تھا۔ جھوٹ سے اسے سخت نفرت تھی۔ سچائی اسے پسند تھی اور سچی بات اگر بری بھی ہوتو اسے برداشت کرتا تھا۔ مصیبت میں نہ گھبراتا تھا اور خوشی کے موقعے پر جامے سے باہر نہ ہوتا تھا۔ درباری اس کا رنگ گندمی بتاتے ہیں حالانکہ ابنِ عربشاہ نے اس کا رنگ گورا بتایا ہے۔ ابنِ عربشاہ اس کا سخت مخالف تھا اور تیمور اسے دمشق سے قید کر کے سمرقند لے گیا تھا۔

تیمور کی سفاکی اور تشدد کے واقعات کے پہلو بہ پہلو اس کی رحمدلی اور مروت کے بھی چرچے ہوتے تھے۔ وہ ہر حملے سے پہلے لشکر کو تاکید کرتا تھا کہ خواتین کا احترام کیا جائے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ انعام و اکرام میں بھی اس کا ہاتھ بہت کھلا ہوا تھا۔ حافظ شیرازی کے ساتھ اس کا سلوک اس کا کھلا ثبوت ہے۔ انہیں عزت و اکرام سے بلایا حالانکہ درباریوں کا خیال تھا کہ بلبلِ شیراز کی زندگی چند لمحوں سے زیادہ نہیں۔

○

تیمور ایرانی شہزادوں کے جھگڑے نمٹا کر سمرقند واپس آ گیا لیکن تین سال بعد اسے پھر ایران پر فوج کشی کرنا پڑی۔ ایرانی شہزادوں کو وہ صوبائی گورنر بنا کر چھوڑ آیا تھا انہوں نے پھر لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ اس حملے کی سب سے نمایاں خصوصیت مظفر حاکم شوستر کا وہ سلوک تھا جو اس نے اپنے چچازاد بھائی زین العابدین کے ساتھ کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زین العابدین، تیمور کے خوف سے بھاگ کر منصور بن مظفر کے پاس چلا گیا تھا۔ تیمور نے شوستر کا رخ کیا تو منصور قلعہ بند ہو کر پہاڑوں میں چھپ گیا۔ تیمور اسے اس کے حال پر چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ لیکن تیمور کے واپس آتے ہی منصور بن مظفر نے پھر علم بغاوت بلند کیا اور ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے شاہِ ایران ہونے کا اعلان کر دیا۔ منصور بڑا بہادر اور درندہ صفت انسان تھا۔ اس نے شاہ زین العابدین کی آنکھوں میں سلائی پھیر دا کر اسے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا۔ وہ کبھی تخت و تاج کی خواہش نہ کر سکے۔ ہر چند کہ تیمور بھی سفاک مشہور تھا لیکن اسے اپنے دوست شاہ شجاع شاہِ ایران کے خط کا اب بھی پاس تھا۔ شاہ شجاع نے اپنے بیٹے زین العابدین کو تیمور کی حفاظت میں دیتے وقت اپنے اس اعلان کیا تھا۔ زین العابدین پر وہ یہ ظلم برداشت نہ کر سکا اور فوراً لشکر لے کر ایران کی طرف چل پڑا۔

ایران کے راستے میں تیمور کے لشکر کو حشیشین کے خونخوار فدائین کا سامنا کرنا پڑا۔ اس فرقے کی تاریخ عباسی سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بارے میں بہت ہی عجیب و غریب قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ اس فرقے کی بنیاد حسن بن صباح نامی ایک شخص نے رکھی تھی۔ ایران کے شمالی علاقے میں ان کے قبضے میں اٹھارہ مضبوط قلعے تھے۔ مشرق سے مغرب تک ایک پہاڑی سلسلے سے منسلک تھے۔ ان کا صدر مقام قلعہ الموت تھا اور ان کا امام پیشوا بغیر اس قلعہ میں رہتا اور شیخ الجبل کے نام سے مشہور تھا۔

قلعہ کے اندر جنت کے نقشے کے مطابق نقلی محل تعمیر کرائے گئے تھے۔ دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں اور حور و غلمان ساغر سنبھالے مہمان نوازی کرتے تھے۔ لوگوں کو حشیش (بھنگ) پلا کر اس جنت میں لایا جاتا تھا اور پھر ان سے مسلمانوں کے بڑے بڑے بادشاہوں اور علما کو قتل کرایا جاتا تھا۔ ان کی حیثیت کا یہ عالم تھا کہ قرب و جوار کے تمام امیر اور بعض بادشاہ اسے خراج ادا کرتے تھے۔

تیمور سے ڈیڑھ سو سال پہلے مغل سردار ہلاکو خان نے اس قلعہ پر چڑھائی کر کے اسے نیست و نابود کر دیا تھا اور شیخ الجبل خورشاہ قتل کر دیا گیا تھا لیکن حشیشین نے پھر کچھ طاقت پکڑ لی تھی اور اب وہ قتل و غارت گری اور راہزنی کرتے تھے۔ انہیں تیمور کی طاقت کا اندازہ نہ تھا اس لیے حسبِ عادت انہوں نے تیمور کے چار جاسوس سواروں کو قتل کر دیا۔ اور جب تیمور کا ہراول دستہ ان کی تلاش میں پہاڑوں میں داخل ہوا تو حشیشین نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔

تیمور جیسا اس قسم کی شورش کسی طرح برداشت کر سکتا تھا۔ اس کی فوجی حکمتِ عملی یہ تھی کہ آگے بڑھنے سے پہلے وہ اپنی پشت کو مضبوط کر لیتا۔ اس نے فوراً ان راہزنوں کے مکمل خاتمے کا حکم دیا۔ تیمور کے لشکر نے پہلے گھیر لیا اور پھر حملے کا آغاز کیا۔

حشیشین بھی مقابلے پر آئے مگر شکست کھا کر پسپا ہوئے۔ انہیں یہ علم ہی نہ تھا کہ انہیں چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہے۔ وہ جدھر بھی بھاگ کر جاتے تیموری سوا انہیں نظر آتے۔

تیمور کے ساتھ اس کے دس دس ہزار کے صرف تین لشکر تھے۔ تیمور کا بیٹا شاہ رخ اور دونوں پوتے پیر محمد اور سلطان محمد اس کے ساتھ تھے۔ یہ تینوں ہم عمر شہزادے اب جوان ہو چکے تھے۔ تیمور نے لشکر کی کمان انہیں کے سپرد کی تھی۔ شہزادوں کا یہ پہلا امتحان تھا اور ہر شہزادہ دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کوشش میں شہزادوں نے ناقابلِ یقین دلیری اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور حشیشین کو چن چن کر تہ تیغ کیا۔

تیمور الگ کھڑا اس جنگ کا معائنہ کر رہا تھا۔ شہزادوں کی بہادری سے وہ بہت خوش ہوا۔ خاص کر پیر محمد جو سب سے بڑا شہزادہ تھا اور سب سے بڑا کارنامہ اسی نے انجام دیا تھا، اس نے کچھ ایسی بے جگری کا ثبوت دیا کہ تیمور بے ساختہ واہ واہ کہہ اٹھا۔ اسے پیر محمد کے پیکر میں اپنا ولی عہد نظر آیا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر یہ شہزادے اسی طرح بہادری کے جوہر دکھاتے رہے، اور ان میں یونہی اتفاق و اتحاد رہا تو اس کی سلطنت پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔

اس جنگ میں تیمور نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی مناسب وقت پر پیر محمد کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان کر دے گا۔

حشیشین کا مکمل خاتمہ کرنے کے بعد جب تیموری لشکر ایرانی سرحد کے قریب پہنچا تو وہاں ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ تیموری لشکر میں آق بوغا نامی ایک سوار تھا۔ اس کے ماتحت صرف دس سپاہی تھے۔ آق بوغا بڑا قوی ہیکل اور پہلوان تھا اور جسامت کے لحاظ سے بڑی کثرت سے شراب پیتا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ مینڈھے کے سینگ میں دو دھاڑ شراب بھر کر ایک ہی سانس میں چڑھا جاتا اور اس بری عادت کے باوجود تیمور اس کی بہادری کی قدر کرتا تھا۔ تیمور کے لشکر میں ہر نسل و قوم اور مختلف عادات و اطوار کے لوگ تھے۔ زاہد و پرہیزگار بھی اور شرابی اور کبابی بھی۔ شراب پینے کی اجازت نہ تھی۔ لوگ خیموں کے اندر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اگر کوئی شراب پی کر غل غپاڑہ مچاتا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

تیمور نے پڑاؤ ڈالا تو آق بوغا کو شراب کی خواہش ہوئی۔ وہ شراب کی تلاش میں اٹھا اور گھوڑا اٹھا کا دور نکل گیا۔ اسے بستی نظر آئی۔ بستی میں پہنچا تو وہاں ایک شراب خانہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

شراب خانے کا مالک اس دیو کو دیکھ کر پہلے تو گھبرایا لیکن جب آق بوغا نے شراب طلب کی تو وہ مطمئن ہو گیا۔ اس نے آق بوغا کے نقش و نگار سے اندازہ لگا لیا کہ وہ تاتاری سوار ہے۔ آق بوغا کو بھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہ علاقہ ایران کے اندر ہے یا اس کی سرحد کے بالکل قریب ہے اس لیے اس نے گھوڑے پر زین کسی رکھی اور کمر بھالا کر کے جام پر جام چڑھانے شروع کر دیے۔

آق بوغا کو یہاں آئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بستی کا نمبردار گھبرایا ہوا شراب خانے میں داخل ہوا۔ شراب خانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا مالک اسے پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے نمبردار سے گھبراہٹ کا سبب پوچھا تو نمبردار نے بھولی ہوئی ساری داستان کے درمیان بتانا شروع کیا:

"بستی کے باہر تالاب کے کنارے پچاس کے قریب ایرانی سوار گھوڑوں سے اتر رہے ہیں۔ وہ بستی کو لوٹیں گے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟" مالک کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسے اپنے شراب خانے کے لئے فکر پڑ گئی۔

"تم فوراً شراب خانہ بند کر دو اور کہیں جا کر چھپ جاؤ۔" نمبردار نے اسے اپنے خیال میں بڑا نیک مشورہ دیا۔

نمبردار اور شراب خانے کے مالک کے درمیان یہ گفت گو آق بوغا کے قریب ہی ہو رہی تھی۔ اس کے کانوں میں کچھ باتیں پڑی تھیں۔ شراب خانہ بند کرنے کی بات پر وہ چونک پڑا اور تلخ لہجے میں پوچھا:

"کیا قیامت آ گئی ہے۔ شراب خانہ بند نہیں ہو گا۔"

ان دونوں نے حیران نظروں سے آق بوغا کو دیکھا۔ نمبردار اس کے ذرا اور قریب آ گیا اور بڑی رازداری کے ساتھ بولا:

"تاتاری جوان! آپ نے سنا نہیں کہ پچاس ایرانی سوار تالاب پر اپنے گھوڑوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ دم میں وہ بستی پر حملہ کر دیں گے۔ آپ اجنبی ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ بھی چپکے سے کسی طرف نکل جائیے۔"

"واہ واہ۔ تم لوگ بھی عجیب آدمی ہو۔" آق بوغا ہنستے ہوئے بولا:

"تم گاؤں کے مسلح آدمیوں کو لے کر آؤ۔ ہم سب مل کر ان سے لڑیں گے۔"

نمبردار کو اور زیادہ حیرت ہوئی۔ شراب خانے کے مالک نے کہا:

"تاتاری جوان! تم ہمارے مہمان ہو۔ نمبردار نے بالکل صحیح مشورہ دیا ہے۔ گاؤں میں دس پانچ ہے مسلح سوار نہیں ہیں۔ پچاس سواروں سے لڑنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔ تم چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ۔"

"نہیں۔ تم اپنے آدمی لاؤ۔ ہم لڑیں گے۔" آق بوغا نے اس قدر گرجدار اور دہشت ناک آواز میں کہا کہ نمبردار اور شراب خانے کا مالک گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ایرانیوں سے تو وہ پہلے ہی خوفزدہ تھے اب یہ دیو بھی ان کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اگر اس دیو کا کہنا نہ مانا گیا تو کہیں کوئی اور فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ خاموشی سے شراب خانے سے نکلے اور دم کے دم میں دس مسلح سواروں کو ساتھ لے کر واپس آق بوغا کے آ گئے۔

"تم نے اچھا کیا۔" آق بوغا آخری جام حلق میں انڈیلتے ہوئے بولا:

"تم لوگ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ جس وقت میں نعرہ لگاؤں، تم لوگ فوراً گھوڑے دوڑا کر ایرانیوں پر حملہ کر دینا۔"

گاؤں کے سواروں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آق بوغا نے کمر کا پٹکا کسا۔ داڑھی کو چمڑے کی پٹی سے باندھا۔ ڈھال بازو پر چڑھائی اور سر پر خود رکھتے ہوئے نمبردار سے کہا:

"خبردار۔ اپنے گھوڑے مت روکنا۔ خواہ آندھی اور طوفان آ جائے۔ ایک بار گھوڑا بڑھ جائے تو اسے روکنا بزدلی ہے۔"

آق بوغا سواروں کو ساتھ لے کر تالاب کی طرف چلا۔ ایرانی اپنے گھوڑوں کو پانی پلا کر کسی بات پر بحث کر رہے تھے یا وہ کچھ دیر تالاب کے کنارے آرام کرنے کی فکر میں تھے۔

آق بوغا نے ذرا اور قریب پہنچ کر گھوڑا روکا۔ سواروں کو اشاروں سے سمجھایا۔ پھر تاتاریوں کا مخصوص نعرہ بلند کر کے ایڑ لگائی۔ گاؤں والے تو پچاس سواروں کو دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے آق بوغا کو بڑھتے دیکھا تو اپنے گھوڑوں کا رخ گاؤں کی طرف کر کے بھاگنا شروع کر دیا۔

ایرانیوں نے صرف ایک تاتاری کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ سمجھے کہ اس کے پیچھے اس کا دستہ ہو گا۔ ایرانی، پہلی تاتاریوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔ وہ جلدی جلدی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ آق بوغا بھی ان کے تعاقب میں بھاگنے لگا۔ وہ بار بار نعرے لگاتا اور آواز دے کر کہتا:

"اے ایرانی مردارو! ذرا ٹھہر کر دو دو ہاتھ تو کرتے جاؤ۔"

ایرانیوں نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ ان کے گھوڑے زیادہ تیز رفتار تھے۔ ایک بھی آق بوغا کے ہاتھ نہ آ سکا۔ آق بوغا بڑے فاتحانہ انداز سے گاؤں واپس آیا۔ گاؤں والے اس کی بہادری پر عش عش کر رہے تھے مگر ایرانیوں کے بھاگ جانے کا افسوس تھا۔ اس نے بڑی ترشی سے کہا:

"ایرانی تو ایک ہی آواز پر گیدڑوں کی طرح دم دبا کر بھاگ گئے لیکن تم لوگ بھی خرگوش سے زیادہ بزدل ہو۔"

آق بوغا نے جب واپس جا کر تیمور کو یہ بات بتائی تو وہ خوب ہنسا۔ حالانکہ تیمور مسکراتا بھی کبھی کبھی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منصور بن مظفر بھی اپنی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس کے جاسوس دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور ہر پیش قدمی کی دم دم خبریں پہنچا رہے تھے۔ منصور نے اپنا آدھا لشکر اپنے نائب کی زیر کمان قلعہ سفید پر تھا۔ اس قلعہ کا پرانا نام دروازۂ پارس یادگار شوش تھا اور یہ ہزاروں سال سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا اور ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کی دیواریں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں۔ جن میں دراڑیں ڈالنا تقریباً ناممکن تھا۔

پہاڑ پر ایک وسیع و عریض میدان تھا جہاں پھل دار درختوں کے علاوہ کاشت بھی ہوتی تھی اس لیے قلعہ کو غذا کی کوئی قلت نہ ہوتی تھی۔ سکندر اعظم بھی اس قلعہ کے سامنے بے بس ہو گیا تھا اور اگر ایک چرواہا اس کی مدد نہ کرتا تو وہ قلعے پر قابض نہ ہو سکتا تھا لیکن تیمور تو سکندر اعظم سے بھی بڑا فاتح تھا۔ اس نے قلعہ کے راستے کے چرواہے کی مدد کا بھی انتظار نہ کیا اور فوراً حملے کا حکم دے دیا۔

پہاڑ پر نہ تو گھوڑے چڑھائے جا سکتے تھے اور نہ قلعہ شکن آلات پہنچائے جا سکتے تھے۔ تیسرے گاہ پہاڑ کی تراٹی میں ایک چٹان پر قائم کی اور اس کے سوار گھوڑوں سے اتر کر چیونٹیوں کی طرح پہاڑ یاں سے عمودی چٹانیں شروع ہوتی تھیں جن پر جگہ جگہ برج بنے تھے جن میں ایرانی فوج بیٹھی تھی۔

تاتاریوں نے پہلے موڑ کے برجوں پر حملہ شروع کر دیا۔ اوپر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور بہادر سپاہی سروں پر خود چڑھائے آتے ہوئے تیروں کی سمت عمودی چٹانوں پر چڑھ رہے تھے۔

تیمور دور کھڑا اپنے سپاہیوں کی جرأت دیکھ رہا تھا اور جوش دلانے کے لیے نقارے بجوا رہا تھا۔ سپاہی چٹانوں سے چمٹے ہوئے بڑی احتیاط سے بڑھ رہے تھے لیکن اکثر کے ہاتھ چٹان سے چھوٹ جاتے تھے تراٹی میں گر کر ختم ہو جاتے تھے۔ اوپر سے تیر باری کے علاوہ بڑے بڑے پتھر بھی لڑھکائے جا رہے تھے سپاہیوں پر ٹوٹتے اور تاتاریوں کا خاتمہ کر دیتے۔

قلعہ سفید پر شام تک حملہ جاری رہا لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ نہ کوئی برج سر ہوا اور نہ اوپر جانے کا متبادل راستہ ہی دریافت ہو سکا۔

شام کو جب زخمیوں اور مرنے والوں کی لاشوں کو نیچے وادی میں پہنچایا گیا تو یہ تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ تیمور کے چہرے پر اداسی دوڑ گئی۔ کئی بڑے سردار اور بہادر بھی اس ناکام حملے میں جاں بحق ہو گئے۔ ممکن ہے کہ تیمور اضردہ ہوا ہو مگر اس نے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

رات ہونے پر جو سپاہی جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ کچھ نے چٹانوں کے نیچے رات گزاری اور بعض نے درختوں کے تنوں سے چمٹے چمٹے سویرا کر دیا۔

صبح کو پھر حملہ شروع ہوا۔ وہی نقاروں کی گھن گرج اور وہی نعروں کا شور۔ تاتاری سپاہی مر مر کر گر رہے تھے برجوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ اوپر سے لڑھکائے جانے والے پتھروں میں دب دب کر ختم ہو رہے تھے لیکن قدم آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ عمودی چٹانیں ان کے بڑھتے قدم روکنے سے قاصر تھیں۔ دیوہیکل نے اس جنگ میں بھی دلاوری کا مظاہرہ کیا۔ اسے ایک عمودی چٹان میں شگاف نظر آیا۔ شاید کسی اور نے اس میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس نہ کی یا پھر اسے موت کا دہانہ سمجھ کر اس سے ترا کر نکل گئے۔

آق بوغا اس شگاف میں داخل ہو گیا اور پھر اس میں اس طرح غائب ہوا جیسے اسے شگاف نے نگل لیا ہو۔ اس نے واقعی بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن وہ عمودی شگاف اس کی کامیابی اور تیموری فتح کا زینہ بن گیا۔ وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بہت جلد چوٹی پر پہنچ گیا۔

اوپر پہنچ کر آق بوغا نے ڈھال کو آڑ بنا کر ایرانیوں پر تیر برسانا شروع کر دیے۔ گروہ خود تیروں سے بچا رہا۔ بہت سے ایرانی زخمی ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

اسی دوران کچھ لوگ برج کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس وقت انہوں نے دور اوپر سے آتی ایک آواز سنی۔ انہوں نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ آق بوغا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا زور زور سے اعلان کر رہا تھا:

"شاہ تاتار فتح مند ہوا۔ ایرانیوں کو شکست ہو گئی۔"

اس کے اس اعلان کو سن کر سپاہیوں میں اور جوش پیدا ہو گیا۔ ایرانیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔

رائے خانم کے بیٹے شاہ رخ مرزا نے فوراً اپنے دستوں کو پیغام کا حکم دیا اور برجوں سے آگے نکل گیا۔ ان بیٹھے ایرانی دستے بیکار ہو کر رہ گئے۔ کچھ سپاہی آق بوغا کی مدد کو پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ شاہ رخ برجوں پر علم لہراتا ہوا چوٹی پر پہنچا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ آق بوغا تلوار سونتے ایرانیوں کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ ایرانی سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہے تھے۔

نیچے وادی میں قتلگاہ پر چوٹ پڑ رہی تھی اور تیمور خیمے کے باہر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

تیمور میدان جنگ میں بھاگنے والوں کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتا۔ عام طور پر ایسے لوگوں کا منہ کالا کیا جاتا گلے میں گھوڑے کے چارے کا توبڑا لٹکایا جاتا۔ پھر اسے خچر پر الٹا بٹھا کر بازاروں میں پھرایا جاتا مگر بہادروں کی قدر کرتا اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا۔

قلعہ سفید پر قبضہ ہوتے ہی تیمور نے آق بوغا کو بلوایا۔ آق بوغا اب تک پہاڑ کی چوٹی پر بھاگنے والوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے تیمور کا حکم سنا یا اور جلوس کی شکل میں اسے تیمور کے سامنے پیش کیا۔

آق بوغا دس سواروں کا سردار تھا لیکن اس کے پاس مولیٰ ایک گھوڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ تیمور نے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے پاس بلایا اور شفقت سے پوچھا:

"آق بوغا۔ تمہارے پاس کتنے گھوڑے ہیں؟"

"میں اکیلا ہوں امیر تاتار۔ گھوڑا بھی ایک ہی ہے۔" آق بوغا نے معصومیت سے جواب دیا۔

امیر نے حکم دیا:

"پچاس گھوڑے لائے جائیں۔"

گھوڑے حاضر کیے گئے۔ امیر نے کہا:

"یہ سب گھوڑے تمہارے لیے ہیں۔ تم ان کے مالک ہو۔"

"اتنے گھوڑے؟" آق بوغا نے حیرت سے کہا:

"میں کیا کروں گا امیر؟"

امیر نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا:

"تمہارے پاس اونٹ کتنے ہیں؟"

"ایک بھی نہیں امیر۔"

"پچاس اونٹ حاضر کیے جائیں۔"

امیر نے اونٹ منگوا کر آق بوغا کے حوالے کر دیے۔

"کنیزیں کتنی ہیں؟"

"ایک بھی نہیں۔"

تیمور کے حکم سے دس حسین و جمیل کنیزیں آق بوغا کو عطا ہوئیں۔ اس کے علاوہ درہم و دینار، ریشمی زربفت کے تھان، درجنوں خیمے اور ایک سو خچر آق بوغا کو انعام میں دیے گئے۔ یہ تمام سامان لا کر اس کے ڈھیر کر دیا گیا۔

آق بوغا اتنا سامان دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اس نے کہا:

"اے امیر تاتار۔ میں اتنا سامان لے کر کیا کروں گا۔ ان گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کو میں کس طرح سنبھالوں گا؟"

"یہ سب تمہاری ملکیت ہے آق بوغا۔" امیر بولا:

"تم نے قلعہ سفید کی فتح کو آسان بنایا ہے۔ یہ تمہارا حق ہے اور ہم جوانمردوں کا حق نہیں مارا کرتے کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو۔"

"آق بوغا کو تو صرف امیر کی نظرِ عنایت چاہیے۔" آق بوغا نے بھولپن سے کہا:

"امیر خوش ہوں تو فتح حاصل ہوتی ہے اور ان کی ناراضگی ہم لوگوں کو فنا کر دیتی ہے۔"

تیمور نے آق بوغا کا عہدہ بڑھا دیا۔ بیس غلام اور اتنے ہی سائیس جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے عطا کیے گئے۔

آق بوغا جب یہ انعامات غلاموں پر لدوا کر واپس ہوا تو اس کا ایک ساتھی بولا:

"مبارک ہو آق بوغا! امیر نے تمہاری شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ تم نے تو اتنے سامان کا کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو دوست۔" آق بوغا جیسے خواب میں بولا:

"کچھ دیر پہلے میرے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ اب میں اتنے ساز و سامان کا مالک بن گیا ہوں۔"

آق بوغا اب گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی شان سے نکلتا۔ اسے شہزادہ محمد سلطان کے ایک دستے کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔

آق بوغا جب تیمور کے ساتھ ہوتا تو اس بات کا خیال رکھتا کہ تیمور کی طرف اس کی پشت نہ ہونے پائے۔ وہ امیر کے خیمے کی طرف پیٹھ کر کے سویا اور تاکید کی کہ جب اسے دفن کیا جائے تو اس کے پیر امیر کے محل کی طرف ہوں۔ خیمے یا محل کی طرف پیٹھ کرنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ بعض قبائل میں امیر یا سردار کے خیمے کی طرف پیٹھ کرنے سے اس کا احترام مقصود ہو۔

○

شاہ منصور کے یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ قلعہ سفید پر تیمور کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس نے تو قلعہ دار کو حکم دے رکھا تھا کہ جب تیمور قلعہ کی فتح سے بے بس ہو کر واپس ہو تو اس پر پشت سے حملہ کیا جائے۔ سامنے سے منصور نے دھوکہ بنایا تھا مگر قلعہ سفید تیموری عزم و ارادے کے سامنے چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہ ٹھہر سکا اور اس کے ناقابلِ شکست ہونے کا عقیدہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

شاہ منصور کو کھلے میدان میں مقابلے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ اپنا لشکر لے کر شیراز کی طرف نکل گیا تاکہ چھاپہ مار جنگ لڑ کر تیمور کو واپس جانے پر مجبور کر دے۔ تیمور بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قلعۂ سفید کے حملے میں مرا ٹے خانم کے بیٹے شاہ رخ مرزا نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ خانزادہ کے دلاور پوتے پیر محمد اور سلطان محمد کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا تھا۔ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ تیمور نے شاید یہ بات محسوس کر لی تھی۔ اس نے میمنہ و میسرہ پر پیر محمد اور سلطان محمد کو کمانڈر مقرر کیا اور خود باقی لشکر لے کر شیراز کی طرف بڑھا جہاں شاہ منصور کے پہنچنے کی اسے اطلاع ملی تھی۔

یہ خبر درست تھی۔ شاہ منصور چار ہزار سواروں کے ساتھ شیراز کے مضافات میں پہنچ چکا تھا۔ تیمور کے برلاس کی حرکت نے کی خبر سن کر اس نے وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ وہ بھاگنے کے بجائے تیمور فیصلہ کن جنگ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں شاہ منصور اپنے سواروں کے ساتھ شیراز کے قریب ہی چھپا ہوا تھا اس نے بھیس بدل کر گاؤں والوں سے باتیں کیں۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگر وہ شیراز میں داخل ہو جائے تو شیراز والے اس کی کس حد تک اعانت کریں گے؟

شاہ منصور نے ایک دیہاتی سے پوچھا:

"شیراز کے باشندے شاہ منصور کے بارے میں کس طرح کے خیالات رکھتے ہیں؟ کیا اسے شیراز کے قلعہ میں پناہ مل جائے گی؟"

دیہاتی نے اس کی بات سن کر تمسخر کے انداز میں کہا:

"اجنبی دوست۔ شیراز والے تو کہتے ہیں کہ شاہ منصور کے سوار جو بھاری ڈھالیں اٹھائے پھرتے ہیں اور جن کے پاس لانبی کمانیں اور وزنی تیر ہیں وہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے ہیں جیسے بھیڑیے بکریوں کے غول کو آتا دیکھ کر بھاگتے ہیں۔"

شاہ منصور کو دیہاتی کے اس جواب پر بڑی شرم محسوس ہوئی۔ اس نے بھاگنے کا ارادہ ترک کر دیا اور لشکر شیراز کے راستے پر واپس لے آیا۔ تیمور نے منصوری لشکر کو راستہ روکے دیکھا تو اسے شاہ منصور کی جرأت پر بڑا تعجب ہوا۔ منصور نے فوراً حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ تیموری لشکر نے بڑی مشکل سے قدم جمائے۔ منصور کے ساتھ اس کے سواروں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ منصور کے دو ہزار سوار یا تو مارے گئے یا منتشر ہو گئے لیکن وہ باقی دو ہزار سوار کے ساتھ چھاپے کی طرح تیموری لشکر پر حملے کرتا رہا۔ تیمور کا باقی لشکر بھی آ پہنچا۔ پیر محمد اور سلطان محمد کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ دونوں بھائی تلواریں سونت کر منصور پر ٹوٹ پڑے مگر وہ اس پر قابو نہ پا سکے۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ منصور لڑتا بھڑتا تیمور کے سر پر پہنچ گیا۔ منصور کے ساتھیوں نے تیمور کے محافظوں کو قتل کر دیا۔ شاہ رخ مرزا نے

بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔ اس نے تیمور پر حملہ کرنے والے کئی سواروں کو زخمی کر دیا لیکن تیمور کی پشت بھی غیر محفوظ تھی۔ اس کے محافظ سوار اور تلوار بردار مارے جا چکے تھے۔ تیمور کے پاس سوائے ایک خنجر کے اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔

پیر محمد اور سلطان محمد نے تیمور کو دشمن کے نرغے میں دیکھا تو منصوری حملہ آوروں کو برا بھلا کہتے اور دھکیلتے ہوئے تیمور کی پشت پر پہنچ گئے۔ تیمور نے انہیں بڑی تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ منصور کے حملے کا زور ٹوٹ گیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

شاہ منصور کے خاتمے سے ایران میں مظفری دور حکومت بھی ختم ہو گیا اور وہ تمام علاقے جو اس خاندان کے قبضے میں تھے براہ راست تیموری سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔

تیمور نے بیٹے شاہ رخ اور پوتوں پیر محمد اور سلطان محمد کو انعام و اکرام سے نوازا لیکن اس دفعہ اس کی نظر پیر محمد کی طرف رہی جو اپنی جان خطرے میں ڈال کر تیمور کی مدد کو پہنچا تھا۔

تیمور تو پیر محمد اور سلطان محمد پر نوازشوں کی بارش کر رہا تھا لیکن ان کی ماں خانزادہ کچھ اور ہی گل کھلا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خبطی شہزادہ

خانزادہ نے قصرِ سلطنت سے ایک سوار کو نکلتے دیکھ کر اپنا گھوڑا روک لیا۔

سوار کا لباس نہایت قیمتی تھا۔ سر پر طرّے دار پگڑی جسے ایک زرنگار پٹی سے پیشانی پر کس دیا گیا تھا سونے کے کام والا انگرکھا نما جُبہ، جڑاؤ دستے والی زین سے لٹکی تلوار۔ گھوڑے کا ساز چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔

خانزادہ اس عظیم الشان محل کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اس طرحدار سوار کا اس پر اور زیادہ رعب پڑا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی بڑا امیر یا وزیر ہے۔ سوار کا رخ خانزادہ کی طرف تھا۔ شاید وہ اسے دیکھ کر ہی صدر دروازے سے باہر آیا تھا۔ خانزادہ اپنے گھوڑے پر سنبھل کر بیٹھ گئی۔ سوار اس کے قریب آیا۔

"السلام علیکم خاتونِ محترم"۔ سوار نے ادب سے کہا:

"میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تبریز میں اجنبی ہیں۔ براہِ کرم میرے خیال کی تصدیق فرمائیے"۔

"آپ نے صحیح فرمایا"۔ خانزادہ نے تائید کی:

"تبریز میرے لیے اجنبی ہے۔ میں اردگنج کی رہنے والی ہوں"۔

"سبحان اللہ۔ اردگنج بھی کیا عجب شہر ہے"۔ سوار متانت سے بولا:

"اردگنج کو صرف سلطنتِ خوارزم کا دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل نہیں بلکہ اس مبارک شہر سے تو خود کے صوفی خاندان کے ترکمانوں کی درخشندہ تاریخ بھی وابستہ ہے"۔

خانزادہ کا تعلق صوفی خاندان سے ہی تھا۔ اپنے خاندان اور شہر کی تعریف سن کر وہ خوش ہو گئی۔ اس نے پوچھا:

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تاریخ سے بہت دلچسپی ہے"۔

سوار نے انکسار سے جواب دیا:

"تاریخ تو ایک ضمنی علم ہے۔ دراصل میرا میدان شہ زادب اور رقص و موسیقی ہے"۔

خانزادہ کی دلچسپی بڑھی:

"آپ شاعری کرتے ہیں؟"

"بشرطِ فرصت اپنے شاعر ہونے کا ثبوت پیش کر سکتا ہوں"۔

"اور موسیقی؟"

"ہر طرح کے ساز بجا کے داد حاصل کر چکا ہوں"۔

"اور رقص سے کس حد تک لگاؤ ہے"۔

"دورِ خسروی کے رقص میں مہارت رکھتا ہوں"۔

"پھر خوب۔ آپ تو ہمہ صفت شخصیت ہیں"۔

ذرہ نوازی۔ شکریہ"۔ سوار نے سر کو ذرا سا جھکا کر جواب دیا:

"لیکن خاتون! میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ فصیلِ شہر کے ناظم نے آپ کی صحیح رہنمائی نہیں کی"۔

"کس کا ذکر کر رہے ہیں آپ؟" خانزادہ نے حیرت کا اظہار کیا:

"میری کسی ناظم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ سیدھی ادھر ہی آ گئی ہوں"۔

"تو پھر یہ سرحد کے محافظوں کی کوتاہی ہے"۔ ان سے باز پرس کی جا سکتی ہے"۔ سوار نے بڑے تاسف سے کہا۔ "یہ شکایت تو کوتوالِ شہر سے ہونی چاہیے"۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکی"۔ خانزادہ الجھتے ہوئے بولی:

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ کو سمجھاتا ہوں خاتونِ محترم"۔ سوار نرمی سے بولا:

"اس شہر یا دار اور حصارِ فیہار کا دستور ہے کہ جب کوئی اجنبی سرحد پر پہنچے تو ناظمِ سرحد کا فرض ہے کہ وہ اسے راستے تک پہنچائے۔ یہاں کی تمام سرائیں دراصل شاہی مہمان خانے ہیں جن کے اخراجات خزانے سے پورے کیے جاتے ہیں۔ آپ کے سلسلے میں ناظمِ سرحد اور ناظمِ فصیلِ شہر دونوں کی کوتاہی قابلِ تعزیر جرم ہے۔ اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ آخر آئینِ جہانبانی اور اصولِ سلطانی۔۔۔۔"

"مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں"۔ خانزادہ چڑ گئی:

"میں تو فریاد لے کر آئی ہوں۔ اور گنج کی ایک فریادی ہوں"۔

"فریادی!" سوار گھبرا کر بولا:

"کیا غضب کرتی ہیں خاتون۔ فریادی اور قصرِ شاہی کے سامنے۔ ابھی قیامت آ جائے گی اور دو چار کی گردنیں قلم ہو جائیں گی"۔

"کیوں، کیا فریاد کرنا جرم ہے؟" خانزادہ کو غصہ آ گیا:

"میں اتنی دور سے فریاد لے کر آئی ہوں اور آپ الٹا میرا ہی سر قلم کرا رہے ہیں۔ یہی دستور ہے اس شہر کا؟"

"خاتونِ محترم! دستور تو اس شہر انتخاب کا یہ ہے"۔ سوار نے صفائی پیش کرنا شروع کر دی:

"فریادی کو پہلے کوتوالِ شہر کے دربار میں رجوع کرنا چاہیے۔ اگر وہ شکایت رفع نہ کر سکے تو پھر وزیرِ سلطان کے دربار میں فریاد کرنی چاہیے۔ وزیر کا فرض ہے کہ وہ فریادی کو مطمئن کرے"۔

خانزادہ، سوار کی دلچسپ باتوں پر مسکرا دی۔ دلچسپی سے پوچھا:

"اگر کوتوالِ شہر اور وزیرِ سلطنت فریادی کو مطمئن نہ کر سکیں تو کیا ہو گا؟"

"ایسا کبھی نہیں ہوا خاتونِ محترم"۔ سوار وثوق سے بولا:

"اگر خدانخواستہ ایسا ہو جائے تو کوتوالِ شہر اور وزیرِ عالی مقام کو تختۂ دار پر چڑھا دیا جائے۔ سلطانِ ذی شان اپنی بزم نشاط میں کسی فریادی کو دیکھنا پسند نہیں کرتے"۔

"سلطان!" خانزادہ نے حیرت کا اظہار کیا:

"تبریزِ کامگار تو میراں شاہ ہے"۔

"توبہ توبہ کیجیے خاتون۔ آہستہ بولیے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں"۔ سوار گھبرا کر بولا:

"سلطان ابنِ سلطان کا نام آپ اس قدر گستاخی سے لے رہی ہیں۔ اگر آپ کی فریاد دو چار ہزار دینار سے رفع ہو سکتی ہے تو وہ میں اپنی جیبِ خاص سے ادا کر سکتا ہوں"۔

"دو چار ہزار دینار"۔ خانزادہ نے سوار کو حیرت سے دیکھا:

"آپ یہاں کس عہدے پر فائز ہیں؟"

"میں قصرِ سلطانی کا صدر دروازہ صبح کو کھولتا اور رات کو بند کرتا ہوں"۔ سوار نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

"اوہ۔۔۔۔ تو آپ دربان ہیں۔ آپ کا تعلق نگرانی کے معزز پیشے سے ہے"۔ خانزادہ نے بڑی شکل سے ہنسی ضبط کی، پھر اسے گھورتے ہوئے بولی:

"کیا یہاں کے سارے ملازمین تمہاری طرح شاعر اور رقاص ہیں؟"

"بے شک۔ لاریب"۔ سوار کی گردن غرور سے تن گئی:

"قصرِ سلطانی میں ایک سے ایک باکمال موجود ہے۔ شاہی مقرب قصیدہ گوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور شاہی دربار اپنے فن میں بے نظیر ہے۔ جب شاہی خاصے کا خوان سر پر رکھ کر چلتا ہے تو مطبخ سے کھانے کے کمرے تک طبلے کی تھاپ پر ایک سیار رقص کرتا ہوا جاتا ہے کہ دیکھنے والے۔۔۔۔"

"بکواس بند کرو۔ ہم میراں شاہ سے ابھی ملنا چاہتے ہیں"۔ خانزادہ نے گھوڑا صدر دروازے کی طرف بڑھایا۔

سوار جلدی سے کود کر خانزادہ کی رکاب سے لپٹ گیا:

"مجھ پر رحم کیجیے۔ میں غریب مارا جاؤں گا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں"۔ وہ گڑگڑانے لگا۔

"خدا کے لیے اس وقت اندر نہ جائیے"۔ سوار ہاتھ جوڑ کر گھوڑے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"کیوں؟ اس وقت میراں شاہ کیا کر رہا ہے؟"

"خاتون! اس وقت سلطان شعرائے کرام سے قصائد اور غزلیات سماعت فرما رہے ہیں"۔ دربان نے بڑی معصومیت سے بتانا شروع کیا:

"پھر رقص و سرود کی محفل گرم ہو گی جس کا اختتام نصف شب کے بعد ہو گا"۔

"اس کے بعد؟" خانزادہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"اس کے بعد قصہ گو حضرات تشریف لائیں گے اور اعلیٰ حضرت قصے کہانیاں سنتے سنتے نیند کی آغوش میں پہنچ جائیں گے"۔ دربان نے امیر تیمور کے ولی عہد بیٹے کے میل و نہار کا اوقات نامہ بیان کر دیا۔

خانزادہ کو یہ سن کر حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی۔ اس نے پوچھا:

"اور میراں شاہ دربار کس وقت لگاتے ہیں؟"

"سلطان تو سلطان ہیں خاتون۔ انہیں دربار لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ انتظامِ سلطنت کے لیے ہزاروں کارندے موجود ہیں"۔ دربان نے یوں کہا جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

خانزادہ کو میراں شاہ کا یہ حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ جب میراں شاہ کے عیش و عشرت کا یہ عالم ہے تو کہیں اسے پہچاننے سے ہی انکار نہ کر دے۔ یہ تو اس کی بہت بڑی توہین اور شکست ہو گی۔ اسے میراں شاہ کی عیش و عشرت کی تو پروا نہ تھی لیکن اس کی روش سے مطلق اعتنائی ظاہر ہوتی تھی اور ان حالات میں وہ کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے میراں شاہ سے فوری طور پر ملاقات کا ارادہ ملتوی کر دیا اور دربان کے کہنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مطابق شاہی مہمان خانے میں چلی گئی۔

ایران کی فتح کے بعد امیر تیمور نے میراں شاہ کو ایران کا شمالی علاقہ بھی سپرد کر دیا تھا اور میراں شاہ نے چھوڑ کر تبریز میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

تیمور کو صرف نئی نئی فتوحات سے دلچسپی تھی۔ اس کا لشکر جس طرف بڑھتا، فتح و نصرت اس کے قدم چومتی۔ سلطنت روز بروز پھیلتی جا رہی تھی اور اتنی ہی تیزی سے تیمور بھی بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ خانزادہ کو رہائش ہمیشہ کے لیے ترک کر کے اوگنج منتقل ہو گئی۔ میراں شاہ اس سے پہلے ہی تبریز جا چکا تھا۔ خانزادہ کے ساتھ ساتھ میراں شاہ کو بھولتی جا رہی تھی لیکن جب اسے اپنے دونوں بیٹوں شہزادے پیر محمد اور شہزادہ بایسنغر کی فتوحات اور جوانمردی کی خبریں ملیں تو ایک بار پھر اس کے دل میں اپنے بیٹوں کے لیے بادشاہت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ممکن ہے کہ وہ اوگنج اسی وجہ سے گئی ہو لیکن میراں شاہ کی موجودگی میں اس کے بیٹوں کو حکومت نہیں تھا اس لیے اس نے اپنے طور پر منصوبہ بنایا کہ میراں شاہ کو کسی طرح راستے سے ہٹا دیا جائے۔

میراں شاہ سے ٹکر لینا تو کسی طرح ممکن نہ تھا کیونکہ وہ صاحبِ اقتدار تھا اور اس پر تیمور کی مہربانیاں تھیں۔ ہاں میراں شاہ کو بہلا پھسلا کر کسی ایسے جال میں پھانسا جا سکتا تھا جس سے تیمور اس کی طرف سے بدگمان ہو جائے۔ اس کے بعد خانزادہ کے بیٹوں کے لیے میدان صاف تھا۔

خانزادہ جس قدر خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ عیار اور شاطر تھی۔ اس کی سحر انگیز گفتگو مخاطب کو گرویدہ کر دیتی تھی۔ اس کا تجربہ ایک بار وہ شہر سمیر میں میراں شاہ پر کر چکی تھی۔ میراں شاہ پہلی ہی ملاقات میں خانزادہ کا گرویدہ ہو گیا تھا اور اسے اپنی ولایت میں آنے کی دعوت دی تھی۔ خانزادہ زیادہ جاذبِ نظر عورت شاید اب بھی پورے خم موجود نہیں تھی۔ خانزادہ اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تبریز پہنچی تھی لیکن شاہی دربان سے میراں شاہ کی لیل و نہار کے مشاغل کی تفصیل سن کر وہ بہت پریشان ہوئی۔ محل سے وہ سیدھی سرائے آئی۔ اس نے اب تک چہرے کا نقاب نہیں اٹھائی تھی لیکن جب سرائے پہنچ کر اس نے نقاب اٹھائی تو سرائے کے داروغہ کا منہ کھلا رہ گیا۔

حسن و جمال کے ساتھ خانزادہ کے چہرے پر ایک شاہانہ جلال بھی تھا۔ وہ خوارزم کے حکمران حسین صوفی کی بیٹی تھی۔ حسین صوفی کی شکست کے بعد اس کی شادی امیر تیمور کے بیٹے جہانگیر سے ہوئی تھی۔ اس وقت اگرچہ وہ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی لیکن تیمور کی بہو ہونے کے ناطے اس کی چال ڈھال اور گفتگو سے تیموری رعب داب ظاہر ہوتا تھا۔ داروغہ سرائے تو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

خانزادہ نے سرائے میں اس لیے قیام کیا تاکہ میراں شاہ سے ملاقات سے پہلے اس کے معمولات اور سلطنت کے تمام بڑے بڑے امیروں کے بارے میں معلومات حاصل کر لے۔ اسے کسی وقت بھی ان کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ میراں شاہ

دربار اور حرم سرا کی جو باتیں اسے بتائی گئیں، وہ حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد دلچسپ بھی تھیں۔ تیمور، ایران سے اہلِ حرفہ کو اپنے ساتھ سمرقند لایا تھا۔ ان میں معماروں اور انجینئروں کی تعداد زیادہ تھی لیکن ان کے علاوہ بہت سے مطرب بھی تیمور کے ساتھ سمرقند آ گئے تھے۔

ان ناچنے گانے والوں کو جب معلوم ہوا کہ میراں شاہ تبریز میں داد عیش دے رہا ہے تو وہ اس کی فیاضیوں سے ہر ایک فائدہ اٹھا رہا ہے تو یہ سب کے سب تبریز پہنچ گئے۔ میراں شاہ نے ان لوگوں کی پذیرائی کی اور انہیں معقول مشاہرہ مقرر کرنے کے بجائے فوجی اور انتظامی عہدوں پر فائز کیا۔

حافظ شیرازی کے بقول ایرانی مغنّی اور موسیقار تمام دنیا میں لاثانی تھے کیونکہ وہ ایسی دھنیں بجاتے تھے کہ جنہیں سن کر مدہوش اور ہوش مند سب ہی جھومنے اور رقص کرنے لگتے تھے۔ ایسے اہل اور نااہل ندیموں سے میراں شاہ کا دربار بھرا رہتا تھا۔ دربارِ تبریز، بغداد کے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کا شبہ ہوتا تھا۔ مشائخ بھرے دربار میں شاعروں سے مذہبی بحثیں کرتے نظر آتے۔ نقال، مسخرے اور لفظی صنعت گری کے ماہر قصیدہ گو شعرا میراں شاہ کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملاتے اور میراں شاہ کے گرد مدح سرائی کا ہجوم رہتا۔ شراب اسلام میں حرام ہے لیکن بعض علماء نے نبیذ (کھجور کی تاڑی) کو جائز قرار دے دیا تھا۔ میراں شاہ اور اس کے درباری تاڑی کے سرور میں مست رہتے تھے۔

خانزادہ کو تعجب تھا کہ امیر تیمور اپنے ولی عہد سے اس قدر غافل کیوں ہے؟ یہ حالات ایسے تھے کہ ان کی خبر تیمور کو ضرور ہونا چاہیے تھی۔ تیمور شہزادوں کی سخت نگرانی کرتا تھا اور ان کی ذرا سی کوتاہی بھی نظر انداز نہ کرتا تھا۔ تبریز میں دولت کی جو ریل پیل تھی اس کا اندازہ خانزادہ کو سرائے کا ساز و سامان دیکھ کر ہوا۔ شہر میں اس طرح کی دو سو سے زیادہ سرائیں تھیں اور ہر سرائے شاہی مہمان خانہ معلوم ہوتی تھی۔ ان کے اخراجات شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ تبریز میں کوئی گداگر نہ تھا۔ پیشہ ور فقیروں کو حکومت کی طرف سے کھانا کپڑا دیا جاتا تھا اور انہیں کام پر لگایا جاتا تھا لیکن جب یہ فقیر کام سے جی چرانے لگے اور انہوں نے بھیک مانگنے کی عادت نہ چھوڑی تو انہیں پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ تیمور کا حکم تھا جو سیاح تیمور کے دور میں اس کی سلطنت سے گزرے تھے انہوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ تیموری سلطنت کے طول و عرض میں انہیں کوئی گداگر نظر نہیں آیا۔

تبریز کے دولت مند ہونے کا اصل سبب اس کا محلِ وقوع تھا۔ تبریز جو آجکل ایک اونگھتا ہوا چھوٹا سا شہر ہے۔ اس زمانے میں چین کے دارالسلطنت کو چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔ سمرقند، دمشق اور بغداد کا اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ تبریز جسے قدیم مؤرخوں نے توریز لکھا ہے، عہدِ تیموری میں سالمی مملکت کا ایک عظیم مرکز تھا۔ اس جگہ شاہراہِ خراسان جنوب سے آنے والی اس سڑک سے ملتی تھی جو بغداد، ایران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور خلیج فارس کو جاتی تھی۔ اس کی عمارتیں روم اور فارس سے زیادہ وسیع اور شاندار تھیں۔ مساجد، دارالعلوم اور شفاخانوں کی سامنے کی دیواروں پر کاشی کی منقش اینٹیں لگائی جاتی تھیں۔ سرایوں اور مہمان خانوں کے علاوہ شہر میں دو لاکھ مکانات تھے۔ آبادی تقریباً بارہ لاکھ تھی۔ ایک سیاح نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ صرف تبریز کی آمدنی حکومتِ فرانس کی آمدنی کے برابر تھی۔

خانزادہ تین روز تک سرائے میں مقیم رہی اور اپنے منصوبے پر غور کرتی رہی۔ پھر اس نے سرائے کے داروغہ کو بلایا۔ داروغہ ایک جہاندیدہ شخص تھا۔ اس نے خانزادہ کو دیکھ کر پہلے ہی دن اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کوئی اہم شخصیت ہے اور کسی مصلحت کے تحت سرائے میں مقیم ہے لیکن اس نے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟" خانزادہ نے داروغہ سے پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے کہ آپ کا تعلق کسی بہت اونچے گھرانے سے ہے۔" داروغہ نے دست بستہ جواب دیا۔

"اپنے بارے میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔" خانزادہ بولی:

"اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

داروغہ نے عاجزی سے کہا:

"مہمانوں کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔"

"میں تمہارے سلطان سے ملنا چاہتی ہوں۔" خانزادہ کو دل کی بات زبان پر لانا پڑی۔

داروغہ نے حیرت سے خانزادہ کو دیکھا:

"یہ ناممکن ہے خانم۔" داروغہ نے نفی میں سر ہلایا:

"سلطان عالی مقام اس قدر معروف رہتے ہیں کہ کسی سے ملنے کا وقت نکال ہی نہیں سکتے۔ باہر کے سیاح سلطان سے ملاقات کی درخواست کرتے ہیں تو انہیں پہلے دو چار ماہ شاہی مہمان رہنا پڑتا ہے۔"

"سنا ہے کہ تمہارے سلطان کا تمام وقت قصیدے سننے یا رقص و سرود کی محفلوں میں گزرتا ہے۔" خانزادہ جل کر کہا:

"اس کے علاوہ کوئی معروفیت ہو تو بتاؤ۔"

"خانم۔ آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔" داروغہ معصومیت سے بولا:

"بادشاہوں کا وقت تو اسی طرح گزرتا ہے۔ اسی معروفیت سے انہیں فرصت کہاں ملتی ہے کہ کسی کو دربار کی اجازت دیں۔"

"مگر مجھے تو سلطان سے ضرور ملنا ہے۔"

خانزادہ کا غصہ خاکہ میراں شاہ نے محض ایک صوبے کا گورنر یا جاگیردار ہوتے ہوئے سلطان کا لقب کیوں اپنایا جبکہ تیمور نے اب تک اپنے نام میں سوائے امیر کے اور کوئی لقب شامل نہیں کیا تھا۔

"یہ میرے اختیار سے باہر ہے خانم۔" داروغہ نے معذوری ظاہر کی:

"میں آپ کو صرف محل کے دروازے تک پہنچا سکتا ہوں لیکن شاہی دربان آپ کو کسی طرح اندر نہ گھسنے دے گا۔"

داروغہ کا کہنا ٹھیک ہی تھا۔ خانزادہ کو محل کے طرحدار دربان سے پہلے ہی سابقہ پڑ چکا تھا:

"کوئی ترکیب نکالو داروغہ۔ سوچو۔" خانزادہ نے کہا۔

داروغہ سوچ میں ڈوب گیا۔ ذرا توقف کے بعد بولا:

"آپ کو انتظار کرنا پڑے گا خانم۔ سلطان مہینے دو مہینے میں ایک بار شہر کی سیر کرنے نکلتے ہیں۔ جب ان کا جلوس آئے گا تو میں آپ کو ایک اونچی جگہ کھڑا کر دوں گا۔ وہاں سے آپ سلطان کا دیدار کر سکیں گی۔"

"مجھے دیدار نہیں کرنا۔" خانزادہ جھلا گئی:

"میں ان سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ میرے فرائض میں شامل نہیں۔۔۔۔" داروغہ نے مجبوری ظاہر کی:

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

خانزادہ نے دوسری ترکیب نکالی:

"اچھا یوں کرو۔ میں تمہیں ایک خط دیتی ہوں وہ تم اپنے سلطان کو پہنچا دو۔"

داروغہ سوچنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا:

"آپ خط لکھیے۔ میں کوشش کروں گا۔"

خانزادہ نے اسی وقت چار جملوں کا خط لکھا اور لفافے میں بند کر کے داروغہ کے حوالے کر دیا۔

○

تین دن گزر گئے لیکن داروغہ نے خانزادہ کو کوئی جواب نہ دیا۔ خانزادہ دن میں دو بار اس کی مزاج پرسی کے لیے آتا تھا۔ خانزادہ نے بھی اس سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتی تھی کہ جس ملک کا حاکم عیش و عشرت کے ماحول میں دن گزار رہا ہو اس کے اخلاق پہنچنا اور جواب لانا کتنا مشکل ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر جب تین دن گزر گئے تو خانزادہ کو فکر ہوئی۔ اس نے سوچا کہ کم از کم اسے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ خط میراں شاہ تک پہنچا بھی یا نہیں۔

شام کو حسبِ معمول داروغہ آیا اور ادب سے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"داروغہ!" خانزادہ نے اسے ملائمت سے مخاطب کیا:

"امید ہے کہ تم نے میرا خط پہنچا دیا ہو گا۔"

"جی ہاں خانم خط پہنچا دیا گیا ہے۔"

"جواب کی کب تک امید ہے؟"

"جواب میرے اختیار سے باہر ہے لیکن مجھے امید ہے کہ آج ۔۔۔۔"

اسی وقت سرائے کا ایک ملازم آیا اور داروغہ کے کان میں کچھ کہہ کے چلا گیا۔

"مبارک ہو خانم۔" داروغہ مسرت سے بولا:

"آپ کے خط کا جواب آ گیا ہے۔"

"آ گیا جواب۔ کون لایا؟" خانزادہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا داروغہ باہر چلا گیا۔

خانزادہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ معلوم نہیں میراں شاہ نے کیا جواب دیا ہے؟ وہ امید و بیم کی کیفیت میں کچوکے کھانے لگی۔

کچھ دیر بعد داروغہ مسکراتا ہوا واپس آیا اور بولا:

"وزیرِ سلطنت آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے، وزیرِ سلطنت، مگر کیوں؟" خانزادہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"وہ ۔۔۔۔ آپ نے سلطانِ عالم کو خط لکھا تھا نا؟" داروغہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"اچھا ۔۔۔۔ تو وزیرِ سلطنت جواب لائے ہیں۔" خانزادہ کو کچھ اطمینان ہوا:

"دیکھو داروغہ۔ وہ وزیرِ سلطنت ہیں۔ حکومت کے ایک اعلیٰ افسر۔ ان کا میرے پاس آنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میں خود ان سے ملنے جاؤں گی۔"

"مگر خانم ۔۔۔۔ وہ ۔۔۔۔ وہ۔"

"تم تیموری سلطنت کے اصول نہیں جانتے۔" خانزادہ نے تیز لہجے میں کہا:

"جاؤ۔ انہیں اطلاع دو کہ میں آ رہی ہوں۔ پھر آ کے مجھے لے جانا۔"

داروغہ اس کا منہ دیکھتا ہوا چلا گیا۔

خانزادہ کو پھر خیالات نے گھیر لیا لیکن اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور ملاقات کے لیے پوری طرح تیار ہو گئی۔ داروغہ آیا تو خانزادہ چلنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"خانم۔ وزیرِ سلطنت باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ اندر آنے کی اجازت دیجیے۔" داروغہ نے سر جھکا کر کہا۔

"اچھا۔ آنے دو۔"

چند لمحوں کے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص اندر آیا۔ اس کا جگمگاتا لباس دیکھ کر خانزادہ حیران رہ گئی۔ اتنا قیمتی اور قیمتی لباس تو بادشاہ یا شہزادے ہی پہن سکتے تھے۔

"میں وزیرِ سلطنت کو خوش آمدید کہتی ہوں۔" خانزادہ نے وزیر کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"خانزادہ خانم۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ مصروفیت کی وجہ سے پہلے نہ حاضر ہو سکا۔" وزیر بڑی بے تکلفی سے بولا اور خانزادہ کا جائزہ لینے لگا۔

خانزادہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر چونک پڑی۔ داروغہ کو تو اس نے اپنا نام اب تک نہیں بتایا تھا پھر اس نے اپنے اطمینان کے لیے پوچھا:

"وزیرِ سلطنت کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ کیا اس کی وضاحت فرمائی جائیگی۔"

"خانزادہ خانم۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" وزیر اطمینان سے بولا:

"سلطانِ معظم کے نام آپ نے جو پرچہ بھیجا تھا اس میں آپ کا نام درج تھا۔ پھر یوں بھی شاہی سرائے میں ٹھہرنے والے مہمانوں کی فہرست روز مجھے بھیجی جاتی ہے۔ مہمانوں کی ضروریات کا خیال رکھنا میرے فرائض میں شامل ہے۔"

"میرے خط کا کیا جواب دیا گیا ہے؟" خانزادہ نے گفتگو کو مختصر کرنے کے لیے پوچھا۔

"میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں خانزادہ خانم۔" وزیرِ سلطنت نے بڑی شائستگی سے کہا:

"کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔ آپ کا خط بے انتہا مختصر ہے۔"

"مجھے جواب چاہیے وزیرِ محترم۔" خانزادہ کا لہجہ ترش ہو گیا:

"کیا میرا نام کافی نہیں تھا؟"

"میرا مطلب ہے خانزادہ خانم!" وزیر اس کے ترش لہجے سے گھبرا گیا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں..... میں چاہتا ہوں۔"

وزیرِ محترم!" خانزادہ نے اس کی بات کاٹ دی:

"مجھے صرف یہ بتایا جائے کہ کیا میراں شاہ نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے اور آپ سے ا
طلب کی ہے؟"

"سلطانزہ، سلطان میراں شاہ ابنِ سلطان"۔ وزیرِ سلطنت بولنا کر خانزادہ کو دیکھنے لگا۔

"میرا خط پڑھا تھا تمہارے سلطان نے؟" خانزادہ کا لہجہ اور سخت ہو گیا:

"اگر سلطان نے خط پڑھا تھا یا تم سے پڑھوا کر سنا تھا تو پھر اس کے جواب میں وہ الفاظ دہرا دیے
انہوں نے کہے اور..... اور کچھ نہیں بس!"

"خانزادہ خانم۔ وہ خط ابھی تو میرے پاس ہے۔"

خانزادہ اچھل پڑی:

"کیا؟ کیا آپ نے میرا خط پڑھ لیا؟" خانزادہ نے اپنی مٹھیاں غصے میں کس لیں:

"آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی؟"

"خانزادہ خانم۔ ناراض نہ ہوں۔ میرا فرض ہے کہ....."

"میں آپ کے فرائض کی تفصیل نہیں سننا چاہتی"۔ خانزادہ غصے سے بولی:

"آپ لوگ باتیں تو بڑی شائستگی سے کرتے ہیں لیکن آپ کو کسی کے ذاتی خط پڑھتے ہوئے شر
آتی۔ اخلاق کا یہ کون سا اصول اور دستور ہے۔ یہ ایک بہت بڑا اخلاقی جرم ہے وزیرِ سلطنت۔"

وزیرِ سلطنت نے خانزادہ کی کڑوی باتیں بڑے تحمل سے سنیں اور جواب بھی اسی تحمل سے دیا:

"خانزادہ خانم..... اسلطانِ عالم کا فرمان ہے کہ رعیت کی تمام شکایتیں وزیرِ سلطنت کو پہنچائی جا
وہی ان کی دادرسی کرے۔ اگر کوئی وزیر رعیت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اسے معزول کر دیا جاتا ہے
آپ میری معزولی یا برطرفی سے خوش ہو سکتی ہیں تو میں تیار ہوں۔ میں ایک بال بچے دار غریب انسان ہوں۔ مج
کر کے آپ کو کیا ملے گا خانزادہ خانم؟"

"بال بچے دار اور غریب انسان"۔ خانزادہ بڑبڑائی۔

یہی الفاظ اس نے دربان کے منہ سے بھی سنے تھے۔ عجیب لوگ ہیں یہاں کے۔ اتنے امیر اور مال دار ہو
ہوئے بھی ہر ایک خود کو غریب کہتا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ امیر تیمور کے دور حکومت میں اس کے
ایک ایسی حکومت قائم کر رکھی ہے جس کے قوانین دنیا سے نرالے ہیں بلکہ یہاں تو کوئی قانون ہی نہیں معلوم ہوتا۔

لطنت پر ترس آ گیا۔ نرمی سے پوچھا:

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے مگر یہ تو بتا دیجیے کہ اگر کوئی قتل ہو جائے۔ کوئی بڑا ڈاکہ پڑے یا کہیں بغاوت ہو
ے تو آپ کیا قدم اٹھائیں گے؟"

"خانزادہ خانم۔ میری وزارت کے چار سالہ دور میں صرف ایک قتل ہوا تھا"۔ وزیرِ سلطنت نے بڑی سادگی
بتایا:

"میں نے قاتل کو گرفتار کرایا اور اسی وقت بیچ بازار میں اسے سولی پر چڑھا دیا۔"

"اس کے قتل کا حکم سلطان یا قاضیِ شہر نے دیا ہو گا؟" خانزادہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"خانزادہ خانم۔ آپ ہمارے ملک کے قانون سے ناواقف معلوم ہوتی ہیں"۔ وزیرِ سلطنت نے ذرا رعب
ا:

"میں وزیرِ سلطنت ہوں۔ یہاں صرف میرا حکم چلتا ہے۔ اس ملک میں کوئی قاضی نہیں۔"

"ٹھیک فرما رہے ہیں آپ"۔ خانزادہ مسکرائی:

"چوری اور ڈاکے کی صورت میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟"

"ابھی تک تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا خانزادہ خانم"۔ وزیرِ سلطنت فخر سے بولا:

"تبریز دنیا کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ ہر شخص مال دار ہے۔ ضرورت مند کو شاہی خزانے سے رقم دے
تا ہے۔ ایسی صورت میں چوری ڈاکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"بغاوت کی صورت میں تو سلطانِ عالی مقام ضرور کچھ ارشاد فرماتے ہوں گے"۔ خانزادہ نے طنز کیا:

"کیا اس وقت بھی آپ کے سلطان کے گمان پر جوں نہیں رینگتی اور فوج کو بغاوت کچلنے کا حکم بھی نہیں

"خانزادہ خانم"۔ وزیر نے فلسفیانہ انداز اختیار کیا:

"بغاوت ملک میں بے چینی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جس ملک کے باشندے فارغ البال ہوں اور
عیش میسر ہو تو انہیں بغاوت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ فوج کا ذکر کرتی ہیں اگر عوام کو بھی یہ شبہ
کہ کوئی شخص بغاوت کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ خود ہی مار مار کر اس کا قیمہ بنا دیں۔ میں آپ کو یقین
دلاتا ہوں....."

"رہنے دیجیے وزیرِ محترم"۔ خانزادہ نے اسے ٹوکا:

"مجھے آپ کے قانون اور اس کی تفصیل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں سمجھ گئی کہ یہاں کا بادِ آدم ہی نرالا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید اندھیر نگری چوپٹ راجہ ایسے ہی ملکوں کو کہا جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ لوگ میری کوئی مدد نہیں کریں گے مجھے میراں شاہ تک پہنچنے کے لیے خود ہی راستہ بنانا پڑے گا۔"

"ایسا نہ کیجیے گا خانزادہ خانم"۔ وزیر گڑگڑانے لگا:

"میری ملازمت ختم ہو جائے گی۔ میں۔۔۔۔"

"آپ کوئی فکر نہ کریں وزیرِ سلطنت"۔ خانزادہ کو ہنسی آگئی:

"مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت غریب ہیں اور بال بچے دار آدمی ہیں۔ میں جب آپ کے سلطان سے ملوں گی تو کہہ دوں گی کہ میں سیدھی اس کے پاس آئی ہوں اور میرے آنے کی تبریز میں کسی کو خبر نہیں آپ کا بالکل نہ ہوگا۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"مجھے آپ سے ایسی ہی امید ہے خانزادہ خانم"۔ وزیرِ سلطنت انکسار سے دُہرا ہوا جا رہا تھا:

"میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔"

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا: "میں شرمندہ ہوں کہ میں آپ کے آرام میں مخل ہوا۔ اب مجھے جانے کی اجازت فرمائی جائے۔"

"تشریف رکھیے وزیرِ سلطنت"۔ خانزادہ طمانیت سے بولی:

"آپ کی بات تو ختم ہو گئی مگر میرا مسئلہ باقی ہے۔ میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتی لیکن آپ میرے لیے دو باتیں کرنا ہوں گی۔"

"فرمائیے فرمائیے۔ میں تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہوں"۔ وزیرِ سلطنت اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔

"ایک تو یہ کہ آپ میرا نام کسی کو نہیں بتائیں گے۔"

خانزادہ نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ وہ میراں شاہ کے پاس پہنچ کر اسے اپنی پہلی طاقت کا حوالہ دے گی اور اس کی تجدید کی کوشش کرے گی لیکن یہاں کے حالات دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ میراں شاہ کے پاس پہنچ اور اسے رام کرنا آسان کام نہیں۔ اس لیے وہ چاہتی تھی کہ ۔۔۔۔ میرے نہ ہو کیونکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ میراں شاہ کے دربار میں کوئی نہ کوئی آدمی اس سے ضرور واقف ہوگا اور نا کا کی صورت میں شرمندگی کے علاوہ اس کی ذلت اور رسوائی بھی ہوگی۔

"آپ اطمینان رکھیں خانزادہ۔۔۔۔" وزیرِ سلطنت کہتے کہتے رکا پھر سنبھل کر بولا:

"میرا مطلب ہے معزز مہمان خانم! میں اپنے منہ کو سی لوں گا۔ ہونٹوں پر مہر لگا لوں گا۔"

"اور۔۔۔۔" خانزادہ نے داروغہ کی طرف اشارہ کیا:

"اس داروغہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

داروغہ اس تمام گفتگو کے دوران دست بستہ کھڑا تھا۔ وزیر کو اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اس نے داروغہ کو دیکھا اور غصے سے بولا:

"کمبخت تو اب تک یہاں کھڑا ہے تو کیا کر رہا ہے۔ جا دفع ہو جا۔"

داروغہ گھبرا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ وزیرِ سلطنت کو ایک دم خیال آیا۔ اس نے داروغہ کو آواز دی:

"اس ادھر آ۔"

داروغہ جہاں تک گیا تھا، وہیں سے واپس آ گیا۔

"دیکھو تیری سرائے میں معزز مہمان خانم مقیم ہیں"۔ وزیر نے اسے سمجھانے کے انداز میں تاکید کی:

"خانزادہ نام کی کوئی خاتون تیری سرائے میں کبھی نہیں آئیں رجسٹر جو یہ نام کسی کے سامنے لیا۔ زبان گاتیری۔ سمجھ گیا کہ نہیں۔"

"بالکل سمجھ گیا حضور۔ اگر کبھی خانزادہ خانم کا نام میری زبان سے سنیں تو پھانسی پر چڑھوا دیجیے گا۔"

دیکھا وزیرِ سلطنت آپ نے"۔ خانزادہ ہنس پڑی:

"اس کو سمجھائیے کہ میرا نام اس طرح بھول جائے جیسے کبھی سنا ہی نہ ہو۔"

ایسا ہی ہوگا معزز مہمان خانم"۔ وزیرِ سلطنت کے بجائے داروغہ بول پڑا کیونکہ اس نے غلطی سے ابھی نام لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔

"اب ٹھیک ہے"۔ خانزادہ نے کہا:

"دوسری بات یہ ہے کہ میں اب سرائے میں نہیں رہنا چاہتی۔ آپ میرے لیے شہر میں کسی اچھے سے مکان کا بندوبست کر دیجیے۔"

"خانزا۔۔۔۔ مہمان خانم"۔ وزیرِ سلطنت فوراً سنبھل گیا:

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔ سلطانِ معظم تک خبر پہنچی کہ ایک مہمان شاہی سرائے کے بجائے کرائے کے مکان میں رہ رہی ہے تو میرا کیا حشر ہوگا۔ میں بال۔۔۔۔"

"آپ بڑے دلدار اور غریب آدمی ہیں"۔ خانزادہ بات کاٹ کر بولی:

"مجھے آپ لوگوں کی غربت کا حال معلوم ہے لیکن میری بھی مجبوری ہے۔ میں ابھی لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی۔ ایک دن ضرور پہچان لی جاؤں گی۔"

"خانم۔۔۔۔" وزیر فکرمند ہو گیا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کے ارشاد کے مطابق تبریز آپ کے لیے اجنبی شہر ہے۔ پھر آپ کو یہاں کون پہچانے گا؟"

"تبریز میرے لیے ایسا اجنبی ہے لیکن میں لوگوں کے لیے اجنبی نہیں ہوں۔" خانزادہ سنجیدہ ہو گئی:

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب شہزادہ میران شاہ کو خوارزم کی حکومت سونپی گئی تھی تو امیر تیمور نے بعض سواروں کو شہزادے کے ساتھ کر دیا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی فوراً پہچان لیں گے۔"

وزیرِ سلطنت نے اسے حیران نظروں سے دیکھا اور بولا:

"معاف خانم۔ آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ شاید آپ مجھ سے زیادہ عقل مند ہیں۔ یہ آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"عقل مند تو آپ ہی زیادہ ہیں۔" خانزادہ متانت سے بولی:

"لیکن میری باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ آپ اس کے لیے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ زیادہ سے یہ ذہن نشین کر لیں کہ میں میران شاہ کی بہت قریبی رشتے دار ہوں۔"

"یعنی..... یعنی آپ شاہی خاندان سے ہیں؟" وزیرِ سلطنت بوکھلا گیا۔

"صرف شاہی خاندان سے نہیں بلکہ خود بھی ایک ملک کی شہزادی ہوں۔"

"پھر..... پھر میں آپ کے سامنے کیسے بیٹھ سکتا ہوں شہزادی عالیہ۔" اور وہ جلدی سے خانزادہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیے وزیرِ سلطنت۔ جو کچھ میں نے آپ کو بتایا ہے وہ اپنے تک محدود رکھیے گا۔" خانزادہ کا پُروقار ہو گیا:

"اور اس سے زیادہ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیجیے گا۔ آپ میرے لیے ایک حویلی کا انتظام کریں۔ وہاں میں آپ کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے قیام کروں گی۔ پھر تو آپ پر کوئی الزام نہیں آئے گا نا؟"

"آپ بہت عقل مند ہیں شہزادی عالیہ!" وزیر نے دل سے اعتراف کیا۔

○

وزیرِ سلطنت نے خانزادہ کو ایک آراستہ و پیراستہ محل نما حویلی میں اتارا۔ خدمت کے لیے کنیزوں غلاموں کا بھی انتظام کر دیا۔ خانزادہ کو یہاں بڑا سکون ملا۔ اور اس نے اپنے منصوبے کو از سرِ نو ترتیب

دینا شروع کیا۔

وزیرِ سلطنت خانزادہ سے کچھ ایسا مرعوب ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے معمولات کو چھوڑ کر خود کو خانزادہ کے لیے وقف کر دیا۔ وہ دن میں کئی بار اس کی مزاج پرسی کے لیے آتا اور اس کے حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتا۔ خانزادہ بھی اس سے بہت خوش تھی اور اس پر اعتماد کرنے لگی تھی۔

ایک شام جب وزیرِ سلطنت خانزادہ سے ملنے آیا تو خانزادہ نے مسکرا کر کہا:

"وزیرِ سلطنت آپ بہت غریب ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی کچھ غربت دور کر دوں۔"

"بے شک شہزادی عالیہ! میں بہت غریب ہوں۔" وزیر نے بے تکلف جواب دیا:

"میں کثیر الاولاد ہوں اور خاندان کے بعض افراد کی مجھے سرپرستی بھی کرنا پڑتی ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتی ہیں ان کے اخراجات پورے کرنا کس قدر مشکل ہے جبکہ میری طرح ان کی بھی مزید یات ہیں اور وہ بھی صاحبِ عیال ہیں۔"

"مجھے پورا احساس ہے وزیرِ سلطنت۔" خانزادہ نے خوشدلی سے کہا:

"میرا خیال ہے، وہ بھی آپ ہی کی طرح ٹھاٹ باٹ سے رہتے ہوں گے۔"

"جی..... جی ہاں بالکل۔" وزیر نے خانزادہ کا طنزیہ لہجہ سمجھتے ہوئے کہنا شروع کیا:

"غور فرمائیے۔ اگر میں انہیں اپنی طرح نہ رکھوں تو دنیا والے کیا کہیں گے۔ آخر رکھ رکھاؤ اور دنیاداری بھی ضروری ہے۔ میری حیثیت نہ سہی لیکن میں ان کی ہر خواہش پوری کرتا ہوں۔"

"اسی لیے تو میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"مدد..... میری مدد..... آپ؟"

وزیرِ سلطنت نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ غریب الوطن شہزادی اس کی کس طرح مدد کرے گی۔ اس کے پاس کوئی سامان نہیں اور نہ ہی زر و جواہر کے صندوق ہیں۔ اپنے خرچ کے لیے تو اس کے پلّے کچھ نہیں اور مدد کرنا چاہتی ہے وزیرِ سلطنت کی، جس کے صرف تبریز میں دو محل، گیارہ حویلیاں اور دو جنوں باغات ہیں۔

"ہاں وزیرِ سلطنت..... میں آپ کی مدد کروں گی۔" خانزادہ نے بڑے استقلال سے کہا:

"آپ شاید مجھے خالی ہاتھ سمجھ رہے ہیں؟"

"نہیں نہیں..... ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وزیر نے بات بنائی:

"آپ خالی ہاتھ کیسے ہو سکتی ہیں۔ زر و جواہر کے صندوق آپ نے کسی اور جگہ رکھوا دیے ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وزیرِ سلطنت۔ بعض چیزیں ایسی نادر ہوتی ہیں۔" ان کے سامنے زر و جواہر کے صندوق اور چرمی موٹے شاہی خزانے کو بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔"

"بے شک..... بے شک۔" وزیر کو اس کی باتوں کا یقین تو نہیں آ رہا تھا لیکن اس نے خازادہ کا دل رکھنے کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

خازادہ نے زانو کے نیچے دبی ہوئی ایک صندوقچی کو کھولا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر رومال میں لپیٹ کر بولا:

"آپ کو شاید یاد نہ ہو کہ جب صاحبقران امیر تیمور کو ایران کے بادشاہ شاہ شجاع نے دوستی کا خراج اپنے بیٹے زین العابدین کی سرپرستی کی سفارش کی تھی تو اس حظ کے ساتھ بہت سے نادر اور نایاب تحائف بھیجے ان تحائف میں کچھ ایسے ہیرے بھی تھے جن کی قیمت کا آج بھی اندازہ لگانا مشکل ہے۔"

یہ کہتے ہوئے خازادہ نے رومال میں دبی ہوئی چیز اس کی طرف بڑھا دی:

"اگر آپ ہیروں کے قدردان ہیں اور آپ کو ان کی شناخت بھی ہے تو اسے دیکھ کر ذرا اس کی قیمت کا اندازہ تو لگائیے۔"

وزیرِ سلطنت نے ہچکچاتے ہوئے رومال لے کر کھولا اور جونہی اس کا منہ بھی کھل گیا۔ وزیر وزیرِ خزانہ بلکہ سب کچھ وہی تھا۔ اسے ہیرے جواہرات کی پہچان بھی تھی لیکن جس حجم اور آب و تاب کا ہیرا رومال سے نکلا، ایسا ہیرا پہلے کبھی اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ دیکھنا تو الگ رہا، اس نے کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اتنا بڑا ہیرا بھی موجود ہے۔ وہ کبھی ہیرے کو دیکھتا اور کبھی خازادہ کو دیکھنے لگتا۔

"مہمان خانم۔" وزیر شکست خوردہ لہجے میں بولا:

"میں اس نایاب ہیرے کے متعلق کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ میرا خیال تھا کہ تبریز کے خزانے میں بھی قدر اتنی دولت دنیا کے اور کسی خزانے میں نہیں ہوگی لیکن یہ نادرِ روزگار ہیرا تو تبریز کے خزانے پر بھی بھاری

"تبریز کے خزانے میں کچھ ہو یا نہ ہو لیکن آپ کے خزانے میں یہ ہیرا ضرور موجود ہے۔" خازادہ نے بے پروائی سے کہا۔

"جی خانم..... کیا فرمایا آپ نے..... میرے پاس..... نہیں نہیں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وزیر گھبرا گیا۔

"وزیرِ سلطنت۔ اب یہ ہیرا آپ کی ملکیت ہے۔" خازادہ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا:

"اس قسم کے چار ہیرے شاہِ ایران نے ہمارے امیر کو تحفے میں بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے

جو میں لایا اور اب آپ کی نذر ہے۔ میں نہ تو اس کی قیمت طلب کروں گی اور نہ ہی اس کے صلے میں آپ پر کوئی ذمہ داری ڈالوں گی۔ یہ میری طرف سے دوستی کا ایک تحفہ ہے اور اس خدمت کا انعام ہے جو اس وقت تک آپ میرے لیے انجام دیتے رہے ہیں۔ مجھے آپ کے خلوص اور تعاون کے سوا اور کچھ چیز کی خواہش نہیں۔"

یوں خازادہ نے بڑی ہوشیاری سے وزیرِ سلطنت کے خلوص اور تعاون کا سودا کر لیا جس میں اب تک وہ ناکام رہی تھی۔ وزیرِ سلطنت نے اس کی خدمت میں تو کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی لیکن جب بھی خازادہ اسے میران شاہ سے رابطے کے طور پر استعمال کرنے کی بات کرتی تھی، وہ کسی نہ کسی بہانے ٹال جاتا تھا۔

"مہمان خانم۔" وزیر انتہائی عاجزی سے بولا:

"میں آپ کے اس گراں قدر عطیے کا کس طرح شکریہ ادا کروں۔ یہ آپ کی کرم نوازی ہے کہ آپ نے اس ناچیز کو اس عزت افزائی کے قابل سمجھا۔"

خازادہ نے اس وقت وزیرِ سلطنت سے کوئی سنجیدہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسے کچھ وقت دینا چاہتی تھی تاکہ وزیر کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ہیرا واقعی اسے بخش دیا گیا ہے۔ خازادہ نے دراصل اس کی قیمت لگائی تھی اور وزیرِ سلطنت بغیر کچھ کہے اس کا غلام بن گیا تھا۔

خازادہ کو بچپن ہی سے ہیرے جواہرات سے دلچسپی تھی۔ وہ والیِ خوارزم حسین صوفی کی بھتیجی تھی۔ حسین صوفی والد تھا اس لیے اس نے خازادہ کو گود لے لیا تھا۔ خوارزم کے خزانے میں کئی بیش قیمت ہیرے تھے۔ خازادہ انہیں اپنے گھر لے آئی تھی۔ پھر جب اس کی شادی امیر تیمور کے بڑے بیٹے جہانگیر سے ہوئی تب بھی اسے دونوں طرف سے ہیرے تحائف اور نذر میں ملے تھے۔ تیمور، خازادہ سے بہت محبت کرتا تھا بلکہ اس کے بیوہ ہونے کے بعد تو اور زیادہ مہربان ہو گیا تھا۔ وہ جب بھی کسی مہم سے واپس آتا تو مالِ غنیمت میں سے خازادہ کو حصہ دیتا۔ خازادہ کے پاس اس طرح کے بہت سے ہیرے اکٹھے ہو گئے تھے جن میں سے وہ چند ہیرے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

ہیرا دینے کا یہ اثر ہوا کہ اب وزیرِ سلطنت ہر وقت اس کوشش میں رہنے لگا کہ خازادہ اسے کوئی خدمت بتائے جسے پورا کر کے وہ کچھ تو اس بوجھ کو ہلکا کر سکے۔

خازادہ اس کی بے چینی محسوس کرتی۔ دل میں خوش ہوتی لیکن زبان بند رکھتی۔ ایک دن وزیرِ سلطنت نے خود ہی کہا:

"مہمان خانم! میں کس قدر بدقسمت ہوں کہ آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ حالانکہ آپ مجھ پر اس قدر مہربان ہیں کہ اگر آپ کی خدمت کرنے کے بعد بھی میں حقِ نمک ادا نہیں کر سکتا۔"

"آپ ایک دوست اور وفادار انسان ہیں۔" خازادہ نے بھی آج اپنا مطلب بیان کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میراں شاہ نے آپ کو وزیرِ سلطنت منتخب کر کے دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو یہی کرتی۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ جب بھی کہیں کی ملکہ یا والیِ ریاست بنی تو آپ کو اپنا وزیر مقرر کروں گی۔"

خانزادہ اپنی گفتگو میں میراں شاہ، تیمور اور امیروں اور وزیروں کا ذکر بڑی بے تکلفی سے کرتی تھی جس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ واقعی شہزادی اور میراں شاہ کی رشتے دار ہے لیکن اس سے رشتے کے بارے میں اس نے اب تک زبان نہیں کھولی تھی۔ یہ بات وزیرِ سلطنت کو پریشان کرتی رہتی تھی کیونکہ جب تک اس شخصیت کی تحقیق نہ ہو جاتی، یہ پتہ چلنا مشکل تھا کہ وہ تبریز کس مقصد کے تحت آئی ہے اور شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ لوگوں پر خود کو ظاہر کیوں نہیں کرتی۔

"مہمان خانم!" وزیر آج جیسے خانزادہ کی خدمت کا بیڑا اٹھا کر ہی آیا تھا افسردگی سے بولا:

"افسوس۔ آپ مجھے بہت کچھ سمجھتے ہوئے بھی کوئی خدمت کرنے کا موقع نہیں دیتیں۔ آپ نے اپنی ذات کا تو اظہار کر دیا لیکن مجھے اپنی خدمات بجا لانے کا کوئی مناسب موقع ابھی تک نہیں ملا۔"

خانزادہ نے اب زیادہ انتظار بہتر نہ خیال کیا:

"اچھا۔ آپ صرف ایک معمولی سا کام کر دیجئے۔ مجھے تبریز میں کسی ایسے امیر کا پتہ معلوم کر دیجیے جو میراں شاہ کے ساتھ اس وقت آیا تھا جب امیر نے میراں شاہ کو خوارزم کی حکومت عطا کی تھی۔ امیر نے چھ امیر میراں شاہ کے ساتھ بھیجے تھے ان میں سے ایک نہ ایک تبریز میں ضرور موجود ہو گا۔ یہ کام بھی میں اس لیے آپ کے سپرد کر رہی ہوں کہ آپ بضد ہیں ورنہ یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں۔"

"آپ اطمینان رکھیے مہمان خانم۔" وزیر نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا:

"میں اس امیر کا نام اور پتہ ضرور معلوم کر لوں گا۔ بشرطیکہ وہ تبریز میں رہتا ہو۔"

"مگر اس بات کا خیال رہے اسے میرے بارے میں کوئی علم نہ ہو سکے۔" خانزادہ نے اسے تاکید کی:

"میں فی الحال اس پر اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔"

وزیر سلام کر کے چل دیا لیکن دروازے پر پہنچ کر کچھ خیال آیا اور واپس آ کر خانزادہ کے سامنے چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں وزیرِ سلطنت۔" خانزادہ نے پوچھا۔

"آپ ضرور کوئی بڑی شخصیت ہیں۔" وزیر نے سادگی سے کہا:

"آپ بتا چکی ہیں کہ آپ سلطانِ معظم کی رشتے دار ہیں۔ میں آپ کے نام سے بھی آگاہ ہوں لیکن آپ کہاں ہیں؟ عالی مقام سے آپ کا کیا رشتہ اور کیا تعلق ہے یہ آپ نے اب تک نہیں بتایا۔ کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں؟"

خانزادہ مذبذب میں گرفتار ہو گئی۔ انکار کی صورت میں وزیر کی ہمدردیوں سے محروم ہونے کا امکان تھا شاید اقرار ہی صحیح راستہ تھا۔ اس طرح وہ وزیر کا پورا اعتماد حاصل کر سکتی تھی۔

"وزیرِ سلطنت!" خانزادہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی:

"میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔ میں بتاتی ہوں کہ میں کون ہوں اور میراں شاہ کا نام اس قدر بے تکلفی سے کیوں لیتی ہوں لیکن میں آپ کو جو کچھ بتاؤں اس کا اظہار آپ کسی سے اس وقت تک نہ کریں جب تک میں اجازت نہ دوں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں بقسم کھاتا ہوں مہمان خانم!"

خانزادہ نے بتانا شروع کیا:

"اگر آپ کو تیموری خاندان کی تاریخ سے دلچسپی ہے تو آپ نے سنا ہو گا کہ ہمارے امیر کے چار بیٹے تخت و تاج کے وارث ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے شہزادہ جانگیر تھے جنہیں ولی عہد مقرر کر دیا گیا تھا لیکن وہ عنفوانِ شباب ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسرے بیٹے عمر شیخ تھے جو ایک جنگ میں زخمی ہو کر مر گئے۔ تیسرا بیٹا یہی میراں شاہ ہے جسے آپ سلطان ابن سلطان کہتے ہیں حالانکہ امیر نے اب تک خود سلطان کا لقب اپنے نام کے ساتھ لگایا ہی نہیں۔ جو تھا وارثِ سلطنت شہزادہ شاہ رخ ہے جو امیر کی دوسری بیوی سرائے خانم کے بطن سے ہے۔ شہزادے جانگیر اور شہزادے عمر شیخ کی موت کے بعد اب میراں شاہ ہی سلطنتِ تیمور کے ولی عہد اور وارث ہیں۔ سمجھ میں آیا آپ کی؟"

"بالکل سمجھ گیا مہمان خانم۔" وزیر جلدی سے بولا:

"میں نے شاہی خاندان کی یہ تفصیل پہلے بھی سنی ہے لیکن آپ نے اپنے بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا آپ کا تعلق اس خاندان سے کس واسطے سے ہے۔ میں تو آپ کی ذات گرامی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں مہمان خانم!"

"آپ نے خوارزم کے والی حسین صوفی کا نام ضرور سنا ہو گا؟" خانزادہ نے سوالیہ نظروں سے وزیرِ سلطنت کو دیکھا۔

"کیوں نہیں خانم۔" وزیر نے اثبات میں سر ہلایا:

"صوفی خاندان خوارزم کا پرانا حاکم تھا۔ پھر ہمارے سلطان کے والدِ محترم صاحبقران امیر تیمور نے خوارزم فتح کر کے سلطنتِ تیموری میں شامل کر لیا۔"

"آپ نے درست فرمایا۔" خانزادہ اطمینان سے بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اسی حکمران خاندان کی شہزادی خانزادہ ہوں۔ میں نے خود شہزادہ جہانگیر کو دیکھا تھا اور پھر جب وہ ہار کا رشتہ میرے لیے آیا تو میں انکار نہ کر سکی۔ اس طرح میں ولی عہد کی بیوی بن کر سمرقند چلی گئی لیکن تقدیر نے میرا ساتھ نہ دیا اور چند برسوں بعد ہی بیوہ ہو گئی۔"

"اوہ..... تو آپ ولی عہد بہادر کی بیوی ہیں۔" وزیر نے احترام کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیوی نہیں بیوہ ہوں شہزادہ۔" خانزادہ نے ایک آہ بھری:

"کاش شہزادہ جہانگیر زندہ رہتے تو میں بھی آج کسی ملک کی ملکہ ہوتی۔"

"محترمہ خانم..... آپ میرے لیے اب بھی ملکہ ہیں۔" وزیر سلطنت نے نہایت خلوص سے کہا:

"میرے لیے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ آج میں، صاحبقران امیر تیمور کی بیوی سے ہم کلام ہوں۔ میں اس اعتماد کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ میں بہت جلد آپ کا کام انجام دے کر سرخ رو ہوں گا۔"

○

وزیر سلطنت کے لیے یہ کوئی بڑا کام نہیں تھا۔ اس نے اپنے محل پہنچتے ہی کوتوال شہر کو بلوایا۔ یہ حکم پا کر گھبرا گیا۔ کسی ملک کے افسران بالا، حکومتی مشینری کے کل پرزے سمجھے جاتے ہیں اور جب وہ سب مل کر چلتے ہیں تو حکومت کی گاڑی چلتی ہے لیکن تبریز کی حکومت کے کسی ایک افسر کو دوسرے سے کسی قسم کا تعلق نہیں تھا۔ ان میں چھوٹے بڑے کا تو لحاظ تھا اور ہر چھوٹا اپنے بڑے افسر سے بے انتہا ڈرتا تھا کیونکہ ہر ایک کو اپنے مراتب پر پورا اختیار تھا اور وہ اسے کسی وقت بھی برخاست کر سکتا تھا جس کی کوئی داد فریاد نہ تھی۔

وزیر سلطنت کے ہرکارے کو دیکھتے ہی کوتوال شہر کا چہرہ اتر گیا۔ اس نے بڑی لجاجت سے پوچھا:

"کیوں جناب! ہمارے وزیر سلطنت بہادر کے مزاج تو بخیر ہیں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔" ہرکارے نے کھردرے انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے جس وقت میری طلبی کا حکم دیا گیا اس وقت ان کے چہرے پر جلال تھا یا جمال؟" کوتوال نے بڑی منت سے دوبارہ دریافت کیا۔

"مجھے کیا پتہ؟" ہرکارہ یوں بولا جیسے کہیں سے لڑ کر آ رہا ہو:

"مجھے تو وزیر کے غلام نے محل سے آ کر بتایا تھا کہ کوتوال سے کہو کہ وزارت میں خود اطلبی ہے۔"

"طلبی.....؟" کوتوال سہم گیا مگر اب مزید کچھ پوچھتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا۔

"جلدی کرو کوتوال..... مجھے اور بھی کام کرنا ہیں۔" ہرکارے نے یہ کہہ کر اس کی زبان بالکل ہی بند

کوتوال لرزاں و ترساں وزیر سلطنت کے محل پر پہنچا۔ وہاں سات کوتوال اور پہلے سے پہنچے ہوئے تھے۔ زیر دس لاکھ کی آبادی کا شہر تھا۔ اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر حصے پر ایک کوتوال مقرر تھا۔ ی وقت وزیر سلطنت نے اپنے غلام کو حکم دیا تھا کہ کوتوال شہر کو بلا لائے تو غلام کی یہ ہمت نہ ہوئی تھی کہ وہ وزیر سے یہ پوچھ سکے کہ کس علاقے کے کوتوال کو بلایا جائے۔ وزیر کے تمام غلام اس سے خائف رہتے تھے۔ وزیر نے ی ظاہروں کو ذرا ذرا سی بات پر نکال باہر کیا تھا۔ ایک غلام کو تو اس بات پر نکالا گیا تھا کہ اس غریب نے وزیر کو پریشان دیکھ کر بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر پوچھ لیا تھا:

"آج حضور کے مزاج گرامی کچھ ناساز معلوم ہوتے ہیں۔"

وزیر سلطنت کو غلام کی یہ مؤدبانہ مزاج پرسی اتنی گراں گزری کہ اسے گستاخی تصور کرتے ہوئے غلام ر برخاستگی کا حکم صادر کر دیا۔ پھر بھلا غلام کیوں دریافت کرتا کہ حضور وزیر سلطنت کس علاقے کے کوتوال کو ب کر رہے ہیں۔

اسی طرح جب غلام نے باہر جا کر پیادوں کے داروغہ کو کوتوال شہر کے بلانے کا حکم دیا تو اس کی ہمت نہ ہ گاہ محل کے غلام سے پوچھ سکے کہ اے بندۂ خدا! یہ تو بتاتا جا کہ آٹھ کوتوالوں میں سے کس کو حاضر خدمت یا جائے؟

غلام اپنی بلا داروغہ کے سر منڈھ کر واپس آ گیا اور داروغہ کے لیے یہی راستہ چھوڑ گیا کہ وہ بیک وقت تمام وتوالوں کو طلب کرے اور سب کو وزیر سلطنت کی خدمت میں ایک ساتھ پیش کر دے۔

وزیر سلطنت کو اطلاع دی گئی کہ کوتوال آ گئے ہیں۔ وزیر کو معاً خیال آیا کہ اس نے کسی کوتوال کا نام نہ لیا تھا اور نہ ہی علاقے کی نشاندہی کی تھی۔ پتہ نہیں یہ کس کوتوال کو بلا لایا ہے۔ اگر اس سے پتہ نہ چلا تو سرے کو بلانا پڑے گا۔ اس نے غلام سے پوچھا:

"تو کس کوتوال کو لایا ہے۔ میں نے کسی علاقے کا نام تو لیا نہیں تھا۔ تجھے پوچھنا چاہیے تھا کہ کس کوتوال ر حاضر کیا جائے؟"

غلام کی اس میں کوئی غلطی نہ تھی لیکن خوف کے مارے اسے پسینہ آ گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ آج ملازمت کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتمہ ہو گیا کیونکہ اس قسم کے معاملات میں وزیر سارا الزام غلام کے سر ڈال کر اسے نکال دیا کرتا تھا۔۔۔۔ پھر نے حوصلہ کیا اور ڈرتے ڈرتے کہا:

"حضورِ والا نے نام تو کسی کا نہیں لیا تھا اس لیے میں نے تمام کوتوالوں کو بلا لیا ہے۔ حضور کو جو کام ہو اسے حاصل کیا جائے۔"

"شاباش۔ تُو بہت عقلمند ہے"۔ وزیر خوش ہو گیا:

"آج سے تجھے تمام غلاموں کا داروغہ بنایا جاتا ہے۔ جاؤ اور سب کو باری باری ہمارے سامنے غلام خوشی خوشی باہر بھاگا۔ ایک تو اس کی ملازمت بچی۔ دوسرے مفت میں اس کی ترقی ہو گئی سب کوتوال بھیگی بلی بنے اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ غلام کو خوش خوش آتے دیکھ کر انہیں ذرا اطمینان نے کوتوالوں پر ایک فاتحانہ نظر ڈالی اور ایک کوتوال کو اشارے سے قریب بلایا۔ کوتوال سہما ہوا اس پاس آ گیا۔

"اطمینان سے اندر جاؤ۔ وزیرِ سلطنت بہت خوش ہیں۔ آج ترقی کا دن ہے"۔ غلام نے اسے دلا کوتوال اسے متشکر نظروں سے دیکھتا ہوا وزیر کے کمرے میں چلا گیا۔

وزیر کچھ سوچ رہا تھا۔ اسے کوتوال کے داخل ہونے کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ حالانکہ کوتوال بالکل اس سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

ذرا دیر بعد خود ہی وزیر نے چونک کر کوتوال کو دیکھا اور سختی سے بولا:

"کون ہو تم؟۔۔۔۔ اندر کیوں آئے ہو۔ کس نے آنے دیا تمہیں؟"

کوتوال حواس باختہ ہو گیا:

"وہ حضور نے۔۔۔۔ نہیں غلام نے۔۔۔۔ میں کوتوالِ شہر۔۔۔۔ شمال مشرقی طاقہ!" کوتوال ا سے اٹک اٹک کر چند بے ربط الفاظ کہہ سکا۔

"شہر کوتوال۔۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے"۔ وزیر کو یاد آ گیا:

"میری بات غور سے سنو اور ٹھیک ٹھیک جواب دو۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے علاقے میں کوئی ایسا تیمور موجود ہے جو سلطانِ معظم کے ساتھ یہاں آیا ہو؟"

کوتوال نے اطمینان کا سانس لیا پھر فخر سے بولا:

"وزیرِ سلطنت کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرے علاقے میں صرف ایک پرانا تیموری امیر رہتا ہے نام قلات خان ہے۔ قلات خان اُن امیروں میں سے ایک ہے جو حاجی قرآن امیر تیمور نے شہر سبز سے ملا

بالمقام حضرت میراں شاہ ابنِ سلطان کے ساتھ بھیجے تھے تاکہ وہ ملکی معاملات میں انہیں مشورہ دیں۔ یہ امیر حضرت سلطان کے ساتھ خوارزم کے دارالسلطنت اور بگاؤں میں کافی عرصہ تک رہ چکا ہے۔ پھر جب حضور سلطان اتبریز کی ولایت عطا ہوئی تو قلات خان ان کے ساتھ تبریز آ گیا۔ قلات خان جلائری قبیلے کا تاتاری سردار ہے۔ اس کے باپ کا نام۔۔۔۔؟"

"چپ رہو۔ اس کا شجرہ نہیں چاہیے"۔ وزیر بگڑ کر بولا:

"وہ کس محلے میں رہتا ہے۔ صحیح پتہ کیا ہے؟"

کوتوال نے قلات خان کے محلے کا نام اور اس کے گھر کا جائے وقوع کا تفصیل سے نقشہ کھینچا۔ پھر ہتہ سے کہا:

"وزیرِ سلطنت کا حکم ہو تو اسے ابھی گردن سے پکڑ کر حاضر کروں یا پھر گردن اتار کر لے آؤں!"

"نہیں۔ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاؤ اور دوسرے کوتوالوں کو بھی لے جاؤ۔ لیکن خبردار کسی دیہ نہ بتانا کہ تم سے کسی کا پتہ پوچھا گیا ہے۔ اگر تم نے رازداری نہ برتی تو پھر۔۔۔۔" وزیر نے جملہ ادھورا چھوڑ ر معاملے کی اہمیت اور بڑھا دی۔

کوتوال اپنی خیر مناتا ہوا واپس آیا اور باہر آ کر اس نے حکم کے مطابق سب کوتوالوں کو واپس بھیج دیا۔

○

امیر قلات خان کی حویلی بھی کسی چھوٹے بادشاہ سے کم شاندار نہ تھی چنانچہ وہ آج تبریز کے بڑے بازار سے گزر کر آئی تھی۔ بازار میں بھیڑ بھاڑ اور سجی ہوئی دکانیں دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔ سمرقند کو امیر نے اس قدر سجایا تھا کہ وہاں ہر قسم کے سامان سے دکانیں بھری تھیں لیکن تبریز کے بازاروں کی شان ہی عجیب تھی۔ ایک بازار کئی کئی بازار تھے۔ پارچہ جات کا بازار، سونے چاندی کا بازار، جواہرات کا بازار دیکھ کر تو اس کی آنکھیں حیران کی حیران رہ گئی تھیں۔ ایک بازار اسے مینا بازار کے طرز کا دکھائی دیا۔ اس میں خواتین کے سنگار کا سامان تھا۔ وہاں عورتوں کا بے پناہ ہجوم تھا اور ہر عورت سامان خریدنے پر بے تحاشا رقم خرچ کر رہی تھی۔ نوکر کو تمام راستے کوئی عورت یا مرد بھیک مانگتا نظر نہ آیا۔ وہاں تو سب ہی امیر کبیر نظر آتے تھے۔ مکانات عام طور دو منزلہ اور سہ منزلہ تھے۔ سامنے کی دیواروں پر نقش و نگار بنے تھے۔ اوپر سنگی برجیاں اور چھجے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر قلات خان کی حویلی کا صدر دروازہ ایک جھلملاتے کپڑوں والے دربان نے کھولا۔ اس نے خانزادہ کا گھوڑا ایک طرف باندھ دیا اور اسے مہمان خانے میں بٹھا کر قلات خان کو اطلاع دینے اندر چلا گیا۔

خانزادہ مہمان خانے کی ہر چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ وہ خوارزم کی شہزادی اور دلاور احمد خان کی بیوہ تھی۔ شہر سبز اور سمرقند کے محلات اس کے دیکھے ہوئے تھے۔ امیر قلات کا یہ مہمان خانہ ان محلات سے کسی طرح کم نہ تھا۔ ہر چیز سے امارت کا اظہار ہوتا تھا۔

امیر قلات خان قہوہ کی پیالی لیے مہمان خانے میں داخل ہوا۔ خانزادہ اس کے استقبال کے لیے کھڑی نہیں ہوئی اور بیٹھے بیٹھے پُروقار لہجے میں کہا:

"میں تاتاری امیر قلات خان کو سلام پیش کرتی ہوں۔"

"مرحبا..... خوش آمدید خانم....." قلات خان کو شاید خانزادہ کا اٹھ کر سلام نہ کرنا گوارا نہ ہوا اس نے خشک لہجے میں کہا:

"میں خانم کی کیا خدمت کر سکتا ہوں..... اگر خانم یہ امید لے کر آئی ہیں کہ میں سلطان ابن سلطان سے ان کی کسی معاملے میں سفارش کروں تو مجھے معذور سمجھا جائے۔ میں نے دربارِ سلطانی سے تقریباً اپنا تعلق ختم کر لیا ہے۔"

قلات خان و خانزادہ کا لہجہ سخت تھا:

"میں نے تمہیں تاتاری امیر کے معزز الفاظ سے مخاطب کیا لیکن معلوم ہوتا ہے تم نے تاتاری شمشیر اور شہ سواری چھوڑ کر ایرانی عشرت پسندی اختیار کر لی ہے۔ تمہیں تاتاری امیر کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔"

قلات خان نے بڑی حیرت سے خانزادہ کو دیکھا۔ خانزادہ کا نصف چہرہ نقاب میں پوشیدہ تھا اس لیے وہ اس کے صحیح تاثرات کا اندازہ نہ کر سکا لیکن خانزادہ کی نظریں اور اس سے زیادہ تیز لہجے نے اسے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ اس کی مخاطب کوئی معمولی خاتون نہیں ہو سکتی۔

قلات خان دھیمے لہجے میں بولا:

"خانم..... آپ مہمان کی حیثیت سے تشریف لائی ہیں۔ آپ کا تلخ و ترش لہجہ اگرچہ قابلِ برداشت نہیں لیکن اس سے درگزر کرتے ہوئے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میں نے خانم کو خوش آمدید کہنے کے علاوہ اور کون سی گستاخی کی ہے جس کی بناء پر آپ مجھے تاتاری امیروں کے دائرے سے خارج کرنے پر آمادہ ہو گئی ہیں۔"

"قلات خان۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہو گی کہ تم ولایتِ تبریز کے گورنر اور رعایا کو سلطان ابن سلطان کہہ رہے ہو۔" خانزادہ کو جلال آ گیا:

"میران شاہ، صاحبقراں امیر تیمور کا بیٹا ہے۔ تم اسے سلطان کہہ کر نہ صرف لفظ سلطان کی توہین کر رہے ہو بلکہ میران شاہ کو ابن سلطان کہنا خود صاحبقراں امیر تیمور کی توہین ہے۔ امیر نے اب تک سلطان کا لقب اختیار نہیں کیا۔ میران شاہ کا دماغ تم جیسے خوشامدیوں اور ابن الوقت امیروں نے خراب کیا ہے۔"

قلات خان کو اپنے مخاطب کی جرأت اور دلیری پر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے جو باتیں کہیں اور الزام لگائے ان میں ذرا بھی شبہ نہ تھا لیکن ان کا برملا اظہار ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے سہمی سہمی آواز میں پوچھا:

"محترمہ خانم! آپ نے جو کچھ فرمایا اس کی تائید یا تردید میں بعد میں کروں گا لیکن یہ تو فرمائیے کہ آپ نے نقاب کیوں باندھا ہے۔ کیا آپ کو اپنی زندگی عزیز نہیں، موت کو خود دعوتِ دینا نہ تو بہادری ہے اور نہ دانشمندی..... تبریز کی ولایت میں سلطان کے خلاف زبان کھولنے والے کی زبان تراشی اور گردن جدا کر دی جاتی ہے۔"

"ہمیں اپنی بہادری پر بڑا ناز ہے قلات خان۔"

خانزادہ نے اپنے نقاب پر ہاتھ ڈالا اور اسے نوچ کر دور پھینک دیا:

"جرأت ہے تو تلوار اٹھاؤ۔ تمہیں ابن الوقت کہنے والی میں ہوں، خانزادہ۔ صاحبقراں امیر تیمور کے لاڈلے شہزادے جہانگیر کی بیوہ..... خوارزم کی شہزادی خانزادہ!"

قلات خان کے ہاتھ سے قہوہ کی پیالی چھوٹ گئی۔ اس نے سر جھکا کر فوراً ہاتھ باندھ لیے:

"محترمہ شہزادی مجھے معاف کر دیجیے۔ مجھ سے بہت گستاخی ہوئی۔ میں آپ کو بالکل نہیں پہچان سکا۔"

"اب تو پہچان لیا کہ ہم کون ہیں؟" خانزادہ نے فوراً شاہانہ تکلم اختیار کیا۔

"اے اور کنج کے ترکمان بادشاہ کی بیٹی۔ آپ کو کون نہیں پہچانے گا۔" بوڑھے قلات خان نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا:

"اس کے ورودِ سمرقند کی تقریب کو کون بھول سکتا ہے۔ وہ کتنا مبارک دن تھا جب آپ دلہن بنی ہوئی ہودج پر عمل میں بیٹھی سمرقند کے مغربی دروازے سے داخل ہوئی تھیں۔ دروازے کا خیابان خالیفوں سے اٹا تھا۔ امیر محتشم کی لشکر گاہ میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھایا گیا تھا۔ امیر دو وزیر، توا چی اور علمبردار، طلائی نیزے باز سجے ہوئے گھڑ سوار آپ کے استقبال کو نکلے تھے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر دائیں بائیں شہسوار کس شان سے چل رہے تھے۔ پیچھے گھوڑوں اور اونٹوں کی بے شمار قطاریں آپ کا جہیز رکھا ہوا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قلات خان سانس لینے کے لیے رکا تو خانزادہ ایک آہ بھر کر بولی:

"خان، تمہیں سب کچھ یاد ہے؟"

"خوارزم کی شہزادی! وہ دن اور وہ رات بھلا بھولنے کی چیز ہے!" قلات خان نے جواب میں بڑے خلوص سے کہا:

"ایک ایک منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ رات ہوتے ہی درختوں میں لٹکی ہوئی قندیلیں ایک دم جگمگا اٹھی تھیں۔ اس رات تو ہوا بھی خرام ناز کا مظاہرہ کر رہی تھی اور قندیلوں میں تھرتھراتی روشنی رنگ برنگی پھولوں کی طرح جھوم رہی تھی۔ تمام خیمے صندل کی چوبوں پر استادہ تھے اور صندل کی بھینی بھینی خوشبو سے پوری فضا مہک اٹھی تھی۔"

"بس بس خان..... خدا کے لیے ان شب و روز کی یاد نہ دلاؤ۔" خانزادہ کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی:

"وقت واپس نہیں آیا کرتا۔ ایک وہ دن تھا کہ ہماری آواز سے محلسرا تھر تھرا اٹھتی تھی اور در و دیوار لرز جاتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ ہماری باتوں پر کوئی دھیان نہیں دھرتا۔ ہمیں اطلاع ملی گئی تھی کہ میران شاہ نے غلط راستہ اختیار کر لیا ہے۔ وہ ولی عہد سلطنت ہے لیکن امور سلطنت میں دلچسپی لینے کے بجائے اس نے خود کو عیش و عشرت کے سمندر میں غرق کر دیا ہے۔ ہمارا دل کڑھنے لگا اور یہاں دربار حال کے لیے آئے ہیں۔ افسوس کہ جو سنا تھا حالات اس سے زیادہ بدتر دیکھے۔ امیر محترم نے تم جیسے وفاداروں کو شہزادے کے ساتھ اس لیے روانہ کیا تھا کہ وہ راستے سے بھٹکنے نہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رہبر اور راہنما خود بھی اسی رنگ میں رنگ گئے۔"

"شہزادی عالیہ آپ درست فرما رہی ہیں۔" قلات خان نے اعتراف کیا۔

"ہم جب امیر شہزادے کے ساتھ آئے تھے۔ شہزادے بہادر جب تک اور گنج میں رہے انہوں نے اعتدال سے قدم نہیں بڑھایا لیکن جوں ہی وہ ناہل ندیموں اور نالائق مصاحبوں کا جنہیں امیر عالی مقام نے شہزادے کی دل بستگی کے لیے تعینات کیا تھا۔ ان میں زیادہ تعداد شاعروں کی ہے۔ کچھ اپنے آپ کو انشا پرداز کہتے ہیں۔ بعض رقص و موسیقی میں باکمال ہونے کے دعوے دار ہیں۔ انہوں نے شاہی دربار کا رنگ بگاڑ دیا ہے۔ شہزادے نے پرانے ملازموں کو برخاست کر کے ان مسخروں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ باورچی رقاص ہے تو چوبدار انشا پرداز۔ شاعروں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ صفائی والا بھی شعر کہنے لگا ہے۔ اندر رقص و سرود کی محفل تو باہر شعر و شاعری کے اکھاڑے جمتے ہیں۔ جب

تک آپ نہ پڑے مورچل جھلنے والے کے ہاتھ کو جنبش نہیں ہوتی۔"

"امیروں کا بھی تو کوئی فرض تھا۔ انہوں نے کیا کیا؟" خانزادہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم نے کوشش کی شہزادی عالیہ۔" قلات خان بڑے دکھ سے بولا:

"مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ مجبور ہو کر ہم نے دربار میں جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔"

"امیروں کو تو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ اگر شہزادہ غلط راہ پر چلے تو اسے سختی سے منع کیا جائے۔" خانزادہ نے بات پر زور دے کر کہا:

"سختی کرنے سے امیر ناراض تو نہ ہوتے۔"

"شہزادی عالیہ۔ شہزادے، صاحبقران امیر تیمور کے بیٹے ہیں۔" قلات خان نے بڑی عقیدت اور احترام سے کہا:

"امیر کے فرزند کا حکم ہم تاتاریوں کے لیے اٹل قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر بھلا ہم انہیں کس طرح ٹوک سکتے ہیں۔"

"قلات خان! یہ بات تو تیموری حکومت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔" خانزادہ نے متانت سے کہا:

"شہزادے کو ٹوکنا ہی پڑے گا۔ تاتاری لشکر اور عوام کسی نااہل کو اپنا ولی عہد تسلیم کرنے پر کس طرح ہو سکتے ہیں؟"

"شہزادی عالیہ!" قلات خان نے تعجب سے خانزادہ کو دیکھا:

"آپ امیر کے بیٹے کو نااہل کہہ رہی ہیں۔ کس میں ہمت ہے کہ ان کے معاملات میں دخل دے سکے؟"

"اہل اور نااہل تو انسان اپنے اعمال سے ہوتا ہے قلات خان۔" خانزادہ استقلال سے بولی:

"اگر صاحبقران کے امیر عقیدت کا نقاب ڈال کر بزدلی کا مظاہرہ کرنے لگے تو یہ فرض ہمیں ادا کرنا ہوگا۔ ہم دربار میں میران شاہ کو نااہل ثابت کر سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں ثبوت کی ضرورت ہوگی اور اس کا انتظام تیمور کے بیٹے ہی پیش کر سکتے ہیں۔"

قلات خان کی سمجھ میں خانزادہ کی بات آ تو گئی لیکن وہ جواب دیتے ہچکچا رہا تھا۔ خانزادہ کی نظریں قلات خان کے چہرے پر لگی تھیں اور وہ جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ جب قلات خان کی خاموشی طویل ہو گئی تو بات کا رخ بدل کر کہا:

"اگر تیمور کے امیر یہ سمجھتے ہیں کہ میران شاہ کے معاملات میں خاموشی اختیار کی جائے تو پھر ہمیں بھی کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ کسی کی مخالفت مول لیں۔ تاتاری حکومت تباہ ہوتی ہے تو ہو جائے۔ ہمارا مقصد تاتاریوں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ ان کی خون بہاتے رہیں اور کم عقل ولی عہد ان کا ساتھ دینے کے بجائے بغیر کے چشموں میں ڈوبا رہے۔ کسی کا نقصان ہے۔ جب تبریز کے امیر اپنی اپنی حویلیوں کے سامنے میں پناہ گزیں ہو جائیں تو ایک بیوہ شہزادی کی ضرورت پڑی ہے کہ وہ میران شاہ کی عیاشیوں کا ڈھنڈورا پیٹتی پھرے۔ کاش آج شہزادے جہانگیر زندہ تو۔۔۔۔۔"

اور اس کے ساتھ ہی خانزادہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ یہ آنسو حقیقی تھے یا مکاری کے۔۔۔۔ تو پتہ نہیں لیکن قلات خان ان آنسوؤں اور خانزادہ کی دبی دبی سسکیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

قلات خان نے اس سے کہا:

"مت روئیے شہزادی! شہزادے جہانگیر ہم میں موجود نہیں لیکن یقین کیجیے کہ میں اور حاضرین امیر تیمور کے تمام امیر و سردار آپ کا بالکل اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے ہم شہزادے کی زندگی میں ان کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ آپ نے ٹھیک کہا کہ ہم بزدل اور بے خبر ہیں لیکن اگر ہم سے امیر نے دریافت کیا تو تبریز کے پورے حالات بغیر خوف و خطر کے بیان کر دیں گے۔"

"تمہاری بات سے ہمارا دل خوش ہو گیا قلات خان۔" خانزادہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ہمارا خیال غلط تھا کہ امیر کے وقار اور جہانگیر کی بیوہ کا احترام کرنے والے امیر اب باقی نہیں رہے۔ ہم اپنا فرض ادا کریں گے۔۔۔۔۔ امید ہے ہمیں تبریز کے امیروں کا تعاون حاصل رہے گا۔"

"مگر شہزادی عالیہ!" قلات خان نے تشویش سے کہا:

"آپ شہزادے میران شاہ کی بڑی بھاوج ہیں۔ شہزادے کے حالات امیر کے کانوں تک پہنچانے سے پہلے اگر آپ انہیں سمجھائیں تو شاید زیادہ بہتر ہو۔ وہ آپ کی تنبیہ کا برا نہ مانیں گے۔ ممکن ہے آپ کو دیکھ کر صاحبقراں کا غیظ و غضب اور عتاب کا ڈر پیدا ہو جائے اور وہ خود اپنی اصلاح شروع کر دیں۔"

"ہاں قلات خان۔ ہمارا یہی ارادہ ہے۔" خانزادہ کو قلات خان کا جو فوری تعاون حاصل ہوا وہ کھونا نہیں چاہتی تھی لہٰذا اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہوئی بولی:

"تمہارا مشورہ نہایت دانشمندانہ ہے۔ ہم خود نہیں چاہتے کہ شہزادے کی شکایت کا ناگوار فرض ہم پر پڑے۔ یہ تو سب سے آخری قدم ہو گا۔ ہم تمہارے کہنے کے مطابق میران شاہ سے ملاقات کریں گے اور اپنے تئیں کوشش کریں گے کہ یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ ورنہ جب یہ ذکر تیموری دربار تک پہنچے گا تو قیامت برپا ہو جائے گی۔"

"میں شکر گزار ہوں شہزادی عالیہ۔" قلات خان خوش ہو گیا:

"قلات خان کے لیے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ شہزادی نے اس کی بات پر توجہ فرمائی۔ میں تبریز کے پرانے بزرگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کروں گا تاکہ اگر گواہی شہادت کی ضرورت پڑے تو وہ سب بھی شہزادی کا ساتھ دیں۔"

"ہم بھی تمہارے شکر گزار ہیں قلات خان۔" خانزادہ نے اس کی عزت افزائی کے لیے کہا:

"تمہارے لیے یہ بات بہت اطمینان کا باعث ہے کہ پرانے امیر اب بھی شہزادے کی بیوہ کی عزت کرتے ہیں اور اس سے تعاون کے خواہش مند ہیں۔"

قلات خان سے کامیاب ملاقات کے بعد خانزادہ اپنی حویلی واپس ہوئی تو وہ دل میں بہت خوش تھی۔ خانزادہ جب اورگاؤں سے تبریز کی طرف چل پڑی تھی تو اس کے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح میران شاہ کو راستے سے ہٹا کر اپنے بیٹوں شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ سلطان محمد کے لیے فضا ہموار کی جائے کیونکہ میران شاہ کی موجودگی میں یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس کے پاس کوئی واضح منصوبہ نہ تھا اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سلسلے میں میران شاہ سے ملنے کے بعد ہی کوئی تدبیر کرے گی۔

میران شاہ کسی زمانے میں خانزادہ کے لیے بہت بے چین تھا لیکن اس بات کو کئی سال گزر چکے تھے میران شاہ ولایت تبریز سے بے پناہ دولت اور خزانہ ہاتھ آ گیا تھا اور وہ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ خانزادہ بھی ایک خود دار شہزادی تھی۔ اس نے میران شاہ کو ذرا سی ڈھیل دی تھی تاکہ وقت ضرورت اس سے کام لے سکے لیکن جب میران شاہ کی طرف سے سلسلہ جنبانی نہ ہوئی تو خانزادہ بھی اکڑ گئی۔۔۔۔ پھر جب اسے اپنی مانگ میں چاندی کا تار نظر آیا تو وہ گھبرا اٹھی۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے فوری طور پر کوئی قدم نہ اٹھایا تو اس کا بیٹوں کو ولی عہد بنانے کا خواب کبھی پورا نہ ہو گا۔ اسی لیے وہ بن بلائے ایک دم تبریز پہنچ گئی تھی لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ میران شاہ اس سے کترا رہا ہے اور اس سے ملاقات بھی ناممکن ہے تو اس نے دوسرا منصوبہ بنایا۔ اس سلسلے میں اس نے وزیر کا تعاون حاصل کیا۔ پھر اس کی مدد سے قلات خان تک پہنچی۔

قلات خان سے ملاقات کے دوران ہی اس کے ذہن میں ایک نیا خیال ابھرا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک تیر سے دو شکار کرے گی۔ اگر اس نے میران شاہ کو رام کر لیا تو وہ میران شاہ سے شادی کر کے ایک بار پھر ولی عہد کی بیوی بن کر تاتاریوں میں اپنا پرانا وقار حاصل کر لے گی۔ اور اگر میران شاہ نے اسے ٹھکرا دیا تو وہ اس کی تمام آرزوؤں سے امیر تیمور کو باخبر کر کے اسے امیر کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرے گی۔ اس کی امید اس لیے تھی کہ اسے قلات خان اور دوسرے امیروں کا تعاون حاصل ہو گیا تھا جو اس کے بیان کی تصدیق کر سکتے تھے۔

خانزادہ اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی حویلی پہنچی تو اس نے وزیرِ سلطنت کو اپنا منتظر پایا۔ وزیر نے اسے سلام کیا اور ادب سے پوچھا:

"مہمانِ خانم شاید آج تبریز کی سیر کو تشریف لے گئی تھیں؟"

"میر ہی سمجھیے وزیرِ سلطنت!" خانزادہ خوش دلی سے بولی:

"جس امیر کا مجھے پتہ دیا گیا تھا، میں نے آج اس سے ملاقات کی ہے اور یہ ملاقات میری امید سے زیادہ کامیاب رہی۔"

"کامیاب رہی، قلات خان سے آپ کی ملاقات....؟" وزیر کو گھبراہٹ پیدا ہوئی:

"آپ نے اس سے میرا ذکر تو نہیں کیا۔ میں غریب آدمی ہوں مہمانِ خانم۔ بال بچے دار ہوں۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" خانزادہ نرمی سے بولی:

"آپ کا ذکر تک نہیں ہوا۔ دراصل میں قلات خان سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ یہ امیر میری شادی کے وقت سمرقند میں موجود تھا۔ اس نے میرے شاندار استقبال کا نقشہ کچھ ایسے انداز سے کھینچا کہ تمام پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ مجھے تبریز میں ایسے ہی آدمیوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"آپ کو اس کے تعاون کی کیا ضرورت ہے خانم؟" وزیرِ سلطنت کو تشویش پیدا ہوئی:

"میرے سامنے اس گوشہ نشیں امیر کی کیا حیثیت ہے۔ اسے تو دربار میں بھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے ایسے تمام امیروں کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکے گا۔"

خانزادہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ کامیابی کی خوشی میں خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی اور کئی ایسی باتیں اس کے منہ سے نکل گئی تھیں جن کا اظہار اس وقت کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اگر وزیرِ سلطنت کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ خانزادہ میران شاہ سے شادی کا ارادہ رکھتی ہے یا اس کی اصلاح کے لیے کوشاں ہے تو اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جا سکتے تھے۔ تبریز کے تمام عمائدین اور امرا ایرانی تھے اور ان کی بھلائی اسی میں تھی کہ میران شاہ خوابِ غفلت سے کبھی بیدار نہ ہو اور وہ اپنی من مانی کرتے رہیں۔

خانزادہ نے وزیر کا شبہ دور کرنے کے لیے کہا: "وزیرِ سلطنت! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ کو

یہ کہ تیموری سلطنت کے تمام پرانے امیر یا تو مر گئے ہیں یا جنگ میں مارے جا چکے ہیں۔ میں قلات خان سے اس لیے خوش ہوئی کہ واپسی پر میں قلات خان کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ امیر ایک پرانے وفادار کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

"کیا آپ واپس تشریف لے جا رہی ہیں؟" اس نے فوراً پوچھا۔

وہ خانزادہ کے تبریز میں قیام سے کچھ زیادہ ہی پریشان تھا کیونکہ اس کے قیام کا مقصد واضح نہیں تھا اور اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ خانزادہ، امیر تیمور کی بہو اور جہانگیر کی بیوہ ہے، اس وقت سے وہ خانزادہ سے خائف رہنے لگا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ بلا جس قدر جلد واپس چلی جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

خانزادہ اس کی بے چینی محسوس کر رہی تھی لیکن وہ وزیرِ سلطنت سے زیادہ چالاک تھی۔ ۔ ۔ ۔ وہ فوراً سمجھ گئی اور بولی:

"وزیرِ سلطنت کو علم ہے کہ میں میران شاہ سے ملاقات کے لیے آئی تھی لیکن شہزادے کا جو عالم ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ اگر میں نے میران شاہ سے ملاقات کی اور اس نے حکومت کے نظم میں کوئی سخت بات کہہ دی تو میرا برداشت کرنا ہو گا۔ میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں میران شاہ کو اس کے حال پر چھوڑ کر واپس چلی جاؤں۔"

"مہمانِ خانم۔ آپ نے بڑی عقل مندی کی بات سوچی ہے۔" وہ اس کی واپسی کی خبر سے دل میں خوش ہوا تھا۔ "اپنے کو الجھن سے بچانا ہی بہتر ہے۔"

"میرا ارادہ ہے کہ تبریز کی ایک دو دن اور سیر کر لوں۔ پھر واپس چلی جاؤں۔" خانزادہ نے یہ کہہ کر شک و شبے کا بھی خاتمہ کر دیا۔

"نہیں نہیں۔ ۔ ۔ ! اتنی بھی جلدی کیا ہے؟" وزیر نے رسماً کہا:

"آپ ہماری مہمان ہیں۔ جب تک چاہیں قیام فرمائیے۔ آپ جیسی اعلیٰ خاندان کی ہستیوں کی خدمت کرنے کا بار بار نہیں ملتا۔"

خانزادہ نے اپنی ہنسی کو روکا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ وزیر اب اس کے قیام کو دن بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر خانزادہ زیادہ دن ٹھہری تو ضرور کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا۔

"وزیرِ سلطنت!" خانزادہ نرمی سے بولی:

"آپ کے خلوص اور محبت کا شکریہ۔ لیکن اب ہمیں جانا ہی ہو گا۔ اور گنج میں ہمارا انتظام ہو رہا ہو گا۔"

"مگر۔ ۔ ۔ ۔ یہ آپ کی مرضی خانم!" وزیرِ سلطنت کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کس دن تشریف لے جانا چاہتی ہیں، میں آپ کی واپسی کا انتظام کروں۔"

خانزادہ اس کی مکارانہ گفتگو سے جھلا اٹھی۔ بولی:

"کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ خانزادہ جس خاموشی سے تبریز آئی تھی اسی خاموشی سے واپس چلی جائے گی۔"

وزیر سلطنت کو بھی شاید اپنی احمقانہ گفتگو کا احساس ہو گیا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا اٹھا اور سلام کر کے نکل گیا۔ خانزادہ کو قلات خان سے مل کر جو خوشی ہوئی تھی اس سے زیادہ کوفت اسے وزیر سلطنت سے مل کر ہوئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ بغیر وقت ضائع کیے میراں شاہ سے ملاقات کرے گی اور پھر جو صورت پیدا ہو گی اس کے مطابق کوئی قدم اٹھائے گی۔

○

خانزادہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ میراں شاہ نے رات اور دن کی تفریق ختم کر دی ہے اور وہ ہر وقت عیش کی محفل سجائے رہتا ہے۔

خانزادہ بڑے حوصلے والی عورت تھی لیکن اس نے رات کے وقت میراں شاہ سے ملنا مناسب نہ سمجھا۔ دن صبح ہی سے اس نے سلطانی محل جانے کی تیاری شروع کر دی لیکن یہ احتیاط کی کہ اپنے خاص کمرے کا اندر سے بند کر لیا اور کنیز سے کہہ دیا کہ اس کی طبیعت ناساز ہے اس لیے اسے پریشان نہ کیا جائے۔

وزیر سلطنت حسب معمول صبح کو اسے سلام کرنے آیا تو اسے حویلی میں داخل ہوتے ہی خانزادہ کی طبیعت کی اطلاع ملی۔ بتایا گیا "مہمان خانم آرام فرما رہی ہیں اور انہوں نے حکم دیا ہے کہ انہیں شام تک پریشان نہ کیا جائے۔"

وزیر سلطنت کو محض سلام کی رسم ہی ادا کرنا تھی۔ اسے اب خانزادہ سے مزید کسی انعام کی امید نہ تھی اس لیے واپس چلا گیا اور کہتا گیا کہ وہ شام کو بھی نہیں آئے گا۔ اس طرح وہ شام کے سلام کی زحمت سے بچ گیا۔ ادھر خانزادہ کو اطمینان ہوا کہ وزیر سلطنت اب اس کی تیاری میں مخل نہ ہو گا۔

خانزادہ کو میراں شاہ کے پاس جانے کے لیے کوئی خاص تیاری تو کرنی نہیں تھی۔ دراصل وہ خالی الذہن ہو کر سوچنا چاہتی تھی کہ میراں شاہ کے دربار میں وہ کس طرح گفتگو کرے گی اور میراں شاہ کی نرمی یا سختی کی صورت

میں کا رد عمل کیا ہو گا؟

صبح سے دوپہر تک وہ انہی خیالات میں الجھی اور خود کو اس اہم ملاقات کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتی رہی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا۔ اس آرام سے اس کا ذہن و دماغ بالکل تر و تازہ ہو گیا اور اب عملی طور سے اس نے جانے کی تیاری شروع کی۔

اب تک وہ کمر بند کیے تنہا پڑی تھی لیکن اب اس نے دو کنیزوں کو اندر بلا لیا تاکہ وہ تیاری میں اس کی مدد کریں۔

خانزادہ کے پاس پہننے کے لیے کوئی ڈھنگ کا جوڑا نہیں تھا۔ وہ تو اور گاؤں سے خالی ہاتھ آئی تھی۔ خیال تھا کہ میراں شاہ کے پاس جا رہی ہے، وہاں لباس کی کیا کمی ہو گی۔ لیکن یہاں پہنچ کر کچھ ایسی افتاد پڑی کہ میراں شاہ سے ملاقات تو اگلے رہی اس کے محل میں داخلہ تک ناممکن ہو گیا۔ یہ تو وزیر سلطنت کی مہربانی تھی کہ اس نے خانزادہ کے لیے دس بارہ جوڑے بھجوا دیے تھے ورنہ اب تک اس کا اکلوتا لباس تو چیتھڑے ہو گیا ہوتا۔

خانزادہ نے وزیر سلطنت کا بھیجا ہوا ایک جوڑا نکلوایا۔ زیورات میں دو جڑاؤ ہار اس کی صندوقچی میں موجود تھے۔ بہرے کے آویزے بھی وہ ساتھ لائی تھی۔ لباس اور زیورات کی کمی کو اس نے صندگار سے پورا کیا۔ جب بن ٹھن تیار ہوئی تو اس عمر میں بھی اس کے چہرے پر دلہنوں جیسا نکھار تھا۔ کنیزیں اسے دیدے پھاڑے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔

یہاں تک تو خیر غنیمت تھا لیکن جب خانزادہ نے چرمی پیٹی میں لگا ہوا خنجر کمر میں لگایا اور ڈھال ہاتھ میں پکڑی تو لیزیں چیخ اٹھیں۔

ایک شوخ کنیز بولی:

"مہمان خانم! آپ کا لباس اور سنگار تو دلہنوں جیسا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ خنجر اور تلوار کا پیوند سمجھ میں نہیں آیا۔ دلہن تو محض کی رونق ہوتی ہے۔ سپاہیانہ انداز سے اس کا اسلحہ لے جانا بے جوڑ سا لگ رہا ہے۔"

"تم نے بھی ٹھیک کہا۔" خانزادہ مسکرائی اور دل کی بات چھپاتے ہوئے بولی:

"اس لباس کے ساتھ خنجر، تلوار واقعی بے جوڑ ہیں لیکن یاد رکھو کہ گھر کی چار دیواری عورت کی محفوظ ترین پناہ گاہ ہے اور جب باہر نکلو تو پھر خود کو عورت کے بجائے مسلح مرد بنا کر مردانہ وار نکلو۔ کل ہم اپنے ملک واپس جا رہے ہیں۔ چاہے تبریز کی آخری بار سیر کر لیں۔ باہر کی فضا اور ہوا کسی وقت بدل سکتی ہے۔ یہ خنجر اور تلوار اس کی پیش بندی کے لیے ہیں۔"

"خانم سیر کو تشریف لے جا رہی ہیں تو پھر اس کنیز کو بھی ہمراہ چلنے کی اجازت دیجیے۔" وہ شوخ کنیز بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانزادہ کے جواب دینے سے پہلے ہی دوسری کنیز نے دخل دیا:

"ماں خانم! ہم آپ کے گیسو سنوار دیں گے، جوتیاں اٹھائیں گے اور..... اور....."

خانزادہ ہنس پڑی۔ وہ انہیں کیسے بتاتی کہ وہ جہاں جا رہی ہے وہاں نہ گیسو سنوارنے کی ضرورت ہوگی اور نہ جوتیاں اٹھانے کا موقع ہوگا۔ وہ تو ایک ایسے معرکے پر جا رہی ہے جس کے انجام سے وہ خود واقف نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ معرکہ بہت سخت ہوگا اور وہاں جو کچھ بھی نہ ہو جائے وہ کم ہی ہوگا۔ بہرحال خانزادہ نے دونوں کنیزوں کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ ممکن ہے خانزادہ نے کنیزوں کو اپنے ساتھ چلنے کی اس لیے پسند کیا ہو کہ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں اور اگر کبھی گواہی شہادت کی ضرورت پڑی تو شاید یہ کنیزیں اس کی معاونت کر سکیں۔

کنیزیں بھی بھاگ کر اپنا لباس تبدیل کر آئیں۔ ایرانی خواتین ہمیشہ سے خوبصورت ہوتی ہیں۔ کنیزوں نے ذرا بھڑکیلا لباس پہنا تو اور زیادہ اچھی معلوم ہونے لگیں۔

باہر تین گھوڑے تیار تھے۔ کنیزیں پردہ نہ کرتی تھیں لیکن خانزادہ نے چہرے پر دوہرا نقاب ڈالا اور جسم ایک سفید چادر میں سمیٹ کر گھوڑے پر سوار ہوئی۔

جب ان کے گھوڑے تبریز کے بڑے بازار میں پہنچے تو وہاں اس قدر بھیڑ تھی کہ انہیں گزرنا مشکل ہو گیا۔ بازار میں ایرانیوں کے علاوہ ارمنی، نسطوری، یعقوبی اور رجا رجائی باشندے بھی بے خطر گھوم پھر رہے تھے۔ تبریز کی دل کشی اس وجہ سے اور بڑھ گئی تھی کہ اس کے اندر ایک دریا بھی بہتا تھا۔ یہ دریا دائیں جانب کی پہاڑیوں سے نکلتا تھا۔ اس کا پانی نہروں اور نالیوں کے ذریعے شہر کے مختلف حصوں میں پہنچایا جاتا تھا۔ حد نظر تک صاف ستھری گلیاں نظر آ رہی تھیں جن کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ ہر عمارت کے کئی کئی دروازے تھے اور دروازوں کے اندر دکانیں تھیں جن میں کپڑا، ریشم، روئی اور ضروریات زندگی کی دیگر چیزیں قرینے سے رکھی تھیں۔ عورتوں کا ریشمی ملبوسات غازہ اور عطریات کی دکانوں پر تھا۔ جواہرات کی دکانوں پر بھی بہت بھیڑ تھی۔ رجا رجائی خوش پوش غلام خواتین کو بیش قیمت جواہرات دکھا رہے تھے۔ خانزادہ کو یہاں کی خوبصورت مسجدیں اور نفیس حمام دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ ایسے حمام اور مسجدیں تو سمرقند میں بھی نہیں تھے۔

یہ محض خواتین کا لحاظ تھا کہ وہ بغیر کسی حادثے کے اس بازار سے بخیر و خوبی نکل گئیں ورنہ اتنی بھیڑ میں تین گھوڑوں کا ایک ساتھ گزرنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

بازار سے نکل کر جب خانزادہ نے قصر سلطانی کا رخ کیا تو دونوں کنیزیں چونکیں۔ یہ صاف ستھری سڑک جس قدر ویران تھی اتنی ہی زیادہ مشہور تھی۔ اس پر آمد و رفت بہت کم تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس پر عام لوگوں کا چلنا بھرنا ممنوع تھا۔ کنیزوں نے اس سڑک کا نام سن رکھا تھا اور جب کبھی وہ اس کے قریب سے گزرتیں تو ان پر سلطانی کا

ن ہو جاتا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس راستے سے صرف سلطانی امیر و وزیر ہی گزرتے ہیں اور اگر کوئی بھولا بھالا ادھر پہنچ گیا تو اسے بغاوت کے شبہ میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

"خانم! آپ کدھر جا رہی ہیں؟" ایک کنیز نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"قصر سلطانی۔" خانزادہ جواب دے کر مسکرانے لگی۔

دونوں کنیزوں نے فوراً اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں:

"نہ بابا۔ ہم ادھر نہیں جائیں گے۔ خوامخواہ خواری ہوگی۔ کسی نے پکڑ لیا تو کیا جواب دیں گے؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر اتنی گھبراتی کیوں ہو؟" خانزادہ نے بھی اپنا گھوڑا روکا:

"تم نے آج تک سلطان کا محل نہ دیکھا ہوگا۔ میں تمہیں پورے محل کی سیر کرا دوں گی۔"

"خانم..... کیا..... کیا آپ سلطان محتشم کو جانتی ہیں؟" دوسری کنیز نے خانزادہ کو شبہ اور حیرت سے دیکھا۔

"تم جانتے کو کہہ رہی ہو، سلطان نے مجھے خود بلایا ہے۔" خانزادہ نے شوخی سے کہا:

"تم دیکھنا محل میں میری کیسی آؤ بھگت ہوتی ہے۔"

"خانم۔ آپ نے تو بازار کی سیر کو کہا تھا۔"

"وہ تو بس یونہی کہہ دیا تھا..... اگر تم ڈر رہی ہو تو واپس چلی جاؤ۔" خانزادہ نے گھوڑا آگے بڑھایا۔

کنیزیں بخوفِ فرد تو تھیں لیکن قصر سلطانی دیکھنے کا شوق انہیں سناٹے لگا۔ خانزادہ آگے بڑھ گئی تھی۔ کنیزیں دیر آپس میں باتیں کرتی رہیں پھر گھوڑے بڑھا کر خانزادہ کے قریب پہنچ گئیں۔

"خانم۔ اگر کچھ الٹی سیدھی پڑ گئی تو آپ سنبھال لیں گی۔" ایک کنیز نے کہا۔

"ہم تو محض کنیزیں ہیں۔ ہم صاف کہہ دیں گی کہ ہمیں خانم اپنے ساتھ لائی ہیں۔" دوسری نے اپنا بچاؤ کیا۔

"کیوں ڈری جا رہی ہو؟" خانزادہ نے انہیں حوصلہ دیا:

"میں پہلے بھی ایک بار یہاں آ چکی ہوں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

"آپ کو کسی نے روکا نہیں تھا؟"

"ہاں روکا تھا۔" خانزادہ نے جواب دیا۔

"کس نے..... سپاہیوں نے یا فوجیوں نے؟"

"ایک کتے نے روکا تھا۔" خانزادہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کتے نے..... کیا محل کی حفاظت کتے کرتے ہیں؟"

سامنے میراں شاہ کے محل کا صدر دروازہ نظر آ رہا تھا۔ خانزادہ نے ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"وہ دیکھو، کتا آ رہا ہے۔"

کنیزیں حیران نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ کھلے ہوئے دروازے سے ایک سوار نکل کر ان کی طرف آ رہا تھا۔ سوار کا لباس نہایت زرق برق تھا۔

"یہی وہ کتا ہے جو راستہ روکتا ہے۔" خانزادہ نے قریب آتے ہوئے سوار کو دیکھ کر کہا:

"مگر یہ پالتو جانور ہے، کاٹتا نہیں صرف بھونکتا ہے۔ ہے تو دربان..... مگر خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے۔ دیکھو وہ قریب آ گیا ہے، تم دونوں اس کو سنبھالو۔ بس ایک منٹ کے لیے باتوں میں لگا لینا۔ میں دروازے میں داخل ہو جاؤں تو تم بھی پیچھا چھوڑ کر آ جانا..... بڑھو بڑھو..... آگے بڑھو۔"

کنیزوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، کچھ اشارے، کچھ مسکراہٹیں۔ پھر انہوں نے جھجکتی سہمی اپنے گھوڑے آگے بڑھا دیے۔ طرحدار سوار بالکل ان کے مقابل آ گیا۔ خانزادہ نے اپنا گھوڑا کنیزوں کے پیچھے کر لیا تھا۔

"خوش آمدید..... خوش آمدید اے نازنینانِ بہار..... اے چمنستانِ نور و نکہت کے گلہائے نو دمیدہ..... اے حورانِ ارضی کی نوخیز پیامبرو!"

شاہی دربان نے حسبِ عادت کنیزوں پہ گلہائے عقیدت نچھاور کرنا شروع کر دیے۔ یہ وہی دربان تھا جس نے پہلے دن خانزادہ کو محل میں داخل ہونے سے روکا تھا۔

"سنا ہے آپ شاعر بھی ہیں۔" ایک کنیز نے ذرا شوخی سے پوچھا۔

"اگر آپ واقعی شاعر ہیں تو کوئی ایسا شعر سنائیے کہ بس طبیعت پھڑک اٹھے۔" دوسری نے ٹکڑا لگایا۔

"ماشاءاللہ..... سبحان اللہ..... زہے نصیب! آپ نظر شناس اور بادوق خواتین ہیں۔" دربان نے دونوں کو دلچسپی سے دیکھا:

"خوش نصیب ہے وہ شاعر جسے پری پیکران و حسینانِ تبریز دعوتِ شعر گوئی عطا فرمائیں۔ براہِ کرم یہ تو فرمائیے کہ شعرائے قدیم، شعرائے جدید کا ہو یا پھر اس حقیر، فقیر، دبگیر، سنان و تیر، برہنہ شمشیر، جوان و پیر ضمیر بے نظیر....."

"بس بس..... اب مزید قافیہ پیمائی کی ضرورت نہیں۔" کنیز نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

کنیز کے ہاتھ میں تازہ مہندی لگی تھی۔ دربان شاعر نے کنیز کا حنا آلود ہاتھ دیکھا تو فوراً بولا:

"سبحان اللہ یہ دستِ حنائی کا اشارہ!"

"شعر سنائیے!" کنیز چڑ کر بولی۔

"شعر..... ہاں شعر..... سنیے، عرض کیا ہے۔" دربان شاعر آنکھیں بند کر کے یا تو فکرِ شعر میں کھو گیا پھر کسی موزوں اور شوخ شعر کی تلاش میں ذہن دوڑانے لگا۔

خانزادہ کے لیے یہ لمحہ غنیمت تھا۔ اسے آج محل میں بہر صورت داخل ہونا تھا لیکن وہ دروازے پر اس دل ستان کی بکواس نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس نے چپکے سے اپنا گھوڑا اچکائی دے کر آگے کیا اور آہستہ آہستہ محل کی طرف بڑھایا۔

دربان ابھی تک فکرِ شعر میں غرق تھا۔ اور خانزادہ صدر دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ دربان نے آنکھیں کھولیں اور جھوم کر کہا:

"نازنینانِ تبریز ملاحظہ فرمائیے، عرض کیا ہے، اگر آں ترک شیرازی بدست....."

ابھی مصرعہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ اس کی نظر خانزادہ پر پڑی جو دروازے سے گزر کر قصرِ سلطانی کی سیڑھیوں پر پہنچ چکا تھا۔ مصرعہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔ اس نے سر کو جھٹکا دیا۔ آنکھیں پٹ پٹائیں اور گھوڑا بھگا دیا۔ محل کا گھوڑا اندر کی طرف بھاگ رہا تھا اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا:

"روکو..... روکو..... پکڑو..... محل میں کون گھسا جا رہا ہے۔ پکڑو پکڑو....."

مگر خانزادہ کو کون روکتا۔ کون پکڑتا۔ محل کے دوسرے دربان بھی اسی قبیلے کے لوگ تھے۔ وہ اپنے اپنے دالان میں بیٹھے شطرنج و گنجفہ کھیل رہے تھے یا پھر بے ڈھنگی آواز میں شعر پڑھ رہے تھے۔ جب تک وہ کمروں سے نکل کر خانزادہ کو پکڑتے، وہ قصر کی سیڑھیاں طے کر کے راہداری میں پہنچ چکا تھا۔

خانزادہ بڑی تیزی سے گھوڑے سے کود کر اترا تھا اس لیے تلوار اس کے ہاتھ نہ آ سکی لیکن چمڑے کا ایک تسمہ اس کے ہاتھ لگ گیا جو زین کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ خانزادہ نے اس کوڑے ہی کو غنیمت جانا اور کوڑے کو لہراتا ہوا راہداری میں بڑھنے لگا۔ اس نے چادر پھینک دی تھی اور نقاب اتار دیا تھا۔

قصرِ شاہی کے اندر اور باہر قیامت برپا ہو گئی تھی۔

محل کے تمام بیرونی محافظ اور دربان سیڑھیوں کے پاس جمع ہو گئے تھے اور وہیں سے چلا چلا کر محل کی زنان اور خواجہ سراؤں کو خبردار کر رہے تھے۔ وہ اوپر نہیں جا سکتے تھے کیونکہ بیرونی محافظوں کو سیڑھیوں پر بھی آنے کا حکم نہیں تھا۔ اس سے خانزادہ کے ساتھ آنے والی کنیزوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور وہ بھی سیڑھیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چڑھ کر اوپر پہنچ گئیں لیکن انہیں خواجہ سراؤں نے فوراً قابو کر لیا کیونکہ وہ نہ تو مسلح تھیں اور نہ اُن کے پاس خانزادہ کی طرح کا گھوڑا ہی تھا۔

خانزادہ کو میراں شاہ کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہ پڑی۔ محل کے ایک حصے سے تیز موسیقی کی آواز آ رہی تھی جس نے خانزادہ کی رہنمائی کی۔ کیونکہ ظاہر تھا کہ موسیقی کی محفل جس جگہ برپا ہے میراں شاہ کی وہاں موجودگی یقینی تھی۔

خانزادہ کو گھوڑا بڑی بے خوفی سے موسیقی کی آواز کی طرف بڑھا رہی تھی۔ جو کنیز یا خواجہ سرا سامنے آ کر اسے روکنے کی کوشش کرتا، خانزادہ اس پر گھوڑوں کی بارش کر دیتی۔ لہٰذا ہر طرف بھگدڑ اور چیخ و پکار مچ گئی تھی۔ بہت سے خواجہ سرا اور کنیزیں اس دروازے پر جمع ہو گئے تھے جس کے اندر سے موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ یہ محل کا بڑا ہال تھا اور اسے دربار کے لیے استعمال کیا جاتا تھا لیکن جب سے میراں شاہ نے اس ولایت کی گورنری سنبھالی تھی اس میں ایک دن بھی دربار نہ لگا لیکن موسیقی کی محفلیں روز بلکہ دن میں کئی کئی بار جمتی تھیں۔ دربار محفلِ نشاط میں بدل گیا تھا جہاں سے ہر وقت ساز و آواز کی دل خوش کن صدا آتی رہتی تھی۔ اس محفلِ نشاط کا باہر اتنا کچھ اودھم ہو رہا تھا لیکن کسی بھی کنیز یا خواجہ سرا میں اتنا ہمت نہیں تھی کہ وہ اندر جا کر اس کی اطلاع کرتا۔

خانزادہ خود کو کنیزوں سے بچاتی اور گھوڑا گھماتی آخر اس دروازے تک پہنچ گئی جہاں کنیزیں اور خواجہ سرا سمٹ کر جمع ہو گئے تھے۔ اتنا مجمع دیکھ کر خانزادہ ایک لمحے کے لیے پریشان ہوئی لیکن اس نے سوچا کہ یہ آخری مرحلہ ہے..... اگر اس نے ذرا بھی کوتاہی کی اور کنیزوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی تو نہ معلوم وہ اس کا کیا حشر کریں۔ اس نے پہلے انہیں چیخ کر دروازے سے ہٹ جانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے ذرا بھی جنبش نہ کی تو خانزادہ نے گھوڑا ہوا میں لہرایا اور بائیں ہاتھ میں کمر سے خنجر نکال کر پکڑ لیا پھر خنجر گھماتی اور گھوڑا ہوا میں دوڑاتی وہ دروازے پر اس طرح حملہ آور ہوئی جیسے کوئی فوج قلعے کے دروازے پر دشمن فوج پر حملہ کرتی ہے۔ کنیزیں اور خواجہ سرا فوجی طرح خانزادہ سے مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے۔ وہ خانزادہ کے آگے بڑھتے ہی کائی کی طرح پھٹ گئے۔

خانزادہ نے لات مار کر دروازہ کھول دیا اور بھوکی شیرنی کی طرح ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے میں گھوڑا لیے ہال میں داخل ہوئی!

خانزادہ کے اچانک آ جانے سے میراں شاہ کی بزمِ عشرت درہم برہم ہو گئی۔ میراں شاہ نہ بادشاہ تھا اور نہ ہی امیر تھا لیکن اس کا محل اور اس محل کے شب و روز شہنشاہِ قسطنطنیہ اور شاہانِ ایران کے قدیم محلوں سے کچھ کم نہ تھے۔ تبریز کا شاہی محل، ایوانِ کسریٰ کی طرح آراستہ رہتا تھا۔ میراں شاہ دراصل تیمور اور وزیروں کے زیرِ اثر آ گیا تھا اور اس نے تاتاریوں کی آزاد زندگی چھوڑ کر ایرانی شہنشاہوں کے طریقے اختیار کر لیے تھے۔ دولت کی اس قدر فراوانی تھی کہ مؤرخ کے مطابق ولایتِ تبریز کی آمدنی ہلاکو خان کی آمدنی سے زیادہ تھی۔

غضب یہ ہوا کہ امیر تیمور، ایران کی فتح کے وقت بہت سے کاریگروں اور اپنے خیال میں روشن دماغوں کو اپنے ساتھ سمرقند لے آیا تھا۔ ایرانی کاریگروں نے تو واقعی سمرقند کی تعمیرات میں اپنے بہترین فن کا مظاہرہ کیا اور دانشوروں نے شاعر ثابت ہوئے۔ اگر تیمور اچھے شاعروں کو ساتھ لاتا تو غنیمت بھی تھا لیکن ایران کے دوسرے اور تیسرے درجے کے شاعر، موسیقار اور رقاص اس کے ساتھ آ گئے۔ تیمور اپنی مصروفیات کی وجہ سے خود تو ان کے فن کا مظاہرہ نہ دیکھ سکا۔ اس نے انہیں اہلِ فن اور اچھے ندیم سمجھتے ہوئے میراں شاہ کے حوالے کر دیا۔ ان لوگوں نے بھولے میراں شاہ کو بالکل اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا۔ دربار میں ناچنے گانے والوں کو اونچے عہدے دیے گئے اور میراں شاہ نے دربار لگانے کے بجائے رقص و سرود کی محفلیں برپا کرنا شروع کر دیں اور ابھی ہی ایک محفل میں خانزادہ نے پہنچ کر رنگِ محفل بگاڑ کر رکھ دیا۔

خانزادہ بزمِ نشاط میں یوں داخل ہوئی جیسے کوئی سخت گیر استاد شریر بچوں کی کلاس میں ایک دم آ جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھر پچھ اپنی تمام شعبدہ بازیاں بھول کر رہ جائیں۔

نازآفریں مغنیوں اور رقاصاؤں کے جسم سمٹ گئے۔ آوازیں ہونٹوں میں دب گئیں۔ نغمے ڈوبے اور سازنظر بھر کر خاموش ہو گئے۔

خانزادہ کے ہاتھ کا کوڑا مسلسل ہوا میں مست ناگن کی طرح لہرا رہا تھا۔ مغنی، رقاص اور سازندے خوف و دہشت کے مارے حویلی پر دوں میں چھپے جا رہے تھے۔ میراں شاہ کے حواری اور مصاحبین اکڑوں بیٹھے بھاگنے کے لیے راستہ تلاش کر رہے تھے۔ ہال کے باہر سے کنیزیں اور خواجہ سرا خوفزدہ نظروں سے اندر جھانک رہے تھے۔ میراں شاہ کو اب بھی کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ مسند کے سہارے مکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ اس صاحبقراں امیر تیمور کا ولی عہد تھا جس کی فتوحات اور یلغار سے پورا ایشیا لرز رہا تھا۔ وہی تیمور۔ لوگ "لرزندہ جہاں" کے نام سے پکارتے تھے۔ تیمور ظالم اور سفاک بھی تھا لیکن اسے مذہب کا کم از کم اتنا پاس تو تھا کہ ہر جنگ اور یلغار میں ایک چوبی مسجد ساتھ رکھتا تھا۔ جہاں نماز کا وقت ہوا وہیں اس نے اپنا گھوڑا روک دیا۔ فوج اس کے ساتھ رک جاتا۔ پھر لکڑی کے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی یہ مسجد چھکڑوں پر سے اتاری جاتی۔ مختلف ٹکڑے جوڑ کر مسجد کھڑی کی جاتی۔ اذان ہوتی۔ پھر نماز ادا کی جاتی اور پھر لشکر کا یہ چلتا پھرتا شہر اپنی منزل کی طرف رواں نظر آتا۔

اسی امیر کا فرزند ایرانی شہنشاہوں کی طرح محفل نشاط میں بیٹھا مغنیوں کے رس بھرے نغمات سن رہا تھا۔ محفل کی خاموشی نے طول کھینچا اور اسے گہرے سکوت کا احساس ہوا تو میراں شاہ نے سر کو جھٹکا دے کر آنکھیں مست و مخمور آنکھیں۔

اس نے محفل پر نظر ڈالی۔ سب ہی بت بنے خاموش بیٹھے تھے۔ میراں شاہ کی نظریں خانزادہ اور اس کے ہوئے کوڑے پر بھی پڑیں۔ شاید وہ دروازے کے پاس کھڑی خانزادہ کو نہیں پہچان سکا تھا۔ شاید وہ کسی کو نہیں سکا۔ اس کی بصارت پر نشے کا دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔

خانزادہ کا خیال تھا کہ میراں شاہ اسے دیکھ کر کسی ردعمل کا اظہار کرے گا لیکن جب اسے احساس ہوا کہ نے اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے تو اس کے شاہانہ وقار کو ٹھیس لگی۔ یہ اس کی بہت بڑی توہین تھی۔ غیظ و غضب سے تھرا اٹھی اور پھر اس کا چمڑی کوڑا حاضرین محفل پر بے تحاشہ برسنے لگا۔ خانزادہ نے گانے اور ساقی گری کرنے والیوں کو اندھا دھند مارنا شروع کر دیا۔ اس نے سازوں کو الٹ دیا۔ سازندے ادھر بھاگ کر چھپ گئے۔ شور و غل، چیخ پکار، واویلا اور دہائیاں دی گئیں مگر خانزادہ کا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا سامنے پڑا اسے خانزادہ نے پیٹ کر رکھ دیا۔ وہ پورے ہال میں بھاگ بھاگ کر لوگوں کی پٹائی کر رہی لوگ چیخ چلا رہے تھے لیکن خانزادہ کو روکنے اور اس کا ہاتھ پکڑنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔

اس قیامت خیز ہنگامے سے میراں شاہ کا نشہ آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ اس نے کئی بار آنکھیں کھولیں اور بند کیں۔ کئی بار سر کو جھٹکے دیے۔ پھر اس کا نشہ اترا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خانزادہ کو دیکھا جو بھاگ بھاگ لوگوں اور عورتوں پر کوڑے برسا رہی تھی۔ آخر اس نے خانزادہ کو پہچان لیا۔

"خانزادہ"۔ اس نے بے یقینی سے کہا۔

"خانزادہ"۔ آواز ہونٹوں سے باہر آئی۔

"خانزادہ"۔ اس بار میراں شاہ اتنے زور سے چیخا کہ پورا ہال گونج اٹھا۔ ہر شخص اپنی جگہ ساکت ہو گیا..... وہ کا ہاتھ بھی رک گیا۔

"میراں شاہ" خانزادہ نے ہانپتے ہوئے گلا صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"اے صاحبقراں کے بیٹے! شہزادی کو تمہاری حالت پر رحم آنے کے باوجود اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ تمہاری آج بھی تیموری طنطنہ موجود ہے۔ وہی گھن گرج اور دھمک ہے جسے سن کر شاہوں اور شہنشاہوں کا پتا پانی ہو جاتا ہے اور وہ تیمور کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ کاش یہ طنطنہ اور گھن گرج تمہارے کردار میں بھی ہوتی۔"

میراں شاہ اپنی مسند پر کھڑا ہو گیا تھا۔ خانزادہ کے تلخ و ترش جملوں نے اسے بہت متاثر کیا۔ اس کا سرندامت سے چند لمحوں بعد اس نے سر جھکائے مجمعے کا اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے حاضرین ایک دوسرے کو دھکیلتے ہال سے طرح بھاگے جیسے ان کے تعاقب میں کوئی شیر آ رہا ہو۔

ہال خالی ہو گیا تو میراں شاہ نے سر اٹھا کر خانزادہ کی طرف دیکھا۔

"بیٹھو خانزادہ! تم کب آئیں؟"

"شہزادے! تم پہلے ہوش میں آ لو۔ پھر بات کرنا۔"

خانزادہ مسند کے کونے پر بیٹھ گئی۔ میراں شاہ نے بھی تکیوں سے ٹیک لگا لی۔

"ہم ہوش میں ہیں۔ ہم تمہیں پہچان رہے ہیں۔ کیا تم خانزادہ نہیں ہو؟" میراں شاہ نے اکھڑی اکھڑی آواز میں کہا آنکھیں اب بھی مشکل ہی سے کھل رہی تھیں۔

"نہیں، تم ہوش میں نہیں ہو شہزادے۔" خانزادہ نرمی سے بولی:

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر آرام کر لو تاکہ طبیعت بحال ہو جائے۔"

"نہیں خانزادہ۔ اب تم نہیں جا سکتیں۔ ہم بالکل اکیلے ہیں۔ یہاں ہمارا اپنا کوئی نہیں۔" میراں شاہ کی آواز میں کیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بڑے کرب میں مبتلا ہے۔

"تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے میراں شاہ۔" خانزادہ کی آواز میں محبت کی چاشنی پیدا ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ کچھ پتہ نہیں، تم ہمیں اکیلا نہ چھوڑو۔ ورنہ..... ورنہ.....؟"

"گھبراؤ نہیں۔ خانزادہ تمہیں چھوڑ کر نہیں جائے گی۔" خانزادہ نے بڑے پیار سے کہا:

"لیکن تمہیں اپنی حالت بدلنا ہوگی۔ عیش و عشرت شہزادوں کا حق ہے لیکن یہ حرکتیں تو شاہانہ وقار کے

ہیں۔ اگر صاحبقراں کو علم ہو گیا تو جانتے ہو کیا ہوگا؟"

"صاحبقراں.....!" میراں شاہ نے دہرایا:

"کیا ہوگا پھر؟"

"تم ولی عہدی سے معزول کر دیے جاؤ گے۔ ممکن ہے کہ امیر تم سے تبریز کی ولایت بھی چھین لیں۔"

"نہیں نہیں۔ ایسا نہ کہو خانزادہ۔" میراں شاہ نے ادھر ادھر دیکھا:

"مجھے ان سے بچاؤ خانزادہ۔ یہ مجھے..... یہ مجھے.....!"

"میں جانتی ہوں میراں۔"

معاً خانزادہ کو اپنی کنیزوں کا خیال آیا۔ اس نے کہا:

"شہزادے! میرے ساتھ دو کنیزیں بھی آئی تھیں معلوم نہیں ان پر کیا گزری۔ کسی کو بلا کر پوچھو۔ اگر وہ

ہیں تو انہیں آرام سے رکھا جائے۔ وہ ساتھ نہ ہوتیں تو شاید ہم آج بھی تم سے نہ مل سکتے۔"

میراں شاہ نے تالی بجائی۔ ایک خواجہ سرا کسی طرف سے داخل ہو کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"شہزادی کے ساتھ دو کنیزیں آئی تھیں۔" میراں شاہ نے کہا:

"انہیں عزت کے ساتھ حاضر کیا جائے۔"

خواجہ سرا الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

"تم تبریز کب آئیں خانزادہ؟ کہاں ٹھہری ہو؟" میراں شاہ نے پوچھا۔

"ہمیں آئے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔" خانزادہ نے بتایا:

"لیکن یہ سب پرانی باتیں ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ تمہیں یہ ماحول اور دربار کا یہ رنگ ڈھنگ پسند ہے۔ اگر

ماحول میں رہنا چاہتے ہو تو ہمیں اجازت دو۔ ہم اور گاؤں واپس چلے جائیں گے۔"

"ہم کیا کریں خانزادہ؟" میراں شاہ دکھ سے بولا:

"کوئی صلاح دینے والا نہیں۔ ہم کس سے مشورہ کریں.....؟ صاحبقراں نے جو امیر ہمارے ساتھ

وہ سب ہم سے کنارہ کر گئے ہیں۔ کوئی سلام کرنے کو بھی نہیں آتا۔ تاتاری فوج چھاؤنی میں رہتی ہے۔ امیر کامران

سے ملنے نہیں آتا۔ پھر ہم کیا کرتے۔ دل بہلانے کے لیے کوئی صورت تو نکالنا تھی۔ امیر نے جو ندیم بھیجے ہیں

وہ ہم پیالہ ہیں۔"

"شہزادے! کبھی تم نے دربار لگایا؟"

"دربار کی کیا ضرورت ہے خانزادہ۔" میراں شاہ بولا:

"تبریز میں نہ تو کوئی فتنہ ہے نہ فریادی۔ پھر دربار کس لیے لگایا جائے۔ سب آرام سے زندگی گزار رہے

ہیں....."

"مگر حکمرانی کا یہ طریقہ تو نہیں کہ حاکم دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر چنگ و رباب میں گم ہو جائے۔" خانزادہ ترشی

لہجے میں بولی:

"اگر تم نے کبھی کسی امیر یا فوجی سردار کو بلا کر پوچھا ہوتا کہ اس نے دربار میں آ کر تمہیں سلام کرنا کیوں چھوڑ دیا

ہیں یہاں کے حالات معلوم ہوتے۔ تمہارے گرد خوشامدیوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔ ہمیں پورے محل میں ایک

بھی مرد یا عورت نظر نہیں آئی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"ہمیں کچھ پتہ نہیں۔" میراں شاہ نے بچوں جیسی معصومیت سے جواب دیا۔

"میراں شاہ۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ تبریز میں کیا ہو رہا ہے؟" خانزادہ بڑے وقار سے بولی:

"تمہاری آنکھیں رنگ و نور کی چمک سے تیرہ کر دی گئی ہیں اور کانوں میں صرف طربیہ نغمے ہی ٹھونسے جاتے ہیں۔

لوگوں نے تمہیں گورنر کے بجائے تبریز کا سلطان ابن سلطان مشہور کر رکھا ہے۔ تم امیر تیمور کے پنجرے میں

قید ہو۔ تمہارے امیر و وزیر تمہارے نام پر حکومت کر رہے ہیں۔ تاتاری امیروں نے اس لیے گوشہ نشینی اختیار

کر لی ہے کہ وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔ تم امیر تیمور کے بیٹے ہو۔ وہ امیر تیمور کے بیٹے کا ہر حکم بے چون و چرا مانتے

ہیں۔ تم کو مشورہ دے سکتے ہیں اور نہ تمہارے کاموں میں دخل دینے کی ان میں ہمت ہے۔ یہی حال یہاں

فوج کا ہے۔ اسے بھی عیش و عشرت کا چسکا پڑ گیا ہے اور ان کی جنگی صلاحیتیں روز بروز زنگ آلود ہوتی

جا رہی ہیں۔"

"مگر ہم کیا کریں۔ تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

میراں شاہ ان حالات کو سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اسی وقت خواجہ سرا ان کنیزوں کو لے کر داخل ہوا جو

خانزادہ کے ساتھ آئی تھیں۔

خواجہ سرا نے اندر آتے ہی کہا:

"تعظیم پیش کرو۔ تم سلطان ابن سلطان شاہِ تبریز کے حضور میں ہو۔"

کنیزوں نے اپنے سلطان کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ خواجہ سرا کی آواز سنتے ہی رکوع کی حالت میں جھک گئیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلام پیش کیا۔

"ہماری طرف دیکھو۔" خانزادہ نے مسکرا کر کہا۔

کنیزوں نے سر اٹھائے اور ان کی نظریں خانزادہ پر جم گئیں۔ خانزادہ سلطان کے ساتھ بیٹھی بڑی دلکش مسکرا رہی تھی۔

میراں شاہ نے خواجہ سرا کو مخاطب کیا:

"گلفام! شہزادی خانزادہ کے لیے قصرِ قاف فوراً خالی کرا کے آراستہ کیا جائے اور وزیرِ سلطنت کو فوراً رخصت کیا جائے۔"

گلفام سلام کر کے فوراً چلا گیا۔

خانزادہ سہمی اور حیرت میں ڈوبی ہوئی کنیزوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا:

"تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"آپ تکلیف کا کہہ رہی ہیں خانم..... نہیں شہزادی عالیہ!" کنیز نے رک کر اصلاح کی۔ پھر بولی:

"ان بدبخت خواجہ سراؤں نے مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیا ہے۔"

خانزادہ ہنسنے لگی۔ اس نے پوچھا:

"اچھا یہ بتاؤ۔ تم ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گی یا وزیرِ سلطنت کے گھر واپس جاؤ گی؟"

"شہزادی عالیہ! اگر آپ ہمیں اپنی خدمت کا موقع عنایت کریں تو یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی۔" ایک فوراً بولی۔

"کیا یہ ہمارے وزیرِ سلطنت کی کنیزیں ہیں؟" میراں شاہ نے دخل دیا۔

"ہاں شہزادے! ہم ابھی تک انہی کی عطا کردہ حویلی میں مقیم ہیں۔" خانزادہ نے بتایا:

"اب یہ دونوں کنیزیں ہماری طرف سے شہزادے کی خدمت پر مامور کی جاتی ہیں، بشرطیکہ شہزادے پسند فرمائیں۔"

"ضرور ضرور۔" میراں شاہ نے اطمینان کا سانس لیا:

"ہم انہیں محل کی تمام کنیزوں کی سرداری عطا کرتے ہیں۔ محل کے تمام اختیارات انہی کے سپرد کیے جا"

کنیزوں نے اس اعزاز پر فوراً جھک کر مجرا پیش کیا۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ میراں شاہ کو باہر بھیج دیا اور پھر دیر تک خانزادہ سے گفتگو کرتا رہا۔ کچھ شکوے کچھ شکایتیں اور مستقبل کے منصو

میلنے کے خواجہ سرا داروغہ نے اطلاع دی کہ کھانا لگا دیا گیا ہے۔ میراں شاہ اور خانزادہ اٹھ کر کھانے کے

گئے۔

خانزادہ کی دونوں کنیزوں نے باہر جاتے ہی عہدے اور تقرر کا اعلان کر دیا تھا اور اب وہ کھانے کے انتظام میں پیش پیش نظر آ رہی تھیں۔

آج شب کھانے کے کمرے کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ روز تو یہ ہوتا تھا کہ میراں شاہ کے اہالی موالی اور خوشامدی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تھے لیکن اس وقت صرف میراں شاہ اور خانزادہ کھانے پر تھے۔ نہ لطیفوں کی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں نہ حافظ شیرازی کے شعروں کا گلا گھونٹا جا رہا تھا۔ میراں شاہ اور خانزادہ کھانے کے دوران بڑی سنجیدگی سے گفتگو کرتے رہے۔

کھانے کے بعد وزیرِ سلطنت کو پیش کیا گیا۔ وہ بہت دیر سے باہر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ وزیرِ سلطنت اس وقت طلبی سے کچھ پریشان تھا۔ اگر اس نے پیغام پہنچانے والے سے پوچھا ہوتا تو اسے بہت کچھ معلوم ہو جاتا۔ وزیرِ سلطنت اپنی شان میں تھا۔ وہ محل کے ایک غلام پر یہ کیوں ظاہر ہونے دیتا کہ وہ پریشان ہے... سلام کا سوال تو اس کا تعلق قصرِ سلطانی سے تھا اور قصر کا ادنیٰ سے ادنیٰ غلام اپنے آپ کو وزیرِ سلطنت سے کمتر نہ مانتا تھا۔

جب وزیرِ سلطنت میراں شاہ کے سامنے حاضر ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔ میراں شاہ شاہی چھپر پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور خانزادہ اس کی پائنتی بیٹھی بڑی بے تکلفی سے گفتگو کر رہی تھی۔ اسے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ خانزادہ نے اس سے میراں شاہ کی سینکڑوں برائیاں کی تھیں اور اسے یقین دلایا تھا وہ میراں شاہ کی حرکتوں سے بددل ہو کر اور گنج واپس جا رہی ہے مگر وہی خانزادہ اس وقت کتنی لگاوٹ اور سے میراں شاہ سے باتیں کر رہی تھی۔ وزیرِ سلطنت ان دونوں کو یکجا دیکھ کر ایسا گھبرایا کہ تعظیم کے آداب بھول گیا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم نے شہزادی کی مہمانی کے فرائض انجام دیے ہیں۔" میراں شاہ نے خود ہی اسے بتایا:

"اب شہزادی ہمارے ساتھ رہیں گی۔ ہم نے قصرِ قاف کو آراستہ کرنے کا حکم دیا ہے۔"

"سلطانِ معظم کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"سلطانِ معظم نہیں والیِ تبریز۔" خانزادہ نے غصے سے وزیرِ سلطنت کو ٹوکا:

"آج سے شہزادے میراں شاہ کو والیِ تبریز یا حاکمِ ولایتِ تبریز سے مخاطب کیا جائے۔ ماجقران امیر تیمور لنگ شاہ یا سلطان کا لقب اب تک اپنے مبارک نام کے ساتھ بھی نہ لگایا۔ ولایت کے حاکم کو سلطان کہنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحبقراں کے وقار و جلال کی توہین ہے۔ منادی کرا دی جائے کہ جو شخص والیِ تبریز کے نام کے ساتھ سلطان کا لا
استعمال کرے گا اس کی زبان تراش دی جائے گی۔"

وزیرِ سلطنت تھرا اٹھا۔ وہ خانزادہ کی خاندانی عظمت کا تو قائل تھا لیکن اسے یہ علم نہ تھا کہ خانزادہ اس قد
و بدبے والے جلال والی شہزادی ہے۔ پھر اس نے انہیں ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر یہ بھی اندازہ لگایا تھا کہ خانز
کی بددلی اور ناامیدی اب امید میں بدل چکی ہے اور کوئی نہ کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔

"حکم کی تعمیل ہوگی شہزادی عالیہ"۔ وزیرِ سلطنت نے انکساری اور عاجزی سے سر جھکایا۔

"ایک اور حکم پر بھی عمل کیا جائے"۔ شہزادی اسی وقار سے بولی:

"کل شہزادے میراں شاہ ابنِ صاحبقراں امیر تیمور گورگان دربار میں جلوس فرمائیں گے۔ یہ دربار حاضر
تمام عمائدینِ سلطنت کو حاضری کا حکم ہے۔ شہزادے سے عالی مقام کے ان تیموری امیروں کو خصوصیت سے دربار میں
کیا جائے جو صاحبقراں کے حکم سے شہزادے بہادر کے ساتھ آئے تھے۔ تاتاری فوج کے بڑے بڑے سرداروں
بھی دربار میں حاضری کا حکم دیا جائے"۔

"تعمیل ہوگی شہزادی عالیہ"۔ وزیرِ سلطنت نے لرزتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا کہ عنانِ حکومت میراں شا
ہاتھ سے نکل کر اس مہمان شہزادی کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔

"ایک اور بات ہے وزیرِ سلطنت"۔ خانزادہ نے لہجہ بدل کر نرمی سے کہا۔

"ارشاد فرمایئے شہزادی عالیہ"۔

"ہم آج رات آپ کی دی ہوئی حویلی میں ہی قیام کریں گے۔ کل ہم اپنے نئے محل میں منتقل ہوں گے"۔

وزیرِ سلطنت نے تو اس پر ذرا بھی حیرت کا اظہار نہ کیا لیکن میراں شاہ چپ نہ رہ سکا۔ اس نے کہا:

"خانزادہ۔ تمہارا محل آراستہ ہو چکا ہوگا۔ کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"نہیں شہزادے۔ تمہاری مہمان نوازی کل سے شروع ہوگی"۔ خانزادہ نے مسکرا کر کہا۔ میراں شاہ کو اس
کی ہمت نہ ہوئی اور وہ خانزادہ کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

○

تبریز میں دربارِ تیموری آراستہ کیا گیا۔ گو کہ اس میں صاحبقراں تیمور کے دربار جیسی شان و شوکت اور

شکوہ نہ تھا لیکن میراں شاہ ولی عہدِ سلطنت تھا۔ مرحوم شہزادے جہانگیر کی طرح اسے بھی طبل و علم رکھنے اور دربار لگانے کی اجازت تھی۔

صبح ہوتے ہی طبل پر چوٹ پڑی اور تبریز کے قلعے پر تیموری علم لہرا اٹھے۔ بڑا جھنڈا دربار ہال کے باہر نصب کیا گیا۔ پانچ سال سے چھاؤنی میں پڑا ہوا دس ہزار کا تاتاری لشکر محض روٹیاں توڑ رہا تھا۔ فوجی سرداروں کو ان ہی احکامات پہنچ چکے تھے۔ وہ تمام رات سلامی کی تیاریاں کرتے رہے تھے۔ صبح ہوتے ہی تاتاری گھڑ سوار لشکر گاہ سے قطار اندر قطار محلِ شاہی کے سامنے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ امرا اور وزرا اپنے روایتی لباس میں دربار پہنچ گئے۔

میراں شاہ نے تبریز آنے کے بعد صرف ایک بار دربار لگایا تھا جس میں عہدے داروں کی نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔ اب ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ وزیر اور امیر اپنی نشستیں تک بھول چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھ پوچھ کر اپنی نشستوں کا تعین کیا۔ چوبدار، پیرے دار اور محافظ اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور تاتاری فوجی فضاؤں میں بکھر گئے۔

پہلے کوتوالِ شہر ایک ہوا کرتا تھا لیکن وزیرِ سلطنت نے اپنی آسانی کے لیے یا پھر اپنے حواریوں کو عہدے دینے کے لیے کئی کوتوال مقرر کر دیے تھے۔ کوتوال کا پہرہ دربار کے صدر دروازے پر ہوتا تھا۔ تمام کوتوال دربار کے صدر دروازے پر آ گئے۔

تبریز والوں کے لیے یہ نئی بات تھی۔ جب تاتاری سوار بازاروں سے گزرے تو انہوں نے ان سواروں کو حیرت سے دیکھا۔ انہیں خیال ہوا کہ شاید کہیں بغاوت ہوئی ہے اور یہ لشکر باغیوں کی سرکوبی کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ عوام تماشہ دیکھنے کے لیے ان سواروں کے ساتھ ہو لیے لیکن انہیں دربار سے دور ہی روک دیا گیا کہ حاکمِ ولایت شہزادہ میراں شاہ دربارِ خاص میں جلوس فرما رہے ہیں۔ اسی لیے عوام کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ عوام کے لیے حاکمِ ولایت شہزادہ میراں شاہ، یہ دونوں ہی لقب اور نام اجنبی تھے۔ وہ تو تبریز کے سلطان ابنِ سلطان یا سلطانِ معظم کو جانتے تھے۔

کچھ دن چڑھے دربار میں میراں شاہ کی آمد کا اعلان ہوا۔ تمام پرانے امیر دربار میں حاضر تھے اور اس اچانک تبدیلی کو تعجب کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر چوبداروں اور نقیبوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ چوبدار شاہی محل کی عماریوں میں کھڑے "خبردار۔ ہوشیار" کی آوازیں لگا رہے تھے اور شاہی نقیب شہزادہ میراں شاہ ولی عہدِ سلطنت صاحبقراں امیر تیمور گورگان کا نعرہ بلند کر رہا تھا۔ حالانکہ امیر تیمور نے اس وقت تک میراں شاہ کی باقاعدہ ولی عہدی کا اعلان نہیں کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میراں شاہ پورے تیموری دبدبے کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ سب سے آگے نقیب، اس کے پیچھے شاہی علمبردار، پھر میراں شاہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں مسلح خواجہ سرا اور میراں شاہ کے محافظ دستوں کے چیدہ چیدہ حبشی غلام نگوار میں سر سے بلند کیے چل رہے تھے۔ راہداریوں میں کنیزیں کھڑی راستے میں گل پاشی کر رہی تھیں۔

میراں شاہ واقعی آج تیموری شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے وہ درباری جو چوبیس گھنٹے اسے گھیرے رہتے تھے، ان میں سے کوئی بھی دربار میں موجود نہ تھا۔

دربار ہال میں سب سے پہلے نقیب، پھر علمبردار داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے میراں شاہ پورے جاہ و جلال کے ساتھ نپے تلے قدم اٹھاتا داخل ہوا۔ درباریوں کی گردنیں پہلے ہی جھکی ہوئی تھیں۔ ان میں کچھ اور خم پیدا ہو گیا۔ شمال کی طرف تختِ شاہی پر زرنگار مسند بچھی تھی۔ تخت کے پایوں پر کنگا جمنی کام تھا۔ تین طرف باریک پردے تھے جن میں جواہر رنیے ٹکے ہوئے تھے۔

میراں شاہ بڑی بے نیازی سے چلتا ہوا تخت کے پاس پہنچا۔ تخت پر جانے کے لیے چاندی کی تین سیڑھیاں بنی تھیں اور مسند شاہی پر پورے طمطراق سے بیٹھ گیا۔ شاہی علم اس کے تخت کے سامنے استادہ کیا گیا جس کے لیے چاندی کا ایک ٹھوس چبوترا پہلے سے موجود تھا۔ اس کے درمیان میں ایک سوراخ تھا جس میں علم کا چاندی کا ڈنڈا پھنسا دیا گیا۔ وزیرِ سلطنت تخت سے دس قدم دور دائیں جانب کھڑا تھا۔ وہ نظریں نیچی کیے ہوئے میراں شاہ کے سامنے پہنچا اور سرگوشیوں میں کچھ کہا۔ جواب میں میراں شاہ نے صرف سر کو اثبات میں ہلایا۔

"نذریں گزاری جائیں"۔ وزیرِ سلطنت نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

سب سے پہلے وزیرِ سلطنت کو نذر پیش کرنی تھی۔ اس نے دور کھڑے ہوئے اپنے غلام کو اشارہ کیا۔ غلام سونے کی صندوقچی، جس پر زربفت کا کپڑا پڑا ہوا تھا، لیے ہوئے وزیر کے پاس آیا۔ وزیر نے صندوقچی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ کھول کر اندر سے کوئی چیز نکالی اور اسے ریشمی رومال میں لپیٹ کر صندوقچی پر رکھا۔ پھر وہ صندوقچی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تخت کے قریب پہنچا۔

میراں شاہ نے دایاں ہاتھ اٹھا کر نذر قبول کی۔ وزیرِ سلطنت نے صندوقچی تختِ شاہی پر رکھ دی۔ درباریوں کا تجسس بڑھا۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ رومال میں لپٹی ہوئی کیا چیز نذر کی گئی ہے۔ میراں شاہ نے بڑی بے پروائی سے نذر قبول تو کر لی تھی لیکن اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ اس چھوٹے سے رومال میں وہ کیا عجیب چیز ہے جسے وزیرِ سلطنت نے نذرانے کے طور پر پیش کیا ہے۔

وزیرِ سلطنت چونکہ سب سے بڑا عہدے دار تھا اس لیے سب کو توقع تھی کہ اس کا نذرانہ سب سے زیادہ بیش قیمت

ہوگا۔ رومال کا راز نہ کھل رہا تھا۔ میراں شاہ کا خاص ملازم پشت پر کھڑا انتظار کر رہا تھا کہ اس کا آقا نذر اٹھانے کا اشارہ کرے تو وہ بڑھ کر نذرانہ اٹھا کے دوسرے غلاموں کے حوالے کر دے۔ دوسری طرف درباری پس و پیش میں تھے کیونکہ رسم کے مطابق جب تک پہلا نذرانہ تختِ شاہی سے نہ اٹھایا جائے دوسرا نذرانہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

آخر میراں شاہ نے خود ہی یہ مشکل آسان کر دی۔ اس نے بارعب لہجے میں کہا:

"آئندہ سے ہر نذرانہ کھلا ہوا پیش ہونا چاہیے۔ وزیرِ سلطنت کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا نذرانہ درباریوں کو دکھائیں۔"

وزیرِ سلطنت پر دربار کا کچھ ایسا رعب طاری ہوا تھا کہ وہ اپنے ہوش ٹھکانے نہ رکھ سکا۔ تیموری دربار کا اسے تجربہ نہ تھا۔ اس نے دربار کو آراستہ کرنے کے لیے میراں شاہ کے پرانے تیموری امیروں کی خوشامدیں کی تھیں اور دربار کی آرائش و زیبائش کے لیے پوری آزادی تھی۔ دربار اگرچہ اس کی موجودگی ہی میں آراستہ ہوا تھا لیکن میراں شاہ کا ماہانہ آمد اور نئے پرانے امیروں کی موجودگی نے اس کے ہاتھ پیر پھلا دیے تھے۔

میراں شاہ کے حکم سے اس کی جان میں جان آئی۔ وہ بڑھ کر تخت کے پاس پہنچا۔ لپٹا ہوا رومال اٹھایا..... اور ایک ایک کر کے اس میں سے چمکدار سی چیز نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور ہاتھ سر سے اونچا کر دیا۔ یہ ایک غیر معمولی جسامت کا ہیرا تھا جو روشن چراغ کی طرح دمک رہا تھا۔ اس سے پھوٹنے والی روشنی سے درباریوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔ درباری حیرت کے ساتھ ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں ہیرے پر تبصرہ کرنے لگے۔

"واقعی لاجواب ہیرا ہے"۔

"وزیرِ سلطنت نے شاہانہ شان ہیرا پیش کیا ہے"۔

"آخر وزیرِ سلطنت ہے۔ اس نے وزارت کی آن رکھ لی"۔

ہیرے کی رنگت ہر لحظہ تبدیل ہو رہی تھی۔ ابھی سرخ، ابھی زرد اور ابھی نیلا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قوسِ قزح اس ہیرے میں سمٹ آئی ہے اور اپنے مختلف رنگ دکھا رہی ہے۔

میراں شاہ کی حیران نظریں ہیرے پر جمی تھیں لیکن ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ درباری چہ میگوئیوں میں مصروف تھے اور ہیرے کی قیمت پر قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔

یکایک میراں شاہ کی بھاری آواز دربار میں گونجی:

"وزیرِ سلطنت کا نذرانہ بے شک نایاب اور بے نظیر ہے لیکن یہ نذرانہ اس وقت تک قبول نہیں کیا جا سکتا جب تک وزیرِ سلطنت یہ وضاحت نہیں کرتے کہ انہیں یہ ہیرا کہاں سے دستیاب ہوا ہے۔ وزیرِ سلطنت کے کردار پر شک نہیں کیا جا سکتا لیکن انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم اور قبیلے کے تمام ہیرے یا تو تیموری خزانے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود ہیں یا پھر تیموری شہزادوں اور شہزادیوں کی لکیت ہیں۔ وزیرِ سلطنت کو صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔"

وزیرِ سلطنت کو میران شاہ کے اس حکم سے کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ وہ بے خوفی سے کہہ سکتا تھا کہ اسے "یہ نایاب" میرا خانزادہ نے دیا ہے۔ صفائی پیش کرنے کے لیے اس کا یہ اظہار ہی کافی تھا لیکن اصل فکر اسے یہ لاحق ہوئی کہ خانزادہ کا نام سرِ دربار کیسے زبان پر لائے اور اس نے خانزادہ کا نام لے بھی لیا تو وہ اس کا کیا جواب پیش کرے گا۔ وہ خانزادہ سے اپنا کیا تعلق بتائے گا اور ان باتوں کو کیسے بیان کرے گا جو خانزادہ نے میران شاہ کے بارے میں کہی تھیں۔

"جواب دیا جائے۔" میران شاہ کی کرخت آواز گونجی۔

وزیرِ سلطنت سہم گیا:

"سلطانِ معظم۔۔۔۔" پھر رک کر بولا:

"ولی عہدِ معظم! یہ نایاب، میرا ذاتی شاہی خزانے کی زینت ہونا چاہیے۔ میرے پاس بھی یہ میرا ایک شاہی تحفے سے آیا ہے لیکن میں خاندانِ تیموریہ کی اس ہستی کا نام دربار میں نہیں لے سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سلطنتِ تیموریہ کی توہین کا امکان ہے۔"

"ہوں۔" میران شاہ کا غصہ شاید اس وجہ سے کچھ کم ہوا کہ وزیرِ سلطنت نے "شاہی توسط" کا حوالہ دیا تھا پھر اس نے اپنے اطمینان کے لیے پوچھا:

"اس کا مطلب ہے کہ خاندانِ تیموریہ کے کسی فرد نے تمہیں یہ میرا انعام یا تحفے کے طور پر دیا ہے۔"

"عالی جاہ شہزادہ عالی مقام کا ارشاد بالکل درست ہے۔" وزیرِ سلطنت نے فوراً تائید کی۔

میران شاہ کی تسلی ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے حکم پر مزید زور نہیں دیا اور اپنے خاص غلام کو اشارہ کیا کہ نذرانہ وصول کیا جائے۔ وزیرِ سلطنت نے میرا اس کے حوالے کر دیا۔

دوسرا نذرانہ حاضرِ لشکر کی طرف سے گزارا گیا۔ پھر باری باری تمام عمائدینِ سلطنت اور رؤسا نے نذرانے پیش کیے۔ نذرانے کی رسم پوری ہوئی تو وزیرِ سلطنت نے بڑھ کر نہایت مؤدب انداز میں کہا:

"تاتاری لشکر صف آرا ہے۔ شہزادے بہادر معائنے کی زحمت فرمائیے۔"

"لشکر کا معائنہ۔" میران شاہ کچھ سوچنے لگا پھر بولا:

"لشکر کے معائنے کو ہم اکیلے نہیں جائیں گے۔ پہلے قاضیِ شہر کو پیش کیا جائے۔"

"قاضیِ شہر؟" وزیرِ سلطنت نے حیرت سے میران شاہ کو دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آج کونسا مقدمہ پیش ہونا ہے جس کی اسے خبر نہیں۔ قاضیِ شہر مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا مگر یہ ذمہ داری وزیرِ سلطنت نے اپنے ذمے لے لی تھی اور

سے تمام مقدمات اس کے سامنے پیش ہوتے تھے اور وہ اپنی صوابدید پر جو چاہتا تھا فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔

"حکم کی تعمیل ہو۔" میران شاہ نے گرج کر کہا:

"قاضیِ شہر کو فوراً طلب کیا جائے۔"

دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور درباری ایک دوسرے کا منہ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لشکر کے معائنے سے پہلے قاضی کا طلب کیا جانا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اور میران شاہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ چند لمحوں بعد قاضیِ شہر تشریف لائے۔ انہوں نے تعظیم پیش کی۔ میران شاہ نے انہیں تخت پر آنے کا اشارہ کیا۔ قاضی کے پیر کانپنے لگے۔ انہوں نے پھٹی پھٹی نظروں سے میران شاہ کو دیکھا۔

"گھبرائیے نہیں۔ ہمارے پاس تشریف لائیے۔" میران شاہ نے نرمی سے کہا۔

"معظم۔۔۔۔ شہزادے۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں تختِ شاہی۔" قاضی کے حلق میں آواز اٹکنے لگی۔

"ہاں تخت پر۔۔۔۔ ہماری مسند پر۔۔۔۔"

"شاہی مسند؟" قاضی صاحب بوکھلا گئے۔

قاضی نے جوتے سیڑھیوں کے نیچے اتارے اور لرزتے پیروں سے تخت پر چڑھے اور شاہی مسند کے قریب رک گئے۔

"تشریف رکھیے ہمارے ساتھ۔" میران شاہ نے انہیں شاہی مسند پر ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

قاضیِ شہر ڈرتے ڈرتے مسند کے کونے پر بیٹھ گئے۔ دل تھا کہ سینے سے نکل پڑتا تھا۔ تمام بدن پر رعشہ سا تھا۔ دعائیں مانگ رہے تھے۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ پتہ نہیں کیا غلطی سرزد ہوئی ہے کہ انہیں دربار میں طلب کیا گیا۔ کیا سزا ملے گی انہیں؟ مگر۔۔۔۔ مگر یہ التفات، یہ شاہی مسند! اے اللہ تو ہی عالم الغیب ہے۔ قاضی کے دل میں ہزاروں خیال آئے اور گزر گئے۔ وہ وہم کی کشمکش میں مبتلا تھے۔

اس وقت دربار میں امیر قلات خان آیا اور جھک کر تعظیم پیش کی:

"کیا سواری آ گئی؟" میران شاہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی ہاں شہزادے بہادر!" قلات خان بولا:

"حکم کی پوری پوری تعمیل کی گئی ہے۔"

میران شاہ نے دربار پر طائرانہ نظر ڈالی۔ بولا:

"دربار کے تمام معززین ہمارے ساتھ دامن کی پیشوائی کے لیے چلیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میراں شاہ مسند سے اترا اور باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ تمام درباری اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے لیکن خادش بُت بنے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر سحر کر دیا گیا ہے اور وہ کسی معمول کی طرح حرکت کر رہے تھے۔ سب کے ذہن لفظ "دلہن" میں الجھے ہوئے تھے۔ قاضیِ شہر کی موجودگی اور لفظ دلہن کی آمد میں کوئی تعلق تو سمجھ میں آ رہا تھا لیکن دلہن کون ہے اور اگر دلہن ہے تو پھر قاضیِ شہر کی کیا ضرورت ہے۔ اسی ادھیڑ بُن میں وہ محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔

مندر دروازے کے سامنے ایک آراستہ پیراستہ بند گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کے چاروں طرف تاتاری اپنے روایتی انداز میں چوکس، تیر و ترکش پشت پر ڈالے تلواریں زیبِ کمر کئے معاً فظ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

میراں شاہ کو آتے دیکھ کر سب گھوڑوں سے اتر پڑے۔ امیر قلات خان میراں شاہ کے ساتھ چلتا ہوا میراں سواریوں کے پاس جا کر رُکا۔

امیر قلات خان چند قدم آگے بڑھا اور گاڑی پر پڑے ہوئے زرنگار پردوں کی طرف جھک کر بولا:

"شہزادہ میراں شاہ بن صاحبقراں امیر تیمور گورگان استقبال کے منتظر ہیں۔ شہزادی عالیہ سواری سے باہر قدم رنجہ فرمائیں۔"

پردوں میں حرکت ہوئی۔ جھم جھم کرتی چار کنیزیں گاڑی سے اتریں۔ انہوں نے میراں شاہ کو تعظیم پیش کی۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی کے پردے الٹ دیے گئے اور خانزادہ پورے عروسی جوڑے اور بیش قیمت زیورات سے لدی پھندی دو کنیزوں کے سہارے گاڑی سے اتری۔ یہ دونوں کنیزیں وہی تھیں جو وزیرِ سلطنت نے خانزادہ کی حفاظت پر لگائی تھیں اور پھر خانزادہ نے انہیں میراں شاہ کی نگہداشت یا جاسوسی پر مقرر کیا تھا۔

خانزادہ اور میراں شاہ کے درمیان شادی کے تمام معاملات گذشتہ رات ہی طے پا گئے تھے۔ میراں شاہ نے دونوں کنیزوں اور اپنے غلام کو خانزادہ کے ساتھ کر دیا تھا۔

خانزادہ نے اپنی حویلی پہنچ کر امیر قلات خان کو بلوا لیا تھا۔ امیر قلات اور شاہی غلام نے باہر کے تمام انتظامات کیے اور کنیزوں نے حویلی کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ رات بھر خانزادہ کی حویلی کے اندر اور باہر شادی کی تیاریاں ہوتی رہیں۔

خانزادہ کے لیے عروسی جوڑا اور زیورات محل سے منگوائے گئے تھے۔ دلہن کو دربار تک لے جانے کے لیے شاہی سواریوں کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا لیکن تمام باتیں بڑی خاموشی اور رازداری سے کی گئی تھیں۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی تھی۔

میراں شاہ نے خانزادہ کا استقبال کیا۔ امیروں اور وزیروں نے جھک کر سلامی دی۔ پھر دونوں جلوس کی صورت میں دربار میں داخل ہوئے۔ اس وقت محل کی کنیزوں اور خواجہ سراؤں کو خبر ہو چکی تھی۔ ان کا پورا ہجوم دربار میں آ گیا۔ اس وقت چھوٹے بڑے کی تمیز مٹ گئی تھی اور ہر ایک ہنس بول رہا تھا۔ کنیزیں خانزادہ پر نثار ہوئی جا رہی تھیں اور خواجہ سرا دولہا دلہن کے گرد حلقہ بنا کر چل رہے تھے۔

جلوس تخت کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔

میراں شاہ اور خانزادہ مسندِ شاہی پر بیٹھ گئے۔ قاضیِ شہر نے اپنی نشست سنبھال لی۔ اب انہیں بھی حقیقت کا علم ہو گیا تھا۔ وہی کیا سب کو علم ہو گیا تھا کہ قاضی صاحب میراں شاہ اور خانزادہ کا عقد پڑھانے کے لیے بلوائے گئے ہیں۔ وزیرِ سلطنت ضرور کچھ پریشان تھا۔ وہ تمام رات دربارِ شاہی کے انعقاد کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہا۔ اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس کی حویلی میں ایک نیا گل کھلنے والا ہے اور خوارزم کی شہزادی کو دلہن بنایا جا رہا تھا۔

میراں شاہ کے اشارے پر قاضیِ شہر نکاح کے لیے تیار ہوا۔ وزیرِ سلطنت نے میراں شاہ کی طرف سے وکالت کی اور خانزادہ کی طرف سے یہ فرمان امیر قلات نے ادا کیا۔ اس طرح میراں شاہ بن تیمور اور خانزادہ بنت آقا صوفی کا عقد ہو گیا۔

یہ دونوں کا دوسرا عقد تھا۔ میراں شاہ کی بھی دوسری شادی تھی۔ خانزادہ بیوہ تھی۔ اس کی پہلی شادی میراں شاہ کے بڑے بھائی شہزادہ جہانگیر سے ہوئی لیکن جہانگیر کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا تھا۔ خانزادہ کے جہانگیر سے دو لڑکے پیر محمد اور سلطان محمد تھے۔ یہ دونوں جوان ہو گئے تھے اور امیر تیمور کے ساتھ فتوحات میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔

خانزادہ کی شروع ہی سے یہ کوشش تھی کہ کسی طرح اپنے بیٹے کو امیر تیمور کا جانشین بنا دے مگر میراں شاہ راستے کا سب سے بڑا روڑا تھا۔ خانزادہ اپنے بیٹوں کے لیے تو راستہ نہ صاف کر سکی لیکن میراں شاہ سے عقدِ ثانی کر کے اس نے پہلا مقام ضرور حاصل کر لیا تھا اور وہ ایک بار پھر ولی عہدِ سلطنت کی بیوی بن کر سامنے آئی۔

خانزادہ اور میراں شاہ کی شادی کی اطلاع امیر تیمور کو نہ دی جا سکی۔ وہ اس وقت بغداد کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ سمرقند میں جب اس کی اطلاع پہنچی تو مکہ سرائے خانم نے اطمینان کا سانس لیا۔ سرائے خانم خانزادہ کی سوتیلی ساس تھی اور دونوں میں چشمک رہا کرتی تھی۔ جب تک خانزادہ سمرقند میں رہی، خوب خوب ہنگامے ہوئے۔ پھر خانزادہ اپنے میکے اور گنج سپلی گئی۔ اس وقت بھی سرائے خانم نے اطمینان کا سانس لیا تھا لیکن اب وہ بالکل ہی مطمئن ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانزادہ نے میراں شاہ کی بیوی بنتے ہی تبریز کے دربار کا رنگ بدلنا شروع کر دیا۔ وہ صاحبقراں کے دربار کو دیکھ چکی تھی۔ وہ خود بھی خوارزم کی شہزادی تھی اور اس نے اپنے چچا حسین صوفی کا دربار بھی دیکھا تھا۔ اس دربار میں وہی تیموری قوانین رائج تھے جو سمرقند میں برتے جاتے تھے۔

میراں شاہ روز دربار لگنے لگا۔ اوباش قسم کے درباریوں کو وظیفہ دے کر گھر میں بٹھا دیا گیا۔ اس نے کسی کی نوکری چھینی نہ کسی کو برخاست کیا لیکن دربار سے سب کو دور ہی رکھا۔ وزیرِ سلطنت سے وہ مطمئن نہ تھی پھر بھی اسے اس کے عہدے پر برقرار رکھا گیا۔ وزیرِ سلطنت نے بھی خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیا تاکہ خانزادہ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

خانزادہ نے امیر قلات خان کو امیر الامراء کا عہدہ دیا اور مشیرِ سلطنت کے فرائض اسے سونپے۔ ایک ہی ماہ میں تبریز کی کایا پلٹ ہو گئی۔ یہ انقلاب بڑی خاموشی سے آیا۔ خانزادہ نے کسی پر سختی نہیں کی۔ اب بھی شعراء حضرات دربار میں حاضری دیتے اور قصیدے پڑھتے۔ گاہے گاہے عیش و عشرت کی محفلیں بھی جمتیں جن میں ہمیشہ خانزادہ میراں شاہ کے پہلو میں بیٹھتی۔ اور مغنیوں، رقاصاؤں اور سازندوں کو انعام و اکرام سے نوازتی۔ دربار کے اوقات میں خانزادہ کے لیے تختِ شاہی کے پیچھے ایک دوسرا تخت بچھایا گیا۔ درمیان میں ایک ہی پردہ ڈالا گیا۔ میراں شاہ کا کام مسائل کو صرف سننا تھا۔ احکامات خانزادہ جاری کرتی تھی۔

مگر برا ہو فطری خیانت، تعصب اور اسلام دشمنی کا کہ اہلِ قلم اور مؤرخ جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ انہوں نے میراں شاہ اور خانزادہ کے جھگڑے کو ایک بالکل ہی نئے روپ میں پیش کیا ہے وہ تو اس بات کا اقرار ہی نہیں کرتے کہ خانزادہ اور میراں شاہ کی شادی ہوئی تھی۔ ان بے خبر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اسی زمانے میں ایک یورپین جس کا نام "روئے دے گونزالز دیو" ہے، میراں شاہ کی ولایت میں سلطانیہ گیا۔ سلطانیہ کو ہلاکو خان کے پڑپوتے سلطان خدابندہ نے آباد کیا تھا۔ یہ پہلا مغل سلطان تھا جس نے اسلام قبول کیا اور اس نے سلطانیہ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔

گونزالز نے سلطانیہ سے واپس آ کر لوگوں سے بیان کیا کہ "میراں شاہ کے پاس ایک عورت گانے والی رہتی تھی جو اسے چھوڑ کر چلی گئی۔"

ایسے غیر محتاط اور بے خبر راوی کو کیسے اہمیت دی جا سکتی ہے جو گانے والی (خانزادہ) کا ذکر اس طرح کرتا ہے جیسے وہ کوئی عام سی عورت تھی، حالانکہ خانزادہ ولی عہد شہزادے جہانگیر کی بیوہ تھی اور اس کو تقریباً وہی اختیارات حاصل تھے جو امیر تیمور کی بڑی بیگم سرائے خانم کو حاصل تھے۔ ظفرنامہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ خانزادہ اور میراں شاہ کا عقد ہوا تھا۔

خانزادہ نے ملکی انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور کئی سال تک بڑی خوبی سے حکومت کرتی رہی۔ ایک دن میراں شاہ سے کہا:

"شہزادے بہادر۔ کبھی آپ نے ایک دانشور کے اس قول پر غور کیا ہے کہ جس فرد، قوم یا سلطنت پر جمود طاری ہوتے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے؟"

میراں شاہ موٹے دماغ کا انسان تھا۔ خانزادہ کی بات اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔ بولا:

"خانزادہ! بعض اوقات تم فلسفیوں جیسی باتیں کرنے لگتی ہو۔ تم اپنی بات کی وضاحت کرو۔ ہماری سمجھ میں کچھ بات آئی۔ جہاں تک زوال کا سوال ہے تو ہر کمال کو زوال لازم ہے لیکن ہم ابھی دنیا کے مالک نہیں بنے۔ ابھی ہم کمال تک نہیں پہنچے اس لیے زوال کا مسئلہ غیر ضروری ہے۔"

"شہزادے! نہ میں فلسفی ہوں اور نہ دانشور۔" خانزادہ نے کہنا شروع کیا:

"میں اس قدر تعلیم یافتہ بھی نہیں ہوں کہ کوئی نئی بات کہوں۔ میں تو وہی باتیں کہتی ہوں جو میں نے بزرگوں سے یا اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ کیا تم نے صاحبقراں کی زبان سے کسی کا یہ قول نہیں سنا کہ حرکت میں برکت ہے اور ناکامی موت ہے۔ امیر اس قول پر عمل کرتے ہیں۔ ان کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ وہ اپنے لشکر کو ہمیشہ حرکت میں رکھتے ہیں اور نئی فتوحات کے لیے آگے ہی آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ اگر لشکر کو جنگ و جدل میں مصروف نہ رکھا جائے تو لشکر کاہل ہو جاتا ہے۔ امیر کا یہ بھی طریقہ ہے کہ امن کے زمانے میں بھی وہ لشکر کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے اور کسی نہ کسی بہانے نکل جاتے ہیں۔"

"میر و شکار۔" میراں شاہ درمیان میں بولا:

"تم نے خوب یاد دلایا خانزادہ۔ ہمیں شکار کھیلنے ایک زمانہ ہو گیا۔ کیوں نہ ہم کچھ دن شکار سے بھی دل بہلائیں۔"

"شہزادے نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔" خانزادہ خوش ہو کر بولی:

"میں خود یہ تجویز پیش کرنے والی تھی۔ شکار سے ایک تو تفریح کا سامان مہیا ہو گا۔ دوسری طرف بیکار پڑی فوج کی سستی اور کاہلی دور ہو جائے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم شکار پر چلیں گے۔"

میراں شاہ نے فیصلہ کر دیا اور خانزادہ کی طویل فلسفیانہ اور عالمانہ تمہید کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ کسی طرح میراں شاہ کو عمل کی رنگین فضا سے نکال کر تاریکیوں کی حقیقی زندگی کی طرف مائل کرے اور اس میں وہ کامیاب ہو گئی تھی۔

خانزادہ نے نہ تو وزیرِ سلطنت کو معزول کیا تھا اور نہ اس کے اختیارات میں کمی آنے دی تھی لیکن امیر قلات کے ابھر کر سامنے آجانے سے وزیرِ سلطنت کی شخصیت دب کر رہ گئی تھی لیکن اس میں شکوہ شکایت کرنے کی جرأت نہ تھی۔ وہ شکایت کرتا تو کس سے۔ میراں شاہ تو برائے نام حکمران رہ گیا تھا۔ اصل طاقت تو خانزادہ کے ہاتھ میں تھی اور خانزادہ کی مہربانیوں اور نوازشوں کا مرکز امیر الامراء قلات خان کی ذات تھی۔ خانزادہ نے قلات خان کو بلا کر مژدہ سنایا اور انتظامات کی ذمہ داری اس کے سپرد کی۔

قلات خان ضعیف ہو چکا تھا۔ اس کے اعضاء میں اب پہلے جیسی طاقت اور پھرتی نہ رہی تھی۔ اس نے حکم پر سر جھکا دیا اور اپنے طور پر انتظامات شروع کر دیے لیکن ضعیفی جو بذاتِ خود ایک مرض ہے وہ اس بار کر سکی اور قلات خان بیمار پڑ گیا۔

شکار کے سلسلے میں قلات خان کو خانزادہ کے پاس دن میں کئی کئی بار آنا پڑتا تھا۔ ایک دن قلات خان پہنچا تو وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے قلات خان کے گھر غلام بھیجا۔ غلام نے واپس آکر قلات خان کی علالت کی اطلاع دی۔ اس بے وقت علالت نے خانزادہ کو اور پریشان کر دیا۔ شکار پر روانگی کا وقت مقرر ہو چکا تھا اور انتظامات اپنے آخری مراحل میں تھے۔ ایسے وقت یہ انتظام کسی اور کو سونپنا کچھ مناسب معلوم نہ ہوتا تھا۔ خانزادہ تمام گرد مسئلے پر غور کرتی رہی اور پریشان ہوتی رہی۔

شام ہوئی تو اطلاع دی گئی کہ امیر الامراء قلات خان ڈیوڑھی پر حاضر ہیں۔ خانزادہ کی تمام فکر دور ہو گئی نے فوراً قلات خان کو ملاقات کے لیے بلوا لیا۔

قلات خان نے سامنے پہنچ کر خانزادہ کو سلام کیا۔ خانزادہ کی نظریں قلات خان کا جائزہ لے رہی تھیں اسے فوراً محسوس ہو گیا کہ قلات خان کی حالت ٹھیک نہیں اور اسے محل تک پہنچنے میں بھی نامعلوم کتنی تکلیف ہو گی۔ خانزادہ نے اس کی بات سننے سے پہلے ہی کہا:

"خان! تمہیں اس حالت میں ہمارے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ اور مکمل آرام کرو کوئی اور انتظام کر لیں گے۔"

"شہزادی عالیہ!" قلات خان نحیف آواز میں بولا:

"میں واقعی چلنے پھرنے سے معذور ہوں لیکن جو ذمہ داری آپ نے میرے سپرد کی تھی اسے ادھورا بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ گو کہ انتظامات مکمل نہ کر سکا لیکن میں ایک ایسے شخص کو اس خدمت پر مامور کرنے کی سفارش کروں گا جو میرا ہی نہیں بلکہ مجھ سے بھی زیادہ اچھا انتظام کر سکتا ہے۔"

خانزادہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے بڑی امید سے پوچھا:

"خان! کیا تبریز میں تم جیسا انتظام کرنے والا کوئی اور بھی موجود ہو سکتا ہے؟"

"جی شہزادی عالیہ۔ بلاقو خان مجھ سے بہتر کام کر سکتا ہے۔" قلات خان نے نقاہت سے جواب دیا:

"شکار کے سلسلے میں اب تک جو انتظام ہوا ہے اس میں وہ میرا شریک کار رہا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ سب کچھ اسی کا کیا ہوا ہے۔ میں تو پہلے روز ہی سے بیمار ہو گیا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح شہزادی کے سلام کے لیے حاضری دیتا تھا۔"

"خان! تمہاری سفارش ہے تو ہم اس پر ضرور اعتماد کریں گے۔" خانزادہ نرمی سے بولی:

"بلاقو خان کہاں ہے؟ اسے پیش کیا جائے۔"

"وہ میرے ساتھ آیا ہے شہزادی عالیہ۔" قلات خان نے کہا:

"بلاقو خان میرا بیٹا ہے۔ آپ کا غلام ہے وہ۔"

"اوہ۔" خانزادہ مسکرائی:

"ہمیں سن کے بڑی خوشی ہوئی۔ تمہارا بیٹا تمہارے مشورے سے اس کام کو ضرور مکمل کر سکے گا۔ ہم بھی اس کا خیال رکھیں گے اور پوری مدد کریں گی اس کی۔"

قلات خان نے ایک غلام سے کہہ کر اپنے بیٹے کو اندر بلایا۔ بلاقو خان کا خانزادہ کے حضور میں آنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ وہ ڈرا ڈرا سا سر جھکائے اندر آیا اور حسبِ دستور خانزادہ کو سلام کیا۔

"اچھا تو تم ہو قلات خان کے بیٹے۔" خانزادہ نے محسوس کیا کہ بلاقو خان کچھ زیادہ ہی ڈر رہا ہے تو اس نے کہا:

"بلاقو خان! ہم سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ اس کام کے سلسلے میں تمہیں ہمارے پاس دن میں کئی بار آنا پڑے گا۔ مطلق خوف نہ کھاؤ۔ سر اٹھا کر بات کرو ہم سے۔"

بلاقو خان ڈر ضرور رہا تھا لیکن اس کے کان خانزادہ کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ جب خانزادہ نے سر اٹھانے کا حکم دیا تو اس نے جھکتے ہوئے سر اٹھایا اور خانزادہ سے آنکھیں چار کیں۔ بلاقو خان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی خانزادہ کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ وہ بڑی حیرت سے بلاقو خان کو ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتلغ خان اپنی بیماری کی وجہ سے خانزادہ کی آنکھوں اور دل میں نہ جچ سکا۔ ورنہ وہ کم از کم یہ تو اندازہ ضرور لگا لیتا کہ باقو خان کو دیکھ کر خانزادہ اپنے ماضی میں کھو گئی ہے۔ باقو خان پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ چند لمحوں سے زیادہ خانزادہ سے نظریں چار نہ کر سکا اور اس کا سر جھک گیا۔

آخر خانزادہ نے ایک طویل سانس لی۔ بولی:

"باقو خان! ہمیں امید ہے کہ تم اس ادھورے کام کو اپنی محنت اور فراست سے تکمیل تک پہنچاؤ گے۔ مشورے کے لیے ہمارے محل کے دروازے تمہارے لیے ہر دم کھلے رہیں گے۔ تم جس وقت چاہو آ سکتے ہو۔"

"شہزادی عالیہ کی خوشنودی کے لیے غلام اپنی جان لڑا دے گا۔" باقو خان نے بڑے ادب سے کہا:

"خان بابا کی بیماری سے میں کچھ پریشان ضرور ہوں لیکن انشاء اللہ کام میں کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔"

"کیا تمہیں امید ہے کہ ہم مقررہ دن پر شکار کے لیے روانہ ہو سکیں گے؟"

"انشاء اللہ شہزادی عالیہ۔"

"ایک بار پھر سوچ لو باقو خان۔ تم کہو تو روانگی ایک ہفتہ کے لیے روک دی جائے۔"

"شہزادی عالیہ آپ بالکل فکر نہ کیجئے۔ انتظامات مقررہ دن سے پہلے ہی مکمل ہو جائیں گے۔"

"کیا تمہیں پوری امید ہے؟"

"میں دعویٰ نہیں کرتا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں شہزادی عالیہ کا اعتماد اور خوشنودی حاصل کر دوں گا۔"

"ہم تمہاری خود اعتمادی سے خوش ہوئے۔"

پھر وہ قتلغ خان سے مخاطب ہوئی:

"خان! تمہارے بیٹے میں ہم نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ اس میں ترقی کی امنگ ہے اور یہ ترقی کرے گا بھی۔"

○

شکار کی روانگی کو تین چار دن باقی تھے۔ خانزادہ نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شہر کی سیر کا پروگرام بنایا۔ میران شاہ نے خود کو شاہی محل میں قید کر رکھا تھا۔ کئی کئی ہفتے بعد وہ محل سے نکلتا۔ اس زمانے میں حکمرانوں اور بادشاہوں میں یہ دستور تھا کہ وہ عوام کو "دیدار" کراتے تھے۔ اس سے دو طرفہ فائدہ تھا۔ جب حاکم محل کے جھروکے میں بیٹھ کر یا کوچہ و بازار میں جلوس کی شکل میں جا کر عوام کو دیدار سے نوازتا تو عوام کے دل میں اس کی عظمت بیٹھ

دوسری طرف حاکم وقت کو بھی یہ خیال رہتا کہ وہ لشکر اور امراء کا ہی حاکم نہیں بلکہ عوام بھی اس سے کچھ توقعات رکھتے ہیں۔ خانزادہ نے اس خیال کے پیش نظر کہ عوام میں میران شاہ روشناس ہو جائے، سیر شہر کا اعلان کیا۔

اس سیر کا انتظام بھی جواں عمر باقو خان کے سپرد ہوا۔

باقو خان بڑا خوبصورت تاتاری جوان تھا۔ اس کی ماں ترکمان قبیلے سے تعلق رکھتی تھی اس لیے باقو خان میں تاتار اور ترکمانی خون نے مل کر ایک عجیب وجاہت پیدا کر دی تھی جس کا عکس باقو خان کے چہرے پر ہر وقت پڑتا تھا۔

خانزادہ بھی ترکمان باپ کی بیٹی تھی۔ ممکن ہے کہ اس کا باقو خان کی طرف زیادہ جھکاؤ اسی وجہ سے ہو۔ ایک خیال ہے کہ خانزادہ کی باقو خان میں دلچسپی اس وجہ سے تھی کہ اس کا چہرہ مرحوم شہزادے جہانگیر سے ملتا جلتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ باقو خان اور خانزادہ کے بڑے بیٹے پیر محمد میں بہت زیادہ مشابہت تھی۔ اس سلسلے میں وثوق سے نہیں کہی جا سکتی اور اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں کہ خانزادہ کا کردار کسی طور پر داغدار ایک اعلیٰ دماغ اور بڑے رکھ رکھاؤ والی عورت تھی۔ تبریز پہنچنے کے بعد بھی اس کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ تک اس کا میران شاہ کے ساتھ عقد نہیں ہو گیا اس نے اس کے شاہی محل میں ایک رات بھی بسر

شکار کے انتظامات کے سلسلے میں باقو خان کی محل میں آمد و رفت بڑھ گئی۔ دن میں اسے کئی کئی بار خانزادہ پڑتا۔ اس طرح باقو خان کو خانزادہ کے مزاج کو سمجھنے کا بہت موقع ملا۔ اور اسے بڑی حد تک اس کے دل حاصل ہو گیا۔

خانزادہ نے بھی اس جوان کی صلاحیتوں کی پوری پوری پذیرائی کی اور جب اس نے شکار کے مقررہ دن سے پہلے تمام انتظامات مکمل کرنے کی اطلاع دی تو خانزادہ اس قدر خوش ہوئی کہ میران شاہ سے کہہ کر اس نے داروغۂ اصطبل کے اعلیٰ عہدے پر فائز کرا دیا۔ کہنے کو تو باقو خان لشکر اور شاہی گھوڑوں کی دیکھ بھال کا ناظم تھا لیکن اس کے عہدے میں تمام شاہی تقریبات کی نظامت بھی شامل تھی اور باقو خان نے اپنے کام سے اس قدر خوش کیا کہ وہ اب اپنے ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے باقو خان ہی کو طلب

شکار پر روانگی کے وقت پانچ ہزار سوار میدان میں صف بستہ ہوئے۔ ان میں تاتاری سواروں کی تعداد ان کے علاوہ مفتوحہ علاقوں کے نبرد آزما بھی شامل تھے جو شکست کھانے کے بعد تیموری لشکر میں شامل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئے تھے۔ اور مختلف مذاہب کے پابند تھے۔

تیمور نے میراں شاہ کے ساتھ کثیر تعداد میں ان نیم وحشی سواروں کا ایک دستہ بھی روانہ کیا تھا جنہوں نے تیموری حملوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ خیمے، ڈیرے، کھانے پینے کا سامان اور تمام ضروری چیزیں ایک روز پیشتر پہلی منزل پر بھیج دی گئی تھیں۔

جلوس روانہ ہوا۔ میراں شاہ اور خانزادہ گھوڑوں پر سوار آگے آگے چل رہے تھے۔ محافظ دستے ان کے دائیں بائیں اور پشت پر تھے۔ یہ جلوس جب شہر کی سڑکوں سے گزرا تو تبریز کے تمام مرد و زن اسے دیکھنے کے لیے سڑکوں اور کوٹھوں پر امڈ آئے۔ ایران کی عورتیں عام طور پر نقاب ڈالتی تھیں جبکہ تاتاری خواتین میں پردے کی کوئی خاص رواج نہ تھا۔ خانزادہ خود بھی پردہ نہ کرتی تھی لیکن جب عوام میں جاتی تو ہلکا سا ایک نقاب چہرے پر ڈال لیتی۔ اس وقت بھی وہ چہرے پر اکہرا نقاب ڈالے ہوئے تھی۔

شاہی سواری تبریز سے دوپہر کے وقت روانہ ہوئی اور بغیر رکے شام تک سفر کرتی رہی۔ کھانے کا انتظام بھی پہلی منزل پر کیا گیا تھا۔ منزل پر پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ کیا۔ رات گزارنے کے لیے خیمے لگائے گئے۔ آج کا سفر مختصر تھا۔

کھانے کے بعد میراں شاہ نے محفلِ نشاط کی خواہش کی۔ خانزادہ کو اس بات کا پہلے سے خیال تھا۔ اس نے بلاقو خان سے کہہ کر رقاصاؤں اور مغنّی خوبروؤں کے کئی طائفے ساتھ لے لیے تھے۔ میراں شاہ کثرت سے شراب پیتا تھا لیکن خانزادہ نے اس میں کافی حد تک کمی کرا دی تھی۔

میراں شاہ نے جب شراب حاضر کرنے کا حکم دیا تو خانزادہ نے اسے اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ محفل میں بیٹھ کے شراب پینے کے بجائے شراب پی کر محفل میں جائے تاکہ دوسروں کو محفل میں شراب پینے کی جرأت ہو۔ خانزادہ نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ میراں شاہ کی شراب خوری میں کمی ہو جائے لیکن اس کا کیا کہ میراں شاہ شراب کے علاوہ دوسری منشیات کا بھی عادی تھا اور یہ منشیات اسے اپنے خاص خادموں کے ملتی رہتی تھیں جس کا علم خانزادہ کو نہ ہو پاتا تھا۔

محفلِ نشاط کا آغاز ہوا۔ ناچ گانا شروع ہی ہوا تھا کہ میراں شاہ پر مدہوشی طاری ہونے لگی۔ خانزادہ نہ تھا کہ اس قدر کم شراب پینے کے باوجود میراں شاہ پر غشی کیوں طاری ہو رہی ہے؟

میراں شاہ نے سرِ محفل کچھ ایسی ناشائستہ باتیں کیں کہ خانزادہ کو محفل برخاست کرنا پڑی اور وہ میرا کو لے کر خیمے میں چلی گئی۔

میراں شاہ خیمے میں پہنچتے ہی بے ہوش سا ہو گیا اور بے خبر ہو کر ایک طرف پڑ گیا۔ خانزادہ نے

ا کے سرہانے بیٹھ کر گزاری۔

صبح کو شکار کا آغاز ہونا تھا لیکن میراں شاہ کے پوری طرح حواس درست نہیں ہوئے تھے۔ خانزادہ نے کو بلوا کر حکم دیا کہ لشکر کو شکار کھیلنے کی اجازت ہے اور وہ گروہوں میں بٹ کے شکار سے دل بہلا سکتے ں شاہ کی حالت اس نے بلاقو خان سے بھی چھپائی۔ اور یہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا کہ شہزادے ابھی آرام کر ۔ کچھ دن چڑھے ہم لوگ شکار پر روانہ ہوں گے۔

بلاقو خان مطمئن ہو کر چلا گیا اور اس نے باہر خانزادہ کا حکم سنا دیا۔ تاتاری سوار شکار کی اجازت ملتے ہی ل صورت میں شکار کھیلنے چلے گئے۔

دوپہر کے وقت میراں شاہ کے حواس درست ہوئے تو خانزادہ کو اطمینان ہوا۔ خانزادہ چاہتی تھی کہ میراں شاہ روز مکمل آرام کر لے تاکہ شکار کا صحیح لطف حاصل ہو سکے لیکن میراں شاہ ضد پکڑ گیا۔ اس نے اسی وقت ے کا فیصلہ کیا۔ خانزادہ نے بھی بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور شاہی محافظوں کو لے کر شکار کے لیے چل پڑی۔

خانزادہ اور میراں شاہ تھے۔ ان کے پیچھے بلاقو خان بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ زمین ہموار مگر پتھریلی تھی۔ ایسی ڑے دوڑانا کچھ ایسا مشکل نہ تھا۔ یہ لوگ معمولی رفتار سے گھوڑے دوڑاتے جنگل کے قریب پہنچے۔ پتہ نہیں کیا ہوا کہ میراں شاہ کا گھوڑا اک دم بدکا اور پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ ممکن ہے میراں شاہ نشے میں ہو لیکن وہ تاتاری باپ کا بیٹا تھا اس نے خود کو گھوڑے کی پیٹھ پر سنبھالے رکھا اور اس پر ی کوشش کی۔ گھوڑے کی راسیں کھینچیں تو وہ اور زیادہ الف ہو گیا اور اس نے پچھلے پیر زمین پر ر چار پانچ جھٹکے دیے۔ پھر پچھلے پیروں سے دولتیاں جھاڑنا شروع کر دیں۔

خانزادہ فوراً گھوڑا بڑھا کر اس کے قریب پہنچی۔ دوسری طرف سے بلاقو خان بھی آ گیا۔ دونوں نے گھوڑے ڑنے کی کوشش کی لیکن گھوڑا منہ زور اور بے قابو ہو گیا۔ وہ اگلے پچھلے پیر اچھالتا ہوا ایک طرف ا۔ خانزادہ نے محافظوں کو حکم دیا کہ میراں شاہ کے گھوڑے کو گھیرے میں لے لیں اور کسی طرح سے گھوڑے سے اتار دیں۔

سوار اس کوشش میں لگ گئے۔ انہوں نے میراں شاہ کے گھوڑے کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ لیکن میراں شاہ ہیں کامیاب نہ ہو سکے بے قابو گھوڑا اتنی تیزی سے دائرے میں گھوم رہا تھا اور پورے جسم کو کچھ ت دے رہا تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہو گیا۔ اس کشمکش میں گھوڑے کی دم خانزادہ کے منہ پر ا پڑی اور مکیر میں ڈال گئی۔

راں شاہ کو کبھی ایسے منہ زور گھوڑے پر بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جب گھوڑا کسی طرح قابو میں نہ آیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے یہی بہتر خیال کیا کہ گھوڑے سے کود پڑے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے۔ شاید اس خیال سے نے اپنا ایک پیر رکاب سے نکالا لیکن اس کی بدقسمتی کہ گھوڑے نے اسی وقت ایک اونچی جست لگائی اور میر کے ہاتھوں سے رکابیں چھوٹ گئیں۔ دوسرا پیر بھی رکاب سے نکل گیا گھوڑے کی پیٹھ سے تقریباً پانچ فٹ میں بلند ہو گیا اور وہ قلابازی کھاتے ہوئے پتھریلی زمین پر الٹ کر گرا۔ پہلے اس کا سر زمین سے ٹکرایا، دھڑ کسی تختے کی مانند گر پڑا۔ گھوڑا سوار سے آزاد ہو کر تیزی سے ایک طرف بھاگ نکلا۔

خانزادہ، بلاقو خان اور دوسرے تمام لوگ گھوڑوں سے کود کر میراں شاہ کے گرد جمع ہو گئے۔ خا نے میراں شاہ کا سر اپنے زانوؤں پر رکھ لیا۔ اس کے سر میں سخت چوٹ آئی تھی اور خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ ضرب پڑنے سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے زخم میں ریشم جلا کر بھرا گیا پھر پٹی باندھ دی گئی۔ خانزادہ نے تبریز واپس ہونے کا حکم دیا اور اس طرح یہ لوگ شکار چھوڑ کر افسردہ افسردہ اور پریشان واپس تبریز آ گئے۔

تبریز میں ایک سے ایک بڑا جراح اور حکیم موجود تھا لیکن تین دن تک مسلسل کوشش کرنے کے وہ میراں شاہ کو ہوش میں نہ لا سکے۔ پھر کسی نے بتایا کہ سلطانیہ میں کچھ جراح اور طبیب ایسے ہیں جو زخم ٹھیک کرنے بے ہوشی دور کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ خانزادہ نے انہیں فوراً طلب کر لیا۔ پھر تمام طبیب اور جراح صلاح مشو کرنے لگے۔ انہوں نے میراں شاہ کے زخم کا پھر سے معائنہ کیا۔ آخر کار وہ ایک نتیجے پر پہنچے۔ پھر وہ سب ہاتھ خانزادہ کے سامنے حاضر ہوئے اور ایک طبیب نے بڑی افسردگی سے کہا:

"شہزادی عالیہ! خداوند تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا اور ہر تکلیف کا مداوا پیدا کیا ہے۔ وہ مردے میں بھی ڈال سکتا ہے۔ ہم سب شہزادے کا معائنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر شہزادے بہادر مر تک بے ہوش رہے تو خاکم بدہن پتہ نہیں کیا ہو جائے۔ زخم تو گہرا نہیں لیکن شہزادے کے دماغ میں چوٹ اور بے ہوشی اسی وجہ سے ہے۔ ہم سوائے دعا کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

شہزادی خانزادہ گیارہ دن اور گیارہ راتوں سے اک مسلسل کرب میں مبتلا تھی۔ نہ کھانے کا ہوش تھا نہ دھیان۔ وہ لباس جسے پہن کر وہ میراں شاہ کے ساتھ شکار پر چلی تھی اب تک اس کے جسم پر چپکا ہوا تھا۔ بال بکھ تھے اور آنکھیں بے خوابی کی وجہ سے بے نور دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ وہ بڑ سے تبریز آئی تھی لیکن اس حادثے نے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

شہزادی نے بڑے صبر و تحمل سے کہا:

"بزرگ اور باکمال طبیبو! جب آپ یہ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے تو پھر بے ہوشی کی دوا کیوں نہیں حاصل کی جاتی۔ کیا ہمارے مذہب میں خدا کی ذات سے ناامید ہونا گناہ نہیں۔ اگر شہ

زندگی ان کے ہوش میں آنے پر موقوف ہے تو پھر انہیں ہوش میں لانے کے لیے کوئی کسر کیوں نہیں تیار کرتے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر آپ لوگ مل کر کوشش کریں تو خدا ضرور آپ کی مدد کرے گا اور آپ کو کامیاب کرے گا۔ یہاں تک دعا کا تعلق ہے، شہزادے کے لیے دعائیں کی جا رہی ہیں۔ قرآن کی تلاوت جاری ہے۔ ہم ایک عام اعلان کے ذریعے رعایا سے درخواست کریں گے کہ وہ ہماری دعاؤں میں شریک ہوں لیکن اس کے ساتھ آپ بھی کوششیں جاری رکھیں۔ نہ ہم ناامید ہیں نہ آپ کو ہونا چاہیے۔"

شہزادی کی باتوں کا اطباء پر بڑا اثر ہوا اور وہ ایک بار پھر کوششیں کرنے لگ گئے۔ دوسری طرف شہزادی نے شہزادے کی صحت یابی کے لیے ایک اعلان کے ذریعے درخواست کی۔ گھر گھر قرآن خوانی ہونے لگی۔ مسجدیں قرآن حکیم کی روح افزا اور ایمان افروز قرأت سے گونج اٹھیں۔ اطباء نے چوبیس گھنٹے کی لگاتار کوشش سے ایک عرق تیار کیا اور پھر شہزادی کی موجودگی میں شہزادے کے بند جبڑے کھول کر عرق کے دو چمچے اس کے حلق سے اتار دیے۔

یہ عرق واقعی اکسیر ثابت ہوا۔ دوا اور دعا نے ایک ساتھ کام کیا اور شہزادے کے حلق سے عرق اترتے ہی اس کی رگوں میں حرارت پیدا ہوئی۔ اور جسم میں حرکت آ گئی۔

سب کی نظریں شہزادے پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر ذرا دیر بعد شہزادے کے پپوٹے ہلے اور اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

"مسجدوں میں نمازِ شکرانہ ادا کی جائے۔" خانزادہ کی پُر رعب آواز گونجی۔

بلاقو خان آواز سنتے ہی باہر کی طرف لپکا۔ خانزادہ بھی اٹھنے لگی تو میراں شاہ بولا:

"کہاں جا رہی ہو شہزادی؟"

پھر اس نے سر گھما کر کمرے میں دیکھتے ہوئے پوچھا:

"یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"شہزادے!" خانزادہ نے محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا:

"اللہ نے آپ کو شفا دی۔ ہم اس کے حضور شکرانہ پیش کرنے جا رہے ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں۔" خانزادہ سیوں کی طرف دیکھ کے کہا:

"جن کی دوا نے تریاق کا کام کیا اور آپ نے فوراً آنکھ کھول دی۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" میراں شاہ کی تیوریاں چڑھ گئیں:

"کیا ہم بیمار تھے؟ کیا ہماری آنکھیں بند تھیں؟"

"ولی عہد بہادر!" ایک طبیب ادب سے بولا۔ "میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ زیادہ گفتگو سے گریز کیجیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی آپ میں نقاہت باقی ہے۔"

"گستاخ! تو کون ہے؟" میراں شاہ زور سے چیخا پھر خانزادہ کو دیکھا:

"شہزادی اس شخص کو ہماری گفتگو میں دخل دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

شہزادی کو کچھ گھبراہٹ پیدا ہوئی مگر جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور بولی:

"شہزادے بہادر۔ ہم اور آپ شکار پر گئے تھے۔ وہاں ایک منہ زور گھوڑے نے ٹھوکر مار کر آپ کو زمین پر گرا دیا تھا۔ سر پر شدید چوٹ آنے کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس کا اثر اب تک آپ پر ہے۔"

میراں شاہ نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر سر پر ہاتھ پھیرا۔ بولا:

"ہاں شہزادی! ہم بھول گئے تھے۔ ہم گھوڑے سے گر گئے تھے۔ وہ گھوڑا کہاں ہے؟ اس منحوس گھوڑے کے ہمارے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں۔ یہ.... یہ.... طبیب ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارا علاج کیا ہے۔ انہیں دس دس ہزار دینا۔ صرف اور پچاس پچاس گھوڑے انعام دیے جائیں۔"

میراں شاہ کی الٹی سیدھی باتیں سن کے طبیب پہلے تو گھبرا گئے تھے لیکن اب ان سب کو اطمینان ہوا کہ چوٹ کا اثر جلد ہی زائل ہو گیا۔

"اچھا شہزادے ہم نماز پڑھ کے ابھی آتے ہیں۔" خانزادہ نے نرمی سے کہا۔

"نماز۔۔۔! کہاں جا رہی ہو تم؟"

"شکرانے کی نماز پڑھنے۔"

"ہم پوچھتے ہیں تم کہاں جا رہی ہو؟"

شہزادی نے حیرت سے میراں شاہ کو دیکھا۔ پھر فوراً ہی سنبھل گئی اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی:

"ہم آپ کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ آپ آرام فرمائیے۔"

میراں شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ بولا:

"وہ منحوس گھوڑا کہاں ہے؟"

"کون گھوڑا؟" خانزادہ نے چونک کے پوچھا۔ اسے پریشانی میں یاد نہ رہا کہ میراں شاہ نے گھوڑے کے ٹکڑے کرنے کو کہا تھا۔

"تم ہمیں بے وقوف سمجھتی ہو خانزادہ؟" شہزادہ وحشیوں کی طرح اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔

"کیا یہ جھوٹ ہے کہ ہم اس صاحبقراں امیر تیمور کی اولاد میں ہیں جو پوری دنیا کا بادشاہ ہے۔"

"شہزادے!" خانزادہ نے بات بنانے کے لیے کہا:

"اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ صاحبقراں امیر تیمور کے ولی عہد ہیں اور آپ ہی تیموری تخت و تاج کے وارث ہیں۔"

"تم بہت عقلمند ہو خانزادہ۔" میراں شاہ نے بے تکا سا قہقہہ لگایا اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا:

"وہ منحوس گھوڑا کہاں ہے؟ اس میں بد روح گھسی ہوئی ہے۔ اس کا مارا جانا ضروری ہے۔"

"ابھی حاضر کیا جاتا ہے شہزادے۔ آپ آرام فرمائیے۔"

خانزادہ سخت پریشان تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ گھوڑا میراں شاہ کو گرا کر کسی طرف بھاگ گیا تھا اور پگڈنڈی کی وجہ سے اسے کسی نے تلاش بھی نہیں کیا تھا۔ اسے ڈھونڈ کے لانے میں وقت لگتا تھا لیکن میراں شاہ اسے فوراً ختم کرانا چاہتا تھا۔ اس نے پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

بلاقو خان شکرانے کی نماز کا اعلان کر کے واپس آ گیا تھا اور دور ایک کونے میں سہما ہوا کھڑا تھا۔ خانزادہ نے اسے اشارے سے قریب بلایا:

"دیکھو بلاقو خان!" خانزادہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا:

"شہزادے جس منحوس گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کھیلنے تشریف لے گئے تھے اس گھوڑے کو فوراً حاضر کرو۔ بالکل وہی ساز چڑھا کے..... دیکھو بلاقو خان..... وہی ساز..... وہی گھوڑا..... وہی گھوڑا فوراً یہاں حاضر کیا جائے۔"

بلاقو خان بڑا ذہین نوجوان تھا۔ وہ شہزادی کا مطلب فوراً سمجھ گیا۔ سر جھکا کے بولا:

"شہزادی عالیہ! ابھی حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ بس ابھی ابھی۔"

بلاقو خان جلدی سے باہر نکل گیا۔

"خانزادہ! یہ ہمارے سر میں درد کیوں ہو رہا ہے؟" میراں شاہ پھر بہکنے لگا۔

"شہزادے آپ لیٹ جائیے۔ سر میں زخم ہونے کی وجہ سے درد ہو رہا ہے۔"

خانزادہ شکار پر جا کے پھنس گئی تھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے شکار کا حکم ہی کیوں دیا۔

"ہاں۔ ہمارے سر میں چوٹ لگی ہے۔" میراں شاہ نے سر پر ہاتھ پھیرا:

"مگر وہ گھوڑا..... گھوڑا اب تک کیوں نہیں آیا؟"

خانزادہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ بلاقو خان اندر داخل ہوا۔ خانزادہ نے اسے بڑی پُر امید نظروں سے دیکھا۔ وہ پریشان تھی کہ اس نے بلاقو خان کو اشاروں کنایوں میں جو بات سمجھائی تھی، خدا جانے وہ سمجھ سکا تھا یا نہیں!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلاقو خان فوراً سلام کے لیے جھکا اور ادب سے بولا:

"شہزادی صاحبہ! وہ بدسرشت گھوڑا حاضر ہے۔ شہزادے حضور جھروکے سے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔"

"ہاں ہاں ہم اسے دیکھیں گے۔" میراں شاہ بستر سے اتر کر جھروکے کی طرف بڑھا۔

عقل مند بلاقو خان نے خانزادہ کی گفتگو کو بڑے غور سے سنا تھا۔ وہ داروغۂ اصطبل تھا۔ اس نے فوراً ہی اصطبل پہنچ کے اسی نسل اور قد و قامت کا ایک گھوڑا نکلوایا اور گھوڑے کو ویسا ہی مرصع ساز سے آراستہ کر کے میدان میں لے آیا۔ اس نے جان بوجھ کے گھوڑے کو جھروکے سے ذرا دور کھڑا کیا تاکہ میراں شاہ کی نظریں دھوکا کھا جائیں اور وہ اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

میراں شاہ نے گھوڑے کو دیکھتے ہی ایک بھیانک قہقہہ لگایا:

"یہی ہے وہ منحوس گھوڑا جس نے صاحبقراں کے ولی عہد کو اپنی پشت سے گرایا تھا۔"

پھر اس نے جھروکے سے گردن نیچے لٹکائی اور چیخ کر بولا:

"او ذلیل گھوڑے تو نے ہمارے ساتھ گستاخی کی۔ تجھے ہمارا ذرا بھی خوف نہ آیا۔ تو نے ہمارے غضب آلود ہے۔ دیکھ تیرا کتنا خوفناک انجام ہوتا ہے۔"

میراں شاہ نے حکم دیا کہ گھوڑے کے تمام اعضا ایک ایک کر کے کاٹے جائیں۔

بلاقو خان نے یہ ناگوار فرض بھی خود ادا کیا۔ اس نے تلوار نکال کر ایسا بھرپور وار کیا کہ گھوڑے کی گردن اس کے جسم سے الگ ہو گئی۔ اور اس کا مُردہ بدن زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

میراں شاہ جھروکے میں بیٹھا برابر قہقہے لگا رہا تھا۔ شاید اسے اس منظر سے فرحت محسوس ہو رہی تھی اور اس کے پاگل پن کو سکون مل رہا تھا۔

بلاقو خان نے چند آدمیوں کی مدد سے بے قصور گھوڑے کے تمام اعضا الگ الگ کر لیے۔ پھر انہیں اوپر تلے رکھ کر ایک مینار سا بنا دیا۔

میراں شاہ بالکل پُرسکون ہو گیا۔ وہ جھروکے سے واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا اور جلد ہی گہری نیند میں ڈوب گیا۔

خانزادہ طبیبوں کو لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی اور ان سے دیر تک میراں شاہ کی جنونی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ طبیبوں نے اسے مشورہ دیا کہ میراں شاہ کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے تاکہ اس میں ضد اور چڑچڑا پن نہ پیدا ہو ورنہ یہ مرض جس کا ابھی آغاز ہوا ہے اور زیادہ بڑھ جائے گا۔

میراں شاہ کئی گھنٹے تک گہری نیند سوتا رہا۔ پھر جب وہ بیدار ہوا تو بالکل ہوش و حواس میں تھا اور کوئی اندازہ

لگاتا تھا کہ کچھ دیر پہلے یہی شہزادہ پاگلوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔

خانزادہ کی تمام کلفت دور ہو گئی تھی۔ اسے میراں شاہ سے واقعی محبت ہو گئی تھی۔ اس نے کئی راتیں میراں شاہ کے سرہانے جاگ جاگ کر گزاری تھیں۔

اب میراں شاہ کی طبیعت میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ تمام وقت خاموش رہتا۔ اس نے دربار کے تمام لوگوں سے قطع تعلق کر لیا اور محل ہی میں گوشہ نشین ہو گیا لیکن یہ گوشہ نشینی پہلے جیسی نہ تھی۔ اسے نہ رقص و مناظ کی خواہش تھی اور نہ شراب و کباب کی۔ سوائے خانزادہ کے وہ کسی اور سے بالکل گفتگو نہ کرتا۔ جو کھانے کو دیتا وہ چپ چاپ قبول کر لیتا۔ کسی کسی وقت اس کی طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہوتی تو اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ خانزادہ اسے محل کے میدان کو لے جاتی یا شاہی سواری میں بٹھا کر دور باغات میں نکل جاتی۔ باغات کی تازہ ہوا سے اس کی طبیعت پر اچھا اثر پڑتا اور اس کی وحشت دور ہو جاتی۔

شہزادی کے لیے یہی غنیمت تھا کہ وہ رات دن اس کی خدمت میں لگی رہتی۔ اسے امید تھی کہ میراں شاہ بہت جلد اپنی اصلی حالت میں آ جائے گا۔ طبیبوں نے بھی اسے ایسی ہی تسلیاں دی تھیں۔

دربار کی رونقیں ختم ہو گئی تھیں۔ محل اور باغات پر اداسی طاری ہو گئی تھی۔ کنیزیں سر جوڑ جوڑ کر سرگوشیوں میں گفتگو کرتیں۔ چلتیں تو جیسے پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہی ہوں۔

خانزادہ کی تگ و دو میراں شاہ کے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وزیرِ سلطنت اور قلات خان اس سے ملنے آتے۔ خانزادہ ان سے بہت مختصر گفتگو کرتی۔ اسے ڈر لگا رہتا کہ کہیں میراں شاہ کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔ قلات خان کو شاہی محل کے مہمان خانے میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ خانزادہ کو صرف اسی پر اعتماد تھا اور وہ بھی خانزادہ کے نام وفاداری سے کرتا تھا۔ طبیبوں اور خانزادہ کے درمیان وہی رابطے کا کام کرتا تھا۔ طبیبوں کا خیال تھا کہ میراں شاہ کی یہ خاموشی اور طبیعت کا سکون صحت کی نشانی ہرگز نہیں بلکہ کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ سمندر میں طوفان سے پہلے پُرسکون ہو جایا کرتا ہے لیکن انہوں نے یہ بات خانزادہ کو نہیں بتائی تھی۔ وہ شہزادی کے دل سے واقف تھے۔ اسے یہ خبر دے کر اور پریشان ہی کرتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے علاج جاری رکھے ہوئے تھے۔ ہر ہفتے نئے نئے مشروبات اور عرقیات تیار کرتے اور میراں شاہ کو استعمال کراتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورا ایک سال اسی کشمکش میں گزر گیا۔ شہزادے کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ بدھ حکیم کی خاموشی کے سوا اور کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ شہزادے کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں ہو سکی طبیبوں کے خیال کے مطابق یہ خاموشی بھی ایک مرض تھا جو کسی وقت بھی خطرناک صورت اختیار کر سکتا تھا۔

خانزادہ کو مشورہ دیا کہ شہزادے کو ہنسنے بولنے پر مجبور کیا جائے تاکہ اس کے دماغ کو فرحت حاصل ہو اور وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے۔

خانزادہ نے شہزادے کے تمام ناچنے اور یاد کی گویوں کو برخاست کر دیا تھا۔ رقص و سرود کی محفلیں بھی تقریباً ختم ہو گئی تھیں۔ طبیبوں کے کہنے پر اس نے چند مسخرے قسم کے ندیموں کو طلب کیا اور انہیں ضروری ہدایات دے کر میران شاہ کے حضور پیش کیا۔

یہ لوگ تو کسی ایسے موقعے کے منتظر ہی تھے۔ وہ میران شاہ کے سامنے پہنچ کر کھل کھیلے۔ انہوں نے ایسی شگفتہ گفتگو کی اور ایسے ایسے چٹکلے چھوڑے کہ میران شاہ کے سنجیدہ اور چاٹ چہرے پر دو تین بار آ گئی۔ اور دن تک وہ ان کی پُر لطف باتوں پر صرف مسکراتا رہا۔ پھر اس نے ہنسنا شروع کر دیا۔ خانزادہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اس نے ندیموں کو بہت انعام دیا اور حکم دیا کہ شہزادے کو ہر وقت مسرور رکھیں اور طبیعت پر گرانی نہ آنے دیں۔

محلات کی رونقیں دھیرے دھیرے واپس آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی رقص و سرود کی محفلیں بھی جمتیں لیکن محلات سے باہر تاتاری لشکر گاہ میں کچھ اور ہی طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور عجیب عجیب سی افواہیں اڑ رہی تھیں۔ تاتاری لشکر میں بہت سے ایسے مغل بھی تھے جو شکست کھا کر تیمور کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ تیمور کسی لشکری کے مذہب میں دخل نہ دیتا تھا۔ مغل اب تک بے دین تھے اور آسمانی روحوں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں آسمانی روحیں ہی دنیا کی حاکم تھیں۔ ان کی پسند اور ناپسند سے دنیا میں انقلاب آتے تھے۔

ایک دن ایک مغل سردار نے ایک تاتاری سے کہا:

"سردار۔ ہمارے حاکم کے جسم میں روح علول کر گئی ہے۔ جبھی تو وہ اب تک اچھے نہیں ہوئے۔ اگر تو پندکر تو میں شمال سے کسی اچھے جادوگر کو لے آؤں۔ وہ اس بد روح کو حاکم کے بیٹے شمال کے جلا ڈالے گا پھر حاکم فوراً ہی اچھے ہو جائیں گے۔"

تاتاری بھی مغلوں کی طرح وہمی تھے۔ میدان جنگ میں جب وہ موت کے سامنے ہوتے تو پہاڑوں سے بھی ٹکرا جاتے لیکن اگر ان کا گھوڑا اکھڑا اکھڑا گر مر جاتے تو وہ خوف زدہ ہو جاتے۔ پھر وہ خواہ کتنے ہی اہم موقعے پر ہوں اسے فوراً منحوس سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے اور اس کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ان میں تفریق پیدا ہوا تھا اور ان کے توہمات بھی کم ہو گئے تھے۔

یہ سردار بھی مسلمان تھا۔ اس نے مغل سردار کی بات غور سے سنی۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا:

"یہ بات نہیں ہے مغل خان۔ دراصل امیر صاحبقران ہمارے حاکم سے ناراض ہیں اسی لیے خدا شہزادے کو سزا دے رہا ہے۔"

ایک دوسرے تاتاری نے اس بات میں اور قوت پیدا کرنے کے لیے کہا:

"بالکل یہی بات ہے۔ شہزادے کو خدا کی طرف سے سزا مل رہی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں جب شہزادہ گھوڑے سے گرا تھا تو پہلے اس کا سر زمین سے ٹکرایا تھا۔ یہ سزا کی نشانی ہے۔ اسی وجہ سے تو وہ پاگل ہو گیا ہے۔"

"کیا ہمارے امیر کو اس بات کی خبر ہو گئی ہے؟" مغل نے دخل دیا۔

"ہمارے امیر دنیا کے بادشاہ ہیں۔ وہ اس وقت عراق کو فتح کرنے گئے ہیں۔" تاتاری نے لاپروائی سے کہا۔ گویا یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں جس کی خبر تیمور کو ہونا ضروری تھی۔

مغل کا اطمینان نہ ہوا۔ اس نے کہا:

"شہزادے بہادر ولی عہد ہیں۔ ہمیں ان کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہیے۔ اگر آپ حاکم حکم دیں تو میں عراق کے امیر کو خبر کر دوں۔"

"ہمیں ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔" تاتاری نے کہا:

"ہمارا تو فرض یہ ہے کہ شہزادے کے ہر حکم کو مانتے رہیں اور بس۔ آخر وہ ہمارے امیر کے بیٹے ہیں۔"

مغل اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ تاتاری امیر تیمور کے بیٹوں کی بھی اسی طرح عزت کرتے ہیں بلکہ تکریم ان کی نظر میں امیر تیمور کی تھی۔ شہزادے کے لیے وہ جان بھی دے سکتے تھے لیکن اس کے صحیح یا غلط حکم سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تبریز کے حالات کی تیمور کو کئی سال تک کوئی صحیح خبر نہ مل سکی۔

دوسرے سال خانزادہ کے بطن سے میران شاہ کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام امیرزادہ کرا خلیل سلطان رکھا گیا۔ امیرزادے کی پیدائش پر خوب جشن منایا گیا۔

اس وقت میران شاہ پر پاگل پن کا دوسرا دورہ نہ پڑا تھا۔ ہرات بخیر و خوبی ہوئی۔ خانزادہ نے بچے کی پیدائش کا اطلاع امیر تیمور کے پاس سمرقند بھیجی۔ تیمور کسی اہم مہم پر جانے کی تیاری کر رہا تھا اس لیے اس خبر پر زیادہ توجہ نہ دے سکا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد تبریز کا دورہ کرے گا اور امیرزادہ کرا خلیل کو انعام و اکرام سے نوازے گا۔

خانزادہ کے لیے اس نے بیش قیمت جواہرات بھیج دیے اور میران شاہ کے لیے دو ہزار سواروں کا انعام کر دیا یعنی اب میران شاہ اپنے لشکر میں دو ہزار سوار اور بھرتی کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک شب اچانک میراں شاہ کا دماغ پھر گھوم گیا۔ خانزادہ ننھے امیرزادے خلیل سلطان کو گود میں لیے اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ میراں شاہ پہلے تو امیرزادے کو دلچسپی سے دیکھتا اور مسکراتا رہا۔ پھر معلوم نہیں اسے کیا سوجھی کہ امیرزادے کو خانزادہ کی گود سے لے لیا۔ خانزادہ نے کوئی اعتراض نہ کیا اس لیے کہ میراں شاہ اب بالکل صحیح الدماغ ہو گیا تھا۔ پھر امیرزادہ اس کا اپنا بیٹا تھا۔ وہ منع بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میراں شاہ بچے کو دونوں ہاتھوں میں لیے مسہری سے اترا۔ خانزادہ بھی خوشی خوشی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ وہ سمجھی کہ شاید آج باپ کی فطری شفقت ایک دم جاگ گئی ہے اور میراں شاہ بچے کو کھلانا چاہتا ہے۔

میراں شاہ کچھ دیر بچے کو لیے ٹہلتا رہا پھر رک کر بولا:

"خانزادہ۔ لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ سر کے بل گرتے ہیں وہ منحوس ہوتے ہیں۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یہ سب بے دینی کی باتیں ہیں شہزادے"۔ خانزادہ نے اس کے خیال کی فوراً تردید کی:

"شہزادے! اس قسم کے وہم اپنے دل میں نہ لایا کیجیے۔ خدا بھی کو جو چاہتا ہے بنا دیتا ہے اس میں کسی وہم یا شگون کو دخل نہیں"۔

"نہیں خانزادہ"۔ میراں شاہ کی آواز ایک دم تیز ہو گئی:

"ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بیٹے کو کوئی منحوس کہے۔ ہمیں لوگوں پر ثابت کرنا ہوگا کہ امیرزادے پر کوئی منحوس سایہ نہیں"۔

"شہزادے۔ کس کی مجال ہے کہ امیرزادے کو منحوس کہے"۔ خانزادہ غصے سے بولی:

"ہم ایسے لوگوں کی زبانیں کاٹ دیں گے"۔

"تم بے وقوف ہو خانزادہ"۔ میراں شاہ زور سے دھاڑا:

"ہم امیرزادے کا امتحان لیں گے۔ ہم امیرزادے کو ہوا میں اچھالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ سر کے بل تو نہیں گرتا"۔

"نہیں نہیں"۔

خانزادہ چیخ مار کر میراں شاہ کی طرف دوڑی لیکن میراں شاہ بچے کو ہوا میں چھت کی طرف اچھال چکا تھا۔ بچے کی بھی چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہ قلابازیاں کھاتا چھت تک پہنچا پھر اسی طرح نیچے کی طرف گرنے لگا۔ خانزادہ نے بھوکی شیرنی کی طرح میراں شاہ پر جھپٹ کر اسے دھکا دیا اور زمین پر آتے ہوئے امیرزادے کو اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔

امیرزادے کے ہاتھوں میں آتے ہی خانزادہ نے اسے سینے میں بھینچ لیا اور بے تحاشہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکلی۔

میراں شاہ پر نہ تو خانزادہ کے دھکا دینے کا کوئی اثر ہوا اور نہ اس کے چیخنے چلانے کا۔ وہ بڑے اطمینان سے پلنگ پر جا کے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں۔

خانزادہ امیرزادے کو سینے سے لگائے راہ داریوں میں بھاگ رہی تھی اور زور زور سے چلا رہی تھی:

"امیرزادے کو بچاؤ۔ میراں شاہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ امیرزادے کو مار ڈالے گا"۔

اور پتہ نہیں وہ غصے، جوش اور خوف میں کیا کیا بک رہی تھی اور شاہی محل کے صدر دروازے کی طرف دوڑ رہی تھی۔ خواجہ سراؤں اور کنیزوں نے اسے گھیر لیا۔ وہ حیران نظروں سے خانزادہ کو دیکھ رہی تھیں مگر کچھ سمجھ نہ آیا۔ صدر دروازے پر پہنچ کر خانزادہ نے بلاقو خان کو بلایا۔ وہ باہر موجود تھا۔ حکم پاتے ہی گھبرایا ہوا محل کے اندر آیا۔

خانزادہ نے جلدی سے امیرزادہ اس کے ہاتھوں میں دے دیا اور پیچھے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"بلاقو خان۔ یہ ہماری امانت ہے۔ اسے کہیں لے جاؤ۔ ورنہ وہ ..... وہ اسے مار ڈالے گا"۔

"کون ہے وہ؟" بلاقو خان کا ہاتھ شمشیر پر پہنچ گیا:

"مجھے بتائیے شہزادی عالیہ۔ کس نے امیرزادے کی طرف نظر اٹھائی ہے۔ میں اس کا سر قلم کر دوں گا"۔

"بلاقو خان۔ ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔ ہم اپنے محل میں جائیں گے۔ تم ہمارے محل پر پہرہ لگا دو۔ ہمارے نہ آنے پائے"۔

خانزادہ اپنی ہی کہتی رہی۔ اس کے کانوں میں جیسے بلاقو خان کی آواز ہی نہیں پہنچی۔ بلاقو خان ہکا بکا اسے تکا۔ کنیزوں اور خواجہ سراؤں کو بھی یہ ہمت نہ تھی کہ شہزادی سے کچھ پوچھیں کیونکہ انہوں نے سن لیا تھا کہ شہزادی نے میراں شاہ کو پاگل کہا ہے۔ اور یہ بات ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

بلاقو خان نے آہستہ سے کہا:

"شہزادی عالیہ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں امیرزادے پر قربان ہو جاؤں گا لیکن انہیں کوئی گزند نہ دوں گا۔ میں آپ کو آپ کے محل میں پہنچا دوں گا لیکن یہ سب کیا ہے؟ کس نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے"۔

خانزادہ اب بھی سخت پریشان تھی۔ وہ خوف زدہ سی محل سے باہر نکل آئی۔ محل کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اسے کچھ اطمینان ہوا تو بولی:

"تم نہیں جانتے بلاقو خان۔ شہزادہ میراں شاہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس نے امیرزادے کو چھت تک اچھال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا۔ اگر ہم موجود نہ ہوتے تو یہ ..... یہ !!"

اور خانزادہ رونے لگی۔ ممتا کی ماری ایک عام عورت کی مانند اسے اپنا دیگر کم کنیز بچوں اور خواجہ سرا جو کہ اس کی گود میں پلے بڑھے تھے۔ ان کی سمجھ میں پوری بات آ گئی تھی۔ سب کو علم تھا کہ دماغ میں چوٹ آنے کی وجہ سے میراں شاہ کا دماغ چل گیا ہے لیکن ان کے منہ پر مہر لگی تھی۔ خانزادہ کی حالت پر انہیں رحم تو آیا لیکن وہ اس کی مدد کیسے کرتے۔ میراں شاہ امیر تیمور کا بیٹا تھا اور تیمور کا بیٹا ان کے لیے تیمور ہی کی طرح قابلِ احترام تھا۔

بلاقو خان نے شہزادی کو دوسرے محل میں پہنچا دیا اور محل کے گرد تاتاری سواروں کا سخت پہرہ لگا دیا۔ مزید حفاظت کے لیے اس نے محل کے بیرونی حصے میں خود بھی رہائش اختیار کر لی۔

صبح کو جب میراں شاہ کے حواس درست ہوئے تو وہ رات کے واقعات کو بالکل بھول چکا تھا۔ میراں شاہ نے خانزادہ کے بارے میں دریافت کیا تو کنیزوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ شہزادی دوسرے محل میں منتقل ہو گئی ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے رات کو پیش آنے والے واقعات بھی اس کے گوش گزار کیے۔ میراں شاہ چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا۔ اس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے اظہارِ شرمندگی کے بجائے خانزادہ کا اپنے محل میں داخلہ بند کر دیا۔

خانزادہ نے اسے اپنے حق میں مفید ہی سمجھا۔ وہ خود چاہتی تھی کہ میراں شاہ سے دور رہے تاکہ وہ خود اور امیر زادہ سلطان اس کی وحشی حرکتوں سے محفوظ رہیں۔

خانزادہ کا محل میں داخلہ بند ہونے سے میراں شاہ کے پرانے ندیموں اور جواریوں کی بن آئی۔ انہوں نے پھر میراں شاہ کو گھیر لیا اور پہلے کی طرح محل کو واپس اندر کا اکھاڑا بنا لیا۔ مسخرے، مانندے اور مغادیر مرد ان پڑھ شاعر درباری عہدوں پر فائز ہو گئے۔ میراں شاہ کی بے نوشی میں اضافہ ہو گیا۔ طبیبوں کی دوائیں پہلے ہی بہت کم اثر کر رہی تھیں۔ میراں شاہ نے انہیں بالکل موقوف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے پاگل پن میں دن دونی رات چوگنی اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

ایک دن ترنگ میں آ کے میراں شاہ نے تبریز کی تمام رعیت کو محل کے نیچے جمع کر لیا اور خود جھروکے میں آ کے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ درہم و دینار حاضر کیے جائیں۔ خزانہ کھول دیا گیا۔ درہم و دینار کے خوان بھر بھر کے میراں شاہ کے پاس بھیجے گئے۔

میراں شاہ خوانوں کو عوام پر اٹھوا دیتا۔ رعیت خوش ہو کر بخششیں لوٹنے لگی۔ کہتے ہیں کہ دن بھر میں میراں شاہ نے ایک کروڑ دینار عوام پر نچھاور کر دیے۔

امیر قلات خان اور دیگر سلطنت اس بے جا سخاوت پر گھبرا گئے۔ خزانہ تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ دربار

نے ادب سے عرض کیا کہ:

"خزانہ خالی ہو گیا ہے۔"

جواب میں میراں شاہ نے جواہرات کی بارش کرنے کا حکم دیا۔ کس میں مجال تھی کہ مخالفت کرتا۔ رات گئے جواہرات کا مینہ برستا رہا اور لوٹنے والے میراں شاہ کے حق میں نعرے لگاتے رہے۔

قلات خان نے دیکھا کہ میراں شاہ کسی طرح نہیں مانتا تو اس نے سازندوں کو حکم دیا کہ وہ موسیقی کی محفل سازندوں کی محفل نے میراں شاہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ جھروکے سے ہٹ کر محفل میں آ گیا ورنہ دربار بالکل ہی خالی ہو جاتا۔

خانزادہ کو خبر ملی تو وہ دل پکڑ کے رہ گئی۔ ایک تو اس کے داخلے پر پابندی تھی۔ پھر وہ خود بھی میراں شاہ سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خاموش ہو رہی۔ اسے یہ بھی سنایا گیا کہ میراں شاہ کے پرانے ندیم اس کے خلاف میراں شاہ کے کان بھرتے رہتے ہیں اور وہ اختلاف کی خلیج کو اور وسیع کرنے کی فکر میں ہیں تاکہ خانزادہ کبھی محل میں نہ آ سکے اور وہ کھل کھیتے اڑاتے رہیں۔

میراں شاہ کے جنون نے ایک اور کروٹ لی۔

اس نے حکم دیا کہ تبریز اور سلطانیہ کی تمام عمارات کو منہدم کر دیا جائے۔ ان عمارات میں شفاخانوں کی عمارتیں بھی شامل تھیں۔ ایک امیر نے درخواست کی کہ شفاخانوں کو نہ توڑا جائے۔ میراں شاہ نے اس وزیر کو گرفتار کرا دیا۔

تمام اطراف میں منجنیقوں کا ڈھیر ہو گئیں۔ تبریز اور سلطانیہ کے محلے قبرستان نظر آنے لگے۔ اس کے ندیم ہر حکم کی تعمیل کرتے اور ہر بات میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ حد تو یہ کہ میراں شاہ نے ایک ایرانی فلسفی کی قبر کھدوا کر ہڈیاں نکلوائیں اور اسے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرا دیا۔

میراں شاہ کی ان حرکتوں سے پوری ولایت تبریز میں تہلکہ مچ گیا۔ میراں شاہ کے پرانے تاتاری امیر ان باتوں سے عاجز آ گئے تھے۔ قلات خان ان کا قائد تھا۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور طے ہوا کہ تبریز کے امیر تیمور کو فوراً مطلع کیا جائے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امیر کو کسی اور ذریعے سے ان باتوں کا علم ہو جائے ان لوگوں سے باز پرس ہو۔ انہوں نے کچھ امیروں کو خفیہ طریقے سے سمرقند بھیج دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مثل مشہور ہے کہ سیانا کوّا گو کھاتا ہے۔

درباری ندیموں نے خانزادہ کا ہمیشہ کے لیے پتّا کاٹنے کا فیصلہ کیا اور ایک رات میراں شاہ کے کا میں یہ بات ڈال دی کہ بلاقو خان، شہزادی کے محل میں رہتا ہے۔

میراں شاہ نشے میں دھت تھا۔ یہ سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا اور اسی وقت سواری منگا کر خانزادہ کے محل پہنچ گیا۔ وہاں سخت پہرہ تھا لیکن میراں شاہ کو روکنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ وہ دندناتا ہوا شہزادی کی طرف چلا۔ چار خواجہ سرا اس کے ساتھ تھے۔

خانزادہ کی کنیزوں نے بھاگ کر اسے خبر کی۔ خانزادہ اور بلاقو خان اسی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میراں شاہ کے آنے کی خبر پا کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مگر خانزادہ نے فوراً حواس درست کیے اور امیرزادے کو بلاقو خان کے حوالے کر کے حکم دیا کہ فوراً اسے لے کر نکل جائے۔

بلاقو خان نے بھی پھرتی دکھائی اور امیرزادے کو سنبھالے ہوئے پشت کے دروازے سے نکل گیا۔ ان کے جاتے ہی میراں شاہ کمرے میں داخل ہوا۔

میراں شاہ نے تیز نظروں سے خانزادہ کو دیکھا۔ خانزادہ بھی شاید آج بغاوت پر آمادہ تھی۔ اس نے میراں شاہ کی تیز نظروں کا جواب اس سے زیادہ تیز نظروں سے دیا۔ کچھ لمحے دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر میراں شاہ گرج کر بولا:

"تو گلی گلی بھیک مانگنے والی فقیرنی تھی۔ میں نے تجھے عزت دی۔ اپنی بیوی بنایا مگر تو نے مجھے اس کا کیا صلہ دیا ہے؟"

"میراں شاہ۔ ہوش میں آؤ۔" خانزادہ کڑک کر بولی:

"تم ایک امیر کے بیٹے ہو تو میں خوارزم کی شہزادی ہوں۔ عزت تم نے نہیں، میں نے تمہیں دی۔ تمہیں نااہل ندیموں سے بچا کر انسان بنایا۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تو بدکار ہے خانزادہ۔" میراں شاہ بات کاٹ کر بولا:

"تو نے میری عزت۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"میراں شاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" خانزادہ شیرنی کی طرح میراں شاہ پر جھپٹی اور اس کا گریبان پکڑ لیا:

"تم نے خانزادہ پر تہمت دھری۔ خوارزم کی شہزادی پر الزام لگایا۔ میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

میراں شاہ کے ساتھ آنے والے خواجہ سرا دوڑ کر درمیان میں آ گئے۔ خانزادہ برابر میراں شاہ کے گریبان کو پکڑ کر اسے جھٹکے دے رہی تھی۔ میراں شاہ نشے میں تو پہلے ہی تھا۔ ان مسلسل جھٹکوں سے اس پر بے ہوشی

طاری ہو گئی۔ خانزادہ نے جب اسے چھوڑا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ خواجہ سراؤں نے اسے ہاتھوں پر سنبھالا۔

"لے جاؤ اس پاگل کو اپنے محل میں۔" خانزادہ نے غصے سے کہا:

"خبردار جو اب اس نے یہاں آنے کی کوشش کی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جاؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لے جاؤ۔"

خواجہ سرا میراں شاہ کو سنبھالتے ہوئے باہر نکل گئے۔

خانزادہ کے لیے اب اس محل اور شہر میں رہنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اس نے اپنی پرانی دو کنیزوں کو لیا اور محل سے نکل کر بلاقو خان کی حویلی میں آ گئی۔

بلاقو خان اس کے لیے بہت پریشان تھا۔ خانزادہ نے اسے مختصر طور پر محل کے حالات بتائے اور اسی شہر چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

بلاقو خان نے اس کے ساتھ چلنے کی پیش کش کی لیکن خانزادہ نے مناسب نہ خیال کیا اور چار محافظوں کے ساتھ امیرزادے غیبل سلطان کو لے کر سمرقند روانہ ہو گئی۔

○

صاحبقراں امیر تیمور ہندوستان کی فتح کے بعد واپس سمرقند آ گیا تھا۔ سمرقند میں اس کا پُرتپاک خیر مقدم ہوا۔ تحفے تحائف بھی ساتھ لایا تھا۔ سمرقند والوں نے ان قوی الجثہ جانوروں کو بڑے تعجب سے دیکھا۔ امیر تیمور کی خوشی میں اپنے امیروں اور سرداروں میں انعامات تقسیم کیے اور جشن منانے کا اعلان کیا۔ سمرقند میں تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دور دراز کے تمام امیروں اور صوبے داروں کو جشن میں شرکت کے لیے بلایا گیا۔

اسی دوران تبریز سے قلات خان کا بھیجا ہوا وفد بھی سمرقند پہنچ گیا۔ وفد نے فوراً باریابی کی درخواست کی۔ وہاں کا بیٹا میراں شاہ حاکم تھا اور تیمور کو ہر وقت اس کی فکر لگی رہتی تھی اس لیے فوراً وفد کو طلب کر لیا۔ دربار کے چھ امیروں کا وفد حاضر ہوا۔ ان میں سے ہر ایک بر ہنہ سر اور بر ہنہ پا تھا۔ صدریوں کے چاک سے کھلے تھے اور بالوں میں خاک پڑی تھی۔

امیر تیمور انہیں اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔ یہ ہیئت اس وقت بنائی جاتی تھی جب کسی کی موت کی خبر ہو۔ تیمور کا پتھر دل بھی دھڑک اٹھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وفد تیمور کے سامنے پہنچ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ اس سے تیمور کے تمکنت کو تقویت ملی مگر وہ اپنے کو امیر کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرتا تھا۔

اس نے ایک لمحہ انتظار کیا۔ جب وفد میں سے کوئی نہ بولا تو اس نے بڑے تحمل سے کہا:

"خاموشی کا سحر توڑ ڈالیے۔ ہم ہر خبر سننے کے لیے تیار ہیں۔ دو شہزادوں کا غم ہم پہلے برداشت کر چکے ہیں۔ اگر میران شاہ....."

"خدا شہزادے بہادر کو سلامت رکھے۔ وہ بقید حیات ہیں۔" ایک امیر نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

تیمور کو اطمینان ہوا۔ بولا:

"پھر تم لوگوں نے یہ صورت کیوں بنائی ہے۔ کون مر گیا ہے؟"

"ولایت تبریز کو موت آ گئی ہے امیر محترم۔" دوسرے نے بے خوف ہو کر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" تیمور کی تیوری پر بل پڑ گئے:

"کس نے تبریز پر حملہ کرنے کی ہمت کی؟"

"امیر محترم! تبریز کا حاکم خود ولی عہد بہادر نے لوٹ لیا۔" ایک اور نے بتایا:

"خوب صورت عمارتیں زمیں بوس کر دی گئیں۔ شفا خانوں تک کو نہ چھوڑا دیا گیا ہے۔"

"کس کے حکم سے..... میران شاہ..... کیا میران شاہ.....؟" غصے کی وجہ سے تیمور کو زبان الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ تھرتھراتا ہوا کھڑا ہو گیا:

"ایسا کب ہوا؟" تیمور کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"امیر عالی مقام! یہ کئی سال سے ہو رہا ہے۔" سردار نے کہنا شروع کیا:

"شہزادے بہادر کا حکم ہمارے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ ہم حکم عدولی نہ کر سکے۔ شہر برباد ہوتا رہا۔ خزانہ لٹتا رہا۔ گلی کوچے ویران ہو گئے۔ نااہل ندیموں نے شہزادے کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔"

"کیا اسے ہمارا خوف نہیں۔ کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گیا؟" تیمور کا غصہ دم بدم بڑھ رہا تھا۔

"امیر معظم! کچھ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔" تاتاری سردار نے سہمے لہجے میں کہا:

"وہ قبریں کھدوا کر ہڈیاں باہر نکلوا لیتے ہیں۔ پاک مقامات کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ شہزادی عالیہ نے بہت کوشش کی لیکن وہ کسی کی نہیں سنتے۔"

دربار خاص میں تبریز کے وفد کی باتیں سن کر تیمور پیچ و تاب کھا رہا تھا اور ادھر محل کے دروازے پر نقاب اور سیاہ لباس پہنے ایک عورت پہنچی۔ محافظوں نے بڑھ کر اس کا راستہ روکا مگر عورت نے نہ جانے کیا

کہا کہ وہ اچھل کر پیچھے ہو گیا۔ دروازہ فوراً کھول دیا گیا۔ محافظ آگے آگے اور عورت اس کے پیچھے پیچھے محل میں داخل ہوئی۔

محل کے اندر تمام راہداریوں اور روشوں پر جو جہاں تھا وہیں ٹھٹک کے کھڑا ہو گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا کہ یہ پھٹے حال عورت کون ہے جس کے آگے آگے محافظوں کا داروغہ بڑے ادب سے چل رہا ہے۔ اس کے اشارے پر سامنے کے تمام دروازے ایک ایک کر کے کھلتے چلے جا رہے ہیں۔

داروغہ ایک لمحے کے لیے بھی کہیں نہیں ٹھہرا اور عورت کی رہنمائی کرتا ہوا دربار خاص کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس دروازے پر ایک باریک گرم مربع پردہ پڑا ہوا تھا۔ محافظ نے ہاتھ بڑھا کر پردہ ہٹایا اور وہ دربار خاص میں داخل ہو گئی۔

امیر تیمور نے کمال حیرت سے نقاب پوش عورت کو دیکھا لیکن عورت نے تیمور کو زیادہ دیر حیرت میں نہ رکھا اور چہرے سے نقاب الٹ دیا۔

"شہزادی خانزادہ.....!" تیمور کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

خانزادہ کی عمر تیس سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ وہ اس وقت مصائب میں گرفتار تھی لیکن اب بھی اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ وہ مغلیہ تاتار کی سب سے خوبصورت عورت تھی۔ وہ ولی عہد جہانگیر کی بیوہ اور اس کے تیسرے بیٹے میران شاہ کی بیوی تھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کر شاید تیمور کا دل بھی رو دیا تھا۔

"اے امیر!" خانزادہ نے بغیر کسی القاب و تمہید کے بڑی بے خوفی سے صاحبقران امیر تیمور کو مخاطب کیا:

"آپ کے بیٹے کے خلاف فریاد اور داد طلب بن کر آئی ہوں۔ مجھے اپنی پناہ میں لیجیے۔ میں آپ سے انصاف کی بھیک مانگتی ہوں۔"

امیر تیمور بت بنا کھڑا تھا اور اس کی وہ بہو جسے وہ مرحوم شہزادے جہانگیر کے لیے بیاہ کر لایا تھا۔ اس بیٹے میران شاہ کے کرتوت بیان کر رہی تھی۔ پھر خانزادہ نے تیمور سے نظریں ملائیں اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غصے اور غم سے کانپتے ہوئے کہا:

"آپ کے ذلیل فرزند نے مجھ پر ذلیل تہمت لگائی ہے۔"

تیمور کو خانزادہ کے لگائے ہوئے الزامات کی تحقیق اور تصدیق کی کوئی ضرورت نہ پڑی۔ تبریز کا وفد اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ یہی باتیں پہلے بیان کر چکا تھا۔

تیمور ایک طویل سفر سے واپس آیا تھا لیکن وہ خانزادہ کی خستہ حالت برداشت نہ کر سکا۔ اس نے فوراً گھوڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طلب کیا اور چند سرداروں کو لے کر تبریز کی طرف روانہ ہو گیا۔ روانہ ہونے سے پہلے اس نے خانزادہ کے تمام اعزازات اور مراعات بحال کیں اور ان میں کچھ اضافہ بھی کر دیا۔

تیمور آندھی اور طوفان کی طرح ہزاروں میل کا سفر کر کے تبریز پہنچا۔ تبریز کی ویرانی دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی ویرانی پھیل گئی۔ تبریز اور سلطانیہ کے ہزاروں فریادیوں نے تیمور کو گھیر لیا۔ تیمور نے لوگوں کے نقصانات کی تلافی کا حکم دیا۔ اور پھر ایک ایسا اعلان کیا جسے سن کر امیر اور سردار بدحواس تیمور نے عوام اور خواص کو بالکل سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا:

"عوام اور خواص کا نقصان ناقابلِ تلافی ہے اور میران شاہ کی حرکتیں تیموری وقار پر بدنما داغ ہیں شہزادے میران شاہ کو اسی وقت سولی پر چڑھا دیا جائے۔"

لوگوں نے سر پیٹ لیے۔ بڑے بڑے سردار تیمور کی رکابوں سے لپٹ کر رونے لگے۔ عوام تیمور اس حکم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے نقصانات سے ہاتھ کھینچ لیے اور شہزادے کی زندگی مانگنے لگے۔

تیمور کا جلال کسی طرح کم نہ ہوا تھا۔ عوام دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ انہوں نے گریبان پھاڑ لیے تھے اور سر اور پیر سے ننگے ہو گئے تھے۔

شہزادہ میران شاہ پاگل مشہور ہو گیا تھا۔ اس نے حرکتیں ہی ایسی کی تھیں لیکن یہ تیموری جلال تھا۔ میں تیمور کے داخل ہوتے ہی اس کا دماغ بالکل ٹھکانے آ گیا۔ وہ محل کے ایک کونے میں چھپ گیا اور سر پیٹ پیٹ کر رونے لگا۔

تیمور کے حکم سے میران شاہ کے گلے میں رسی باندھ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ تیمور اب تک گھوڑے پر سوار تھا۔ میران شاہ نے خود کو تیمور کے گھوڑے کے سامنے گرا دیا اور معافی مانگنے لگا۔

عوام اور خواص کی بے انتہا سفارش پر میران شاہ کی جان بخشی ہو گئی لیکن اس کے تمام اعزازات چھین لیے گئے اور اسے شاہی مراعات سے محروم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ امیر قتلغ خان کو ولایت تبریز کی گورنری عطا ہوئی۔ اس جلتے، سلگتے اور گرم ماحول میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا جسے دیکھ اور سن کر لوگوں کے لبوں پر بے ساختہ تبسم آ گیا۔

تیمور نے میران شاہ کے تمام ندیموں اور اس کے خاص مسخرے کو سولی پر چڑھانے کا حکم دیا۔ میدان میں سولی گاڑ دی گئی۔ ندیم اور مسخرے پابہ زنجیر پیش کیے گئے۔ تیمور نے ان کی زنجیر کھلوا دیں اور انہیں قطار میں کھڑا کر کے حکم دیا کہ ایک ایک کو باری باری سولی پر چڑھایا جائے۔

جلاد ان کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور ایک سے کہا:

"سولی کی طرف چلو۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"پہلے اسے سولی پر چڑھایا جائے۔"

جلاد جس کی طرف بڑھا وہ بھی عذر کر کے دوسرے کی طرف اشارہ کر دیتا۔ جلاد نے پریشان ہو کر امیر کی طرف دیکھا لیکن امیر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میران شاہ کا خاص مسخرہ بڑی شان سے اکڑتا ہوا سولی کے پاس گیا۔ لوگ اسے تعجب سے دیکھنے لگے۔

مسخرہ سولی کے پاس پہنچ کر رکا اور پلٹ کر تیمور سے بولا:

"اے صاحبقران! مجھے سولی پر چڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ تو کوئی انصاف نہیں کہ یہ سب ندیم، مجھ سے آگے آگے رہتے تھے اور مجھے دھکے مار کر پیچھے ہٹاتے تھے لیکن اس وقت یہ سب پیچھے ہٹ گئے ہیں اور مجھے آگے کر دیا ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ ان ندیموں کو مرتبے کے مطابق نمبر لگا کر سولی پر چڑھایا جائے مجھے آخری نمبر دیا جائے۔"

کہتے ہیں کہ تیمور مسخرے کی اس بات پر مسکرا دیا

اور ــــ

مسخرے کو معاف کر دیا گیا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شادی ملک

صبح ہی سے ریگستان میں ہجوم ہونا شروع ہو گیا۔

ریگستان میں داخل ہونے والا ہر تاتاری دوسرے سے سرگوشیوں میں پوچھتا:

"آج ریگستان میں اتنا مجمع کیوں ہے۔ فتح کی خبر آئی ہے کیا؟"

جواب دینے والا بھی اسی رازداری سے کہتا:

"فتح تو ہمارے امیر کے قدم چومنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ ایک قاصد برصغیر سے ضرور آیا ہے لیکن کچھ پتہ نہیں چلتا، کیا خبر ہے، کیا حکم ہے؟"

"سرداروں کو تو علم ہو گیا ہو گا؟"

"وہ کہتے ہیں کہ پیغام ہمارے امیر نے بھیجا ہے۔"

"پھر پردہ داری کیسی؟ خدانخواستہ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا۔ کوئی ناگہانی بات تو نہیں ہوئی۔ امیر کے برصغیر سے آنے والے پیغامات تو فوراً سنا دیے جاتے ہیں۔ اسے راز میں کیوں رکھا جا رہا ہے۔"

ریگستان میں جیحوں مجمع بڑھتا جا رہا تھا اسی اعتبار سے چہ میگوئیاں، شبہات اور وسوسے بھی بڑھتے جا رہے تھے۔ تاتاریوں کے ذہن میں یہ چیز بیٹھ گئی تھی کہ ہندوستان امیر تیمور ناقابلِ شکست ہے۔ اس کی یلغار کو پہاڑ بھی نہیں روک سکتے لیکن جس وقت امیر تیمور نے برصغیر پر حملہ کرنے کے لیے اپنے امیروں سے رائے طلب کی تھی تو سرداروں نے دبے الفاظ میں اس کی مخالفت کی تھی۔

خانزادہ کے بیٹے اور امیر تیمور کے پوتے سلطان محمد نے ادب سے کہا تھا:

"اے امیر بابا! ہم برصغیر کو ضرور فتح کر لیں گے لیکن ہمارے لشکر کو بڑی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بڑے بڑے دریا، جنگل بیابان، ہندوکش کی ترائی کے زرہ پوش سپاہی اور پھر وہ دیو قامت ہاتھی جو انسانوں کو اپنے پیروں تلے روند ڈالتے ہیں۔"

"برصغیر بڑا گرم ملک ہے صاحبقراں"۔ ایک اور امیر نے کہا تھا جو کئی بار برصغیر گھوم آیا تھا:

"وہاں ایک دم اس قدر گرمی پڑنے لگتی ہے کہ زمین لوہے کی طرح تپنے لگتی ہے۔ اس گرمی سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ وہاں پانی بھی کھارا اور خراب ہے۔ لوگوں کی بولی ہماری زبان سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری فوج وہاں شاید زیادہ عرصہ نہ رہ سکے۔"

مگر تیمور نے نہ پوتے کی بات مانی اور نہ سردار کی باتوں پر کان دھرے۔ وہ بانوے ہزار سواروں کا لشکر لے کر برصغیر پہنچ گیا۔

برصغیر میں اس پر کیا گزری، اب تک کوئی ایسی واضح خبر نہ آئی تھی۔ اسی وجہ سے تاتاری سردار اور عوام پریشان تھے۔ قاصد کے آنے سے وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے تھے کیونکہ قاصد جو پیغام لایا تھا اسے راز میں رکھا جا رہا تھا۔

قاصد کے آنے کی خبر وحشت اثر نے دوپہر تک ایک خوفناک افواہ کی صورت اختیار کر لی اور تمام چھوٹے بڑے تاتاری سردار اور دانشور ریگستان میں صلاح اور مشورے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔

"ریگستان" حقیقت میں کوئی صحرا یا ریگ زار نہ تھا جہاں ریت کے تودے اڑتے ہیں اور انسان کو اسے دیکھ کر ہی وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ ریگستان سمرقند کا ایک پُرفضا مقام تھا۔ یہ ایک اونچی پہاڑی کے پورے پھیلاؤ پر محیط تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امیر تیمور صحرا نشینوں کی طرح گل و گلزار اور آبِ رواں کا بھی دلدادہ تھا۔ چنانچہ جب اس نے سمرقند کے نشیب میں اس میدان کو ایک عوامی تفریح گاہ میں تبدیل کیا تو اس میں مصنوعی چشمے بنوائے۔ جن میں ہر وقت پانی ابلتا رہتا۔ اس کے گرد مسجدوں اور دارالعلم کی عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔ یہاں پنج وقتہ اور عیدین کی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ لوگ خوش گپیوں میں مصروف رہتے اور دنیا بھر کی خبروں اور سیاسی امور پر بڑی بے باکی سے تبصرے کرتے تھے۔ امرا اور سردار ایک دوسرے سے اسی جگہ ملاقات کرتے اور تاجر اپنے سودے بھی اسی جگہ چکاتے تھے۔

مگر آج صرف ایک موضوع ہے: "قاصد کیا خبر لایا؟"

ایک طرف سمرقند کے دانشوروں کا ایک گروہ بیٹھا ہے۔ اس میں بوڑھے امیر سیف الدین اور موید ارلات جیسے تجربہ کار اور جہاندیدہ امیر بھی ہیں جو ضعیفی کی وجہ سے فوجی خدمات سے سبکدوش کیے جا چکے ہیں لیکن یہ امیر تیمور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے زیرِ کمان جہانگیری اور جہاں بانی کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ انہی لوگوں کے گرد عوام کا زیادہ ہجوم ہے۔ یہ لوگ ہم قاصد کے پیغام سے ناواقف ہیں لیکن اپنے طور پر اندازے لگا رہے ہیں۔

امیر موید ارلات نے بھاری پپوٹے اٹھاتے ہوئے کہا:

"تاتاری فوج ہمارے امیر کی برکت سے درہ خیبر پار کر کے دریائے سندھ پر پل باندھ رہی ہوگی۔"

امیر سیف الدین نے پوپلے منہ سے قہقہہ لگایا جو اس کے منہ میں ہی گونج کر رہ گیا، بولا:

"تم سندھ کے پل کی بات کر رہے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اب تو ملتان فتح ہو چکا ہوگا اور ہمارے ایلچی سلطانِ دہلی پر چڑھائی کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہوں گے۔"

مگر وہ چلتے پھرتے پہاڑ . . . . . سمرقند کا ایک بوڑھا آنکھیں پھاڑ کر بولا:

"بھلا امیر نے ان پر کیسے قابو پایا ہوگا۔"

ہاتھی کی طرف سے سب ہی پریشان تھے۔ یہ جانور تاتاریوں نے اب تک نہیں دیکھا تھا۔

"ہاتھی ہمارے امیر کا راستہ نہیں روک سکتے۔" ایک اور امیر بولا:

"ہمارے امیر برصغیر سے اتنا دولت لائیں گے جس کے بل پر ہم ساری دنیا فتح کر سکیں گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" دوسرے نے تائید کی:

"دنیا میں چھ عالی مرتبہ بادشاہ ہیں جو ہم سے ابھی صرف ایک ہمارے امیر سے شکست کھا کر بھاگا ہے۔"

"بھلا یہ چھ عالی مرتبہ بادشاہ کون ہیں۔ کیا وہ ہمارے امیر سے بڑے ہیں؟" موید ارلات نے اعتراض کیا۔

"ہمارے خیال میں تو دنیا میں صرف ایک بادشاہ ہے اور وہ ہمارے امیر ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" پہلے نے تائید کرتے ہوئے کہا:

"مگر مشہور چھ بادشاہ ہیں۔ ایک شہنشاہِ قسطنطنیہ، دوسرا سلطانِ مصر، تیسرا شاہِ بغداد، چوتھا راجہ بھارت، پانچواں فغفورِ چین اور چھٹے ہمارے امیر ہیں۔"

"محترم بزرگو۔" ایک سمرقندی نوجوان جو کسی وجہ سے تیمور کے ساتھ نہ جا سکا تھا، بڑے ادب سے بولا:

"یہ سب باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن اصل مسئلہ پر تو تبصرہ کیجیے۔ یہ قاصد کیا پیغام لایا ہے؟"

بزرگ تاتاریوں نے ایک نوجوان کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھے تو جھلائے۔ اس نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ یہ لوگ واقعی غیر متعلق باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں میں عقل و تجربے کی بڑی خوبیاں موجود تھیں لیکن اس وقت تو تاتاری عوام اس پیغام کے لیے بے چین تھے جو ان کے امیر نے برصغیر کے محاذ سے بھیجا تھا اور جس کی کسی کو ہوا تک نہ لگی تھی۔ قاصد سیدھا سرائے خانم کے پاس پہنچا تھا۔ سرائے خانم امیر کی غیر موجودگی میں باقاعدہ دربار

لگاتی تھی۔ اسے طبل و علم کی مراعات بھی حاصل تھیں۔

تیمور کا پیغام زبانی نہیں تحریری تھا۔ قاصد نے بند خط سرائے خانم کے حوالے کیا۔ سرائے خانم نے خط پڑھا اور اس کا بلا تاخیر عمل یہ ہوا کہ قاصد کو شاہی مہمان خانے میں نظر بند کر دیا گیا اور پہرے داروں کو سخت تاکید کی گئی کہ کوئی امیر یا سردار قاصد سے نہ مل سکے۔ اسی وجہ سے یہ عقدہ نہیں کھل رہا تھا کہ پیغام کس کے متعلق ہے اور اس راز کو کیوں راز رکھا گیا ہے؟

امیر موید ارلات نے جوان کو مطمئن کرنے کے لیے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہمارے امیر نے کچھ دن پہلے منگلی خان کی بیٹی سے شادی کی ہے، اسی کی کوئی بات ہو گی یا پھر چین کا شہنشاہ مر گیا ہے اس کے بارے میں کوئی پیغام ہوگا۔"

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے امیر ارلات۔" امیر سیف الدین نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"ہمارے امیر ایک نئی شاہراہ چین تک کھولنا چاہتے ہیں۔ کشمیر میں بھی راستے تلاش کیے جا رہے ہیں۔"

"یا تو میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکتا یا پھر آپ لوگوں کی عقل عمر کے ساتھ ساتھ بوڑھی ہو گئی ہے۔" جوان تاتاری بڑبڑا کر بولا:

"بھلا ان باتوں کا ہمارے امیر کے پیغام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ انہیں کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ ہر بات کا وہ خود فیصلہ کرتے ہیں اور ان کا ہر فیصلہ درست ہوتا ہے۔"

بوڑھے امیر اس نوجوان کا منہ دیکھ کے رہ گئے۔ جوان کا کہنا ٹھیک تھا۔ یہ تو تمام فوجی راز تھے۔ ان کے بارے میں پیغام بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

پورا دن اور پوری رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔ قاصد اور پیغام سوالیہ نشان بن کر ہر ایک کی نظروں کے سامنے گھومتے رہے۔

دوسری صبح حسبِ معمول پھر گلستان میں چہل پہل شروع ہوئی لیکن سوال، سوال ہی بنا رہا۔ سوائے اس کے کہ بعض لوگوں نے بتایا کہ رات کو شہر کوتوال نے کئی گھروں کی تلاشی لی ہے۔ لیکن کیوں؟ اس کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔

آج امیر ارلات اور امیر سیف الدین کچھ چپ چپ تھے۔ ان کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ قاصد کے آنے کا مقصد اب تک پردۂ راز میں تھا۔ جہاں تک رات کی تلاشی کی خبر تھی، اس کی اطلاع انہیں بھی مل چکی تھی لیکن یہ ایک انتظامی معاملہ تھا۔ ہو سکتا تھا کہ شہر کوتوال کو کسی مجرم کی تلاش ہو اور مجرم کی موجودگی سمرقند میں بتائی گئی ہو۔ یہ دونوں بوڑھے امیر اب ان باتوں سے بالا تھے۔ انہیں خدمات کے صلے میں شاندار جاگیریں ملی تھیں۔ امیر سیف الدین نے تو خود ایک عالی شان محل تعمیر کرایا تھا جس کے تمام اخراجات امیر تیمور کے خزانے سے ادا کیے گئے تھے۔ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امیر آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے لیکن ان کی گفتگو قاصد کے بجائے امیر کے برصغیر کے حملے کے گرد گھوم رہی تھی۔

ان امیروں کے بڑے ٹھاٹ باٹ تھے۔ ایک دو ملازم ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ امیر سیف الدین نے دوپہر کا کھانا رگیستان میں ہی منگا لیا۔ دونوں امیر وہیں بیٹھ کے کھانا کھانے لگے۔ ابھی کھانا ختم نہ ہوا تھا کہ امیر سیف الدین کے محل سے ایک غلام دوڑتا ہوا آیا اور اس نے جھک کر سیف الدین کے کان میں کچھ کہا۔

امیر سیف الدین نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور غصے سے کانپتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے سیف الدین؟" امیر ارلات نے اس کے تیور بگڑتے دیکھ کر پوچھا۔

"یہ..... یہ توہین ہے امیر ارلات میرا سر توہین۔" سیف الدین کا چہرہ سرخ ہو گیا:

"اس کی اتنی جرأت۔ نہیں نہیں۔ یہ ناقابل برداشت ہے۔"

"کچھ بتاؤ تو سہی۔" امیر ارلات نے بھی کھانا چھوڑ دیا:

"کس نے توہین کی تمہاری؟"

غضب خدا کا۔ شہر کوتوال اور میرے گھر کی تلاشی لے۔" سیف الدین کا ہاتھ فوراً خنجر پر پہنچ گیا:

"میں اس کی انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔"

"اچھا تو اب یہ سلوک ہو گا ہمارے ساتھ۔" امیر ارلات نے حیرت سے کہا:

"صاحبقران نہیں ہیں تو اس طرح تو ہیں ہی جلتے گی ہماری۔"

"میں جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کیسے تلاشی لی جاتی ہے۔" سیف الدین تیز قدموں سے گھر کی طرف چلا۔

"ٹھہرو سیف الدین۔" ارلات نے اس کے پیچھے لپکتے ہوئے کہا:

"یہ ہم سب کا معاملہ ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ آج تمہارے گھر کوتوال آیا ہے تو کل میرے گھر بھی پہنچ سکتا ہے۔"

دونوں امیر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

شہر کوتوال امیر سیف الدین کے محل کو گھیرے کھڑا تھا۔ صدر دروازے پر سیف الدین کے پانچ پہریدار تلواریں کھینچے کھڑے تھے۔ انہوں نے تلاشی دینے سے انکار کر دیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک امیر سیف الدین نہیں آتے کوئی شخص محل میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شہر کوتوال نے غلام بھیج کر سیف الدین کو بلوایا تھا، کیونکہ سیف الدین کے پہرے دار مزاحمت پر آمادہ تھے۔

امیر سیف الدین اور امیر ارلات کو آتا دیکھ کر شہر کوتوال گھوڑے سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ لوگ قریب

پہنچے تو کوتوال ادب سے بولا:

"میں امیرانِ گرامی کو سلام پیش کرتا ہوں۔"

"تم مسلح سپاہیوں کو لے کر میرے گھر پر کیوں آئے ہو؟" سیف الدین نے سلام کا جواب دینے کے بجائے کوتوال سے سوال کیا۔ اس کا پورا بدن غصے سے کانپ رہا تھا۔

"امیر محترم.....!"

"تمہیں میرے احترام کا خیال تھا تو آنے سے پہلے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟" سیف الدین نے اس کی بات کاٹ دی:

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے مجرم کو میں نے اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے یا میرے گھر سے چوری کا مال برآمد کرنا چاہتے ہو؟"

"میں مجبور ہوں امیر محترم۔" کوتوال سنجیدگی سے بولا:

"میں حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔"

"کس کا حکم ہے؟" امیر سیف الدین نے چیخ کر کہا:

"ہم وفادار امیروں پر صرف صاحبقران امیر تیمور کا حکم چلتا ہے۔ ہم اور کسی کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں۔"

"حکم بڑی بیگم مکمہ سرائے خانم کا ہے۔" کوتوال نے اب بھی ادب کو ملحوظ رکھا۔

"مکمہ سرائے خانم نے حکم دیا ہے؟" سیف الدین کا منہ حیرت سے کھل گیا:

"ملکۂ عالم نے ہم پر شک کیا ہے؟"

"حکم ملکۂ عالم اور پیغام صاحبقران امیر تیمور گورگان کا ہے۔" کوتوال نے وضاحت کی:

"شاہی قاصد کوہ ہندوکش کے اس پار سے صاحبقران کا پیغام لایا ہے کہ "شادی ملک" کو فی الفور گرفتار کر دیا جائے۔"

"شادی ملک!" امیر سیف الدین کی آنکھیں پھیل گئیں اور پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ پھر مردہ سی آواز میں بولا:

"کوتوال۔ مجھے اپنی سخت کلامی پر افسوس ہے۔ تم تلاشی لے سکتے ہو۔ ہم اندر پردہ کرائے دیتے ہیں۔"

"پردے کی ضرورت نہیں امیر محترم!" کوتوال مسکرایا:

"ہمارے ساتھ تلاشی لینے والی عورتیں بھی ہیں۔"

سیف الدین اور ارلات نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ کوتوال شہر کے سپاہیوں کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیف الدین نے اپنے پہرے داروں کو اشارہ کیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے اور تلوار یں نیام میں کر لیں۔ شہر کوتوال کچھ سپاہیوں کو لے کر محل کے احاطے میں چلا گیا اور اس کے ساتھ کی عورتیں زنان خانے میں داخل ہو گئیں۔

امیر ارلات جو اب تک آنکھیں پھاڑے ایک ایک کا منہ تک رہا تھا، شہر کوتوال کے اندر جانے کے بعد اس نے پوچھا:

"سیف الدین! یہ کیا قصہ ہے۔ صاحبقران نے کس کے قتل کا حکم دیا ہے۔ شادی ملک کون ہے۔ تم پر شبہ کیوں کیا گیا ہے؟"

امیر سیف الدین بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے شاید امیر ارلات کی بات نہیں سنی۔ اس نے سر اٹھا کر امیر ارلات کو دیکھا ضرور لیکن جب بولا تو اس انداز سے جیسے خود اپنے آپ سے گفتگو کر رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا:

"سیف الدین! یہ تمہاری غلطی ہے۔ تم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ شہزادے تو اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ انہیں تو کوئی نہ کوئی بچا لے گا۔ تم صاحبقران کو کیا جواب دو گے۔ عمر بھر کی وفاداریاں خاک میں مل جائیں گی۔"

امیر ارلات پہلے تو سیف الدین کی بڑبڑاہٹ سنتا رہا کہ شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے سیف الدین کا شانہ پکڑ کر ہلایا:

"کہاں ہو سیف الدین۔ کیا غلطی ہوئی تم سے۔ کچھ مجھے بھی بتاؤ۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ کوئی مشورہ دے سکتا ہوں۔ صاحبقران میری بات بہت مانتے ہیں۔"

"نہیں ارلات۔ تم اس معاملے میں ہاتھ نہ ڈالنا۔" سیف الدین نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا:

"اس میں کسی کی سفارش کام نہیں کرے گی۔ اس آگ میں جو ہاتھ ڈالے گا جل جائے گا۔"

"سیف الدین۔" امیر ارلات نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت انسان دیوتاؤں سے بھی مشورہ کرتا ہے۔ میں تو تمہارا پرانا ساتھی ہوں۔ کم از کم یہ تو بتاؤ کہ شادی ملک کون ہے۔ اس کے قتل کا حکم صاحبقران نے کیوں دیا ہے؟"

"شادی ملک۔" سیف الدین نے منہ بنایا:

"یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ ایران کی جادوگرنی۔ شہزادہ خلیل سلطان کو اس نے اپنے جال میں پھانس

لیا ہے۔"

"تو شادی ملک کوئی عورت ہے؟"

"عورت نہیں ایک لپکتا شعلہ ہے۔ جو دیکھتا ہے اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔"

شہر کوتوال تلاشی لے کر واپس آ رہا تھا۔ دونوں امیر خاموش ہو گئے۔

"میں معذرت چاہتا ہوں امیر محترم۔" کوتوال نے قریب پہنچ کر کہا۔

"چھوٹی بیگم شہزادی خانزادہ کے محل کی تلاشی ہوئی!" سیف الدین نے کوتوال کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"جی ہاں۔ شادی ملک وہاں نہیں ہے۔" شہر کوتوال جواب دے کے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کے سپاہی اور عورتیں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیچھے چل گئیں۔

"ہاں سیف الدین۔" امیر ارلات نے اطمینان کا سانس لیا:

"اب بتاؤ یہ شادی ملک اور شہزادہ خلیل سلطان کا کیا قصہ ہے؟"

"اس وقت نہیں ارلات۔" سیف الدین نے نرمی سے کہا:

"میں بڑی بیگم کے پاس جا رہا ہوں۔ شام کو ملاقات ہو گی تو پوری تفصیل بتاؤں گا۔"

○

امیر تیمور کے بڑے بیٹے جہانگیر کی وفات کے بعد اس کی بیوہ شہزادی خانزادہ نے تیمور کے دوسرے بیٹے میران شاہ سے شادی کر لی تھی لیکن یہ بیل منڈھے نہیں چڑھی اور دونوں میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانزادہ نے اپنے شوہر کی شکایت امیر تیمور سے کی اور میران شاہ کو نہ صرف برزنی کی گورنری سے معزول کیا گیا بلکہ اسے حق وراثت سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اس وقت تک میران شاہ کا ایک بیٹا شہزادی خانزادہ کے بطن سے پیدا ہو چکا تھا۔ اس کا نام شہزادہ خلیل رکھا گیا۔

تیمور کا یہ پوتا اب چودہ سال کا ہو چکا تھا اور شہزادہ خلیل سلطان کے نام سے مشہور تھا۔ شہزادہ خلیل سلطان اپنی ماں خانزادہ کے ساتھ سمرقند میں رہتا تھا۔ اس کی پرورش بھی شہزادوں کی طرح ہوئی تھی لیکن اس کے لچھن بچپن ہی سے بگڑے ہوئے تھے۔ خانزادہ کا پہلا شوہر مر چکا تھا اور دوسرا شوہر اس نے چھوڑ دیا تھا۔ ان باتوں نے اس کے دل و دماغ پر برا اثر ڈالا۔ اس لیے شہزادہ خلیل کا کردار عمر کے ساتھ ساتھ بگڑتا چلا گیا۔ خلیل سلطان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دو سوتیلے بھائی شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ سلطان محمد اپنے دادا کے ساتھ میدانِ جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے اور یہ محل میں پڑا دادِ عیش دیا کرتا تھا۔

خلیل سلطان چونکہ سب سے کم عمر شہزادہ تھا اس لیے شاہی محل کی تمام بیگمات اس سے محبت کرتی تھیں۔ اس بے جا لاڈ پیار نے خلیل سلطان کو اور زیادہ بگاڑ دیا تھا۔ امیر تیمور کا قیام سمرقند میں کم رہتا تھا تاہم اس کے جاسوس تمام شہزادوں کے حالات سے اسے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ برِصغیر پر حملے سے پہلے اسے علم ہو گیا تھا کہ شہزادہ خلیل کے اطوار اچھے نہیں اور یہ کسی وقت بھی کوئی گل کھلا سکتا ہے۔

تیمور اپنے ساتھ شہزادہ خلیل کو لے جانا چاہتا تھا لیکن بعض بیگمات خصوصاً خانزادہ کے اس عذر پر کہ خلیل ابھی بچہ ہے، اسے اتنے طویل سفر پر نہ لے جایا جائے۔ تیمور خاموش ہو گیا۔ حالانکہ شہزادہ خلیل کے دونوں بھائی پیر محمد اور سلطان محمد تو صرف بارہ برس کی عمر سے تیمور کی رکاب سے رکاب ملا کر چلنے لگے تھے۔ تیمور کی عدم موجودگی میں شہزادے نے اور زیادہ ہاتھ پیر نکالے۔ محلات کی کنیزیں ہر وقت اسے گھیرے رہتیں اور وہ علی الاعلان کنیزوں کو ساتھ لیے سمرقند اور دوسرے شہروں میں سیر کرتا پھرتا۔

ادھر کچھ دنوں سے شہزادہ خلیل کا ایک کنیز سے زبردست معاشقہ چل رہا تھا۔ سیاہ بالوں والی یہ ایرانی کنیز اپنے حسن کا آپ ہی جواب تھی۔

مرمریں رخساروں والی اس کنیز کا نام شادی ملک تھا۔

بزرگ ترین امیر سیف الدین ایران گیا تھا۔ وہاں کسی رئیس نے یہ کنیز اس کی خدمت میں پیش کی تھی۔ شادی ملک کے حسب و نسب کا تو پتہ نہیں تھا لیکن اس کی پرورش محل میں ہوئی تھی اور وہ شاہی نزاکتِ نشست و برخاست، طریق و آداب اور مزاج شناسی کا ملکہ رکھتی تھی۔ شکل و صورت کے علاوہ شادی ملک حسنِ کلام کی بھی ماہر تھی اور اپنی گفتگو سے بہت جلد اپنے مخاطب کو متاثر کر لیتی تھی۔

امیر سیف الدین اسے سمرقند لے کر آیا تو شہزادے کی نظر اس پر اچانک پڑ گئی۔ شہزادہ امیر سے ملنے آیا تھا۔ امیر نے شہزادے کے لیے مشروب منگوایا۔ امیر کے محل میں اور بھی کنیزیں تھیں لیکن شادی ملک نے سب کو روک دیا اور شہزادے کے لیے خود مشروب لے کر گئی۔

شہزادہ خلیل اسے دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہو گیا۔ پھر جس غمزے اور سلیقے سے شادی ملک نے شہزادے کو مشروب پیش کیا اسے دیکھ کر امیر سیف الدین بھی دنگ رہ گیا۔

شادی ملک نے بالکل وہی انداز اختیار کیا جو کسی شہنشاہ کے سامنے ایک تربیت یافتہ کنیز اختیار کرتی ہے۔ شہزادہ اس کے حسن اور سلیقہ مندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے چلتے وقت امیر سے شادی ملک

اپنے لیے مانگ۔

امیر سیف الدین کے لیے یہ ایک مسئلہ اور امتحان بن گیا۔ ایک کنیز دے دینا اس کے لیے کوئی اہم بات نہ تھی لیکن اسے یہ خیال پریشان کرنے لگا کہ کہیں صاحبقراں امیر تیمور کو یہ شبہ نہ ہو کہ سیف الدین نے شہزادے کو کنیز کا تحفہ دے کر اسے اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات اس کے لیے تشویش کا باعث تھی۔

سیف الدین نے اس وقت تو شہزادے کو ٹال دیا۔ دوسرے دن وہ شادی خانزادہ سے ملا۔ شہزادہ خلیل اپنی ماں سے شادی ملک کا ذکر پہلے ہی کر چکا تھا۔ جب سیف الدین اس سے ملنے پہنچا تو خانزادہ نے خود ہی شہزادے کی سفارش کی۔ اس طرح شادی ملک شہزادے کے حوالے کر دی گئی۔

اور اب برِصغیر کے محاذ سے صاحبقراں کا پیغام آیا تھا کہ شادی ملک کو قتل کر دیا جائے۔

جس وقت امیر تیمور کا قاصد ملکہ سرائے خانم کے محل کی طرف گھوڑا دوڑاتا جا رہا تھا اس وقت نوعمر شہزادہ خلیل سلطان اور ایرانی ماہ پارہ شادی ملک "گوشۂ عزلت" میں ایک سنگِ مرمر کے چبوترے پر حال اور مستقبل کے سنہری مگر خیالی قلعے تعمیر کر رہے تھے۔

شہزادے نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا:

"شادی ملک۔ تمہیں معلوم نہیں کہ امیر دادا مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ وہ میرا کہا ٹال ہی نہیں سکتے۔ شادی کی اجازت ضرور مل جائے گی۔"

"شہزادے۔ آپ شاہوں کے مزاج سے واقف نہیں۔" شادی ملک بڑی بڑی پلکیں جھپکاتے ہوئے اداسی سے بولی:

"امیر، آپ سے اس لیے محبت کرتے ہوں گے کہ آپ سب سے چھوٹے شہزادے ہیں۔ ان کے لیے آپ "بچہ" ہیں اور بچوں کو تو کھلونے دے کر بھی بہلایا جا سکتا ہے۔"

"امیر دادا کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں شادی ملک۔" شہزادہ معنوی نخرے سے بولا:

"ایک بار میں نے ان سے ضد کی تھی کہ مجھے تبریز کا گورنر بنا دیا جائے۔ امیر دادا نے فوراً فرمان جاری فرما دیا۔ وہ تو امی حضور نے مجھے اپنے سے جدا نہیں کیا ورنہ میں اس وقت تبریز کا گورنر ہوتا۔"

"تبریز کی گورنری اور میرے ساتھ آپ کی شادی دو مختلف باتیں ہیں شہزادے۔" شادی ملک اسے سمجھاتے ہوئے بولی:

"گورنری عطا کرنے میں صاحبقراں کے پاس سے کچھ نہیں جاتا تھا لیکن ایک مغل شہزادے کو ایک کنیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے حوالے کرتے ہوئے انہیں سو بار سوچنا پڑے گا۔ شہزادے! میں ایرانی ہوں۔ اگر تاتاری ہوتی تو بھی ذرا سا کچھ غور کیا جا سکتا تھا۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ اگر انہوں نے آج آپ کو ایک کنیز کے ساتھ شادی کی اجازت دے دی تو پھر یہ رسم پڑ جائے گی اور ہر مغل تاتاری شہزادہ کنیزوں سے شادی کرنے کی اجازت حاصل کرے گا۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" شہزادہ بے دلی سے بولا:

"میں نے طے کر لیا ہے کہ میں تم سے شادی کروں گا۔ اب یہ شادی ہو کے رہے گی۔"

"اور اگر صاحبقراں کا جواب انکار میں آیا تو؟"

"تو بھی یہ شادی ہوگی۔ میں نے امی حضور سے کہہ دیا ہے۔"

"مگر میں آپ سے شادی نہیں کروں گی۔" شادی ملک بڑے وقار سے بولی:

"میں نے آپ سے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ میں آپ کے پاس صرف اس صورت میں رہ سکتی ہوں کہ آپ مجھ سے باقاعدہ شادی کر لیں اور اس شادی میں دربار کے تمام امراء اور شاہی خاندان کے تمام افراد شریک ہوں۔"

شادی ملک نے یہ بات شہزادے سے خود نہیں کہی تھی بلکہ امیر سیف الدین نے کہلوائی تھی جس وقت شہزادے نے شادی ملک کو سیف الدین سے مانگا تھا تو سیف الدین نے شادی ملک کی رائے معلوم کی تھی۔ شادی ملک نے اس وقت یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ شہزادے کی عام کنیزوں میں شامل ہونا نہیں چاہتی اور وہ کنیز کی حیثیت سے سیف الدین کی خدمت گزاری کو فوقیت دیتی ہے۔ ہاں اگر شہزادہ اسے حاصل کرنا چاہے تو اسے باقاعدہ شادی کرنا ہوگی اور اس شادی میں تمام امراء اور شاہی خاندان کے افراد کی شرکت ضروری ہوگی۔

دراصل شادی ملک بڑی عقل مند لڑکی تھی۔ وہ اپنے خداداد حسن اور دانائی کا صحیح مصرف کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ شہزادے سے سیڑھی کے چوٹ پر شادی کر کے شاہی خاندان میں شامل ہو جائے ایک بیان یہ بھی ہے کہ شہزادہ خلیل نے امیر تیمور کے برصغیر پر حملے سے پہلے شادی ملک سے شادی کی اجازت مانگی تھی لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ تیمور محاذ پر چلا گیا۔

شادی ملک خانزادہ کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے خانزادہ پر واضح کر دیا تھا کہ اسے شہزادے سے محبت ہے۔ وہ شہزادے سے شادی کر کے ہی اس کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ اگر اسے عام کنیزوں کی طرح شہزادے کے حوالے کیا گیا تو وہ زہر کھا کر مر جائے گی۔

خانزادہ کو بھی یہ لڑکی پسند تھی لیکن شہزادہ خلیل صاحبقراں کا پوتا تھا۔ اسے انکار دیے بغیر یہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے تیمور کے سامنے ان دونوں کی شادی کی تجویز رکھی گئی تھی جو تیمور کے جانے سے میں پڑ گئی تھی۔ یوں شادی ملک اور شہزادہ خلیل روز ملتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شہزادہ پروانے کی طرح شمع حسن کے گرد منڈلاتا رہتا تھا لیکن شادی ملک کی دھمکی کی وجہ سے وہ حد سے آگے نہ بڑھتا تھا۔

شہزادہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر افسردگی سے بولا:

"شادی ملک۔ آج تمہیں میری ایک بات کا صاف صاف جواب دینا ہوگا۔"

شادی ملک مسکرائی۔ بولی:

"آپ کی کس بات کا جواب میں نے نہیں دیا۔ اگر آپ کا سوال پھر شادی کے بارے میں ہے تو میرا ہے کہ اس سلسلے میں آپ کے ہر ممکن سوال کا جواب دے چکی ہوں۔"

"تم مجھ سے بحث نہ کیا کرو شادی ملک۔" شہزادہ چڑ سا گیا:

"تمہیں نہیں معلوم کہ میں کس قدر افسردہ ہوں۔ میرا دل کسی کام میں نہیں لگتا۔"

"چلیے سیر کرتے ہیں۔" شادی ملک کھڑے ہوتے ہوئے بولی:

"گوشۂ عزلت کی ہر چیز صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ ان نادر چیزوں کو دیکھ کر مجھے بڑی فرحت حاصل ہے۔"

پھر وہ دونوں قدم ملا کر اس طرح چلنے لگے جیسے فوجی پریڈ کرتے ہیں۔

شادی ملک جس پودے یا پرندے کے پاس سے گزرتی اس کی جی کھول کر تعریف کرتی لیکن شہزادہ واقعی تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے شہزادہ واقعی اس کی محبت اور عشق میں گرفتار ہو گیا ہے۔ حالانکہ شاہی میں جہاں شہزادے کے گرد حسین کنیزوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا وہاں عشق و محبت جیسی باتوں کا تصور ہی تھا۔

"گوشۂ عزلت" سمرقند کی حسین عمارتوں میں سے ایک تھی۔ خالص سنگِ مرمر کی یہ عمارت شاہی خزانے کے قریب واقع تھی۔ شاہی خزانے کے اندر جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی لیکن گوشۂ عزلت کی سیر کو شاہی خاندان کے افراد جا سکتے تھے سوائے ان دنوں کے جب صاحبقراں امیر تیمور سمرقند میں موجود ہوتے۔ سمرقند میں موجود ہوتے تو امیر تیمور اکثر اس خوبصورت عمارت میں آرام کرنے آتا۔ گوشۂ عزلت کے صحن میں ایک ایسا درخت لگایا گیا تھا جس کا تنا خالص سونے کا تھا۔ اس کے تمام پتے اور شاخیں چاندی کی تھیں۔ پھلوں کی جگہ بڑے بڑے سچے بہترین قسم کے جواہرات لگائے گئے تھے۔ جس وقت اس درخت پر سورج کی شعاعیں پڑتیں تو یہ عجیب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل بہار چمک دکھاتا اور آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ دیکھنے والے کو یوں معلوم ہوتا جیسے درخت میں ہیرا اور آبدار لٹکے ہوئے ہیں۔ کمال تو یہ تھا کہ ان پھلوں کے گرد پرندے بھی لٹکائے گئے تھے۔ یہ پرندے چاندی کے بنائے گئے تھے اور ان پر سبز اور سرخ رنگ کی مینا کاری کی گئی تھی۔ یہ پرندے اپنے پر پھیلائے اس طرح بیٹھے تھے جیسے وہ پھلوں پر چونچ مار رہے ہوں۔

"تم میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتیں؟" شہزادے نے رک کر شادی ملک کو دیکھا۔

"کنیز کی کیا مجال ہے کہ شہزادے کے سوال پر خاموشی اختیار کرے۔" شادی ملک مسکرائی۔

"پھر یہ بتاؤ کہ اگر امیر داد نے انکار کر دیا تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گی؟" شہزادے کی نظریں شادی ملک کے چہرے پر رک گئیں:

"جھوٹ مت بولنا شادی ملک۔ مجھے صاف جواب چاہیے۔"

"شہزادے!" شادی ملک گمبھیر آواز میں بولی:

"خدا نے پانچوں انگلیاں ایک طرح کی نہیں بنائیں۔ سب کنیزیں بھی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ میں کہہ چکی کہ اگر مجھے کنیز ہی رہنا تھا تو میں بابا امیر سیف الدین کو چھوڑ کر کبھی نہیں آتی، چاہے آپ مجھے قتل کرا دیتے۔ میں خوشی سے آپ کے پاس آئی ہوں اور یہ سوچ کے آئی ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گی آپ ہی کا نام لے کر جیوں گی اور خدانخواستہ وقت آیا تو میرا جنازہ بھی آپ کے ساتھ ہی اٹھے گا۔"

شہزادے کا پژمردہ چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے بڑے پیار سے شادی ملک کو دیکھا:

"شادی ملک! تم کتنی اچھی ہو۔ تم ہی میری بیوی بننے کے قابل ہو۔"

"بس تو پھر صاحبقراں کے جواب کا انتظار کیجیے۔ میری فکر کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی ہوں اور آپ کی رہوں گی۔"

شادی ملک کا جملہ پورا ہوا تھا کہ صاحبقراں امیر تیمور کا جواب برصغیر کے محاذ سے آ گیا۔ شہزادہ خلیل ایک غلام گھبرایا ہوا گوشۂ عزلت میں داخل ہوا۔ حالانکہ جس وقت شہزادہ اور شادی ملک اس عمارت میں آئے باہر پہرہ لگا دیا جاتا تھا تاکہ ان کی گفتگو میں کوئی مخل نہ ہو سکے لیکن غلام بے خوف گوشۂ عزلت میں آ گیا۔ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اور شہزادے کو دیکھتے ہی دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

شہزادے کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ شادی ملک نے اس کا ہاتھ دبایا اور بولی:

"خیر تو ہے۔ تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔ کوئی خاص خبر ہے؟"

"خانم..... خانم.....!" پھر اس نے شہزادے کی طرف دیکھ کے کہا:

"شہزادے بہادر جلدی کیجیے۔ شادی ملک کو کہیں چھپا دیجیے..... وہ..... وہ صاحبقراں کا قاصد آیا ہے۔"

غلام جلدی سے شادی ملک کی طرف گھوما:

"خانم..... خانم..... آپ کے قتل.....!" غلام آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"سنا آپ نے شہزادے!" شادی ملک بڑے تحمل سے بولی:

"صاحبقراں نے ہمارے قتل کا حکم دیا ہے۔"

شہزادے خلیل سلطان کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے کبھی غلام کو دیکھتا اور کبھی شادی ملک کو۔

شادی ملک نے اپنے قتل کا حکم بڑے سکون سے سنا لیکن جلد ہی اس پر موت کا خوف طاری ہو گیا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا اور جسم کانپنے لگا۔

"اب کیا ہو گا شہزادے؟" شادی ملک گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

شہزادہ خلیل اپنے خیالات سے چونک پڑا۔ اس نے کچھ عجیب سی نظروں سے شادی ملک کو دیکھا۔ شادی ملک نے شہزادے کی ایسی نظریں پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ شہزادے کی آنکھوں سے بغاوت جھانک رہی تھی۔

"شہزادے ہوش میں آیئے۔ آپ کی آنکھوں سے مجھے خوف آ رہا ہے۔" اور شادی ملک کی اپنی آنکھیں بھر گئیں بھر سسکیوں کے ساتھ اس کے آنسو رواں ہو گئے۔

"شادی ملک تمہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا۔" شہزادے نے کمر میں لگا ہوا خنجر نکال لیا:

"تمہاری طرف بڑھنے والے ہاتھ کو میں کاٹ دوں گا!"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو خلیل۔" شادی ملک شاہی القاب و آداب کو توڑتی ہوئی بولی:

"تمہارا یہ خنجر کیا۔ اگر تمام دنیا کی تلواریں بھی مجھے بچانے کے لیے بلند ہو جائیں تو بھی میں قتل ہو جاؤں گی۔"

"میں تمہاری حفاظت کروں گا شادی ملک۔" شہزادے کے انداز میں اب بھی بچپنا تھا:

"میں ڈھال بن کے تمہارے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا۔ صاحبقراں اگر اپنا حکم واپس نہ لیں گے تو میں ان سے لڑ کر دوں گا۔"

"شہزادۂ عالم.....!" غلام نے دخل دیا:

"آپ کی والدہ محترمہ شہزادی خانزادہ نے مشورہ دیا ہے کہ آپ خانم شادی ملک کو کہیں پوشیدہ کر دیں۔"

"کیا ہم امی حضور کے پاس نہیں جا سکتے۔ ان کے محل سے زیادہ محفوظ اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے۔" شہزادے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے غلام سے جرأت کے انداز میں سوال کیا۔

"شہزادۂ عالم، میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" غلام بے بسی سے بولا:

"شہزادی خانزادہ نے فرمایا ہے کہ آپ شادی ملک کو ان کے محل میں ہرگز نہ آنے دیں کیونکہ خانم کو سب سے پہلے ان کے ہی محل میں تلاش کیا جائے گا۔"

شہزادے نے مایوس ہو کر شادی ملک کو دیکھا۔ شادی ملک کو اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔ ایسے حالات میں انسان میں عام طور پر حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نے سنبل سے کہا:

"شہزادے۔ اگر تم مجھے اپنے کسی دوست کے گھر نہیں چھپا سکتے تو پھر آخری صورت یہی ہے کہ تم مجھے اس خنجر سے ختم کر دو۔ میرے لیے فوج کے ہاتھوں مارے جانے سے زیادہ بہتر ہو گا۔"

"میں تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں۔" شہزادے نے حیران نظروں سے شادی ملک کو دیکھا:

"اس سے زیادہ مناسب ہے کہ میں اس خنجر سے اپنا ہی خاتمہ کر لوں۔"

"اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا شہزادے۔" شادی ملک غم ناک لہجے میں بولی:

"میرے قتل کا حکم تو پھر بھی قائم رہے گا اور میں قتل کر دی جاؤں گی۔"

"شہزادۂ عالم۔" غلام نے پھر دخل دیا:

"جلدی کوئی فیصلہ کیجیے۔ فوراً یہاں سے نکل جائیے۔"

شہزادے کو بھی جیسے ہوش آ گیا۔ اس نے شادی ملک کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"دروازے سے نہیں شہزادے۔" غلام نے ٹوکا:

"ممکن ہے کوئی آپ کی تلاش میں ادھر آ رہا ہو۔ آپ پچھلی دیوار پھاند کے نکل جائیے۔ ادھیرا ہونا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیے۔"

شہزادے نے ایک لمحے کو رک کر سوچا اور اپنا رخ موڑ کر دروازے سے دیوار کی طرف کر لیا۔ وہ اور شادی ملک تقریباً بھاگتے ہوئے دیوار کے پاس پہنچے۔ دیوار کی اونچائی صرف پانچ فٹ تھی۔ شہزادہ دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر شادی ملک کو بھی اوپر چڑھا لیا۔ پھر دونوں دیوار پھاند کر دوسری طرف گئے۔ غلام ابھی تک اپنی جگہ کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کے دیوار پار کر جانے کے بعد وہ بھی اطمینان کا سانس لیتا ہوا واپس ہوا۔

غلام گوشۂ عزلت سے نکل کر تھوڑی دور پہنچا تھا کہ اسے شہر کوتوال سپاہیوں کے ساتھ آتا دکھا دیا۔ وہ ایک طرف دبک کر کھڑا ہو گیا۔ کوتوال بڑی تیزی سے گوشۂ عزلت کے دروازے پر پہنچا اور گھوڑا

ہر چھوڑ کر سپاہیوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ گوشۂ عزلت میں سوائے صاحبقران امیر تیمور کے کسی اور کا گھوڑا داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

○

مکہ مرا خانم اور شہزادی خانزادہ میں ہمیشہ کا بیر تھا۔ یہ بڑی بیگم اور چھوٹی بیگم کے نام سے پورے یہ تاتار میں مشہور تھیں۔ خانزادہ جب سے اپنے شوہر میراں شاہ جغتائی شہزادے کو چھوڑ کے آئی تھی، سمرقند ہی میں رہائش پذیر تھی۔ امیر تیمور نے اسے الگ محل اور دوسری مراعات دے رکھی تھیں۔ شہزادہ خلیل چونکہ جوان ہو گیا تھا اس لیے اسے تیمور نے رہنے کے لیے الگ محل دے دیا تھا۔

جس وقت شادی ملک کو شہزادے نے سیف الدین سے مانگا تو اس نے اس شرط پر اپنی رضامندی ظاہر کی کہ اسے شہزادے خلیل کے محل کے بجائے اس کی ماں، شہزادی خانزادہ کے محل میں بھیجا جائے چنانچہ شادی ملک کو خانزادہ کے محل میں پہنچا دیا گیا اور شادی ملک وہیں رہنے لگی۔

شہزادہ خلیل اور شادی ملک کے عشق کی داستان امیر تیمور تک کسی نہ کسی طرح پہنچ گئی۔ اس دوران تیمور برصغیر پر حملے کے لیے چلا گیا۔

تیمور اپنے مرکز سمرقند سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ چلا جائے اس کا رابطہ سمرقند سے قائم رہتا تھا اور ہر ہفتے ایک قاصد ملک کی خبریں لے کر سمرقند سے عازم کی طرف روانہ ہوتا تھا۔

تیمور نے ابھی دریائے سندھ پار بھی نہیں کیا تھا کہ سمرقند کے داخلی منتظمین نے تیمور کو خبر بھیجی کہ شہزادہ خلیل اور شادی ملک بے محابہ باغوں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ تیمور کچھ پہلے ہی چڑا ہوا تھا اس قسم کی خبروں سے اس کا غصہ کچھ اور بڑھ گیا۔ پھر شہزادہ خلیل نے ایک زبردست حماقت کی جس نے شاہوا کھیل بگاڑ دیا۔

شہزادہ خلیل سب سے چھوٹا شہزادہ ہونے کی وجہ سے خود فریبی کا شکار تھا۔ اس کے ذہن میں یہ چیز بیٹھ گئی تھی کہ امیر تیمور کو اس سے سب شہزادوں سے زیادہ محبت ہے اور وہ اس کی کوئی بات نہیں ٹال سکتا۔ اسی خود فریبی کے تحت اس نے قاصد کے ہاتھ ایک خط امیر تیمور کو روانہ کر دیا جس میں اس نے درخواست کی تھی کہ اسے شادی ملک سے شادی کی اجازت دی جائے۔ نیز یہ شادی روایتی شاہی انداز میں منعقد ہو جس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امراء، وزراء اور تمام بیگمات شرکت کریں۔

ستم یہ ہوا کہ جس قاصد کے ہاتھ یہ خط بھیجا گیا اس قاصد کے پاس سمرقند کے گورنر کا بھی ایک خط تیمور کے نام تھا جس میں اس نے شہزادہ خلیل کے خلاف بڑا زہر اگلا تھا۔

امیر تیمور کو دونوں خطوط ایک وقت موصول ہوئے۔ امیر تیمور کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ شہزادہ شادی ملک کو اپنی کنیزوں میں شامل کر لے لیکن شہزادہ خلیل نے شادی ملک کے کہنے پر شادی کی درخواست کی تھی۔ اسے یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ایک کنیز کی شادی تیموری شہزادے کے ساتھ دھوم دھام اور شاہانہ انداز سے ہو۔ اُس کی اس درخواست پر تیمور کو اس قدر غصہ آیا کہ اس نے فوراً شادی ملک کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔

○

ایک ہفتے تک شہزادہ خلیل، شادی ملک کو اپنے دوستوں کے یہاں چھپاتا رہا۔ بعض تیموری امیروں نے بھی اس سلسلے میں شہزادہ خلیل سے تعاون کیا۔ کیونکہ یہ امکان پیدا ہو رہا تھا کہ تیمور کے بعد ممکن ہے کہ شہزادہ خلیل ہی تیموری تخت و تاج کا وارث بنے۔

تیمور کے دو بیٹے پہلے ہی مر چکے تھے۔ تیسرا میران شاہ تھا جو خبطی اور پاگل مشہور ہو کر معزول کر دیا گیا تھا۔ شہزادہ خلیل اسی میران شاہ کا بیٹا تھا اور اس کی ماں خانزادہ تھی۔ خانزادہ کے دو اور بیٹے پیر محمد اور سلطان محمد بھی تھے لیکن خانزادہ کی تمام ہمدردیاں شہزادہ خلیل سلطان کے ساتھ تھیں۔

تیمور کا ایک بیٹا شاہ رخ مرزا جو مراد خانم کے بطن سے تھا، وہ بھی تخت کا حقدار تھا لیکن یہ شہزادہ جنگ و جدل کے بجائے شعر و شاعری اور علمی مشاغل میں دلچسپی رکھتا تھا۔ ان حالات میں شہزادہ خلیل کے وارث ہونے کے امکانات زیادہ تھے۔

ملکہ عالم مراد خانم کو شادی ملک کے قتل کا فرمان مل چکا تھا۔ اس نے شہر کوتوال کو تمام محلات کی تلاشی کا حکم دیا۔ سب سے پہلے شہزادہ خلیل کے محل پر چھاپہ مارا گیا۔ پھر شادی ملک کو خانزادہ کے محل میں تلاش کیا گیا۔ یہاں تک کہ منگلی خان کی بیٹی جس سے تیمور نے حال ہی میں شادی کی تھی، اس کے محل کا بھی چپہ چپہ چھانا گیا۔ محلاتِ شاہی کے بعد امیروں کے محلوں پر چھاپے پڑے۔ امیر سیف الدین اس کنیز کو ایران

سے لایا تھا۔ سب سے پہلے اس کے یہاں تلاشی ہوئی۔ پھر امیر موبیدارات اور تمام چھوٹے بڑے امیروں کی تلاشی ہوئی لیکن شادی ملک کہیں سے برآمد نہ ہوئی۔ شہزادہ خلیل بھی شادی ملک کے ساتھ روپوش ہو گیا تھا۔

○

شادی ملک کی گرفتاری میں ناکامی ملکہ مراد خانم کے لیے ایک مسئلہ بن گئی۔ اب یہ اس کے عزت اور وقار کا سوال بن گیا۔ اس نے دربار کے تمام امیروں اور سرداروں کو شادی ملک کی تلاش پر لگا دیا اور اعلان کرا دیا کہ اگر شادی ملک گرفتار نہ ہوئی تو اس کی تمام تر ذمہ داری تمام امراء پر ہوگی۔ وہ سب امیر تیمور کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

اس اعلان سے امیروں میں کھلبلی پڑ گئی۔ ان سب نے متحد ہو کر شادی ملک کی تلاش شروع کر دی۔ شہزادہ خلیل کے لیے یہ بات انتہائی پریشان کن تھی۔ اس کے یار دوست اسے اور شادی ملک کو ایک دن سے زیادہ اپنے گھر میں پناہ نہ دیتے اور شہزادہ کو ہر روز ایک نئی پناہ گاہ ڈھونڈنا پڑتی۔

اور پھر ایک رات جب گھڑیال نے بارہ کا گھنٹہ بجا کر نصف شب گزرنے کا اعلان کیا تو خانزادہ کے محل کے صدر دروازے کا پہرے دار اندر داخل ہوا اور راہ داری میں پہرہ دینے والے ایک خواجہ سرا سے سرگوشیوں میں کچھ کہا۔ خواجہ سرا بھاگتا ہوا شہزادی خانزادہ کی خواب گاہ میں پہنچا اور وہاں مسلح کنیزوں میں سے ایک کو باہر کے پہریدار کا پیغام پہنچایا۔ کنیز گھبرا گئی۔ پیغام کچھ ایسا تھا کہ وہ شہزادی کو بیدار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس نے خواجہ سرا کو باہر ہی چھوڑا اور خود دروازہ کھول کر اندر گئی۔

شہزادی خانزادہ اپنے بیٹے شہزادہ خلیل کی طرف سے بہت پریشان تھی۔ وہ عام طور سے راتیں جاگ کر گزارتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ شادی ملک کی تلاش بڑی سختی سے کی جا رہی ہے۔ ایک ایک گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ اگر رات کے وقت شادی ملک کے کسی گھر میں موجود ہونے کا اطلاع ملتی تو فوراً وہ گھر گھیر لیا جاتا خواہ وہ کسی کا گھر ہو یا محل۔ مراد خانم نے سرحدیں بھی بند کرا دی تھیں تاکہ شہزادہ خلیل، شادی ملک کو سمرقند سے باہر نہ لے جا سکے۔ اس سے خانزادہ نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ یا تو شہزادہ خلیل، شادی ملک کو سمرقند سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہے یا پھر وہ کسی ایسی محفوظ جگہ پناہ حاصل کیے ہوئے ہیں جہاں تک تلاش کرنے والے اب تک نہیں پہنچ سکے مگر خطرہ اب بھی باقی تھا اور شہزادہ خلیل کی یہ حرکت تیمور کے حکم سے کھلی بغاوت تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے خانزادہ ہر وقت ڈری رہتی تھی۔

کنیز دروازہ کھول کر اندر گئی تو کھٹکے سے خانزادہ کی آنکھ کھل گئی اور وہ چونک کر بیٹھ گئی۔

"شہزادی عالم..... وہ..... وہ شہزادے تشریف لائے ہیں"۔ کنیز نے آہستہ سے کہا۔

"ہمارا بیٹا خلیل ہے، شہزادہ خلیل"۔ خانزادہ نے جلدی سے پوچھا۔

"جی شہزادی عالم۔ خواجہ سرا یہی پیغام لایا ہے"۔

"اے خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے"۔ خانزادہ نے سر اٹھا کر بڑی حسرت سے کہا۔

وہ اس وقت بہت خوش تھی۔ اسے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ شہزادہ خلیل اور شادی ملک کہیں ایک ساتھ چھپے ہیں۔ اگر دونوں کو تلاش کر لیا گیا تو تیموری شہزادہ یہ برداشت نہ کر سکے گا کہ اس کے سامنے اس کی محبوبہ کو گرفتار کر لیا جائے۔ وہ ضرور مزاحمت کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی قتل ہو جائیں۔

خانزادہ "بیٹے کو اندر طلب کرنے کے بجائے خود ہی چل پڑی۔ خانزادہ کو اس شہزادے سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ خوشی کے مارے اس کے قدم تیز تیز اٹھ رہے تھے۔ دوسری راہداری میں پہنچ کر خانزادہ کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ رک گئی۔ اس کی تمام مسرت ختم ہو گئی اور چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس کے آگے آگے خواجہ سرا چل رہا تھا۔ شہزادی کو رکتا دیکھ کر وہ بھی کھڑا ہو گیا اور واپس آ کے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

خانزادہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا:

"شہزادہ اکیلا ہے یا اس کے ساتھ....."

"غلام کو تو پہرے دار نے شہزادے کے آنے کی اطلاع دی تھی"۔ خواجہ سرا نے ادب سے جواب دیا:

"اگر حکم ہو تو صدر دروازے پر جا کر معلوم کروں"۔

"ہاں۔ یہ بہتر ہے۔ ہم یہیں ٹھہریں گے۔ معلوم کرو کہ شہزادہ اکیلا ہے یا اس کے ساتھ شادی ملک بھی ہے"۔

خانزادہ کا حکم پا کر خواجہ سرا واپس ہوا۔ خانزادہ نے اسے روک کر کہا:

"شہزادے بہادر تنہا ہوں تو انہیں اپنے ساتھ لے آنا"۔

خواجہ سرا نے دروازے پر پہنچ کر شہزادے کو سلام کیا اور نرمی سے پوچھا:

"شہزادے بہادر۔ آپ تنہا تشریف لائے ہیں؟"

"ہاں"۔ شہزادے نے مختصر سا جواب دیا پھر فوراً ہی سوال کیا:

"کیا امی حضور مجھ سے ملاقات نہیں کرنا چاہتیں؟"

"جی نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے"۔ خواجہ سرا نے فوراً کہا:

"تشریف لائیے۔ وہ آپ کی منتظر ہیں"۔

شہزادہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

خانزادہ راہداری میں کھڑی تھی۔ شہزادے کو خواجہ سرا کے ساتھ آتے دیکھا تو فوراً آگے بڑھی اور شہزادے کو گلے سے لگا لیا۔ پھر اسے ساتھ لیے ہوئے خواب گاہ میں آئی۔ اس نے خواب گاہ میں آتے ہی مسیح کنیز کو حکم دیا:

"جب تک ہم گفتگو کر رہے ہیں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے خواہ وہ سرائے خانم ہی کے آدمی کیوں نہ ہوں"۔

کنیز نے حیرت اور خوف سے خانزادہ کو دیکھا۔ پھر باہر چلی گئی۔ خانزادہ نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"اب بتاؤ شہزادے! تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" خانزادہ نے محبت سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں امی حضور"۔ شہزادہ پریشان لہجے میں بولا:

"میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ جس کے یہاں ٹھہرتا ہوں فوراً مخبری ہو جاتی ہے اور مجھے جگہ بدلنی پڑتی ہے"۔

"بچپن کی بعض نادانیاں بڑی خطرناک صورت پیدا کر دیتی ہیں شہزادے"۔ خانزادہ نے محبت سے سرزنش کی:

"ہمارا خیال تھا تم اس وقت تک سمرقند سے نکل چکے ہو گے"۔

"نہیں امی حضور"۔ شہزادے نے مایوسی سے کہا:

"ہر طرف جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل سے آپ تک پہنچا ہوں"۔

"یہ بھی تم نے غلط قدم اٹھایا ہے خلیل"۔ خانزادہ نے کہا:

"تم اکیلے تھے اس لیے یہاں تک پہنچ گئے۔ واپسی پر تمہارا تعاقب بھی کیا جا سکتا ہے اور جاسوس تمہاری پناہ گاہ تک پہنچ سکتے ہیں"۔

"پھر میں کیا کروں امی حضور"۔ شہزادہ خلیل دل گرفتگی سے بولا:

"کیا میں اپنی ماں سے بھی نہیں مل سکتا؟"

"تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تمہارے لیے صاحبقران نے کوئی حکم نہیں دیا لیکن....." خانزادہ نے بات ادھوری چھوڑ کر شہزادے کی طرف دیکھا۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں امی حضور"۔ شہزادے نے ماں کو تیز نظروں سے دیکھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھ پر پابندی نہیں لیکن شادی ملک کے خون کے سب پیاسے ہو رہے ہیں۔"

"تم اسے بچا نہیں سکتے خلیل۔" خانزادہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں اسے بچاؤں گا امی حضور۔" شہزادے نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا:

"شادی ملک اب خلیل سے الگ نہیں۔ وہ میری بیوی ہے۔ میں نے اس سے نکاح کر لیا ہے۔"

خانزادہ نے گھبرا کر شہزادے کو دیکھا:

"یہ..... یہ کیا کیا شہزادے تم نے۔ صاحبقراں کی اجازت کے بغیر تم شادی نہیں کر سکتے۔"

"یہ میرا شرعی حق ہے امی حضور۔" شہزادہ استقلال سے بولا:

"دادا امیر دنیا کے حاکم ہیں۔ وہ دین کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔"

"میرے بیٹے۔ میرے بچے۔" خانزادہ نے ٹھنڈی سانس لی:

"تم ابھی نادان ہو۔ یہ راج نیتی ہے۔ سلطنت کا اصول ہے۔ شہزادوں کی شادیاں شاہِ وقت کے حکم سے ہوتی ہیں۔ ہم سب اس کے پابند ہیں۔"

"امی حضور۔ میں تو آپ کے پاس بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔ کیا آپ بھی مجھے ناامید کر دیں گی؟"

"شہزادے۔ ہماری مجبوریوں کو سمجھو۔" خانزادہ غمگین لہجے میں بولی:

"صاحبقراں کی مہربانی سے ہمیں یہ محل اور مراعات ملی ہوئی ہیں۔ کیا تم ہمیں اس سے محروم کرنا چاہتے ہو؟"

"ٹھیک ہے امی حضور۔" شہزادہ جھلا کر کھڑا ہو گیا:

"آپ اس محل اور شاہی ٹھاٹ باٹ کو گلے سے لگائے رکھیے۔ میں شادی ملک کو قتل نہیں ہونے دوں گا۔ میں صاحبقراں سے بغاوت کروں گا۔ وہ میرے حاکم ہیں میرے دل کے مالک ہرگز نہیں۔"

"ٹھہرو شہزادے۔" خانزادہ کا دل لرز گیا، آنکھیں بھر آئیں:

"ہم یہ تمام چیزیں تم پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ بتاؤ ہم تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

شہزادہ پھر بیٹھ گیا۔ بولا:

"امی حضور۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ صاحبقراں سے میری سفارش کریں۔ ان سے کہیں کہ خلیل نے شادی کر لی ہے۔ اب شادی ملک کو معاف کر دیا جائے۔"

"خلیل۔ ذرا سوچو تو بیٹے!" خانزادہ تحمل سے بولی:

"صاحبقراں یہاں سے ہزاروں میل دور ہیں۔ شادی ملک کے قتل کا حکم ملکہ سرائے خانم کو مل چکا ہے۔ شادی ملک کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ ہم اپنی درخواست صاحبقراں کو بھیجیں گے۔ وہاں سے کب اور کیا جواب آئے گا اس کے

بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ کیا اتنے طویل عرصے تک تم شادی ملک کو جاسوسوں کی نظروں سے چھپائے رکھ سکتے ہو؟"

یہ بات شاید شہزادے نے سوچی ہی نہ تھی۔ خانزادہ نے بڑے قاعدے کی بات کی تھی۔ اگر صاحبقراں یہاں موجود ہوتے تو پھر بھی یہ امید کی جا سکتی تھی کہ خانزادہ کی درخواست شاید تسلیم کر لی جاتی۔

شہزادہ مایوسی کے عالم میں بولا:

"امی حضور۔ کیا اب کچھ نہیں ہو سکتا ملکہ سرائے خانم سے آپ سفارش نہیں کر سکتیں؟"

"خلیل! تم بالکل عقل سے کام نہیں لے رہے۔" خانزادہ نے سمجھاتے ہوئے کہا:

"سرائے خانم اور ہمارے درمیان اختلافات کی جو خلیج حائل ہے اسے کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ فرض کرو ہم بے غیرت بن کے ان کے پاس جاتے ہیں تو سب سے پہلے ہم اور تم حکومت کے مجرم قرار دیے جائیں گے۔ کیونکہ ہماری سفارش کا صاف مطلب ہو گا کہ شادی ملک کو ہم نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ ایسی صورت میں ہماری سفارش پر فیصلہ تو بعد میں ہو گا، سرائے خانم ہمیں اعانتِ جرم میں فوراً گرفتار کرا سکتی ہیں اور پھر تمہیں شادی ملک کو بھی ان کے حوالے کرنا پڑے گا۔"

شہزادہ خلیل سخت پریشان تھا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شادی ملک کو کس طرح بچائے۔ اس نے اب شادی ملک سے نکاح بھی کر لیا تھا۔ نکاح کے لیے تو وہ پہلے ہی سے آمادہ تھا۔ شادی ملک بھی اس سے شادی کے لیے تیار تھی لیکن اس نے دھوم دھام سے شادی کی شرط لگا رکھی تھی۔ اب جو اس کے قتل کا حکم ہوا تو بہت ممکن ہے اس نے اپنا مقدمہ مضبوط کرنے کے لیے شہزادے سے فوراً نکاح کر لیا ہو۔

اولاد کو پریشان دیکھ کر ماں کا دل یونہی کڑھتا ہے۔ خلیل تو خانزادہ کا چہیتا بیٹا تھا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر خانزادہ الجھ کٹا جا رہا تھا۔ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے کہا:

"خلیل۔ صرف ایک صورت ہے جس سے شادی ملک کی جان بچ سکتی ہے۔"

شہزادے نے چونک کر ماں کو دیکھا اور بے تابی سے پوچھا:

"وہ کیا امی حضور۔ کیا صورت ہے؟"

"شہزادے۔ یہ بات توجہ سے سنو۔" خانزادہ بڑے وقار سے بولی:

"اس وقت ملک تاتار میں امیر تیمور کے بعد سب سے زیادہ صاحبِ اقتدار ہستی ملکۂ عالم سرائے خانم کی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے امی حضور۔" شہزادے خلیل نے دخل دیا۔

"بات پوری ہونے دو شہزادے۔" خانزادہ نے اسے تنبیہ کی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"صاحبقراں امیر تیمور کے حکم کو اگر کوئی روک سکتا ہے تو وہ صرف سرائے خانم ہے۔ اگر تم سرائے خانم....."

"ای حضور۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔" شہزادے نے پھر بے صبری دکھائی:

"سرائے خانم اور آپ کے درمیان اختلاف کی خلیج موجود ہے۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ سرائے خانم کو جس قدر آپ سے نفرت ہے اتنا ہی وہ مجھے بھی ناپسند کرتی ہیں۔ انہوں نے شادی ملک کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ اب آپ اس سے کیا امید باندھ سکتی ہیں؟"

خانزادہ کو شہزادے کے بار بار دخل دینے پر غصہ آرہا تھا۔ پھر بھی اس نے تحمل سے کام لیا۔ نرمی سے بولی:

"شہزادے۔ ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ صرف سرائے خانم ہی تمہاری بیوی کو قتل ہونے سے بچا سکتی ہے۔"

"وہ کس طرح ای حضور۔"

"تم بہت سے کام لو اور شادی ملک کو سرائے خانم کے حوالے کر دو۔"

"ای حضور۔" شہزادہ غصے سے کھڑا ہو گیا:

"میں آپ کے پاس اپنے غم کا علاج ڈھونڈنے آیا تھا اور آپ مجھے مشورہ دے رہی ہیں کہ بلیغر کو قصائی کے حوالے کر دوں۔ آپ کی منطق میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"شہزادے۔ تم سرائے خانم کی فطرت سے واقف نہیں۔" خانزادہ نے پھر سمجھانا شروع کیا:

"سرائے خانم ملکِ تاتار کی ملکہ ہونے کے باوجود عورت بھی ہے۔ وہ صاحبِ اولاد ہے اور کوئی صاحبِ اولاد عورت کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دے سکتی۔ خواہ وہ تمہاری ماں خانزادہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں جانتی ہوں کہ شادی ملک تم سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ اس کو گفتگو کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ تم سے ٹکا سا کہنے کے بعد اس میں شائستگی اور رکھ رکھاؤ پیدا ہو گیا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ سرائے خانم کو ضرور قائل کر لے گی۔ بشرطیکہ تم اسے سرائے خانم کا سامنا کرنے کی اجازت دو۔"

"مگر ای حضور..... یہ کیسے..... یہ کیسے....." شہزادے کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"شہزادے۔ تمہیں یہ خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا۔" خانزادہ نے زور دے کر کہا:

"شادی ملک کو آج نہیں تو کل گرفتار ہو کر قتل ہو جانا ہے۔ گرفتاری کے بعد اس کی داد فریاد کوئی نہیں سنے گا۔ ہاں اگر وہ خود سرائے خانم کے حضور پیش ہو جائے تو کیا عجب کہ اس کے قتل کا حکم رک جائے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے خلیل۔ تم شادی ملک سے بات کر کے دیکھو۔"

شہزادے کو ماں کی کوئی اور بات تو اچھی نہ لگی لیکن خانزادہ کا آخری جملہ اس پر اثر کر گیا۔ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے۔" شہزادہ اس پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ذرا دیر سوچنے کے بعد بولا:

"ای حضور۔ فرض کیجیے کہ شادی ملک وہاں جانے کے لیے آمادہ ہو گئی تو اسے جاسوسوں سے کیسے بچایا جائے گا۔ وہ تو راستے ہی میں گرفتار کر لی جائے گی۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ شادی ملک کو مکہ کے محل تک پہنچانے کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں۔" خانزادہ نے یقین کا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے ای حضور۔ میں شادی ملک کو آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا۔" شہزادے نے بڑے کرب سے کہا۔

خانزادہ مسکرائی۔ شہزادہ کو اس کی مسکراہٹ ناگوار گزری۔ اس نے ماں کو تیز نظروں سے دیکھا:

خانزادہ نے کہا:

"شہزادے۔ تمہیں ہماری مسکراہٹ بری لگی لیکن یہ مسکراہٹ دراصل ہماری کامیابی کا پیمانہ ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ تم کسی طرح شادی ملک کو سرائے خانم کے سامنے پیش کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ تم نے اپنی رضامندی کا اظہار کر کے ہمارا کام آسان کر دیا۔ خوش ہو جاؤ کہ شادی ملک کی جان بخشی ہو جائے گی۔"

شہزادے نے حیرت سے خانزادہ کو دیکھا:

"ای حضور۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

"ممکن نہیں بلکہ یقینی ہے۔" خانزادہ نے صاف لہجے میں کہا۔

پھر وہ دیر تک شہزادہ خلیل سے سرگوشیوں میں باتیں کرتی رہی اور جب شہزادہ واپس ہوا تو بہت مطمئن نظر آرہا تھا۔

○

باوقار اور صاحبِ اقتدار ملکہ سرائے خانم اپنے محل میں کچھ افسردہ بیٹھی تھی۔ شادی ملک کے گرفتار ہونے سے وہ پریشان تھی۔ حالانکہ سمرقند کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جہاں اسے تلاش نہ کیا گیا ہو۔ شہزادے خلیل کے غائب ہو جانے سے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ شادی ملک اور شہزادہ دونوں سمرقند میں کسی جگہ پوشیدہ ہیں یا پھر وہ فرار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ملکہ کو خانزادہ پر بھی شبہ تھا لیکن اس کے محل کی جس طرح مکمل طور پر تلاشی ہو چکی تھی۔ دربانوں سے لے کر امیر تک امراء کے محلات تک جاسوسوں اور کوتوال کے چھاپہ مار دستوں کی زد میں آ چکے تھے۔ اس سلسلے میں کئی جگہ کچھ ناخوش گوار صورت بھی پیدا ہوئی اور امراء نے زنان خانے کی تلاشی کی مخالفت کی تھی لیکن صاحبقران کے حکم کی بجاآوری بہرصورت ضروری تھی۔ بظاہر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی تھی جہاں ان دونوں کے چھپنے کا امکان ہو۔

سرائے خانم اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھی کہ اس کی کنیز خاص نے حاضر ہو کر اطلاع دی:

"ایک خاتون قدمبوسی کی متمنی ہے۔"

"خاتون۔۔۔۔!" ملکہ چونکی: "لباس اور بشرے سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟"

"خاتون سرتاپا خود کو چادر اور نقاب میں پوشیدہ کیے ہوئے ہے۔" کنیز نے کہا:

"پیر میں نگینے دار جوتیاں ہیں اور نگینے شاید سچے ہیں۔ ایک ہاتھ پر سفید ریشمی دستانہ چڑھا ہے جس سے وہ نقاب کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔"

"دوسرا ہاتھ تو کھلا ہوگا۔ کوئی زیور نظر آیا؟" ملکہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دوسرا ہاتھ۔۔۔۔" کنیز ہچکچانے لگی۔ چند لمحوں بعد اس نے کہا:

"دوسرے ہاتھ کی تو میں صرف ایک جھلک ہی دیکھ سکی۔ ایک پہرے دار قریب سے گزرا تو اس نے گھبرا کر دوسرے ہاتھ سے بھی نقاب پکڑ لیا۔ شاید جڑاؤ کنگن تھا ہاتھ میں۔"

"آواز سے کیا اندازہ لگایا تم نے؟"

"نرم۔ سریلی مگر خوف میں ڈوبی ہوئی۔"

"جاؤ۔ اسے عزت سے لاؤ۔" سرائے خانم نے مسند پر پہلو بدلا:

"وہ شہزادی خانزادہ کے بدقسمت بیٹے شہزادہ خلیل کی خوبصورت محبوبہ شادی ملک ہے۔"

"شادی ملک۔" کنیز کا منہ کھل گیا:

"وہی شادی ملک جس کے قتل کا حکم صاحبقران نے دیا ہے۔"

"ہاں ہاں وہی۔ وہ اپنے پیروں سے آئی ہے اس لیے اسے عزت سے پیش کیا جائے۔"

کنیز باہر گئی اور شادی ملک کو ساتھ لے کر آ گئی۔ شادی ملک اب تک خود کو پوشیدہ کیے ہوئے تھی۔

"شادی ملک! نقاب اٹھا دو۔" سرائے خانم نے لہجے کو نرم کرتے ہوئے حکم دیا۔

شادی ملک کا پورا جسم کانپ گیا اور وہ جس ہاتھ سے نقاب پکڑے ہوئے تھی وہ لرز کر نیچے آ گیا۔

"نقاب الٹ دو شادی ملک۔" ملکہ کی آواز میں ذرا سختی پیدا ہوئی۔

شادی ملک اپنی خیرت پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے نقاب الٹ دیا۔ جسم سے چادر علیحدہ کی اور "ملکۂ عالم" سرائے خانم کے سامنے سربسجود ہو گئی۔

"شادی ملک! حاکم وقت کی تکریم لازم ہے سجدہ ہرگز نہیں۔" سرائے خانم کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ شادی ملک ٹکر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"ہماری طرف دیکھو۔" ملکہ نے کہا۔

شادی ملک نے نظریں اٹھائیں۔ غزالی آنکھوں سے سرمے میں غلطیدہ آنسو، رخساروں پر ہلکی سیاہ لکیریں بنا رہے تھے۔ سنبلی انگلیوں پر مہندی کی گہری سرخی لرزاں تھی۔ شادی ملک کا مرمریں پیکر اپسراؤں کی مات کر وہ ایرانی حسن کا بہترین نمونہ تھی۔

ملکہ سرائے خانم پورے شاہانہ وقار کے ساتھ مسند پر بیٹھی تھی۔ شادی ملک نے آنکھیں چار کیں۔

"کیا نظر آ رہا ہے تمہیں؟" ملکہ نے پُررعب لہجے میں پوچھا۔

"ملکۂ عالم کے چہرے سے تیموری جلال ٹپک رہا ہے۔"

"کیا ہمارے ہونٹوں پر تمہیں اپنی موت منڈلاتی نظر نہیں آتی؟"

"تیموری جلال کے پس منظر میں ملکۂ عالم کا پچاس سالہ جمال بھی جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔" شادی ملک نے دوسرا سوال نظر انداز کر دیا۔

"چالاک بننے کی کوشش مت کرو لڑکی۔" ملکہ کا لہجہ تلخ ہو گیا:

"جوانی اندھی ہوتی ہے۔ تم نے دیکھ کے قدم کیوں نہیں اٹھایا؟"

"ملکۂ عالم۔ جوانی کے اندھا ہونے میں ممکن ہے کہ شبہ کیا جا سکے لیکن۔۔۔۔" شادی ملک نے رک کر ملکہ کو دیکھا۔

سرائے خانم نے تمام کنیزوں کو باہر جانے کا حکم دیا۔ پھر بولی:

"اپنی صفائی میں جو کہنا چاہتی ہو کہہ ڈالو۔ جب تک تم اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال لو گی ہم تمہارے قتل کا حکم نہ دیں گے۔"

شادی ملک سنبھل کے بولی:

"ملکۂ عالم! جوانی آفتِ جانی اور محبت ازلی اور ابدی ہے۔ اگر جذبات کا تعلق صرف جوانی سے ہوتا تو آج حسین و جہ تشریف فرما ہیں اس پر کوئی چودہ سالہ نوخیز لڑکی کا قبضہ ہوتا۔ صاحبقران کو کیا ضرورت تھی کہ وہ آپ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ مرتبہ عطا کرتے۔ یہ تو محبت کی کرشمہ سازی ہے ملکۂ عالم! اگر مجھے جوانی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے تو میں شہزادے کے محل میں دوسری کنیزوں کی طرح عیش و عشرت سے یہ مختصر زمانہ گزار سکتی تھی۔ مجھے کیا ضرورت تھی میں صاحبقراں کے عتاب کو للکارتی اور آقا آپ کی پناہ میں آنے کی درخواست کرتی۔"

سراٹے خانم پر شادی ملک کی باتوں کا بہت اثر ہوا۔ اس نے کہا:

"شادی ملک! تم حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے بھی آراستہ ہو۔ کاش ہم تمہیں پناہ دے سکتے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ صاحبقراں نے ہمارے ہاتھ میں حکم کی تلوار دی ہے اور حکم ہے تمہارے قتل کا۔"

"ملکۂ عالم! آپ ذی وقار اور صاحب اقتدار ہیں۔" شادی ملک بڑے استقلال سے بول رہی تھی:

"جو ہستی جلاد کو تلوار اٹھانے کا حکم دے سکتی ہے کیا اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ جلاد کو حکم دے کہ تلوار نیام میں کر لے۔"

شادی ملک نے ٹھہر کر بڑی امید سے سراٹے خانم کو دیکھا۔

"شادی ملک!" ملکہ سر اٹھا کر بولی:

"زخم طلبی کا یہ انداز پرانا ہے مستحسن ہے لیکن تلوار کا کام زخم لگانا ہے زخم مندمل کرنا نہیں۔"

"ٹھیک ہے ملکۂ عالم۔" شادی ملک لاپروائی سے بولی:

"آپ مجھے قتل کرا دیجیے لیکن تاریخ آپ کو معاف نہ کر سکے گی۔ کل کا مورخ یہی کہے گا کہ سراٹے خانم نے شادی ملک کو محض اس وجہ سے تہ تیغ کرا دیا کیونکہ وہ شہزادی خانزادہ کی بہو تھی۔ آپ اور خانزادہ کے اخلاق کو پورا ملک تار تار جانتا ہے۔"

"خاموش لڑکی۔ تو ہم پر الزام لگا رہی ہے۔" سراٹے خانم گڑبڑا گئی:

"یہ صاحبقراں کا حکم ہے۔ اس میں کسی کی دشمنی یا محبت کا کوئی دخل نہیں۔"

"ملکۂ عالم!" شادی ملک نے پوری جرأت سے کہا:

"اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہیے اگر صاحبقراں یہ فرمان بھیجتے کہ آپ کے بیٹے شاہ رخ کی بیوی کا سر قلم کر دیا جائے تو کیا آپ اس حکم کی تعمیل بھی اسی طرح کرتیں؟"

"لیکن..... لیکن.....۔" سراٹے خانم پریشان ہو گئی:

"لیکن بیوی اور کنیز میں بڑا فرق ہے لڑکی۔ تو محض ایک کنیز ہے اور ایک تیموری شہزادے سے شادی کے مراعات حاصل کرنا چاہتی ہے۔"

"معاف کیجیے ملکۂ عالم۔" شادی ملک مستقل مزاجی سے بولی:

"میں آپ کو صاحب اقتدار سمجھ کر آپ کی پناہ میں آنا چاہتی تھی تاکہ آپ انصاف کریں اور میرا حق مجھے دلائیں۔ آپ تو مجھ غریب سے وہ بھی چھین لینا چاہتی ہیں جو مجھے حاصل ہو چکا ہے۔"

"لڑکی۔ زبان روک کر بات کرو۔" ملکہ کو غصہ آ گیا:

"ہم نے نہ تجھے کچھ دیا ہے اور نہ چھین رہے ہیں۔ ہم صاحبقراں کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ اگر شاہ رخ کی غلطی کرتا تو اسے بھی معاف نہ کیا جاتا۔ تجھے اگر کسی رعایت کی خواہش تھی تو ہمارے محل میں آنے کے بجائے کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

"میں اسی در کی دھتکاری ہوئی آپ کے پاس آئی ہوں۔" شادی ملک بے خوفی سے بولی:

"تو..... تو کیا تو خانزادہ کے پاس گئی تھی؟" سراٹے خانم نے حیران ہو کے پوچھا۔

"جی ہاں ملکۂ عالم۔ مجھے پہلے انہی سے فریاد کرنا تھی۔"

"کیا جواب دیا شہزادی نے؟" سراٹے خانم نے دلچسپی سے پوچھا۔

"شہزادی خانزادہ نے فرمایا کہ اے شادی ملک!" شادی ملک نے ملکہ سے آنکھیں ملا کے کہا:

"انہوں نے کہا کہ میں تجھے اپنی بہو تسلیم کرتی ہوں لیکن تیری فریاد نہیں سن سکتی۔ تو ملکۂ عالم کے پاس جا کر اپنا پیش کر۔ وہ چاہیں تو صاحبقراں کا حکم تعطل میں ڈال سکتا ہے۔"

سراٹے خانم کو خانزادہ پر جو غصہ آیا تھا وہ کم ہونے لگا۔ ذرا سوچنے کے بعد بولی:

"شادی ملک تیرا کوئی مقدمہ نہیں۔ صاحبقراں کی نظروں میں تو مجرم ہے اور تیرا قتل ضروری ہے۔ ہم اس سلسلے نہیں کر سکتے۔"

"ملکۂ عالم! صاحبقراں نے ایرانی کنیز شادی ملک کے قتل کا حکم دیا ہے۔" شادی ملک بلا جھجک بولی:

"صاحبقراں نے یہ حکم کب دیا ہے کہ شہزادے خلیل کی بیوی کو قتل کر دیا جائے۔ میں ایرانی کنیز نہیں بلکہ خلیل کی منکوحہ ہوں۔ میں شرعی حیثیت سے ان کی بیوی ہوں اور مجھے وہی مراعات حاصل ہیں جو دوسری بیویوں کی بیگمات کو حاصل ہیں۔ میرا قتل ایک کنیز کا قتل نہیں بلکہ تیموری خاندان کے شہزادے خلیل سلطان کی قتل ہو گا۔"

سراٹے خانم اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی:

"شادی ملک۔ کیا تو نے شہزادے سے عقد کر لیا ہے؟"

"جی ہاں ملکۂ عالم۔ ہم دونوں نے اپنی رضامندی سے نکاح پڑھوایا ہے۔"

"یہ سب کچھ کب ہوا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ملکۂ عالم جس وقت قاصد میرے قتل کا پیغام لے کر سمرقند میں داخل ہوا اس وقت میرا نکاح پڑھایا جا رہا تھا۔" شادی ملک نے بتایا۔

"لیکن تم نے یہ نکاح صاحبقراں کی اجازت کے بغیر کیا ہے۔ اسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔" سرائے خانم غصے سے بولی:

"تم نے اپنا مقدمہ مضبوط کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے ملکۂ عالم۔ میں مجرم ہوں۔" شادی ملک لاپروائی سے بولی:

"میں ایک ایرانی کنیز تھی اس لیے شہزادہ خلیل سے شادی کرنے کے بعد بھی آپ کے خیال میں کنیز ہی رہی۔ صاحبقراں نے صرف ایک قتل کا حکم دیا ہے آپ دوسرا قتل....."

"کیا..... کیا یہ ٹھیک ہے؟" سرائے عالم گھبرا کے کھڑی ہو گئی۔

"اگر آپ حکم دیں تو ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔"

شادی ملک کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ سرائے خانم کو شادی ملک کے قتل کا حکم دیا گیا تھا لیکن شادی ملک اب ایرانی کنیز نہیں بلکہ تیموری خون کی وقار کی امانت دار بن گئی تھی۔

"شادی ملک! اگر یہ سچ ہے تو ہم کیا اب تمہیں شاید صاحبقراں بھی قتل نہ کرا سکیں۔" ملکہ سرائے خانم نے تالی بجا کر کنیز کو بلایا۔

"داروغۂ محلات کو فرمان پہنچایا جائے۔" سرائے خانم نے کہنا شروع کیا:

"شادی ملک کے لیے ایک محل، ایک سو کنیزیں، پچیس خواجہ سرا، پہرے دار، محافظ غرضیکہ وہ تمام انتظامات کیے جائیں جو ایک شاہی خاندان کی بیگم کے لیے ہوتے ہیں۔ ہم شادی ملک کو شاہی خاندان میں شامل کیے جانے کا فرمان جاری کرتے ہیں۔ شادی ملک کو تمام مراعات حاصل ہوں گی لیکن شہزادے خلیل کو ان سے ملاقات یا گفتگو کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ اگر اس میں کوتاہی برتی گئی تو خطاکار کو سخت سزا دی جائے گی یہ فرمان تمام متعلقہ لوگوں تک فوراً پہنچایا جائے۔"

شادی ملک کا جی چاہا کہ وہ اظہارِ تشکر کے لیے ملکہ کے قدموں پر گر پڑے۔ شاید وہ اسی خیال سے آگے بڑھی تھی لیکن سرائے خانم نے اسے اشارے سے روک دیا:

"شادی ملک! جب تک تمہارا محل آراستہ نہیں ہوتا تم ہمارے ساتھ ٹھہرو گی۔" سرائے خانم کا لہجہ مشفقانہ ہو گیا تھا۔

"ملکۂ عالم۔ میں کن الفاظ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" شادی ملک بڑی لجاجت سے بولی۔

"شادی ملک۔" ملکہ مسکرائی:

"ہماری ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ تمہیں قتل کیا جائے لیکن صاحبقراں کے حکم کے تحت ہم اس ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ دنیا کا کوئی قبیلہ، خاندان یا شہنشاہ نہیں چاہتا کہ اس کے جوانوں کی شادیاں غیروں میں ہوں۔ اس وجہ سے صاحبقراں تمہاری شادی کے سلسلے میں تذبذب میں تھے لیکن اب صورتِ حال یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔ تمہاری شادی تو غیر قانونی قرار دی جا سکتی تھی لیکن تیموری نسل کو ختم کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا صاحبقراں کی برِ صغیر سے واپسی تک تم شاہی مہمان کی طرح رہو گی اور جب وہ تشریف لے آئیں گے ہم تمہارا مقدمہ ان کے سامنے پیش کریں گے۔ اطمینان رکھو ہماری تمام ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔"

سرائے خانم کا حکم صاحبقراں کے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ سرائے خانم کی کنیز نے داروغۂ محلات کو فرمان پہنچایا۔ اور اس پر فوری عملدرآمد شروع ہو گیا۔ ابھی شادی ملک، ملکہ کا شکریہ ہی ادا کر رہی تھی کہ ایک درجن سے زیادہ کنیزیں اسے لینے کے لیے ملکہ کے محل میں پہنچ گئیں۔

شادی ملک ایک فریادی کی حیثیت سے منہ چھپائے پا پیادہ شاہی محل تک آئی تھی لیکن جب وہ وہاں سے اپنے محل کو روانہ ہوئی تو کنیزوں اور خواجہ سراؤں کی ایک مختصر سی فوج اسے اپنے جلو میں لیے ہوئے تھی۔

شادی ملک کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ اس کے محل میں پہنچایا گیا۔ اسے وہاں دنیا کی ہر آسائش میسر تھی سوائے شہزادے خلیل کی رفاقت کے۔ مسلح پہرے داروں نے شادی ملک کے محل کو پوری طرح گھیر رکھا تھا اور شہزادے کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ شادی ملک کے محل کا رخ نہ کرے۔ شہزادے کو اس کا کوئی غم نہیں تھا۔ وہ تو مسرت سے پھولے نہ سماتا تھا۔ شادی ملک کی جان بچ گئی تھی اس کے لیے یہی سب کچھ تھا۔

شہزادے کی والدہ خانزادہ دن میں ایک بار شادی ملک کے پاس ضرور جاتی تھی۔ شادی ملک اس کی بھی بہت احسانمند تھی کیونکہ یہ ترکیب اسی کی ذہانت کا نتیجہ تھی۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا کہ شہزادے اور شادی ملک نے ریگستان سے نکلتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ سمرقند کی ایک غیر معروف مسجد میں پہنچ کر نکاح پڑھوا لیا تھا۔ دوسری بات کے متعلق کوئی بات قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی تھی کیونکہ ایسا کوئی طریقہ اس وقت موجود نہ تھا جس سے شادی ملک کے دعوے کو غلط ثابت کیا جا سکے۔

○

سمرقند کا پورا شہر ایک مضبوط قلعہ تھا لیکن شہر کے اندر ایک پہاڑی پر ایک اور قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاتاری بیگمات کے محل تھے جہاں وہ اپنے اپنے دربار لگاتی تھیں۔ اس قلعے کو جانے والے تمام راستوں پر مسلح تاتاری سوار پہرہ دیتے تھے۔ ہر محل کے ساتھ ایک خانہ باغ تھا۔

ان محلات میں سب سے زیادہ آراستہ اور شاندار محل مکہ سرائے خانم کا تھا۔ اس محل کا خانہ باغ بھی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ وسیع، عریض اور دلکش تھا۔ اس میں لالہ و گلاب کی بے شمار کیاریاں تھیں جو دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی باغ میں ایک باردری ہے جس کی چھت گنبد نما طرز کی ہے۔ یعنی نیچے سے گول اور اوپر سے نوک دار۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کے لیے محرابی دروازے ہیں جن پر سرخ ریشم کے پردے پڑے ہیں۔ چھت اور دیواروں پر چاندی کے پھر چڑھے ہیں جن پر سونے کا ملمع ایسی صنعت کاری سے کیا گیا ہے کہ بالکل سونا نظر آتا ہے۔ ان پر موتیوں سے پھول بنائے گئے ہیں۔ موتیوں کی جھالریں جب ہوا سے ہلتی ہیں تو موتیوں کے یہ پھول عجب بہار دکھاتے ہیں۔

آج اس باغ اور بارہ دری میں بڑی رونق ہے۔ مکہ سرائے خانم نے دربارِ خاص کا حکم دیا ہے۔ امیر و وزیر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ شامیانوں کے اندر بخارا اور فرغانہ کے بیش قیمت قالینوں کا فرش ہے اور بیٹھنے کے لیے دیوان رکھے ہیں۔ ہر شامیانے میں ایک خالص سونے کی ڈبیا رکھی ہے جس پر عطر کی شیشیاں قرینے سے سجائی گئی ہیں اس کے ساتھ ساتھ بلوریں صراحیاں رکھی ہیں جن میں قسم قسم کے مشروب بھرے ہیں۔ ان صراحیوں پر لعل، زمرد اور فیروزے جڑے ہیں۔ دربار میں تمام بڑے بڑے سرداروں کو بلایا گیا ہے۔ . . . . مویدارلات اور سردار سیقالہ بھی موجود ہیں اور ایک شامیانے میں بیٹھے نیچی آواز میں گفتگو کر رہے ہیں۔

یکایک چوبدار اعلان کرتا ہے کہ مکہ عالم سرائے خانم تشریف لانے والی ہیں اس لیے تمام مہمان بارہ دری میں اپنی اپنی جگہ پر آ کے بیٹھ جائیں۔

اعلان سن کر لوگ بارہ دری کی طرف بڑھتے ہیں۔ دھوپ روکنے کے لیے بارہ دری کے چاروں طرف قناتیں لگائی گئی ہیں۔ تمام لوگ بارہ دری میں پہنچ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی وقت مکہ سرائے خانم کے آنے کا اعلان ہوتا ہے۔

مکہ کی شان اور دبدبہ دیکھنے کے قابل ہے۔ آگے آگے حبشی کنیزیں، دائیں بائیں خواصیں چل رہی ہیں۔ سب کی نظریں پاس لوب سے نیچی ہیں۔ مکہ کے سر پر خود کی طرز کا تاج ہے جس میں جواہرات ٹکے ہیں اور کشیدہ کاری کی گئی ہے۔ پیشانی پر ایک سنہری حلقہ بنا ہے۔

مکہ سرائے خانم پیرانہ سالی کے باوجود تن کر چل رہی ہے۔ جواہرات جڑے اس تاج کے کنگوروں پر سفید پر لگے ہیں جو مکہ کے چہرے پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ پروں کے درمیان باریک باریک سونے کی زنجیریں ہیں،

ان میں سے شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔

سرائے خانم کی قبا کا رنگ قرمزی ہے۔ قرمز ریشم کے کیڑوں کی طرح ایک کیڑا ہوتا ہے۔ ترکستان میں اس کیڑا سب سے پہلے تیار کیا گیا تھا اور اس کا نام اس کیڑے کے نام پر قرمزی رکھا گیا۔ قبا کے حاشیوں پر طلائی بانی کام کیا ہوا ہے۔ قبا کے دامن کو پندرہ کنیزیں سنبھالے ہوئے پیچھے پیچھے چل رہی ہیں۔ مکہ کے بال کھلے اور شانوں پر بکھرے ہیں۔ رخساروں پر غازہ ملا ہے اور چہرے پر باریک ریشم کی نقاب ہے۔

مکہ کے داخلے پر تمام امیروں نے انہیں تعظیم پیش کی۔ مکہ سرائے خانم نے ہاتھ کے اشارے سے ان کا سلام لیا کیا اور پھر ایک زرنگار مسند پر بیٹھ گئی۔

چند ہی لمحوں کے بعد ایک اور مکہ کنیزوں کے جلو میں داخل ہوئی۔ یہ عمر میں سرائے خانم سے کم ہے اور رعب و دبدبہ بھی اس کا کم ہے لیکن چہرے سے متانت اور سنجیدگی ٹپکتی ہے۔ اس نے سرائے خانم کو ادب سے سلام کیا مکہ نے دوسری مسند کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اس کا رنگ گندمی اور آنکھیں ترچھی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مغل نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ دراصل تیمور کی نئی بیوی مغل سردار منگلی خان کی بیٹی ہیں اور سرائے خانم کے بعد ان کا درجہ ہے اور انہیں دوسری مکہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مہمانوں کی ناظر مدارات کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے دونوں مکاؤں کو سونے کی کشتیوں اور جڑاؤ باری گلاسوں میں مشروب پیش کیا گیا۔ مشروب پیش کرنے والی کنیزوں کے ہاتھوں میں سفید ریشم کے دستانے چڑھے ہیں تاکہ ننگے ہاتھ کشتیوں اور گلاسوں سے مس نہ ہوں۔ کنیزیں دوزانو ہو کر مشروب پیش کرتی ہیں۔ مکاؤں نے ذرا دو چار گھونٹ بھرتی ہیں۔ پھر گلاس واپس رکھتی ہیں۔ کنیزیں الٹے پیروں واپس جاتی ہیں۔ پھر خدمت گار بڑھتے ہیں اور امیروں کو مشروب پیش کرتے ہیں۔ مشروب پینے کے بعد وہ اپنے اپنے گلاس کشتیوں میں ایڈ کر کے اور ہا دیتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ مہمان مکہ کی مہمان نوازی کے شکر گزار ہیں۔

اب مکہ کے اشارے پر ایک کنیز حاضرین کو مطلع کرتی ہے کہ مکہ عالم کچھ ارشاد فرمانا چاہتی ہیں اس لیے تمام امرا متوجہ ہوں۔

سب لوگ گوش بر آواز ہوتے ہیں لیکن ان کی نظریں نیچی ہیں۔ سرائے خانم بڑی بارعب آواز میں ٹھہر ٹھہر کر کہتی ہے:

"اے تاتاری تخت و تاج کے جاں نثارو!

تمہیں علم ہے کہ صاحبقراں امیر تیمور گورگاں اس وقت برصغیر ہند کے جہاد میں مصروف ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے صاحبقراں نے فرمان بھیجا تھا کہ ایرانی النسل شاہی ملک کو قتل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا جائے۔ اس سلسلے میں ہم نے شادی ملک کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور گھر گھر تلاشی ہوئی چونکہ شادی ملک کا تعلق ایک تیموری شہزادے سے تھا اس لیے ہمیں امیروں اور بیگمات کے محلوں کی تلاشی کا بھی حکم جاری کرنا پڑا۔ جس سے ہمارے وفاداروں کی دل آزاری ہوئی اور بعض جگہ کچھ ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ ہم اس سلسلے میں افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ شادی ملک نے خود اپنے آپ کو تاتاری قانون کے حوالے کر دیا ہے لیکن شادی ملک کے قتل کا صاحبقرانی حکم ہماری تاتاری روایات اور خود صاحبقران کے بنائے ہوئے ایک اصول سے مقادم ہو گیا ہے جس کا فیصلہ کرنے کے ہم مجاز نہیں کیونکہ اگر ہم صاحبقران کا یہ حکم تسلیم کرتے ہوئے شادی ملک کو قتل کراتے ہیں تو ان کے حکم کی تعمیل تو ضرور ہو جاتی ہے لیکن اس طرح ہم ایک تاتاری قانون کو توڑنے کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں جس کی کم از کم سزا موت ہے۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر دو باتوں پر صاحبقران کی رائے معلوم کی جائے۔ چنانچہ شادی ملک کو زیر حراست رکھا گیا ہے اور اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ صاحبقران کی برصغیر سے واپسی پر ہو گا۔

شادی ملک کی گرفتاری کے موقع پر جو ناخوشگوار واقعات پیش آئے یا ہمارے امیروں کی دل شکنی ہوئی اس کے لیے ہم پھر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔"

مکہ سرائے خانم کے اس اعلان یا تقریر کا یہ اثر ہوا کہ امیر سیف الدین اور امیر موبد ارلات جیسے جلیل القدر امیروں کی جو توہین ہوئی تھی اس کا ازالہ ہو گیا۔ دوسری طرف بعض لوگوں کو یہ علم ہو گیا کہ شادی ملک کو ایک شاہی محل میں پوری شاہانہ مراعات کے ساتھ قید کیا گیا ہے تو ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ مکہ کی اس وضاحت نے ایسے لوگوں کا منہ بند کر دیا تھا۔

مکہ سرائے خانم نے اپنی تقریر میں امیر تیمور کے برصغیر پر حملے کو "جہاد" کا نام دیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تیمور نے جس وقت برصغیر پر حملہ کی تجویز اپنے سرداروں کے سامنے پیش کی تھی تو اس نے اس مجلس میں علماء کرام کو بلایا تھا اور یہ کہا تھا کہ وہ برصغیر پر اس وجہ سے حملہ کرنا چاہتا ہے کہ وہاں کفر و الحاد کی بیخ کنی کرے اور برصغیر کو مندروں اور بتوں سے پاک کرے۔ تاریخ یہی کہتی ہے کہ علماء نے اس کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔ بہرحال برصغیر میں جو واقعات پیش آئے وہ تو کم از کم جہاد کی نفی کرتے ہیں کیونکہ طوائف الملوکی کے اس دور میں بھی برصغیر کی سب سے بڑی حکومت، سلطنت دہلی ایک مسلمان بادشاہ محمود تغلق کے ہاتھ میں تھی اور اسی کا سکہ و خطبہ جاری تھا۔

تیمور کا پوتا پیر محمد جو جہانزادہ کا بیٹا تھا وہ اس وقت کابل کا گورنر تھا۔ تیمور نے اسے برصغیر کے حملے میں بطور ہراول دستے کے استعمال کیا۔ پیر محمد نے دریائے سندھ عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کر لیا اور تیمور کو لکھا کہ سلطنت دہلی ڈانواں ڈول ہے اور حملے کے لیے یہ وقت مناسب ہے۔

دہلی کے حالات واقعی بہت ابتر تھے۔ دہلی کی بادشاہت محمود شاہ تغلق کے ہاتھ میں تھی لیکن فیروز آباد میں فتح خان کا ایک بیٹا نصرت شاہ حکومت کر رہا تھا۔ اس طرح دہلی کی حکومت پر بیک وقت دو دو بادشاہ حکومت کر رہے تھے۔

تیمور رجب ۸۰۰ھ بمطابق مارچ ۱۳۹۸ء میں سمرقند سے روانہ ہوا اور آٹھ محرم کو کوہستانی چوٹیوں اور دشوار گزار مرحلوں کو عبور کرتا ہوا دریائے سندھ کے اس پار پہنچ گیا جس جگہ سے جلال الدین خوارزم شاہ معہ اپنے گھوڑے کے دریائے سندھ میں کود کر اس پار نکل گیا تھا اور چنگیز خان اس بہادری کی تعریف کرتے ہوئے واپس ہو گیا تھا لیکن تیمور خود کو چنگیز خان سے بڑا فاتح سمجھتا تھا۔ دریائے سندھ اس کا راستہ نہ روک سکا۔ اس نے کشتیوں کا پل بنانے کا حکم دیا اور دو دن بعد اس کا پورا لشکر اس پل سے گزر کر ملتان کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اس کے پوتے پیر محمد کا قبضہ ہو چکا تھا۔

تیموری حملے کی خبر سے پنجاب میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ دیپال پور (دیپالپور) خالی ہو چکا تھا اور لوگ بھاگ بھاگ کر بھٹنیر کے قلعے میں پناہ لے رہے تھے۔ تیمور نے بھٹنیر کے قلعے پر قبضہ کر کے لوگوں کو تہ تیغ کرا دیا۔ یہی حال فتح آباد کا ہوا۔ سرسوتی یا سرسہ کے لوگ شہر چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ غرض یہ کہ کوئی بھی تیمور کے مقابلے میں نہیں آیا اور تیمور فتح کا پرچم اڑاتا ۲۴ ربیع الاول ۸۰۱ھ کو پانی پت کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ پانی پت کے میدان میں برصغیر کی قسمت کا فیصلہ ہو گا لیکن میدان صاف تھا۔

تیمور ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد دہلی کی طرف بڑھا اور ۷ ربیع الثانی کو دہلی پہنچا جہاں تاجدار دہلی محمود شاہ تغلق اس کے مقابلے کے لیے تیار تھا۔

تیمور کے بانوے ہزار سواروں کے مقابلے پر محمود شاہ تغلق صرف بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے سکا۔ ان کے علاوہ دہلی کے لشکر میں ۱۲۰ آہن پوش ہاتھی بھی تھے جن کے اوپر ہودوں میں تیر انداز اور آگ برسانے والے آتش باز بیٹھے تھے۔

تیمور کے میمنہ پر پیر محمد اور امیر یادگار اور میسرہ سلطان حسین اور شاہ رخ مرزا کے سپرد تھا۔ تیمور خود قلب میں موجود رہا۔

سلطان دہلی کے ساتھ سوائے ملو اقبال خان کے اور کوئی نامور سردار نہ تھا۔ مقابلہ زیادہ دیر جاری نہ رہا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلطان اور ملو اقبال کو شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔

دہلی ایک بار پھر تباہ ہوا۔ تین روز تک قتلِ عام ہوتا رہا۔ پھر دہلی کی مساجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

میرٹھ میں ایک اور معرکہ ہوا جس میں الیاس افغان اور مولانا احمد تھانیسری نے دادِ شجاعت دی لیکن شکست کھائی۔ پھر ہردوار، سرمور اور شوالک پر یہ قہر نازل ہوا اور اس طرح تیمور بے شمار دولت، لونڈی، غلام اور اہلِ حرفہ کو سمیٹ کر واپس چلا گیا۔

اس کے بعد ایک بار پھر سمرقند میں ایک قاصد گھوڑا دوڑاتا ہوا داخل ہوا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ قاصد برصغیر سے خبر لے کر آیا تھا لیکن اس دفعہ اس نے خبر کو پوشیدہ رکھنے کے بجائے اپنے گھوڑے کو دائرے میں چکر دیتے ہوئے خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا:

"فتح۔ فتح۔ ہمارے امیر کو فتح ہوئی۔ برصغیر تسخیر ہوا۔"

فتح کی نوید پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگوں کی خوشی کا عالم دیدنی تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے ملکِ تاتار کے کئی حصوں میں بری بری خبریں اڑ رہی تھیں۔ کوہ قاف میں بغاوت پھوٹ پڑی تھی۔ سلطانِ بغداد نے عراق پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ امیر پریشان تھے کہ اگر تیمور کو برصغیر میں شکست ہو گئی تو کیا ہو گا۔ فتح کے اعلان سے ان کو اطمینان ہو گیا اور وہ امیر تیمور کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔

سمرقند میں اتنی سے جشن شروع ہو گیا۔ اب رات کو "زنگستان" میں چراغاں کیا جاتا اور برصغیر پر حملے اور فتح پر ہر روز دعوے سے بحث ہوتی۔ علما سب سے زیادہ خوش تھے۔ ان کے ذہن میں ایک نئی خلافت کا نقشہ ابھرا۔ جس کی حدود بغداد سے لے کر کنارِ گنگا تک نظر آتی تھیں۔

ایک بیان یہ ہے کہ تیمور دہلی کا محاصرہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ محاصرے کی صورت میں دہلی کی تباہی کا اندیشہ تھا۔ اس خیال کے پیشِ نظر اس نے قلعے سے دور کھلے میدان میں اپنی فوج کو اتارا۔ پھر اس نے فوج کے چاروں طرف خندقیں کھدوا کر فوج کو محفوظ کیا۔

اس بیان میں کوئی حقیقت نظر نہیں آتی کیونکہ چنگیز یا تیمور کے نزدیک شہروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی بلکہ وہ تو شہروں کو برباد کر کے دہشت پھیلاتے تھے تاکہ ان کے مدِ مقابل کے حوصلے پست ہو جائیں۔ تیمور نے اپنی فوج کے گرد خندقیں ضرور کھدوائی تھیں لیکن یہ بھی اس کی ایک جنگی چال تھی۔ جب ان خندقوں کی خبر دہلی کے لشکر میں پہنچی تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ تاتاری خوف زدہ ہیں اور کھلے میدان میں لڑنے سے کترا رہے ہیں چنانچہ دہلی کے لشکر نے آگے بڑھ کر حملے کا فیصلہ کیا۔ تیمور یہی چاہتا تھا کہ دہلی کا لشکر قلعہ بند نہ ہو کیونکہ اس طرح محاصرہ طول

پکڑ سکتا تھا۔ اگر محمود شاہ تغلق عقلمندی سے کام لیتا اور قلعہ بند ہو جاتا تو شاید دہلی ایسی آسانی سے تاتاریوں کے ہاتھ نہ آتا۔ تیمور نے ہاتھیوں سے نمٹنے کے لیے ناریوں کا استعمال کیا اس طرح جب آگ کے شعلے ہاتھیوں سے لپٹے تو وہ بے قابو ہو گئے۔

تیمور کا فاتح لشکر برصغیر کی فتح سے واپس ہوا تو تیمور نے چند دن اپنے وطن یعنی شہر سبز میں قیام کیا پھر تختِ قراچہ پہنچا۔ یہ ایک قلعہ تھا جو تیمور نے پہاڑی پر سیاہ پتھر سے تعمیر کرایا تھا۔

سمرقند میں لوگ اس کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ فوج کو باہر لاجورد سے شہر میں داخل ہونا تھا اس جگہ قالینوں کا فرش بچھایا گیا تھا۔ قلعہ کو جانے والی سڑک پر ریشمی کپڑا تھا۔ راستے کے دونوں طرف جتنے مکانات تھے، باغات اور دیواریں تھیں ان پر ریشمی کپڑا منڈھا گیا تھا جس پر زری اور کشیدہ کاری کا کام کیا ہوا تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ دکانوں کو آراستہ کیا گیا تھا۔ لوگ نیا لباس پہنے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

○

جس وقت تیمور کی سواری شہر کے قریب پہنچی تو امرا، وزرا، معززینِ شہر، مقامی اور باہر کے رؤسا نے باہر لاجورد سے آگے بڑھ کر تیمور کا استقبال کیا۔ مکہ مرائے خانم پورے جاہ و جلال اور اپنی کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ استقبال کرنے والوں میں موجود تھی۔ اس سے ذرا ہٹ کر شہزادی خانزادہ کھڑی تھی۔ خانزادہ کے دو بیٹے پیر محمد اور سلطان محمد اس حملے میں تیمور کے ساتھ تھے۔ مکہ مرائے خانم کا بیٹا شہزادہ شاہ رخ بھی برصغیر گیا ہوا تھا مرائے خانم اور خانزادہ کے دلوں کا حال اس وقت یکساں تھا۔ دونوں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ ان کے بیٹے زندہ سلامت واپس آئے ہیں یا ملک گیری کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔

آہن پوش سواروں میں پہلے خانزادہ کے بیٹے نظر آئے۔ خانزادہ کی کنیزوں نے ان پر سونے کا برادہ اور موتی نچھاور کیے۔ مرائے خانم کا بیٹا شاہ رخ مرزا بھی زندہ بچ آیا تھا۔ مکہ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس پر موتی نچھاور کرائے۔ پھر صاحبقران امیر تیمور کا گھوڑا سامنے آیا۔ اس پر اس قدر زر و جواہر نچھاور کیا گیا کہ ڈھیر لگ گیا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت سمرقند میں اور وہاں کے رہنے والوں کے پاس کس قدر دولت تھی۔

تاتاری لشکر شہر میں داخل ہو گیا لیکن لشکر کی آخری صفوں میں جو عجیب المخلوقات فوج تھی اسے دیکھ کر سمرقند والے دنگ رہ گئے۔ یہ برصغیر کے کوہ پیکر ہاتھی تھے۔ اہلِ تاتار اس جانور سے قطعی ناواقف تھے۔ لوگ انہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیرت سے دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ تیمور واقعی عظیم ہے جس نے ان متحرک پہاڑوں کو اپنے قابو میں کیا ہے۔

ہاتھیوں کے بدن پر مختلف قسم کے رنگوں سے پٹیاں بنائی گئی تھیں اور وہ اس طرح جھومتے جھامتے آ رہے تھے جیسے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اپنی جڑیں چھوڑ کر تیمور کے لشکر کے ساتھ چلنے لگی ہوں۔ ہاتھیوں کے چلنے سے گرد و غبار کا طوفان اٹھ رہا تھا اور اس میں ہاتھیوں کی مستکیں (سونڈیں) بڑے بڑے اژدہوں کی طرح لہرا رہی تھیں۔ تیمور کے ساتھ جو ہاتھی آئے تھے ان کی تعداد سینکڑوں سے اوپر تھی اور ان سب پر مالِ غنیمت لدا ہوا تھا۔ سونے چاندی اور جواہرات کے لیے وہ اپنے ساتھ کئی سو معمار اور کاریگر لایا تھا تاکہ وہ سمرقند میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائے۔

شام کو دربارِ خاص منعقد ہوا جس میں امراء اور بیگمات نے نذریں پیش کیں اور تیمور نے انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ سب سے آخر میں شہزادی خانزادہ قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئی۔ وہ سخت پریشان نظر آ رہی تھی۔ اسے اب تک علم نہ ہو سکا تھا کہ اس کے بیٹے شہزادہ خلیل اور شادی ملک کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا۔ کیونکہ شادی ملک اس وقت تک اپنے محل میں زیرِ حراست تھا اور اسے باریابی کی اجازت نہ ملی تھی۔

خانزادہ نے ادب سے سلام کر کے جواہرات سے بھرا ہوا ایک تھال تیمور کی نذر کیا اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ تمام دربار کی نظریں سمٹ کر خانزادہ پر آ گئی تھیں۔

"خانزادہ! تم اکیلی آئی ہو، شہزادہ خلیل کہاں ہے؟" تیمور نے بالکل سپاٹ لہجے میں کہا۔

خانزادہ کو پسینہ آ گیا۔ تیمور کے لہجے میں نہ نرمی تھی اور نہ سختی۔ وہ کچھ بھی اندازہ نہ کر سکی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"اے صاحبقراں خلیل اپنی غلطی پر نادم اور عتابِ تیموری سے خائف ہے۔"

"ہمیں سرائے خانم نے تمام حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔" تیمور کا لہجہ اب بھی کسی تاثر سے خالی تھا:

"شہزادے نے غلطی کی ہے لیکن شادی ملک اب شاہی خاندان میں شامل ہو چکا ہے۔ شہزادے اور شادی ملک کو کسی وقت ہمارے حضور پیش کرو۔"

"صاحبقراں!" شہزادی خانزادہ کا سر ادب سے کچھ اور جھک گیا۔

"فکر نہ کرو خانزادہ۔" تیمور کا لہجہ نرم پڑ گیا:

"سرائے خانم کی سفارش پر ہم نے دونوں کو معاف کر دیا۔"

خانزادہ نے سر اٹھا کر سرائے خانم کو دیکھا جو تیمور کے تخت کے دائیں جانب پوری شاہی تمکنت سے بیٹھی تھی

ر کی دوسری جانب منگلی خان کی بیٹی بیٹھی تھی۔

خانزادہ کی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو لرز رہے تھے لیکن اس کے دل میں یہ خیال ضرور ہو گا کہ آج راں کا شوہر جہانگیر زندہ ہوتا تو اس کا رتبہ اس دربار میں کچھ اور ہوتا۔ لوگوں کا عام تاثر یہی تھا کہ تیمور کے د خانزادہ کا بیٹا پیر محمد اس کا جانشین ہو گا لیکن اس کا حریف سرائے خانم کا بیٹا شاہ رخ تھا جس کی ماں بکۂ عالم صاحبِ اقتدار تھی۔

○

صاحبقراں امیر تیمور گورگاں بلاشبہ دنیا کا عظیم ترین فاتح تھا۔ اس کی تمام تر زندگی مہمات میں گزری۔ اس نے ی زندگی کے پہلے تیئیس سال جنگی مہارت کے حصول میں گزارے اور زندگی کے باقی ایام فتوحات میں صرف ہوئے رنے جب اور جہاں کبھی یلغار کی، فتح نے اس کے قدم چومے۔ اس کے لشکر کے طوفانی حملے کو پہاڑ تک نہ روک ے تھے۔ روس، افغانستان، ایران، خلیج فارس اور ترکی کے بیشتر علاقوں پر اس کا پرچم لہرایا۔ اس جنگجویانہ زندگی اسے اپنی ایک ٹانگ سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ اسے دو بیٹوں شہزادہ جہانگیر اور شہزادہ عمر شیخ مرزا کی موت دمہ برداشت کرنا پڑا۔ تیسرے بیٹے میران شاہ کے پاگل پن نے بھی اسے پریشان کیا لیکن اس نے اپنی فتوحات کا لہ جاری رکھا۔

آخر ۸۰۷ھ (۱۴۰۵ء) میں اس نے چین پر چڑھائی کی۔ ممکن ہے وہ چین اس لیے فتح کرنا چاہتا ہو کہ اس کے اجد چنگیز خان نے اس ملک کو فتح کیا تھا اور وہ چنگیز خان کی سفاکانہ فتوحات سے کسی طرح پیچھے نہیں رہنا چاہتا یں اس کی یہ آرزو اس کے دل ہی میں رہ گئی۔ اس نے شدید سردی کی پروا نہ کی اور دریائے سیحوں سے اتر کر رکے مقام پر قیام کیا۔ وہاں وہ سخت بیمار پڑا اور اتنی بڑی سلطنت چھوڑ کر اس دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو ہی نہیں بلکہ جب اس کی لاش سمرقند واپس لائی گئی تو شہر کے دروازے اس پر بند تھے۔

امیر تیمور نے آخری وقت میں خانزادہ کے بیٹے شہزادہ پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا لیکن اس کی شہادت وہی امیر دے سکتے تھے جو تیمور کی موت کے وقت موجود تھے۔ پیر محمد اس وقت کابل اور پنجاب کے انتظام میں ن تھا۔ سرائے خانم کا بیٹا شاہ رخ مرزا نے تیمور کے مرنے کی خبر پاتے ہی خراسان میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا سمرقند کا تخت خالی تھا۔ تیمور کی دونوں بیگمات تیمور کے ساتھ گئی تھیں۔ سمرقند میں اگرچہ کوئی موجود تھا تو وہ خانزادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا بدنام بیٹا شہزادہ خلیل سلطان تھا۔ خانزادہ اب تک درپردہ اسی کے لیے کوشش کرتی رہی تھی۔ چنانچہ اس نے سمرقند میں موجود تمام امیروں کو خلیل سلطان کے حق میں رام کر لیا اور اس طرح شادی ملک کا شوہر سمرقند کا تاجدار بن گیا۔

سمرقند کا نائم شہر چونکہ شہزادہ خلیل سلطان کی وفاداری کا اعلان کر چکا تھا اس لیے اس نے شہر کے تمام دروازے بند کرا دیے اور تمام امرا اور دونوں بیگمات جو تیمور کے جنازے کے ساتھ تھیں، رات بھر سردی میں اکڑتے رہے۔ صبح اس وقت ان کو داخلے کی اجازت ملی جب انہوں نے شہزادہ خلیل سلطان کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔

خلیل سلطان صرف پانچ سال تک حکومت کر سکا۔ پھر سرائے خانم کے بیٹے شاہ رخ مرزا نے ایک امیر برولاس کے تعاون سے خلیل سلطان کو معزول کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ شاہ رخ مرزا نیک دل انسان تھا۔ اس نے خلیل سلطان کے لیے معقول وظیفہ مقرر کیا لیکن خلیل سلطان یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا اور چند ہی دن بعد وفات پا گیا۔

خلیل سلطان کی بیوی ایرانی کنیز شادی ملک نے اس کا آخری وقت تک ساتھ دیا اور وفاداری کی انتہا یہ کی کہ خلیل سلطان کی موت کے ساتھ خود بھی ختم ہو گئی۔ اس کی موت کے سلسلے میں عبداللہ رازی لکھتے ہیں،

"این خانم (شادی ملک) ہم طریق وفادار از دست نداد۔ وچوں خلیل سلطان رحلت کرد۔ با ضرب خنجر خود را بگشت و ہر دو را در یک قبر دفن کردند"

یعنی:

"شادی ملک بھی ایک وفادار عورت تھی۔ اس نے خلیل سلطان کی موت پر خود کو خنجر مار کر ہلاک کر لیا اور دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔"

○

ختم شد